

بھاری نمبر

گھر کے ہر فرد کے لئے

# پاکینہ

مارچ 2015

گلشن

معارف و مسائل

WWW.PAKSOCIETY.COM

نگہت سیمال اور رفاقت جاوید کے متاثر کن ناول  
عالمی یوم خواتین پر شائستہ زریں کا پڑ بھار سروے  
اداکارہ سنبل اقبال کی پُر لطف باتیں

REGD. NO. SS-12

Monthly PAKEEZA

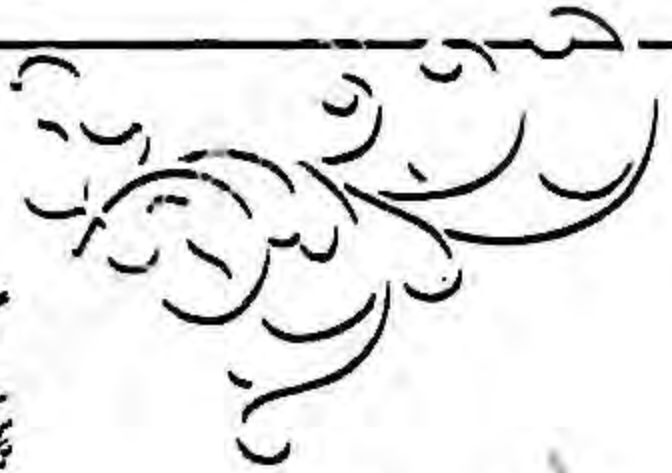
MAR - 2015 PRICE RS. 60/=

## انسانے

- 47 گرز چکی ہے فیصلہ کن نگہت فرزانہ  
77 پسر کی ہوا کی ام شامہ  
93 میر اور زینب جانی کی روشانی عبدالقیوم  
99 شیریں حیدر  
109 طوفان کے گردے فرحت احمد  
117 آئینہ حرمی سحرش فاطمہ  
151 چراغِ حیاتِ انور نظیر فاطمہ  
155 آہنِ بختیاری نادیہ جہانگیر  
163 چادر اور چادر نو بھری بشری باجوہ  
193 برون تیاران بنت حوا  
199 محبت جذبہ دل سلمیٰ غزل  
209 آئینہ حرمی سیما بنتِ عاصم  
243 آئینہ حرمی سیما رضا ردا  
253 پتلی کھینک کی قرۃ العین شکیل

## خصوصی مضامین

- 258 قسانہ کس حقیقت کیے رضوانہ پرنس  
265 پسر کی شائستہ زریں



## اداریہ

- 15 مدیرہ مجھے کچھ کہنا ہے  
18 نگہت سیما  
168 رفاقت جاوید

## سلسلہ وار ناول

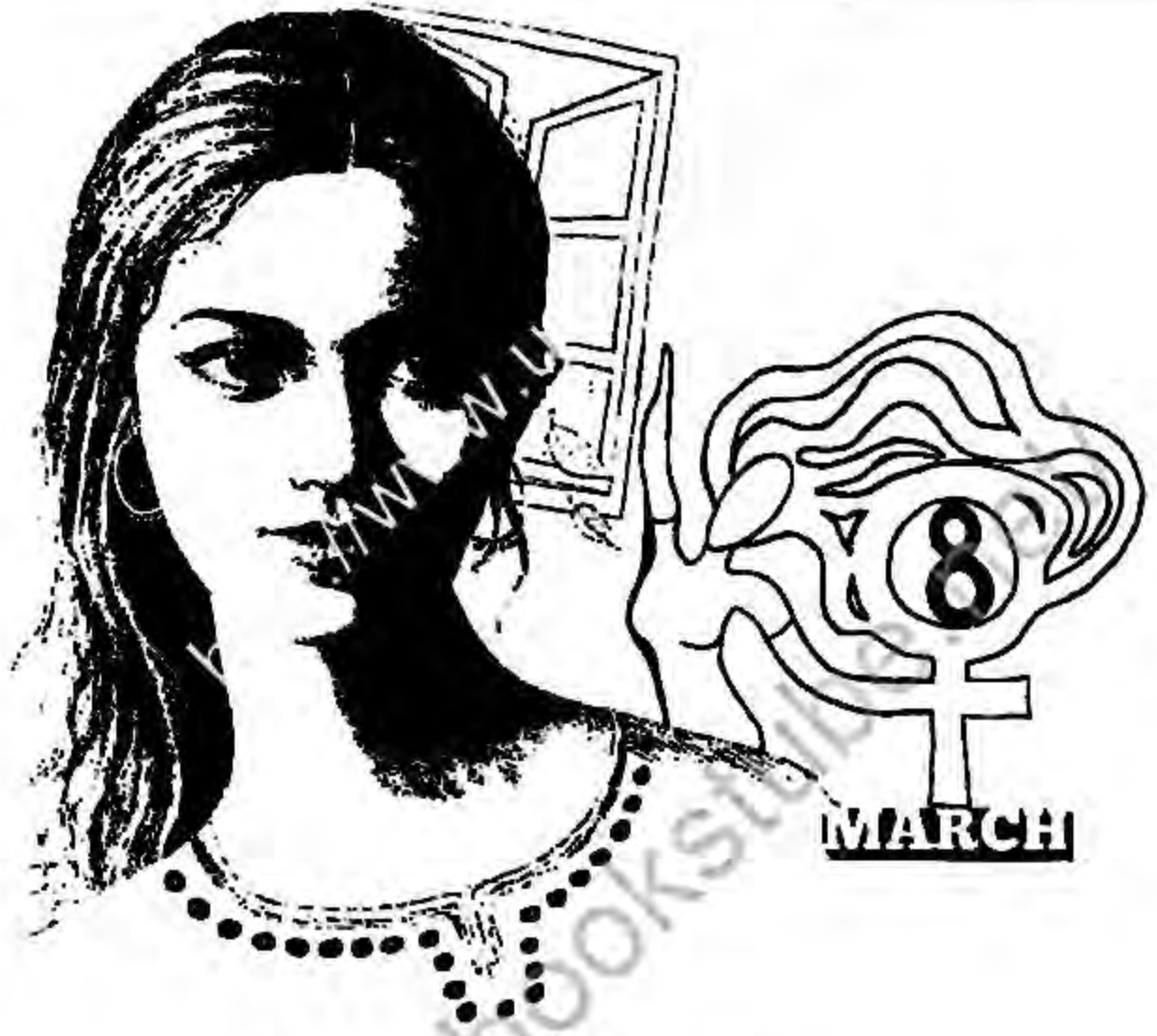
## ناولٹ

- 54 نبیلہ ابر راجا متراغی دن  
212 زمر نعیم

## مکمل ناول

- 120 زاہدہ پروین

پبلشر پرو پرائٹرز: ڈیشنل رسول مقاسات شاعت نگر اور نڈ فلور 63 فیٹا ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500  
پرنٹر: جمیل حسن، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



### مستقل عنوانات

296	پاکیزہ بہنیں	خوش فائقہ	16	ادارہ	دین کی باتیں
298	پاکیزہ بہنیں	سندھ لیسے	272	مدیرہ	بہنوں کی محفلاً
300	ادارہ	روحانی مشورے	286	عظمیٰ آفاق سعید	پاکیزہ ڈائری
302		ہومیوکلینک	290	انجم انصار	جلت رنگ
			294	صغریٰ زیدی	میں اکثر نگینا تلی ہوں

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.  
 Postal Address: Box No. 662, G.P.O., Karachi-74200  
 Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



جاسوسی ڈائجسٹ میں

# انگاریے



ایک نیا شاہکار سلسلہ  
آپ کے محبوب مصنف کے قلم سے  
زندگی کی رعنائیاں اور ہولناک سچائیاں  
اپنے دامن میں سمیٹے  
ایسی طویل، سنسنی خیز اور تھیرانگیز کہانی

جسے قارئین ایک ہی نشست میں پڑھنے پر خود کو مجبور پائیں گے

اس دلچسپ داستان کے مصنف کا صحیح نام

بھیجنے والے قارئین کے نام اگلے شمارے میں شائع

کیے جائیں گے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے

دس کامیاب قارئین کو مئی 15 کا شمارہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک مفت ارسال کیا جائے گا



”جب سے میں نے ہوش سنبھالا..... پریشانوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔“ یہ شکوہ ہم اکثر لوگوں سے سنا کرتے ہیں۔ اگر میں خوب صورت ہوتی، اگر ہمارے پاس پیسہ ہوتا، اگر ہمیں بھی کوئی سنہری موقع مل جاتا..... اگر ہمارا بھی کوئی بڑا انعام نکل آتا..... یہ شکوے بھی اب ہر دوسرے نہیں تو چوتھے شخص کی زبان پر ضرور موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ، ساتھ ایسے لوگ بھی ہمیں نظر آتے ہیں جو ہر حال میں خوش رہتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی تن آسانی کا نام نہیں بلکہ ایک جہد مسلسل کا نام ہے۔ وہ دشواریوں کا رونا نہیں روتے بلکہ ان سے دامن بچانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور آج آپ سے یہی کہنا ہے کہ سخت ترین جگہ وہ ہوتی ہے جو ہم حوصلہ شکنی کے خلاف لڑتے ہیں..... یہ وہ مہلک اور ہولناک بیماری ہے جو ہماری شدید ترین آرزوؤں، تمناؤں اور حوصلوں کے سوتے خشک کر کے رکھ دیتی ہے۔ یاد رکھیے..... زندگی کا سنہری اصول آج بھی یہی ہے کہ کوشش نہ کرنے سے کوشش کر کے ناکام ہو جانا لاکھ درجے بہتر ہے۔ جو لوگ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی فکر کیے بغیر کوشش کرتے رہتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کو اپنی ناکامی کا اتنا یقین ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ دوسروں پر یقین کرنے کے بجائے اللہ کی ذات پر یقین رکھیں اور اپنی صلاحیتوں اور محنت پر اعتماد کر کے جدوجہد کرتے رہیں۔ انشاء اللہ کبھی ناکام نہیں ہوں گے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور وہی ہم سب کا رازق ہے۔

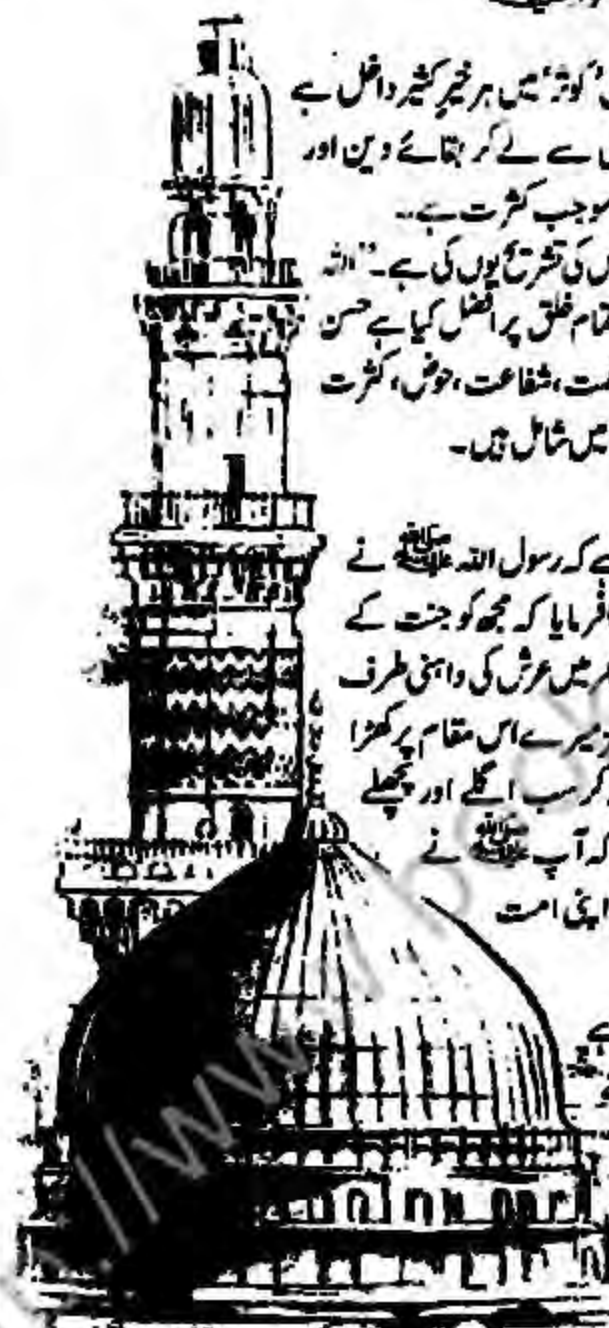
مدیر  
انجم انصار

## دین کی باتیں

اور اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچتے رہو پھر اگر تم اعراض کرو گے تو جان لو کہ تمہارے رسول پر صاف صاف پہنچا دینا (فرض) ہے (۹۲) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں اس چیز میں کہ وہ اس کو چاہیں جبکہ انہوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے پھر انہوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لائے پھر انہوں نے پرہیزگاری کی اور نیک کام کیے اور اللہ سبلی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۹۳) اے ایمان والو! (حالتِ احرام میں) کچھ شکار سے کہ اس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکتے ہوں ضرور اللہ تمہاری آزمائش کرے گا تاکہ اللہ اس کو ممتاز کر دے جو غائبانہ اس سے ڈرتا ہے پس جو کوئی اس کے بعد (اللہ کے حکم سے) آگے بڑھ جائے گا (اور اس شکار پر ہاتھ ڈالے گا) تو اس کے لیے درد دینے والا عذاب (تیار) ہے (۹۴) اے ایمان والو! حالتِ احرام میں تم شکار کو نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی اسے قصدا مارے گا تو جس (شکار) کو مارا ہے چوپایوں میں سے اس کا شل جسے تم میں سے دو معتبر آدمی تجویز کر دیں (اس جرم کا) بدلہ ہے۔ قربانی ہو کہ جسے تک پہنچے والی (یعنی کعبے کی حد میں لے جا کر قربانی کی جائے) یا (اس جرم کا) کفارہ فقیروں کو کھانا کھلاتا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا (یہ کفارہ وغیرہ اس لیے ہے) کہ وہ اپنے کام کی سزا کا مزہ چکھ لے جو کچھ نذر چکا اس سے اللہ نے درگزر فرمائی اور جو کوئی دوبارہ کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب (اور) صاحبِ انتقام ہے (۹۵) تم کو دریا کا شکار اور اس کا کھانا جائز کر دیا گیا (مغض) تمہارے فائدے کے لیے اور قافلے کے لیے اور جنگل کے جانوروں کا شکار جب تم احرام میں ہو تم پر حرام کر دیا گیا اور تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم (مرنے کے بعد) اٹھائے جاؤ گے (۹۶) (سورہ مائدہ آیت نمبر ۹۲-۹۶)



## سیدنا محمد ﷺ



۱۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں 'کوثر' میں ہر خیر کثیر داخل ہے اور اس خیر میں مراتب قرب و درجہ عالی سے لے کر بتائے دین اور ترقی اسلام سب کچھ شامل ہے جو بذات خود موجب کثرت ہے۔  
 ۲۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔ "اللہ نے آپ ﷺ کو فضائل کثیرہ عنایت کر کے تمام خلق پر افضل کیا ہے حسن ظاہر، حسن باطن، نسب عالی، نبوت، کتاب و حکمت، شفاعت، حوض، کثرت فتوح، نعمتیں اور جن کی کوئی حد نہیں، یہ سب کوثر میں شامل ہیں۔  
 ۳۔ الحدیث:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بعد انشاق الارض کی حالت کی نسبت) فرمایا کہ مجھ کو جنت کے جوزوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی داہنی طرف کھڑا ہوں گا کہ کوئی شخص خلاق میں سے جزیرے اس مقام پر کھڑا نہ ہوگا۔ (آپ ﷺ کو اس مقام پر دیکھ کر سب اگلے اور پچھلے دھک کر رہ گئے) ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی مقام محمود ہے جہاں سے میں اپنی امت کی سفارش کروں گا۔

۲۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے جہاں تک کہ معاملہ حضور ﷺ تک پہنچے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔

تیسرہ حیات کی کتاب انوار اسمائہ نبی ﷺ سے اقتباس



## اعتبارِ وفا

قسط 7

### گہست سیا

یہ سچ ہے کہ محبت سے وقت کا وزن نہیں ہوتا... گنگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کہا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سنبھالنی تک نہیں دیتی۔ ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جسے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل باٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور سامان لیا جائے... کہ محبت کا اولین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے ویسے کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دھول کتنی مسافتوں کی جھی ہوئی ہے  
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تھے ہوئے ہیں  
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ  
کہاں کا ذکر سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں



Copied From Web





Copied From V



شرحیات وہاں انٹرنس پر ہی ایک بڑے سے آرائشی کلمے کے پیچھے رخ موز کر کھڑا ہو گیا۔ اس پر ہلکی سی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔

”یہ..... یہ یہاں؟“ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زندگی کے اس موز پر اس کا اس سے سامنا ہو، وہ اپنے لیے آئندہ زندگی کا جو پلان بنا رہا تھا اس میں ماضی کے کسی حوالے کی گنجائش نہیں تھی۔ خاص طور پر اسے تو اب وہ کبھی دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنی اور عقلم کی زندگی میں کوئی لاپرواہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ وہیں ہلر پر ہاتھ رکھے کلمے کے پیچھے اس طرح کھڑا تھا کہ جب تک اندر سے آنے والا چکر کاٹ کر اس کے سامنے نہ آتا اس کا چہرہ نظر نہیں آسکتا تھا۔ عقلم اپنی جھونک میں آگے نکل گیا تھا بلکہ ٹھیک کر رک گیا تھا اور کچھ دیر کے لیے اس کے ذہن سے شرحیات کا خیال نکل گیا تھا۔ ان بیٹے دنوں میں ہر رات اس نے دعا کی تھی کہ وہ لڑکی پھر کبھی مل جائے تو..... اور ہر بار اس نے سوچا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے، اس اتنے بڑے شہر کراچی میں وہ اس لڑکی کو دوبارہ دیکھ سکے جس کی ایک جھلک نے کئی راتوں اسے جگایا تھا۔ وہ اسے بلانا چاہتا تھا، بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پہچان کا کوئی رنگ نہیں تھا۔ وہ ایک سرسری سی نظر ڈال کر اپنے ساتھ والی لڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ جس نے شوخ رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اس نے میک اپ بھی کر رکھا تھا اور خاصی شوخ و شریک بنی تھی جبکہ وہ آج بھی بغیر میک اپ کے تھی اور اس کا چہرہ ویسا ہی سپاٹ تھا، بے تاثر سا..... کیا تھا اگر اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ جھلملاتے، لمبے بھر کے لیے ہی سہی، آخر بک شاپ پر وہ کاؤنٹر پر کانی دیر کھڑی رہی تھی اور کیا عقلم ایسا لڑکا تھا کہ جسے ایک بار دیکھنے کے بعد کوئی دوسری بار پہچان نہ سکے۔ عقلم کو انہوں نے پھر سے خود ہی اپنی کیفیت پر ہنسی آگئی۔ اس روز بک شاپ تک آتے اور بک شاپ کے اندر نہ جانے کتنے لوگوں کو دیکھا ہوگا اور ضروری تو نہیں کہ اس نے مجھے بھی اسی دھیان سے دیکھا ہو جس سے میں نے اسے دیکھا تھا۔ اور اگر دیکھا بھی تھا تو ضروری تو نہیں کہ اس نے مجھے بھی ہو۔ اس نے شرحیات کو دیکھنے کے لیے ادھر ادھر نظر دوڑائی وہ اسے کلمے کے پاس ہلر پر ہاتھ رکھے کھڑے نظر آئے۔

”پاپا.....!“ وہ تیزی سے اس کی طرف آیا تو وہ اب رخ موز چکے تھے اور ہلر پر ہاتھ رکھے گلاس ڈور سے باہر دیکھ رہے تھے۔ وہ پارکنگ کی طرف جا چکی تھی اور وہ سوچ رہے تھے کہ ”یہ..... یہاں؟“

”پاپا.....“ اس نے قریب آ کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”آپ ٹھیک تو ہیں ناں..... اس طرح کیوں کھڑے ہیں؟“

”بس یونہی چکر سا آ گیا تھا۔“ وہ مسکرایا۔

”سوری پاپا..... میں اپنے دھیان میں آگے نکل گیا۔“ وہ تشریح سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ”مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ آپ پیچھے رک گئے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو واپس چلتے ہیں گھر۔“

”ایسا کچھ نہیں، ٹھیک ہوں میں۔“

”سوری پاپا..... آپ تھکے ہوئے تھے ناں..... آپ کو آرام کرنا چاہیے تھا۔ لیکن بس میرا جی چاہتا تھا کہ ہم اکٹھے باہر نچ کریں اور پھر کسی ڈرائیو پر جائیں، ڈیڑھ ساری باتیں کریں، سچ تو ویسے بھی آپ نے چلے جانا ہے۔“

”کوئی بات نہیں میری جان، تم یونہی پریشان ہو گئے، میں بالکل ٹھیک ہوں..... چلیں؟“

”نہیں پاپا..... اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو واپس چلتے ہیں بلکہ مجھے لگ رہا ہے کہ آپ ٹھیک نہیں ہیں۔“

آدمی بہت حریف ہوتا ہے ناں پاپا..... اتنے دن آپ جو نہیں گھنٹے میرے ساتھ رہے اور میں حرید کی حرص کر رہا ہوں۔“

”تو کرو میری جان حرید حرص کر دتا کہ میں جلد از جلد اس جال سے نکل کر تم تک پہنچ جاؤں۔“ شرحیات مسکرایا۔

”کیسا جال پاپا؟“ عقلم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ..... یہی بزنس کا جال جو پھیلا رکھا ہے.....“ شرحیات نے بات کر کے قدم آگے بڑھایا۔

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

”چلو.....“ اور دونوں ایک خالی میز کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

موتیا بیڈ پر نیم دراز تھی۔ سنہری اس کے قریب ہی بیٹھی ناخنوں سے کیٹیکس اتار رہی تھی۔ نچے کارپٹ پر دیوار کے ساتھ لگے میٹرز پر دیوار سے ٹیک لگا۔ نئے بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

یہ بیٹوں کا مشترکہ کمر تھا کیونکہ یہ صرف دو بڑے کالینٹ تھا۔ ایک بیڈروم شاہجہان بیگم کے پاس تھا۔ موراس بھی انہی کے کمرے میں نچے کارپٹ پر اپنا بستر لگا لیتی تھی۔ ظہور ادن بھر تو جہاں بھی ہوتا پردات کو لاؤنج میں سوتا تھا۔ شاہجہان کے باقی ہندے سازندے وغیرہ ایک الگ کمر میں رہتے تھے۔ شاہجہان کو ضرورت ہوتی تو انہیں بلا لیتی۔ ان کا خرچہ پانی، گھر کا کرایہ وغیرہ سب اس کے ذمے ہی تھا۔ چونکہ بیڈروم زیادہ بڑا نہیں تھا اس لیے ایک ڈبل بیڈ کے علاوہ ایک میٹرز، بچھا دیا گیا تھا۔ موتیا اور سنہری بیڈ پر سوتی تھیں۔ نچلے میٹرز پر..... میٹرز پر اس کی کتابیں وغیرہ بھی پڑی رہتی تھیں۔ جب پڑھ لیتی تو دیوار گیر الماری میں رکھ دیتی اور مزید لے آتی۔ اس وقت بھی عکسے کے پاس دو تین کتابیں پڑی تھیں اور ایک اس کے ہاتھ میں تھی۔

”ایک بات میری کچھ میں نہیں آتی موتیا کہ یہ اماں کو کیا ایک کراچی آنے کی کیا سوتیں۔ اچھے بھلے تو رہ رہے تھے وہاں۔“ سنہری نے ناخنوں سے نیل پالش اتارتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”اماں کو کیا ایک کوئی بات نہیں سوچتی سنہری، وہ مہینوں سے پروگرام بنا رہی تھیں۔“ موتیا نے اس کے ہاتھ سے نیل پالش ریکورڈ لیا اور خود بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ”کیا تم نئی نیل پالش لائی ہو؟“

”ہاں.....“ سنہری نے سر ہلایا..... اور روئی اس کی طرف بڑھائی۔

”لیکن موتیا، اماں نے کراچی آنے کا فیصلہ کیا ہی کیوں؟ وہاں لاہور میں ہم کتنا خوش تھے۔ یہاں آئے سال ہونے والا ہے لیکن میرا ڈرا دل نہیں لگا ابھی تک۔“

”پتا نہیں۔“ موتیا بھی اب ناخنوں سے نیل پالش اتار رہی تھی۔ ”لیکن اماں کوئی کام بلا وجہ نہیں کرتیں۔ کوئی مقصد تو ہوگا ان کا۔“

”کیا مقصد ہوگا بھلا؟“ سنہری بڑبڑاتے ہوئے اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے دو تین نیل پالش نکالیں اور واپس بیڈ پر بیٹھتی ہوئے موتیا کی طرف دیکھا۔ ”وہاں محلے کا سب سے بڑا اور شاندار گھر تھا ہمارا..... سب محلے والیاں رشک کرتی تھیں اور سب سے زیادہ رونق بھی تو ہمارے چوہارے پر ہوتی تھی..... بالی اور رادھا میری کتنی اچھی سہیلیاں تھیں..... اور یہاں یہ.....“ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ”یہ دو پالشت کا کلیٹ..... میرا تو دم گھٹتا ہے

اس قید خانے میں..... اوپر سے اماں کا حکم کہ کسی بھی بلڈنگ والے سے فالٹو بات نہیں کرنی..... وہ نچے کے کلیٹ والی لڑکی نہیں ہے گول مٹول سی، اس نے تو کل مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن اماں کا آرڈر.....“

”ہیں..... تجھے وہ کہاں ملی؟“ موتیا نے حیرت سے پوچھا۔

”میٹھیوں میں اور کہاں۔“ سنہری نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھائی اور نیل پالش کی ایک شیشی اس کی طرف بڑھائی۔ ”لو یہ ٹرائی کرو، بہت پیارا لکڑے۔“

موتیا نے شیشی لے لی تو وہ خود بھی نیل پالش اسے ناخنوں پر لگانے لگی۔

”موتیا تم چلوگی میرے ساتھ نچے والی لڑکی کے گھر؟“

”نہیں.....“ اس نے تکی میں سر ہلایا۔ ”تمہیں پتا تو ہے اماں نے منع کر رکھا ہے، آس پاس کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھنے سے۔“

”لیکن کیوں موتیا، اس میں حرج ہی کیا ہے؟“ سنہری نے اپنے ناخنوں پر پھونک مارتے ہوئے موتیا کی

طرف دیکھا۔  
 ”اس لیے کہ لوگوں کو ہماری حقیقت پہ عمل گئی تو انہوں نے ہمیں یہاں نہیں رہنے دینا۔“  
 سہل نے کتاب سے نظریں ہٹا کر سنبھری کی طرف دیکھا اور پھر کتاب پر نظریں گاڑ دیں۔ سنبھری لمحہ بھر کے لیے شپٹا گئی۔

”کیا ہمارے ماتھوں پر لکھا ہے کہ ہم کون ہیں؟“ سنبھری بڑبڑائی اور دوسرے ہاتھ پر نیل پالش لگانے لگی۔  
 نیل پالش لگا کر اس نے پھونک مارتے ہوئے موتیا کی طرف دیکھا جو بہت اطمینان سے اپنے لیے ناخنوں پر نیل پالش لگا رہی تھی۔ لمحہ بھر وہ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر پیشی رکھ کر سہل کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی جو اس سے بے نیاز کتاب پڑھنے میں مگن تھی۔

”سب تو تمہیں ہی تو لاہور یاد آتا ہوگا؟“

”ہاں.....“ سہل نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

”تمہاری پڑھائی بھی تو چھوٹ گئی ہے، تمہیں انیسویں تو ہونا ہوگا۔ اتنا شوق جو تھا تمہیں پڑھنے کا..... اور پھر وہ تمہاری سہیلی کیا نام تھا اس کا آمنہ..... جس کی بہت ساری تصویریں تمہیں تمہارے پاس اور جو تمہاری چشموں میں تمہیں روز فون کرتی تھی۔ وہ تو ضرور یاد آتی ہوگی ناں تمہیں.....“ سہل نے بس ایک نظر اٹھا کر سنبھری کی طرف دیکھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”سب تو تمہیں ہی تو لاہور یاد آتی ہوگی ناں تمہیں.....“ سہل نے بس ایک نظر اٹھا کر سنبھری کی طرف دیکھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”سب تو تمہیں ہی تو لاہور یاد آتی ہوگی ناں تمہیں.....“ سہل نے بس ایک نظر اٹھا کر سنبھری کی طرف دیکھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پھول گیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے سنبھری۔“ اس کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن آنکھوں میں گداز سا تاثر لیسے بھر کے لیے نمودار ہو کر معدوم ہو گیا تھا۔

”تو پھر کیا ہے؟ دس باتیں کر دو تو ایک کا جواب دیتی ہو۔“ سنبھری کا منہ ہنوز پھولا ہوا تھا۔  
 ”تمہاری باتوں کا کیا جواب دوں سنبھری..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا اور میری باتیں تمہیں سمجھ نہیں آتیں۔“  
 ”تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہ آئیں تو ٹھیک ہے، ہم تمہاری طرح پڑھے لکھے نہیں ہیں لیکن ہماری باتیں تو تمہیں سمجھ آنی چاہئیں ناں۔ ایک ہی ماحول میں ایک ہی جگہ سٹے پڑھے ہیں..... بچپن میں تو تم میری گود سے اترتی ہی نہیں تھیں۔ ڈھنگ سے اٹھانا بھی نہیں آتا تھا پھر بھی میری گود میں چڑھی رہتی تھیں۔“ سنبھری نے ہلکے ہلکے ہنسی سے اسے دیکھا تو وہ تادم ہو گئی۔

”سوری سنبھری.....“ اس نے کتاب اونٹھی کر کے رکھ دی اور دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ”چلو ادھر میرے پاس بیٹھو اور کرو باتیں..... میں سن رہی ہوں.....“ سنبھری اس کے قریب ہی میٹرز پر بیٹھ گئی۔

”میں تو بس یہ پوچھ رہی تھی کہ تمہیں لاہور یاد آتا ہے۔ یہاں دل لگ گیا ہے تمہارا؟“  
 ”میرے لیے تو ساری جگہیں ایک جیسی ہیں سنبھری..... پھر بھی یہاں لاہور کی نسبت اچھا ہے..... کم از کم یہاں اس کیفیت میں رہتے ہوئے ہم کچھ دیر کے لیے سہی خود کو دھوکا تو دے سکتے ہیں کہ ہم وہ نہیں ہیں۔“

”لیکن وہاں.....؟“ سنبھری نے کہا کہنا چاہتی تھی لیکن پھر اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔  
 ”مجھے پتا ہے تمہارا دل وہاں لگتا تھا یہاں نہیں لگتا۔ یہاں بھی تو کوئی نہ کوئی ایسا شادی محلے جیسا محلہ ہوگا ناں..... جہاں ہم جیسے رہتے ہیں پھر پتا نہیں اماں نے یہاں رہنا کیوں پسند کیا..... تم اماں سے کہو ناں کہ تمہارا دل یہاں نہیں لگتا کسی ایسی ہی جگہ پر چلیں جہاں ہم جیسے رہتے ہوں۔ یہاں رہنے سے نہ ہماری اصلیت بدلی ہے نہ

## اعتبار و وفا

کام، آخر تم لوگ جا تو رہا، برتاؤ ناچنے، گانے.....“ گل کے لہجے کی تلخی کو موتیا نے بیٹھے گھونٹ کی طرح اندر اتارتے ہوئے سوجا۔ ”گل اگر خاموش رہتی ہے تو اچھا کرتی ہے، یہ سنہری کو بھی خواہ خواہ پنکا لینے کا شوق ہے۔“ موتیا کو بھی اماں کی طرح گل سے بے حد محبت تھی وہ گل سے کسی کچھ نہیں کہتی تھی۔ گل جو بچپن سے ہی کم گوئی جب بولتی تو اس کی باتوں کی مٹی موتیا کو دیر تک اپنے اندر محسوس ہوتی رہتی۔

”ہم جو ہیں سب، وہ ہیں ہم نہ اپنی اصلیت بد۔ لے پر قادر ہیں نہ..... خیر چھوڑو..... یہ ایسی بات ہوگی۔ اور سنہری سنو تمہیں ایک بات بتاؤں۔“ وہ گل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر سنہری سے مخاطب ہوئی۔

”کیا.....؟“ سنہری اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”بہت جلد تمہاری اس بند قلیٹ سے جان چھوٹ جائے گی۔ اس یہ قلیٹ چھوڑ کر ایک پچھلے میں ختم ہونے والی ہیں۔“

”کیا..... اماں کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہے یا اس عمر میں کوئی رئیس نذا ہو گیا ہے اماں پر؟“ سنہری کا انداز منگھو بھی تھا گل نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔

موتیا کو ہنسی آگئی۔

”پتا نہیں خزانہ ہاتھ آیا ہے یا کوئی رئیس..... نذا ہوا ہے لیکن اماں غصے سے کہہ رہی تھیں کہ قلیٹ کے مالک کو بتا دینا کہ اگلے ماہ ہم قلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔“

”جی؟“ سنہری نے پاس بیٹھی موتیا کے بازو پر ہاتھ مارا۔ موتیا نے گھور کر اسے دیکھا۔

”دیکھنے میں اتنی دلی تھی ہے اور ہاتھ اتنا ہمارا ہے تیرا۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ مجھ سے دور بچھا کر یا ہاتھ بچھا کر رکھا کر۔“ لیکن سنہری نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لے کر موتیا کی طرف دیکھا۔

”ہائے ہم پر آج تک کوئی ایسا نذا نہ ہوا جی کہانیاں اماں سناتی ہیں۔ ہماری پڑتانی پر ایک نواب ایسا نذا ہوا کہ اپنی اتنی بڑی گل نما حویلی اس کے نام کر دی اور وہ کیا نام ہے راوہا..... راوہا کی مانی کی ماسی (خالہ) پر تو ایسا عاشق ہوا کہ بیاہ کر ساتھ ہی اپنے گل میں لے گیا..... پتا نہیں اماں کی کہانیاں کتنی سچ ہیں پر میرا بڑا ہی چاہتا ہے کہ مجھ پر بھی کوئی نواب عاشق ہو جائے اور اپنا گل میرے نام کر دے۔“

”آج کل ایسے نواب نہیں ہوتے سنہری..... اماں بھی جانے کن وقتوں کی باتیں کرتی ہیں۔“ موتیا ہزار ہوئی۔

”اچھا گل نہ سبھی، دو کروں کا مکان ہی سہی۔“

”گل اب زیادہ خواب نہ دیکھ۔ ذرا دیکھ موداں باہر لاؤ نج میں بیٹھی ہے؟“ سنہری اٹھی دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور پھر مڑ کر موتیا کی طرف دیکھا۔

”ہاں..... نی وی دیکھ رہی ہے، بلاؤں اسے؟“

”ہاں..... نہیں.....“ موتیا نے اپنے ناخنوں کا جائزہ لیا۔ نیل پالش خشک ہو چکی تھی۔ اس نے سنہری کی طرف دیکھا جو ابھی تک دروازے کا پٹ تھا مے کھڑی تھی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر پٹا کچھ کہے لیٹ گئی اور منہ دیوار کی طرف کر لیا۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ اب اس نے سنہری کی کسی بات کا جواب نہیں دینا۔ سنہری کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر آ کر میٹرز پر گل کے پاس بیٹھ گئی۔

لاہور کے شب دروز یہاں کے شب دروز سے بالکل مختلف تھے۔ وہاں اس کے پاس سوچنے کے لیے فراغت نہیں ہوتی تھی۔ دن بھر سونا شام کو چار ہو کر انتظار کرنا پھر گانے بجانے اور رقص کی محفل..... لیکن یہاں تو جیسے سب روٹین بدل گئی تھی اور فارغ وقت میں سیکڑوں باتیں اس کے دماغ میں آتی چلی جاتیں۔

”سجھو.....“ اس نے گل کا بازو ہلایا جو سنہری اور موتیا کو باتیں کرنا دیکھ کر پھر کتاب اٹھا چکی تھی۔ گل نے کتاب سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہ جو تو ہر وقت پڑھتی رہتی ہے، ان کتابوں میں کیا لکھا ہوتا ہے؟“

”کہانیاں.....“ گل کا جواب مختصر تھا۔

”کیسی کہانیاں سجھو؟“ سنہری کے لہجے سے اشتیاق۔

”جیسی اماں سناتی ہیں نوابوں کی اور حویلیوں کی.....؟“

”ہاں کبھی، کبھی ایسی کہانیاں بھی ہوتی ہیں لیکن ہمیشہ نہیں۔“

”کیا یہ کہانیاں سچ ہوتی ہیں سجھو؟“ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا۔

”کچھ سچ کچھ جھوٹ۔“

”اچھا.....“ لہو طرچپ رہ کر اس نے پھر پوچھا۔ ”سجھو بتانا یہ جو اماں نوابوں کی باتیں کرتی ہیں۔ کیا سچ میں ایسے نواب ہوتے ہیں جو ہم جیسوں کو حویلیاں دان کر دیں؟“ گل نے اسے دیکھا۔

”جانتی نہیں..... موتیا کہہ تو رہی تھی کہ اماں پرانے وقتوں کی باتیں کرتی ہیں۔“

”اچھا ٹھیک ہے آج کل نواب نہیں ہوتے لیکن عام بندے تو ہوتے ہیں، کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا اور کیا ان کا دل کسی پر نہیں آسکتا؟“

”یہ تم کیا ہر وقت اوٹ پٹانگ باتیں کرتی رہتی ہو۔“ موتیا نے یک دم کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھا۔

”تجسس میری باتوں سے تکلیف ہو رہی ہے تو نہ سنو میری باتیں..... کان بند کر لو۔ میں تو کروں گی ایسی ہی باتیں..... اوٹ..... پٹانگ.....“ سنہری کی رنگت بدلی وہ ایسی ہی تھی جسے تو اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ ذرا سی بات پر لال ہلی ہونے لگتی اور پھر ذرا دیر میں شہڈی بھی ہو جاتی۔ شاہجہان کہتی تھی۔

”ارے یہ سنہری ایسی ہی ہے تجھ جیسی..... پر جب میٹھی ہو تو ایسے جیسے گڑ جس کی مٹھاس دیر تک زبان پر رہے۔“

موتیا کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ترخ کر بولی۔

”تو کرتی رہو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں لیکن کوئی نواب نہیں آنے والا تمہیں اسے گل میں لے جانے کے لیے۔“

سنہری کا رنگ پیکا پڑ گیا اور آنکھوں میں نمی پھیلتی چلی گئی۔ گل کے دل کو دکھسا سا لگا۔

”سنہری.....“ اس نے سنہری کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

”ہماری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ یہاں ہی اماں کے گھر اسی ماحول میں پیدا ہونا۔ ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے اور اپنی مرضی سے اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے۔“

”ٹھیک ہے ہم اپنی مرضی، اپنی پسند کے گھر میں پیدا نہیں ہو سکتے لیکن ہم اپنی مرضی کی زندگی کیوں نہیں گزار سکتے، اپنی تقدیر کیوں نہیں بدل سکتے؟“ سنہری اب موتیا کی طرف سے چہرہ موڑ کر گل کو دیکھ رہی تھی۔ گل نے۔۔۔

بلےسی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے بازو سے ہٹا لیا..... اور دلگڑھی سے بولی۔

”نہیں بدل سکتے سنہری نہ اپنی تقدیر..... نہ مقدر اور نہ اپنی مرضی کی زندگی جی سکتے ہیں۔“

”لیکن کیوں سجھو؟ کیوں نہیں ہم اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتے، کیوں اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے بہیچرا ہونا تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے لیکن اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا تو ہمارے اختیار میں ہے۔“

”بعض اوقات اختیار ہوتے ہوئے بھی آدمی بے اختیار ہی ہوتا ہے سنہری.....“ گل کے سپاٹ چہرے پر ایک نرم سا تاثر ابھرا تھا۔

”کیا مطلب.....؟“ سنہری نے بھویں اچکائیں اور پھر سوالیہ نظروں سے گل کی طرف دیکھا جو اپنے ہاتھ

پھیلائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ جو بندہ جس ماحول میں پیدا ہو، ساری زندگی اسے اسی ماحول میں رہنا ہے، کیا امیر، غریب نہیں ہو جاتا، کیا موچی کی اولاد بڑھ لگے کر ڈاکٹر انجینئر نہیں بن جاتی..... کیا اسلام آنے پر بت پرستوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے مسلمان نہیں ہو گئے تھے تو ہم بھی اپنا پیشہ چھوڑ کر کچھ اور کر سکتے ہیں۔“ سنہری جوش سے تیز، تیز بول رہی تھی گل اور موتیا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”یہ سنہری آج کچھ زیادہ ہی جوش میں ہے، کہیں راز میں کچھ کالا تو نہیں۔“ موتیا نے سوچا اور پھر خود ہی اس کی تردید کی۔

”ایک سال پہلے تو ہم کراچی آئے ہیں اور کوئی بھی مرد اس قیادت کی بیڑھیاں چڑھ کر نہیں آیا تو پھر کیا.....“ اس کے ذہن کی رو پھر بدلی۔ ”حیدرآباد میں سائیں کے ڈیرے پر یا پھر ملک کی شادی میں یا.....“ اس نے عجیب کھوجتی ہوئی سی مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ”کون سے وہ سنہری جس نے تجھے اتنی باتیں سکھا دیں؟“

”کس نے ہونا ہے بھلا.....“ سنہری کی آنکھوں میں کوئی حسرت کلبلائی۔ ”یہ تو میں خود ہی سوچتی ہوں جب ہر بندہ اپنے ماحول سے بہتر ماحول میں جانے کی کوشش کرتا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں..... ہم کیوں لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔“

”تم ایسا سوچتی ہو سنہری ماحول اور کام بدلنے کے متعلق.....؟“ گل کے چہرے پر ابھی تک وہی نرم سا تاثر بکھرا ہوا تھا۔

”ہاں، میں سوچتی ہوں۔“ سنہری نے باری، باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی سوچ پر کوئی شرمندگی نہ تھی۔ ”اس لیے کہ میں انسان ہوں، کولیو کا تیل نہیں ہوں۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ ساری زندگی آنکھوں پر کھوپے چڑھا کر ایک ہی دائرے میں نہ گھومتی رہوں۔ مجھے زیادہ پتا نہیں تھا باہر کی دنیا کا..... لیکن جب سے ہم کراچی آئے ہیں اور میں نے ٹی وی کے ڈرامے دیکھنے شروع کیے ہیں۔ ایک گھر، بیچ، محبت کرنے والا شوہر، معاشرے میں ایک مقام..... ان کی اتنی مختلف زندگی دیکھ کر میرے دل میں بھی خیال آتا ہے کہ میری زندگی ایسی کیوں نہیں ہو سکتی..... یہ اتنی مختلف کیوں ہے..... اگر ہے تو میں اسے بدل کیوں نہیں سکتی۔ کیوں کوشش نہیں کر سکتی۔“

”تم کوشش کر سکتی ہو سنہری..... شاید تم اپنی زندگی بدلنے میں کامیاب ہو جاؤ۔“ گل کو کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سنہری کو کیسے مطمئن کرے۔ اس نے پہلی بار گل سے اس طرح کی باتیں کی تھیں۔

”اور اس کوشش کا انجام کیا ہوگا؟“ موتیا خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ ”رادھا کے چوبارے پر رہنے والی وہ لڑکی سانولی یاد ہے ناں تمہیں۔ اس نے بھی تو کوشش کی تھی اپنی زندگی بدلنے کی..... ایک دن ذلیل و خوار ہو کر واپس آ گئی۔ تمہارے ساتھ بھی کچھ الگ نہیں ہوگا۔“ موتیا نے لہجے کی گئی چھپا نہیں سکی تھی۔

”تو نہ ہو کچھ الگ، افسوس تو نہیں ہوگا ناں کہ کوشش نہیں کی.....“

”اچھا تو کیا کرو گی تم اپنی زندگی بدلنے کے لیے؟ ذرا مجھے بھی بتاؤ۔ کیا کسی دفتر میں انٹرنگ جاؤ گی یا اسکول میں استانی بن جاؤ گی۔ الف، ب تو آتی نہیں تمہیں اور.....“

”الف، ب جانے بخیر بھی تو زندگی بدلی جاسکتی ہے اگر کوئی چاہے تو..... ایک غریب شخص ساری زندگی اپنی زندگی بدلنے کے لیے کوشش کرتا رہتا ہے۔ الف، ب جانے بخیر.....“ سنہری کو موتیا سے بحث کرنے میں مزہ آتا تھا۔

”کیسے...؟ لوگوں کے گھروں کی صفائی کرو گی، برتن ماٹھو گی؟“ وہ ہنسی۔

”مانجھ لوں گی۔“ سنہری کو اس کا ہنسا برا لگا۔

”اچھا.....“ موتیا نے طحیہ انداز میں کہا۔ ”تمہیں تو میری پیاری سنہری کسی نے اپنے گھر میں برتن ماٹھنے



کے لیے بھی نہیں رکھنا۔ حیری یہ ساری سورت اور ناز و ادا دیکھ کر گھروالیاں ڈر جائیں گی کہ کہیں تم ان کے شوہروں کو ہی نہ پھانس لو، اپنا گھر برباد کرنے کا یہی جاؤ ہوتا ہے۔ یعنی تمہیں کوئی ماسی بھی نہیں رکھے گا لہذا خواہ مخواہ دھکے کھانے کا کیا فائدہ..... تم نے تو ساری زندگی گلابو کا تیل ہی جتنا ہے سو اپنے دماغ پر بوجھ نہ ڈالا کرو۔ بس خوش رہا کرو میری طرح۔“

”تم خوش ہو اپنی زندگی سے؟“ سنہری نے پوچھا۔

”ہاں بہت خوش اور مطمئن اور تمہیں بھی ہونا چاہیے۔“

”نہیں سنہری.....“ کل نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ ”تم اگر اس زندگی سے بہتر زندگی گزارنے کے لیے کوشش کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو..... لیکن اگر تم کام ہو گئیں تو اپنی ناکامی کا ڈھنڈورا مت بیٹانا۔“

سنہری نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”تا کہ دوسروں کے لیے راہیں مسدود نہ ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“ سنہری سمجھ نہ سکی۔

”مطلب یہ کہ اگر کوئی اور تم جیسی ایسی کوئی کوشش کرنا چاہے تو تمہاری ناکامی جان کر کوشش کرنے سے پہلے ہی ہمت نہ ہار جائے۔“

”اچھا لیکن جو میں کیا کوشش کروں اور کیسے؟“ سنہری، اب پریشان ہو گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اپنی زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل سکتی ہے۔

”کسی ٹیکسٹری یا کارخانے میں جہاں عورتیں کام کرتی ہیں، وہاں کام مل جائے شاید۔“ تھوڑے سے تذبذب کے بعد کل نے کہا۔

”ارے بھئی تم کس چکر میں پڑ گئی ہو، اسے سال چھ مہینے بعد ایسے دورے پڑتے ہیں جب یہ ٹی وی ڈراموں میں بڑے، بڑے گھروں میں عورتوں کو راج کرتے دیکھتی ہے پھر دو چار دن میں خود ہی ٹھنڈی.....“

”تم کوئی طریقہ نہیں بتا سکتیں تو اپنی زبان بند رکھو۔“ سنہری نے موتیا کو بات مکمل کرنے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔

”ایک طریقہ ہے تو.....“ موتیا کے ہونٹوں پر پٹری یہی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”کیا.....؟“ سنہری نے تجسس سے پوچھا۔

”کسی محل کے اندر سے اور کاٹھ کے الو کو پھانس لو.....“ موتیا نے قہقہہ لگایا۔

”اچھا پھانس لوں گی۔“ سنہری کو ہانپھانپھان کیوں آج ضدی ہو گئی تھی۔

”اور اس نے باپ کا نام پوچھا تو..... خاندان، پیشہ تو چھپا لوگی لیکن نکاح نامے میں باپ کا نام تو لکھا جائے گا نا..... کیا بتاؤ گی؟“

”وہی جو اماں نے تمہارے اسکول کے فارم پر لکھوایا تھا۔“ سنہری بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی کبھی جو موتیا کے ساتھ بحث ہوتی تو ہار ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کل کارنگ ایک دم پید پڑ گیا تھا۔ اس کے اسکول کالج کے سرٹیفکیٹوں پر ظہورے کا نام لکھا تھا اور وہ جانتی تھی ظہور اس کا باپ نہیں ہے۔

”مجبوری تھی۔“ اماں نے ایک بار اس کے احتجاج پر کہا تھا۔ ”کچھ تو لکھوانا تھا نا.....“ اور پھر جب، جب ضرورت پڑی ظہورے کا ہی شناختی کارڈ اور نام کام آیا تھا۔

”یعنی ظہورے کا.....“ موتیا نے پھر قہقہہ لگایا اور دوبارہ دیوار کی طرف کروٹ بدل لی۔ موتیا کے کروٹ بدلنے پر سنہری پھر کل کی طرف متوجہ ہو گئی۔

## اعتبار و وفا

”جوہل میں تو ان بڑے سنہری..... اماں نے مجھے جو سکھایا مجھے وہی کرنا ہے، پر تجھے تو پڑھایا ہے تو کیا کبھی تیرے دل میں ایسا خیال نہیں آیا کہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے جیسے.....“

”اب بھی تو اپنی مرضی سے جی رہتی ہوں سنہری.....“

”جہیں، اپنی مرضی سے نہیں اماں کی مرضی سے۔“ سنہری نے اختلاف کیا۔ ”اماں نے تجھے پڑھنے بٹھایا، تو نے پڑھ لیا۔ ناچ گانا سکھاتی تو ناچ گانا سکھ لیتی۔ اب بھی اماں نے ضرور تیرے لیے کچھ نہ کچھ سوچ رکھا ہوگا بلکہ مجھے تو لگتا ہے اماں نے تیرے لیے ہی لاہور چھوڑا ہے۔ کیا خبر کسی رئیس سے بات کر رکھی ہو۔ سودا کرو یا ہو تیرا۔“

”نہیں.....“ سہل کانپ گئی۔

”یا پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے اماں تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہی لگا دیں۔“ سنہری تو تھی ہی منہ پھٹ جو منہ میں آتا کہہ دیتی۔ سہل کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

”لیکن جو تو نے پوری بارہ جماعتیں پڑھ رکھی ہیں، کہیں استانی لگ سکتی ہے، کسی دفتر میں نوکری کر سکتی ہے، افسری نہ سہی چھوٹی موٹی نوکری ہی سہی۔“ سنہری نے رائے دی۔

سہل نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

”تو اتنی پیاری ہے جو، اتنی خوب صورت تیرے اسکول، کالج میں کیا کبھی کسی کا دل نہیں آیا تمہ پر.....“

”میرے ساتھ لڑکے نہیں پڑھتے تھے سنہری۔“

”تو.....؟“ سنہری کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”لڑکوں کی بیٹنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں تو پڑھتی ہوں گی ناں تمہارے ساتھ، کسی کا جی نہیں چاہتا تجھے اپنی بھالی، مامی، چاہتی بتانے کو۔“

”نہیں.....“ سہل کے چہرے پر کچھ دیر پہلے جو تھوڑی دیر کے لیے نرم سا تاثر ابھرا تھا اب نہیں تھا۔ وہ خالی اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اماں نے تو ذرا سمجھدار ہوتے ہی اسے سمجھا دیا تھا۔

”دیکھو جو سہیلیاں نہ بتاتی پھرنا وہاں..... بس اپنی پڑھائی کرنا صرف اور کسی سے اتنی بے تکلف مت ہونا کہ وہ تیرے گھر آنے کی ضد کر بیٹھے اور.....“ اس سے آگے شاہجہان کو حریص کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ وہ جانتی تھی سب..... اس نے اپنے سارے تعلیمی دور میں کسی سے دوستی نہیں کی تھی۔ نہ ہی کسی کے گھر گئی تھی نہ کسی کو گھر بلا یا تھا۔ لڑکیاں اسے مغرور سمجھتی تھیں لیکن اسے پروا نہیں تھی۔ آٹن کالج میں اس کی کلاس فیلو تھی لیکن وہ آمنہ سے بھی کم ہی بات کرتی تھی پھر بھی اس نے سیکڑوں ہار اس سے کہا تھا۔

”کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو میں تمہیں اپنی بھالی بتا لیتی۔“

”کیا تھا اگر اماں تجھے لڑکوں والے کالج میں داخل کرادیتیں۔“ اب سنہری کا دماغ کسی اور ہی سمت چل پڑا تھا۔

”لڑکے تو تجھے دیکھ کر.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

”چلو زیادہ نہیں تو دو چار تو عاشق ہو ہی جاتے تمہ پر..... دیکھا نہیں تھا اسے کل..... وہی ہوگی والا لڑکا..... کیسے ہونقوں کی طرح دیکھ رہا تھا تمہیں منہ کھولے جیسے فریڈ ہو گیا ہو۔“

کل شاہجہان کے ساتھ وہ اور سنہری شاپنگ کے لیے گئے تھے اور پھر سنہری کے اصرار پر ہی وہ کچھ کھانے بننے کے لیے گئے تھے اور واپسی پر اس نے اسے دیکھا تھا وہ وہی تھا بک شاپ والا لڑکا اسے پہچانتے میں اسے ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔

وہ تھا ہی ایسی سحر انگیز شخصیت کا مالک..... لیکن اماں نے کہا تھا کہ بہت سارے مرد تمہیں دیکھ کر کیسے گے، خبر دار جو تمہیں نہیں رکنا چاہے دل کتنا بھی مچلے..... اور اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”تم نے تو اس کی طرف دیکھا ہی نہیں..... وہیمان سے دیکھ لیتیں تو ہٹ سے وہاں ہی گر جاتا۔“ سنہری دل

کھول کر ہنسی لیکن کھل نے پتا چکا۔ یہ کتاب اٹھالی اور ورق گردانی کرنے لگی۔ لیکن وہ پڑھ تو نہیں رہی تھی بس ورق اٹھتی جاتی تھی اور آنکھوں کے سامنے بار، بار اس بک شاپ والے لڑکے کی شکل آ رہی تھی۔ سنہری کچھو کچھو دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کر موتیا کا کندھا ہلایا۔

”سنو موتیا کیا اماں سچ بچھے میں جا کر رہیں گی؟“

”ہاں.....“ موتیا نے کروٹ بدلے بغیر جواب دیا۔

”اماں وہاں جا کر کیا کریں گی؟“

”وہی جو لاہور میں کرتے تھے اور جو یہاں کر رہے ہیں۔“

”جب یہی سب کچھ کرنا ہے تو لاہور والے گھر میں کیا برائی تھی۔“

”برائی تھی۔“ موتیا نے کروٹ بدل کر اسے گھورا۔ ”وہاں ایسے مخصوص جگہوں میں اب صرف مٹ پونچھے آتے

ہیں۔ ریڑھی والے، چرہ، انبوٹی، بھوکے بچھے، چند نکلے جیب میں ڈال کر آنے والے... بڑے لوگ، پیسے

والے اب بنگلوں میں آتے ہیں۔ اب ٹریڈ بدل گیا ہے اور اماں وقت کی نبض پہنچاتی ہیں۔“

”تو..... کوئی بائنگلا لاہور میں بھی تو لیا جاسکتا ہے۔“ سنہری بڑبڑائی۔

”کیا لاہور میں کسی کو روتا بلکتا چھوڑ آئی ہے جو لاہور کی ہڑک لگی ہے تجھے۔“ موتیا نے گہری نظروں سے

اسے دیکھا۔

”ہاں، چھوڑ آئی ہوں۔“ سنہری کو آگ لگ گئی۔

”تو جا پھر اماں سے جا کر کہہ، میرا معززہ کھا۔ ساری دو پہر ضائع کر دی تو نے۔ سونے دے مجھے۔“ سنہری

نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور زوردار آواز سے دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ می کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی اور وہ ہولے، ہولے اس کے بالوں میں اٹھیاں پھیر رہی تھیں۔ ڈیڑی کو اس

دنیا سے رخصت ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے لیکن ابھی تک اس کے آنسو نہیں تھے تھے۔ ابھی تک جدائی کا درد دل

میں چنگیاں بھرتا تھا اور آنکھیں برسنے لگتیں۔

”می!“ اس نے یک دم آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا۔ ”ڈیڑی..... میرے لیے کیوں پریشان رہتے

تھے؟“ بہت دنوں سے اندر چکرانا ہوا سوال لیوں پر آ گیا تھا۔

”شاید تمہاری دوری کی وجہ سے کئی، کئی ماہ تو تم سے ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔“ انہوں نے خیال ظاہر کیا۔

”کیا انہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا می سچ بتائیے گا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ اس لیے پریشان تھے... وہ سمجھتے تھے کہ

میں باہر کے ساتھ ایڈ جسٹ نہیں ہو سکی۔“

”نہیں، ایسا تو انہوں نے بھی نہیں کہا۔“ وہ حیران ہوئیں۔

”پہلے تو وہ تمہاری طرف سے بہت مطمئن تھے بلکہ انہیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا کہ باہر کراچی سہل

ہو گیا ہے۔ میں کبھی گلہ کرتی تو وہ مجھے سمجھاتے تھے کہ باہر اگر وہاں رہ کر اکیلا بزنس کر کے ایزی لٹل کرتا ہے تو ہمیں

اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری بیٹی اس کے ساتھ خوش ہے، وہ اس کا خیال رکھتا ہے، ہمارے لیے اتنا کافی ہے۔

لیکن پچھلے چند ماہ میں دو تین بار انہوں نے کہا تھا وہ تمہارے لیے پریشان ہیں بلکہ ان دنوں بیماری میں کئی بار انہوں

نے تمہارے لیے پریشانی ظاہر کی۔“

”می آپ نے پوچھا نہیں تھا کہ وہ میرے لیے کیوں پریشان ہیں؟“ اس نے می کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”پوچھا تھا لیکن انہوں نے ٹال دیا۔ شاید باہر کے مزاج کی وجہ سے ان کا خیال ہو کہ اس کا رویہ تمہارے

## اعتبار وفا

ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ضروری اور غصیلہ ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں تمہاری شادی کے بعد ہوا جب اس نے کراچی جانے کی ضد کی اور آخر چلا گیا۔ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے بتایا۔

”لیکن مئی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ باہر میرا بہت خیال رکھتے ہیں، بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ ارنی میں تو ان کی جان ہے بلکہ مجھے لگتا ہے کہ ان کے لاڈ پیار نے ارنی کو تھوڑا بگاڑ دیا ہے۔“ لائل نے انہیں تسلی دی۔

”ٹھیک ہے بیٹا اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ باپ تھے ناں..... تمہاری دوری کی وجہ سے دوسروں کا شکار ہو جاتے تھے۔“ انہوں نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”کاش ڈیڈی مجھ سے پوچھتے تو میں انہیں مطمئن کر دیتی۔ آپ ہی مجھ سے ذکر کر دیتیں کہ ڈیڈی کو باہر کے متعلق کچھ خدشات ہیں تو میں انہیں مطمئن کر دیتی..... لیکن آپ نے تو مجھے ان کی بیماری تک کا نہیں بتایا۔“ اس کے لہجے میں گلہ در آیا تھا۔

”دراصل.....“ انہوں نے وضاحت کی۔ ”انہوں نے کبھی مجھ سے کھل کر بات ہی نہیں کی۔ پچھلے چھ سات ماہ سے بہت خاموش ہو گئے تھے۔ اچھے، اچھے سے اور پریشان لگتے تھے۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ تمہارے لیے پریشان ہیں۔ ان آخری دنوں میں تمہیں بہت یاد کرتے تھے۔ اور تمہارے بچپن کی اسکول، کالج کی باتیں بلکہ ایک دو بار مڈر کا بھی ذکر کیا۔ کہہ رہے تھے مڈر اچھا لڑکا تھا اور ہمیں اس کی بات سننی چاہیے تھی..... لائل، مڈر کے ساتھ زیادہ خوش رہتی شاید۔“

”مئی.....“ اس نے کسی قدر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”ڈیڈی نے ایسا کہا تھا مڈر کے متعلق تو وہ شاید یہ سمجھتے تھے کہ میں اب بھی مڈر.....“ اس کا گلہ رُندہ گیا۔

”مئی میں نے باہر سے شادی کے بعد کبھی مڈر کے متعلق نہیں سوچا، میں ہمیشہ شرمندہ رہی آپ سے، ڈیڈی سے اپنے غلط انتخاب پر، میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ باہر کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔ میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر کراچی نہیں جانا چاہتی تھی لیکن اس لیے جلی گئی کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں باہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ ڈیڈی مجھ سے پوچھتے تو میں انہیں بتاتی کہ میں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ان بائیس سالوں میں ایک بار بھی نہیں۔“ آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

”نہیں میری جان، تمہارے ڈیڈی ایسا بالکل بھی نہیں سوچتے تھے۔“ مئی نے اسے گلے لگا لیا۔

”ایک بار کوئی بے اعتبار ہو جائے تو پھر اس پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ میں نے ایک بار باہر کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا تھا تو.....“ اس نے ہاتھوں کی پشت سے گیلے رخساروں کو پونچھا۔

”نہیں میری جان ایسا کچھ نہیں تھا، بتایا تو ہے تمہیں اس طرح کی حقیقی باتیں کیوں سوچ رہی ہو۔ وہ تو ہر لمحہ تمہاری خوشیوں کے لیے دعا گو رہتے تھے۔ وہ صرف تمہارے لیے ادا اس تھے اور پتا نہیں کیوں وہ باہر سے کچھ بدگمان لگتے تھے۔“ انہوں نے اس کے خیال کی تردید کی۔

”مئی ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بچے جب بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنے ماں، باپ کی ان قربانیوں کو بھول جاتے ہیں جو انہوں نے ان کے لیے دیں۔ انہیں بالابوسا انہیں ہر سرد گرم سے بچایا..... ان کے لاڈ اٹھائے ہر مشکل کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہوئے لیکن ایک اجنبی شخص انہیں اتنا عزیز ہو جاتا ہے کہ والدین کی محبت پیچھے رہ جاتی ہے۔ مئی میں نے بھی آپ کا اور ڈیڈی کا دل دکھایا تھا آپ کو ناراض کیا تھا۔“ وہ بے حد افسردہ سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

”ہم تم سے کبھی ناراض نہیں تھے بیٹا..... بس تھوڑے تخففات تھے تمہارے اور مڈر کے حوالے سے، ورنہ زندگی تم نے گزارنی تھی۔ تم جس گزری زندگی کی عادی تھیں مڈر کے پاس تمہارے لیے وہ زندگی نہیں تھی پھر بھی

ہمیں تمہاری خوشی عزیز تھی۔“ انہوں نے اسے بھراپنے قریب کرتے ہوئے اس کے سر پر پیار کیا تو اپنا سر ان کے سینے پر رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موہ لیں۔ کتنے سالوں بعد آج اس نے مدثر کا نام سنا تھا تو گزرے ماہ و سال آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔

مدثر حسن اس کا کلاس فیلو تھا، بے حد ذہین اور پرکشش شخصیت کا مالک..... اسل اس سے متاثر تھی۔ اس کی ذہانت، اس کا اخلاق، اس کی گفتگو سب کچھ ہی متاثر کن تھا۔ ہاتھیں یہ تاثر کب محبت میں ڈھلا تھا لیکن ایک روز دونوں نے اعتراف کیا کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی اور جب می نے گھر میں اس کی شادی کی باتیں کرنا شروع لیں تو وہ اپ سیٹ ہو گئی تھی۔ مدثر کے علاوہ وہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آسان نہیں ہوگا۔ می اور ڈیڈی، مدثر کے لیے مشکل سے ہی رضامند ہوں گے لیکن وہ رضامند ہو جائیں گے اسے یہ بھی یقین تھا۔ اگر چہ می کی خواہش تھی کہ اس کی شادی باہر سے ہو۔ باہر نوید جو سات سال کی عمر میں می کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا۔ باہر نوید اس کی بڑی خالہ کا بیٹا تھا۔ می کو ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ اب وہ ماں نہیں بن سکتیں۔ کچھ ایسی ہی پیچیدگی ہوئی تھی۔ تب وہ ایک بار اپنی بہن کے گھر گئیں تو وہ اپنی پر باہر ان کے ساتھ تھا۔ باہر اور عامروںوں جڑواں تھے۔ خالہ کی آٹھ اولادیں تھیں۔ سات بیٹے اور ایک بیٹی..... چنانچہ جب می نے باہر کو بیٹا بنانے کی خواہش کی تو ان کے بہنوئی ناصر نوید نے بلا تامل اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”یہ تمہارا بیٹا ہے، لو سنبھالو اسے۔“ اور وہ باہر کو گھر لے آئی تھیں۔ کرنل حامد کو بھی باہر سے بہت پیار تھا اور دونوں نے تب ہی سوچ لیا تھا کہ وہ اسل کی شادی باہر سے کر دیں گے۔ اس طرح اسل ہمیشہ ان کے پاس رہے گی..... یوں باہر کا پلازہ اہر لحاظ سے مدثر حسن سے بھاری تھا۔ لیکن جب وہ مدثر کے ساتھ کھڑی ہو جاتی تو پھر مدثر حسن کا ہی پلازہ بھاری ہوتا تھا۔ یوں بھی اسل، باہر کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی۔ اگر مدثر حسن اس کی زندگی میں نہ بھی آیا ہوتا تب بھی وہ باہر سے شادی نہیں کرتی لیکن اب تو مدثر حسن تھا جس کی محبت اس کے رگ و پے میں خون کے ساتھ دوڑتی تھی اور جب می باہر، ہار اس کی اور باہر کی شادی کی بات کرنے لگیں تو اس نے ڈیڈی سے بات کرنے کا سوچا۔ کیونکہ وہ می کی نسبت ڈیڈی سے زیادہ قریب تھی۔ اس روز وہ اسٹڈی میں تھے اور حسب معمول مطالعے میں مصروف تھے۔ وہ اسٹڈی میں گئی تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ڈیڈی مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے۔“

”ہاں کہو.....“ انہوں نے کتاب اونگھی کر کے ٹیبل پر رکھ دی۔ اپنی ہر بات ان سے بلا جھجک کرنے والی یہ بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

”گنا ہے معاملہ گھیر ہے۔“ انہوں نے تجزہ کیا تھا۔ ”میں ہر تن گوش ہوں کہو.....“

”ڈیڈی..... وہ..... میں.....“

”کیا کوئی بڑی فرمائش ہے؟“ وہ مسکرائے۔

”نہیں ڈیڈی، وہ میں..... مجھے باہر سے شادی نہیں کرنا..... آپ می کو منع کر دیں۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

”کیوں؟ تم باہر سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟“ انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ مجھے اچھا نہیں لگتا ڈیڈی، کچھ پھوڑا سا ہے۔“

”کوئی سولڈر بزن دو بیٹا..... تمہاری می کی ہمیشہ سے یہ خواہش ہے کہ باہر.....“

”لیکن ڈیڈی میں باہر کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی، بالکل بھی نہیں۔“ اس نے ان کی بات کا ٹی تھی۔

”اوکے تو کیا تم.....“ بات ادھوری چھوڑ کر وہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگے تھے۔

”وہ ڈیڑی.....“ وہ بھر جھک گئی تھی اور اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

”کون ہے وہ ایما؟“ اسے ان کا لہجہ سرد لگا تھا پانچ بج ہی سرد تھا۔

”وہ مڈر ہے ڈیڑی..... میرا کلاس فیلو.....“ وہ نظریں جھکانے کہہ رہی تھی۔

”اس کی فیلو بہت ایجوکیٹڈ ہے، اس کے دادا بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور ایجوکیشن کے محکمے میں ایک بڑے

مہدے پر فائز تھے اور اس کے والد.....“

”ٹھیک ہے..... اسے کہو اپنے والدین کو بھیج دے۔“ اور اس کے اندر جیسے چراغاں ہو گیا تھا۔

”ایما..... ایچی.....“ می نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر اٹھیں دیکھنے لگی۔

”دیکھو..... یہ تمہارے فون کی بیل ہے۔“

”ہاں.....“ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ فون نظر نہیں آ رہا تھا لیکن بیل ہو رہی تھی۔ اس نے نکیہ اٹھایا اور فون نظر آ گیا۔

”اتان کا ہے۔“ اس نے می کو بتا کر فون آن کیا۔

اتان اور ارتقا چند دن پہلے واپس۔ کراچی چلے گئے تھے۔ ان کی پڑھناؤ کا حرج ہو رہا تھا۔ اتان اس کا

پروگرام پوچھ رہا تھا لیکن ابھی تک اس نے واپس جانے کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ می کو

اکیلے چھوڑ کر چلی جائے پھر بھی اس نے اتان سے کہا کہ وہ باہر سے بات کر کے اسے اپنا پروگرام بتا دے گی پھر

ارتقا کا خیال رکھنے کی تاکید کر کے اس نے فون بند کر دیا تو می نے اس کی طرف دیکھا۔

”بیٹا تم میری فکر مت کرو، اب تو اکیلے ہی رہنا ہے۔ ملازم تو ہیں ناں.....“ ان کی آواز بھرا گئی۔

”می!“ وہ ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ”میں آپ کو ایسے اکیلے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ ٹھیک ہے ملازم ہیں.....“

پرانے وقادار ہیں لیکن ملازموں کا کیا ہے کوئی اپنا تو نہیں ہے۔ می میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔“

”نہیں بیٹا، میں اپنی عدت یہاں ہی اسی گھر میں گزاروں گی۔“

”ٹھیک ہے تو میں عدت تک یہاں ہی رہوں گی آپ کے پاس۔“ وہ جذباتی ہو گئی۔

”ارے بیٹی ایسے کیسے رہو گی۔“ وہ پریشان ہو گئیں۔

”بچے اتنا عرصہ اکیلے کیسے رہیں گے اور باہر وہ کیا کہے گا۔“

”باہر صرف داماد ہی تو نہیں آپ کا بیٹا بھی تو ہے۔“

”وہ تو ہے لیکن.....“ وہ متذبذب ہی ہو گئی تھیں۔

”یا تو آپ میرے ساتھ چلیں یا پھر میں یہاں ہی رہوں گی۔“

”خند نہیں کرتے ایما..... باہر چھٹی اجازت دیتا ہے رہ لو..... ایک ہفتہ اور..... تب تک ہم دونوں کچھ سنبھال

جائیں گے۔ میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ میرے لیے تم اپنا گھر اپ بیٹھ کرو۔“

”تو پھر میں کیا کروں گی..... میرا دل.....“ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”بھئی کیا ہو گیا تمہارے دل کو؟“ باہر ایک دم ہی دروازہ کھول کر اندر آیا۔

”میرا دل نہیں مانتا باہر، امی کو یوں اکیلا چھوڑ کر جانے کو..... اور می، ہمارے ساتھ آنا نہیں چاہتیں۔“ لہلہ

نے باہر کی طرف دیکھا۔

براہ ڈلباس، جوتے، قیمتی رسٹ وایچ، تازہ کیا ہوا شیوہ یقیناً ایک شاندار مرد لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے

سے آسودگی اور اطمینان پھلکتا تھا اور اس کے براہ ڈپر فیمو کی خوشبو پورے کمرے میں بکھر چکی تھی

”کیوں می.....؟“ باہر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ”آپ یہاں اکیلے رہ کر کیا کریں گی۔ میں تو آج شام کی

فلائٹ سے جا رہا ہوں۔ ایما یہاں ہی رہے گی ہفتہ، دس دن اور آپ اس دوران گھر کا جو انتظام کرنا ہے کر لیں اور پھر

میں یا فی آ کر آپ دونوں کو لے جائیں گے۔“

”نہیں بیٹا..... ایک تو میں عدت یہاں ہی گزارنا چاہتی ہوں پھر یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، اس طرح ایک دم گھر بند کر کے چلے جانا۔ بڑوں کے پرانے ملازم ہیں اور بھی کئی بکھیرے ہیں.... بزنس کے معاملات ہیں، بہت کچھ دیکھنا ہے، کرل صاحب نے تو کچھ سمجھایا بتایا نہیں.... کئی کاموں میں انہوں نے پیسہ انویسٹ کیا ہوا تھا۔ مجھے کچھ خبر ہی نہیں.... ایک دو ہارا انہوں نے کچھ بتانا بھی چاہا لیکن شرانے سنا ہی نہیں۔“ انہوں نے تفصیل سے بات کی۔

”بزنس کے اور باہر کے معاملات تو میں دیکھ لوں گا۔ میرا آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔“ باہر نے اپنا ہاتھ ان کے بازو پر رکھ کر گویا تسلی دی۔

”سب کچھ تمہارا اور اہل کا ہی ہے۔ تم نے ہی دیکھنے ہیں سب معاملات..... میں تو کہتی ہوں تم لوگ یہاں آ جاؤ وہاں تو مجھے بے فکری ہو جائے گی۔“ انہوں نے التجا کرتی نظروں سے باہر کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک ہے مئی ہم لوگ آ جائیں گے لیکن وہاں وائٹ اپ کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا ناں کم از کم چھ سات ماہ تو لگ جائیں گے۔“ باہر نے ان کے بازو پر رکھے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور سر کی جنبش سے اپنی بات کی تائید کی۔ اہل نے متفکر نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے بے حد حیرت ہوئی تھی۔ باہر کی بات سن کر.... ڈیڈی اور مئی نے تب کتنا اصرار کیا تھا کہ وہ کراچی نہ جائے اور اپنا الگ بزنس کرنے کے بجائے ان کا بزنس سنبھالے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا کہ لوگ کہیں گے میں نے دولت کے لالچ میں اہل سے شادی کی ہے۔

”کون لوگ باتیں کریں گے؟“ مئی حیران ہوئی تھیں۔ ”تم بیٹے ہو ہمارے۔“ لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہا تھا یہ الگ بات تھی کہ کاروبار شروع کرنے کے لیے بیس مئی نے ہی دیا تھا اور ڈیڈی نے کاروبار سیٹ کرنے میں مدد کی تھی اور لوگوں سے ملوایا تھا اور کراچی میں سیٹل ہونے کا فیصلہ اس نے مدثر کی وجہ سے کیا تھا۔

”میں نہیں چاہتا کہ ہم اس شہر میں رہیں جہاں وہ رہتا ہے۔ کبھی کہیں آتے جاتے وہ نظر آ جائے تو خواہ مخواہ تم ڈسٹرب ہوگی۔“ اس نے تب اہل سے یہ کہا تھا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا۔“ باہر کی بات پر مئی خوش ہو گئیں۔ ”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی کہ تم لوگ یہاں آ جاؤ اور تم سارا کام سنبھال لو۔“

”ٹھیک ہو باہر.....“ اہل نے بھیگی پکوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”اس میں ٹھیک ہو کی کیا بات ہے، بھیگی پیلے ڈیڈی تھے تو مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن اب مئی ہماری ذمے داری ہیں اور میں اب ایسا نا اہل بھی نہیں ہوں کہ اپنی ذمے داری نہ سمجھوں۔“ اس نے مسکرا کر اہل کی طرف دیکھا جس کی بے حد خوب صورت آنکھوں میں نمی پھیلی تھی۔ بھیگی پلکیں ہولے، ہولے لرز رہی تھیں۔ بالوں کی ایک لٹ دائیں رخسار سے۔ کوچھو رہی تھی۔ گلابی خمدار ہونٹوں پر بھیگی نمی تھی۔ وہ آج بھی بلاشبہ بہت خوب صورت بہت دلکش تھی۔ اتنی ہی جتنی پہلی بار سے لگی تھی۔

ناصر نوید کی آٹھ اولادوں میں وہ سیکنڈ لاسٹ تھا۔ بلکہ اس کا جزواں بھائی بھی..... ان دونوں سے چھوٹا ایک اور بھائی بھی تھا۔ ناصر نوید نے بھی اپنی اولاد پر کوئی خاص توجہ نہیں تھی اور نہ ہی ان کی بیوی کے پاس ان سے لاڈ پیار کرنے کا وقت ہوتا تھا۔ گھر میں اگرچہ پیسے کی فراوانی تھی۔ زمینوں کی آمدنی کافی تھی اور ناصر نوید شاہ خرچ تھے۔ لیکن باہر نوید توجہ اور پیار کا بھوکا تھا سو جب خالہ نے دو تین دن کے قیام میں بہت پیار اور توجہ دی تو اسے خالہ کے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ اور وہ خالہ کے اس اتنے بڑے گھر میں بہت خوش تھا اور اسے اپنا گھر چھوڑنے کا کوئی دکھ نہیں تھا اور نہ ہی اس نے خالہ سے جنہیں وہ مئی کہنے لگا تھا کبھی گھر جانے اور بہن بھائیوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی..... اہل مئی کی بیٹی اس گھر میں پہلے سے ہی موجود تھی۔ اس سے چھوٹی تھی۔ مئی ڈیڈی اس

## اعتبار وفا

کے بھی لا ڈاٹھاتے تھے لیکن باہر پر بھی بھر پور توجہ دیتے تھے سو وہ خوش تھا اور مطمئن..... تا صرنو یہ جب کبھی زمینوں کے مقامات کے سلسلے میں لاہور آتے تو اس سے ملنے چلے آتے تھے یا کبھی کبھار ایک آدھ دن کے لیے اس کی اماں بھی آجاتیں۔ یہاں تک کہ وہ کارنگ میں آ گیا۔ اس کے بڑے بھائیوں نے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ کسی نے دس اور کسی نے بارہ جماعتیں پڑھ لی تھیں۔ دو کی تو شادی بھی ہو گئی تھی اور سب کا گزارہ زمینوں کی آمدنی پر ہی تھا جو تا صرنو یہ کی عیاشی کی وجہ سے کم ہوتی جا رہی تھیں۔ اس روز تا صرنو یہ اسے ملنے آئے تو انہوں نے کہا تھا۔

”تمہارے بھائی سب بڈھرام ہیں باہر، تم دل لگا کر پڑھنا..... اور کرل صاحب اور فرحانہ کے دل میں اپنی جگہ بنانا..... ہماری زمین اب اتنی نہیں رہی کہ سات خاندانوں کا پیٹ بھر سکے۔ سب بھوکے مریں گے اگر خود کچھ ہاتھ پاؤں نہ ہلائے۔“ وہ حیران ہوا تھا کہ تا صرنو یہ آج کس قسم کی باتیں کر رہے تھے۔

”کرل صاحب کی صرف ایک ہی بیٹی ہے، تم کسی قابل ہوئے تو یقیناً ان کا انتخاب تم ہی ہو گے۔ یہ سب کچھ تمہارا ہوگا..... بس تمہیں ان کا دل جیتنا ہے۔ ایمل سے شادی کر کے تم ٹھانے میں نہیں رہو گے۔“

اور اس روز پہلی بار اس نے ایمل کو کسی اور نظر سے دیکھا تھا اور اس کے لڑنے حسن نے اسے اسیر کر لیا تھا۔

”باہر بیٹا.....“ مٹی کو اچانک کچھ یاد آیا تھا باہر نے چونک کر ایمل کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔

”وہ ہمدانی صاحب کا دو تین ہارنوں آچکا ہے۔ وہ مجھ سے مل کر کچھ کاروباری معاملات ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم جانے سے پہلے ان سے مل لو تو..... تمہیں ہی تو سب کچھ دیکھنا ہے۔ میں کیا کروں گی مل کر.....“

”ٹھیک ہے مٹی.....“ اس کی آنکھوں میں یک دم چمک پیدا ہوئی تھی۔

”میں جانے سے پہلے مل لوں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”شام کو کتنے بجے کی فلائٹ ہے آپ کی؟“ ایمل نے پوچھا۔

”چھ بجے کی ہے لیکن اس وقت میں اپنے کسی کام سے جا رہا ہوں۔ ہمدانی صاحب سے بھی ملتا آؤں گا۔ سچ پر میرا انتظار مت کیجیے گا۔ مجھے شاید دیر ہو جائے۔“ ایمل نے سر ہلادیا اور وہ خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ عقلم کو ڈھونڈتا ہوا لائبریری کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر عقلم، سر جعفری کی کلاس میں نہیں تھا تو یقیناً لائبریری میں ہوگا۔ یوں تو وہ دونوں اکٹھے ہی یونیورسٹی آئے تھے لیکن اسے راستے میں قائل کے سلیمان نے روک لیا تھا۔ سلیمان سے کچھ دن پہلے ہی جب عقلم مری گیا ہوا تھا اس کی سلام دعا ہوئی تھی اور سلیمان نے اپنے پیرولیس کے کچھ اہم نوٹس اسے دینے کا وعدہ کیا تھا اور عقلم کی چونکہ سلیمان سے زیادہ واقفیت نہیں تھی اس لیے وہ سلام کر کے آگے بڑھ گیا تھا اور جب وہ سلیمان سے بات کر کے سر جعفری کے روم میں آیا تو وہ لیکچر شروع کر چکے تھے۔ خاموشی سے اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس نے پوری کلاس کا جائزہ لیا تھا۔ عقلم کلاس میں نہیں تھا۔ اگر وہ کلاس میں نہیں تھا تو کہاں گیا تھا۔

یقیناً لائبریری ہی ایسی جگہ تھی جہاں وہ جاسکتا تھا سو وہ اسے ادھر ادھر دیکھتا ہوا لائبریری کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی نظر لان میں ایک درخت کے نیچے کئی بیچ پر بیٹھی ارتفاع پر پڑی۔ ارتفاع آج کافی دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی پھر بھی اس نے کلاس اینڈ نہیں کی تھی۔ شاید لیٹ آئی ہوگی اور سر جعفری کی کلاس شروع ہو چکی ہوگی۔ اس نے سوچا اور لائبریری کی طرف جانے کے بجائے اس کی طرف بڑھا۔ اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل گیا تھا اور آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

”السلام علیکم.....! قریب جا کر اس نے سلام کیا تو ارتفاع نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور اداس لگ رہی تھی۔



”کیا ہوا رنی تم ٹھیک تو ہونا.....؟“ بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

”ہاں ٹھیک ہوں۔“ اس نے آہستگی سے جواب کہا۔

”عالیہ نے بتایا تھا تمہارے نانا جان نا..... بہت افسوس ہوا..... کیا ہوا تھا انہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہارٹ اٹیک.....“ ارتفاع نے پاس پڑا ہوا شوٹنگ ریگ اٹھا کر گود میں رکھا۔

”ہم کچھ کلاس فیلوز تمہارے گھر آ رہے تھے۔ لیکن پھر نانا نے بتایا کہ تم لاہور گئی ہوئی ہو۔“

”ہاں، میں تین چار دن پہلے ہی لاہور سے آئی ہوں۔“

”اور تم یونیورسٹی آج آ رہی ہو۔“ رواد کے لبوں سے پھر۔ بے اختیار نکلا تھا۔ ارتفاع نے حیرانی سے اسے

دیکھا..... اور پھر بولی۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“

”اوہ ہاں..... اتنے پیارے رشتوں کی جدائی کا دکھ سہنا آسان تو نہیں ہونا۔ لیکن موت کے سامنے سب ہی

بے بس ہیں۔“ اس نے ارتفاع کی طرف دیکھا جو شوٹنگ ریگ کے اسٹریپ کو اپنی انگلیوں پر لپیٹ رہی تھی۔

”آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں، اپنے آپ کو سنبھالیں۔“ لکھ بھر سوچنے کے بعد رواد نے کہا۔ اسے سمجھ

نہیں آ رہی تھی کہ وہ کون سے الفاظ استعمال کرے جو ارتفاع کا دکھ کم کر سکیں۔

”بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں ان کا دکھ اور کرب اپنی جگہ لیکن ہمیں

دوسروں کی خاطر خود کو سنبھالنا پڑتا ہے۔ آپ اپنی امی کا سوچیں..... آپ اتنی بڑھ چکی ہیں کہ دعا کریں۔ اللہ ان کے درجات بلند

کرے۔“ اسے ایک دم سے احساس ہوا تھا کہ ارتفاع سے وہ اتنا بے تکلف نہیں تھا کہ اسے تم کہہ کر بلائے سو بات تو

اس نے تم سے شروع کی تھی مگر پھر آپ کے مخاطب پر آ گیا۔ ارتفاع نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سر جھکا کر انگلی پر

اسٹریپ لپیٹنے اور کھولنے لگی۔

”یہ رواد نے آج سے پہلے تو کبھی اتنی باتیں نہیں کی تھیں لیکن آج ایسے بات کر رہا ہے جیسے اچھا دوست ہو

لیکن اسے کیا پتا کہ وہ میرے نانا جان نہیں تھے۔ اتنان کے نانا تھے اگر میں اداس ہوں تو صرف اتنان کے لیے.....

مجھے اس کے دکھ کا احساس ہے۔ اتنے دنوں میں کتنا مر جھا کر رہ گیا ہے۔ اور ماما ان کی حالت واقعی ٹھیک نہیں تھی۔ ہر

وقت روتی رہتی تھیں۔“ وہ اپنے آپ کو سمجھا بھجا کر ان کے پاس پہنچی تھی لیکن اسے اپنے اور ان کے درمیان بہت

فاصلہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ چپ رہتی تھی۔

”ڈیڑی تم سے بہت پیار کرتے تھے ارنی۔“ انہوں نے کتنی بار کہا تھا اور ہر بار اس نے سوچا تھا۔

”میرا تو ان سے کوئی رشتہ نہیں تھا مگر بھلا وہ مجھ سے کیوں پیار جتاتے تھے۔ یقیناً پاپا کو خوش کرنے کے لیے شو

کرتے ہوں گے جیسے ماما نے اب تک کیا ہے۔“ وہ تو وہاں زیادہ دن رکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ تیسرے دن ہی اس

نے پڑھائی کا بہانہ بنا کر واپس جانے کی رٹ لگا دی تھی لیکن اتنان نے انکار کیا تھا۔

”ماما کی اور نانا کی حالت دیکھ رہی ہو..... میں انہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ تم نے جانا ہے تو پاپا کے

ساتھ چلی جاؤ۔“ لیکن پاپا نے بھی اسے کچھ مزید دن رکنے کو کہا تھا تو اسے مجبوراً رکتا پڑا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ اتنی بے حس

ہو رہی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے اسے نانا جان کی موت کا کوئی دکھ نہیں ہے پھر بھی پتا نہیں کیوں دل بچھا، بچھا سا تھا۔

”آپ یوں اداس اور افسردہ رہیں گی تو آپ کی ماما کیسے سنبھالیں گی۔ ایک بیٹی کے لیے باپ کی دائمی جدائی

برداشت کرنا آسان تو نہیں ہوتا نا۔“ اسے خاموش دیکھ کر رواد نے پھر کہا۔ اس نے اس طرح کی باتیں بھی کسی

سے نہیں کی تھیں لیکن ارنی سے کر رہا تھا کیونکہ وہ زیادہ دیر اس کے قریب رہنا اور اس سے بات کرنا چاہتا تھا یا پھر

اس کا ہم غلام بن گیا ہوتا تھا سوید۔ نے چلا رہا تھا۔  
 "تھینک یو رواجہ....." وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ "مجھے کچھ ٹھکن محسوس ہو رہی ہے مجھے گھر چلنا چاہیے۔"  
 "کیا آپ میم راجہ کا بیڑا اینڈ ٹینس کریں گی؟"  
 "نہیں، میرے سر میں کچھ درد ہو رہا ہے، گل سے باقاعدہ یونیورسٹی آؤں گی۔"  
 "آپ کی پڑھائی کا تو بہت حرج ہوا ہوگا۔ اگر کوئی نوٹس وغیرہ کی ضرورت ہو تو میں ساتھ ساتھ نوٹس تیار کر لیتا ہوں۔"  
 "نہیں، تھینک یو..... عالیہ سے لے لوں گی..... ویسے آپ نے عالیہ کو دیکھا ہے؟" اس نے شولڈر بیگ دائیں کندھے پر لٹکایا۔  
 "نہیں، گلاس میں تو نہیں تھی..... شاید آج نہیں آئی۔"  
 جب ہی عظام اسے دور سے آواز دیتا ہوا قریب آیا۔  
 "کہاں رہ گئے تھے تم؟" رواجہ نے پوچھا۔  
 "یاروہ....." عظام نے ہات ادا حوری چھوڑ کر ارتقا کی طرف دیکھا۔  
 "مس ارتقا کیسی ہیں آپ..... آپ کے نانا جان کا سنا تھا بہت افسوس ہوا۔" عظام کو ایک دم تعویذ کا خیال آیا تھا۔  
 "اللہ کی مرضی....." ارتقا نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر قدم آگے بڑھا دیے۔  
 "ہاں، اب بتاؤ کہاں تھے تم؟" رواجہ نے اس سے نظریں ہٹا کر عظام سے پوچھا۔  
 "جو ادکی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اس کے ساتھ ڈپنٹری چلا گیا تھا۔"

ماہنامہ منشی ڈائجسٹ

موسم بہار کی گلاب رتنیں  
مارچ کے شمارے کی نمونہ



---

**اولین صفحات** ● ذہین و پراسرار لڑکی کی پرتھوس کہانی... کاشف زینب کی زبانی

---

**آوارہ گود** ● دکھ سکھ کے شہزادہ قصید کی ایک نئی اور انوکھی دنیا کی جھلک... ہر ایک کو اپنی تلاش کا سما اور پیش تھا۔ ڈاکٹر عابد العروب بھٹن کی شہرت

---

**جواری** ● احمد اقبال کے شہزادہ قلم سے ایک جواری کے کھیل نئے نئے انداز

---

**مغرب کے نوائے انداز** ● مشرقی دنیا کی تہذیب اور اس کی عکاسی اور محبت کی پھر دنیا کا نیا اور نیا کہانیوں

---

**سبز و زرد کی کہانیاں**

---

**نیلی موت** ● ملک کے طول و عرض میں کھلی معدنیات کی دریافت کا استعمال کا گناہانا اور

---

**ہل صراط** ● سکون کی خاطر چلتے ہوئے ہل صراط کے زبواں سکھنے زندگی کے چھپ گھٹائی اور خیر

---

آپ کے تہرے...  
 مشورے...  
 اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کھائیں

”کیا ہوا جواد کو؟“ وہ یک دم پریشان ہو گیا۔

”اچانک چکر آ گیا تھا۔ بی پی لو تھا بہت۔“ عقلم نے بتایا۔

”اب کہاں ہے وہ.....؟“

”اپنے روم میٹ کے ساتھ ہاسٹل واپس جا گیا ہے، میں نے بہت کہا میں ساتھ چلتا ہوں لیکن اس نے منع کر دیا۔“

”لیکن اسے کسی ڈاکٹر کو چیک کروانا چاہیے تھا۔“ رواد کو تشویش ہو رہی تھی۔

”دراصل وہ رات بھر جاگ کر پڑھتا رہا۔ اس کا روم میٹ بتا رہا تھا کہ رات کو بھی کھانا نہیں کھایا اور صبح بھی

بغیر ناشتا کیے ہی یونیورسٹی آ گیا۔ شاید اسی لیے چکر آ گیا تھا۔“ عقلم نے تلی دی۔

”ہوں۔“ رواد نے عقلم کی طرف دیکھا۔

”دراصل اسے پوزیشن لینے کا جنون ہو رہا ہے لیکن بندہ اپنی صحت کا تو خیال رکھے ناں.....“

”شام کو چلیں گے اس کی طرف اور کان کھینچتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے چلیں پھر ہم بھی گھر۔“ عقلم نے پوچھا۔

”کیوں میم کا پھریڈا نہیں کرنا؟“ رواد نے پوچھا۔

”وہ آج چھٹی پر ہیں، ابھی کسی نے بتایا ہے۔“

”چلو پھر چلتے ہیں، کھانا کھا کر تھوڑا ریٹ کر کے جواد کی طرف چلیں گے۔“ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے

یونیورسٹی کے گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔

”ارتفاع کافی ادا اس اور پریشان لگ رہی تھی۔“ عقلم نے تبصرہ کیا۔

”ظاہری بات ہے ابھی نانا کی موت کا دکھ کم نہیں ہوا ہوگا۔“ رواد نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔

”یار یہ رشتے بھی کتنے پیارے ہوتے ہیں۔ نانا، نانی، دادا، دادی وغیرہ اور ہم دونوں ہی ان رشتوں سے

محروم ہیں۔“

”ہاں یہ تو ہے یار۔“ رواد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”لیکن میرے نانا، نانی ہو سکتا ہے ہوں..... لیکن مجھے علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ انہوں نے بھی رابطہ نہیں

رکھا جیسے ان کا رشتہ صرف اپنی بیٹی سے ہی تھا۔“ وہ دونوں عقلم کی گاڑی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ عقلم اپنے پاپا کے

اصرار پر اپنی گاڑی ساتھ ہی لایا تھا۔

”تمہارے پاپا کا کوئی فون آیا عظمیٰ؟“ رواد نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”بس وہی ایک ہی آیا تھا بٹنک کھینچتے پر..... پاپا جب باہر جاتے ہیں تو کم ہی فون کرتے ہیں اور خود میں نے

کبھی نہیں کیا۔ بڑی ہوتے ہیں، فارغ ہوں گے تو گریس گے۔“ اس نے گاڑی پارکنگ سے باہر لاتے ہوئے

جواب دیا۔ رواد سر ہلا کر ونگر اسکرین سے باہر دیکھنے لگا۔ اسٹاپ کے پاس سے گزرتے ہوئے یک دم ہی عقلم

نے بریک پر پاؤں رکھا۔

”یہ تو ارنی ہے اسٹاپ پر..... شاید آج اپنی گاڑی نہیں لائی۔“ رواد بھی اُدھر دیکھنے لگا۔

”ارنی۔“ عقلم نے شیشہ سر کا آواز دی۔ ارتفاع نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس وقت اسٹاپ پر اکیلی تھی۔

”آئیں، میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

”نو ٹھیک پو عقلم ابھی پوائنٹ بس آ جائے گی یا پھر کوئی دوسری سواری مل جائے گی۔“ ارتفاع نے ایک قدم

آگے بڑھ کر کہا لیکن عقلم گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔

”کلف مت کریں۔ ہم کلاس فیروز ہیں..... کیا اعتبار نہیں ہم پر۔“

”نہیں..... اعتبار کی بات نہیں خواہ مخواہ آپ کو زحمت ہوگی۔“

”کوئی زحمت نہیں ہوگی۔“ عقلم نے پچھلا دروازہ کھولا۔

”پلیز.....“ عقلم نے بیٹھے کا اشارہ کیا تو لمحہ بھر سوچنے کے بعد ارتفاع بیٹھ گئی۔

”دراصل میری گاڑی کچھ پر اہم کر رہی تھی۔ صبح میرا بھائی افتخار مجھے ڈراپ کر گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا

تھا واپسی پر عالیہ کے ساتھ آ جاؤں گی لیکن عالیہ آج آئی تھی نہیں۔“ اس نے بتایا۔

”رواح کے لیوں پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ آج کے دن ارتفاع سے یہ اس کی دوسری

ملاقات تھی۔ اس کے اندر کہیں کوئی خوشی رقص کر رہی تھی وہ وہ ڈانڈا کرین سے باہر دیکھ رہا تھا اور وہ عقلم کے پوچھنے پر

اسے ایلرٹس بنا رہی تھی۔

کئی بار اس کا جی چاہا وہ پیچھے مڑ کر اسے دیکھے اور اس سے کوئی بات کرے لیکن کس قدر معیوب بات

ہوتی..... سو وہ اسی بات پر خوش تھا کہ وہ ان کی ہر اسی میں سفر کر رہی ہے۔ اس نے ان پر اعتبار کیا اور ایک روز وہ

اس کی محبت پر بھی اعتبار کر لے گی اور وہ اسے بتا سکے گا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ خوش رنگ خیالوں میں کھویا

ہوا تھا، اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ عقلم نے گاڑی کو بریک لگائی تو وہ چونکا۔

”ارے اتنی جلدی گھرا گیا رانی کا۔“ بے ساختہ اس کے لیوں سے نکلا۔

”تم غالباً کوئی خوب صورت خواب دیکھ رہے تھے۔“ عقلم معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ”ورنہ

آدھا گھنٹا تو لگ ہی گیا ہے۔“

”تھینک یو۔“ ارتفاع نے دروازہ کھولتے ہوئے ایک بار پھر شکر یہ ادا کیا۔

”ارے اس میں شکر یہ کی کیا بات ہے۔“ رواح اب خود کو پیچھے مڑ کر دیکھنے سے نڈر دکھا۔

”آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔“ ارتفاع نے اس کی طرف دیکھا۔

”نہیں ہرگز نہیں بلکہ خوشی ہوئی کہ آپ نے اعتبار کیا۔“ رواح اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ارتفاع

کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی اور پھر وہ دروازہ کھول کر اتر گئی۔

عقلم نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شری نظروں سے رواح کی طرف دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں..... رواح اس

کی نظروں میں چھپی شرارت محسوس کر کے مبہم سا مسکرایا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔ یوٹرن لیتے ہوئے عقلم کی نظریں

ظفری کی گاڑی پر پڑی تھیں۔

”ارے، یہ تو ظفری کی پراڈ ہے۔“

”ہاں.....“ رواح نے بھی دیکھا۔

”لیکن یہ ادھر کہاں جا رہا ہے۔“ وہ بے چین ہوا۔

”ہو سکتا ہے، اس کا گھر بھی ادھر ہی ہو۔“ عقلم نے خیال ظاہر کیا۔

”سے..... بی.....“ رواح نے اتفاق کیا اور وہ ڈانڈا کرین سے باہر دیکھنے لگا۔

”کیا تم بہت چاہتے ہو رانی کو؟“ عقلم نے ڈرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

”عقلمی اب اگر تم نے مجھ سے یہ پوچھا تو میں تمہیں مار بیٹھوں گا۔ تم مجھ سے ایک سو اٹھارہ بار یہ سوال کر چکے ہو۔“

”دراصل میں تمہارے لیے ڈرتا ہوں روی کہ اگر تمہیں انہی محبت نہ ملی تو کیا کرو گے، یہ سوال میں تمہاری

محبت کی شدت جاننے کے لیے نہیں کرتا بلکہ خود کو تسلی دینے کے لیے کرتا ہوں کہ شاید تم اس سے شدید محبت نہ کرتے

ہو اور فرض کرو تمہاری محبت تمہیں نمل سکے تو زندگی تمہارے لیے زیادہ مشکل نہ ہو۔“ عقلم کے لہجے میں اس کے

لئے محبت چمکتی تھی۔

”محبت ماننے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا باروہ جب ہوتی ہے تو ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی ارنی سے محبت ہو گئی ہے..... میری محبت مجھے نہ مل سکی تو زندگی میرے لیے مشکل ہوگی یا اذیت ناک ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا..... ابھی میں ایسا نہیں سوچتا کہ مجھے میری محبت نہیں ملے گی۔ ابھی میں بہت خوش گمان ہوں۔“ رواد بہت پُر امید تھا۔

”لیکن روی یہ دن سائڈ ڈمبٹ بہت تکلیف دہ ہوتی ہے ناں..... آپ کسی سے محبت کرو اور وہ بھی آپ سے محبت کر لے پھر یہ محبت کھو بھی جائے تو دل کو یہ اطمینان تو ہوتا ہے ناں کہ آپ نے جس کو چاہا وہ بھی آپ کو چاہتا ہے لیکن.....“

”مطمئن.....“ رواد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”مجھے تمہاری بات..... میرا مطلب ہے یہ دن سائڈ ڈمبٹ وائی ہارت، کچھ شک میں جھلا کر رہی ہے کہیں کوئی.....“

”ارے نہیں، کوئی نہیں.....“ عقلم نے اسے ٹوک دیا۔

”میں تو یونہی کہہ رہا تھا کہ دن سائڈ ڈمبٹ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔“ اس نے اپنا ہمید چھپایا اور پھر وہ رواد کو بتانا بھی کیا۔ وہ لڑکی (کل) جسے اس نے صرف دو بار دیکھا تھا۔ محض ایک نظر اور وہ جمال بیکر اس پر سحر طاری کر گئی تھی، اسے وہ محبت تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اس کا حصول، سحر طاری کرتا حسن شاید وہ اللہ کی منامی پر شکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن کی انوکھی دولت عطا کی تھی۔ شاید یہ محبت نہیں تھی بس ستائش تھی۔ اللہ کی کارگیری کا سحر تھا جو وہ اسے بھول نہیں پارہا تھا۔ دونوں خاموش ہو کر اپنی، اپنی سوچوں میں گم ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ گھر آ گیا۔ عقلم نے ہارن دیا تو خدا بخش نے گیٹ کھول دیا۔

”ارے بابا کی گاڑی کھڑی ہے، لگتا ہے آج وہ بھی جلدی آگئے ہیں۔“ عقلم نے رواد کی طرف دیکھا۔

”ہاں.....“ رواد بھی گاڑی دیکھ چکا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر اندرونی گیٹ کھول کر لاؤنج میں آئے تو لاؤنج خالی تھا۔

”بابا کہاں ہیں؟“ رواد نے مڑ کر خدا بخش سے پوچھا جو گیٹ بند کر کے اب اندر آیا تھا۔

”اے کرے میں ہیں۔“ خدا بخش نے بتایا۔

”ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں چاہا، آج جلدی کیوں آگئے؟“ رواد نے پھر پوچھا۔

”ٹھیک ہے، کہہ رہے تھے کہ کوئی باری شاری تھی۔“

”اجھا آپ کھانا لگائیں۔“ خدا بخش سے کہہ کر رواد نے عقلم کی طرف دیکھا۔

”تم فریش ہو کر آ جاؤ، میں ڈرا بابا کو دیکھ آؤں۔“ عقلم سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بازو

آنکھوں پر رکھے لیٹے تھے۔ رواد نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور انہیں یوں لیٹے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

”بابا آپ اس طرح کیوں لیٹے ہیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ انہوں نے بازو آنکھوں سے ہٹا کر

اسے دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

”تم آگئے رواد.....؟“ اس نے اپنی بات دہرائی۔

”ہاں بار..... ٹھیک ہوں، ایسے ہی تھک گیا تھا تو لیٹ گیا۔“

”کیوں تھک گئے تھے؟“ رواد نے احمقوں کی طرح پوچھا تو وہ ہنس دیے۔

”عمر کا تقاضا ہے جان پور۔“

”اوہ..... عمر کی بات تو نہ کیا کریں مجھ سے، کتنی عمر ہوگی آپ کی پینتالیس، چھیالیس سال.....“

”ہاں تقریباً.....“

”تو یہ کوئی چھٹنے کی عمر ہے؟“ اس نے منہ بتایا۔

”میری جان چھٹنے کے لیے عمر کا زیادہ باکم ہونا ضروری نہیں..... کبھی آدمی اتنی سال کی عمر میں بھی نہیں چھٹتا اور کبھی جوانی میں ہی چھٹ جاتا ہے۔ میں تو بہت پہلے ہی چھٹ گیا تھا۔ تم نہ ملتے رواد تو میں چھٹ کر کہیں راستے میں ہی ڈسے چکا ہوتا۔ میری ہمت، میرا حوصلہ تو تم ہو رواد۔“

”کیا بات ہے بابا؟“ رواد نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”آج کل آپ کچھ زیادہ ہی قوی نہیں ہوتے چارہ ہے..... دھکی، دھکی باتیں کرتے ہیں۔ اداس، اداس دیکھتے ہیں، دال میں کچھ کالا تو نہیں کچ بتائیں۔“ وہ شرارت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ سنجیدہ تھے۔

”میری عمر میں آدمی ایسا ہی ہو جاتا ہے قوی سا..... اور ساتھ ہی ماضی پرست بھی اور ماضی ہمیشہ اداس کرتا ہے۔“

”اوہو..... بابا پھر عمر.....“ وہ ہولے سے ہنسا۔

”اور ماضی کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے، اپنے حال کو دیکھیں، کتنا خوب صورت ہے۔“ اس نے اپنی طرف شرارت سے اشارہ کیا تو وہ ہنس دیے۔

”میرا حال واقعی بہت خوب صورت ہے۔“ وہ بے حد محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”یہ بتاؤ تم آج کچھ جلدی آگئے ہو اور عقلمند کدھر ہے؟“

”آج دوپہر بیٹے فارغ تھے اور عظمیٰ فریض ہونے گیا ہے۔ خدا بخش کھانا لگا رہا ہے چلیں۔“

”میں پارٹھی مجھے بھوک نہیں ہے، تم لوگ کھاؤ۔“

”آپ کچھ چھپا رہے ہیں بابا، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ رواد تشریح سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں میری جان..... آج ایک کولیک کی الوداعی پارٹی تھی تو کچھ کھا لیا تھا سول نہیں چاہ رہا۔“

انہوں نے بتایا۔

”تو پھر ٹھیک ہے، آپ آرام کریں، میں اور عظمیٰ کھانے کے بعد جو اد کی طرف جائیں گے۔ وراصل آج اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔“

”طبیعت خراب ہے تو اسے ساتھ ہی لے آنا۔ وہاں ہاسٹل میں کون اس کی دیکھ بھال کرنے گا۔“ انہیں رواد کے دوست بھی بے حد عزیز تھے۔

”جی بابا؟“

”کھانا لگ گیا صاحب.....“ خدا بخش کی آواز آئی تو انہوں نے اسے جانے کے لیے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں بابا..... آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے ناں۔“ رواد نے جاتے جاتے پھر

پلٹ کر تصدیق کی۔

”ہاں..... بالکل ٹھیک ہوں۔“

”آپ اپنی میڈیسن تو لے رہے ہیں ناں ہا قاعدگی سے؟“

”ہوں.....“ انہوں نے اسے پھر کسل دی۔ اس کی اتنی محبت پر ان کا دل بھر آیا تھا۔ سب کچھ کھو کر صرف ایک

رواد کو ہی تو پایا تھا انہوں نے اور اب وہی ان کا سب کچھ تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی زندگی اور خوشیوں

کی دعا کی اور بیٹے کراؤن سے ٹپک لگا کر آنکھیں موندتے ہوئے سوچا۔

”حال کتنا بھی خوب صورت کیوں نہ ہو رواد لیکن ماضی کو بھلا یا نہیں جاسکتا۔ چاہے وہ خوب صورت ہو،

جائے اذیت ناک..... لیکن ناک ہے، گا بے دل کے اتق پر پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا رہتا ہے۔ کبھی ہنستا ہے کبھی رلاتا ہے۔“ اور وہ تو کبھی اپنے ماضی کو نہیں بھلا سکے تھے۔ لیکن آج تو جیسے وہ ماضی کی یادوں سے نکل ہی نہیں پار رہے تھے۔

صبح کالج جاتے ہوئے سٹنل پر ایک بھنارڑا کو کچھ دینے کے لیے شیشہ سر کا یا تو اچانک ہی ان کی نظر اپنے برابر کھڑی گاڑی پر پڑی تھی۔ پینجر سیٹ پر بیٹھی شیشہ سر کا نے باہر جھانکتی بلاشبہ وہ مونا تھی، اسے پہچاننے میں انہیں کچھ دقت تو ہوئی تھی لیکن انہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ مونا ان کے ماضی کا ایک حوالہ، ان کی چندا کی دوست، ان کی منہ پولی بہن..... آج کتنے سالوں بعد انہوں نے اسے دیکھا تھا۔ جب وہ کراچی آ رہے تھے تو وہ بلک، بلک کر روئی تھی۔ اور بار بار اس سے رابطہ نہ توڑنے کی درخواست کی تھی لیکن چاہت کے باوجود وہ اس سے رابطہ نہیں کر سکے تھے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ انہیں اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا۔ انہوں نے ماضی کو بھلا دینا ہے لیکن وہ اپنے ماضی کو نہیں بھلا سکے تھے۔ انہوں نے مونا کو بلانا چاہا، وہ اس سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے اور اس سے اپنے دل کی وہ باتیں شیئر کرنا چاہتے تھے جو کبھی رواجہ سے بھی نہیں کر سکے تھے..... بلکہ کر سکتے ہی نہیں تھے۔

”مونا.....“ انہوں نے اسے بے قراری سے آواز دی..... لیکن عین اسی لمحے اشارہ کھل گیا اور اس کی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی انہوں نے بے بسی سے اپنے آگے کھڑی گاڑیوں کو دیکھا جو ابھی ریگ رہی تھیں اور وہ دل مسوس کر رہ گئے۔ کتنے ہی زخموں کے ناکے کھل گئے تھے وہ ایک زخم سیتے تو دوسرے سے خون رسنے لگتا۔ اور دل تھا کہ قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ اتنے برسوں سے دل پر ضبط کا جو پتھر رکھا تھا وہ ضبط پارہ، پارہ ہو رہا تھا کب تک وہ خود کو روک سکیں گے۔ دل تھا کہ پھلتا تھا، بڑھتا تھا اور وہ نکل لگائے زنجیریں ڈالے بیٹھے تھے..... زنجیریں تھیں کہ آج ٹوٹ، ٹوٹ کر گر رہی تھیں اور نکل کھلتے تھے اور وہ نکل لگاتے، لگاتے بڑھ چکے تھے۔

”چندا.....!“ ان کے لبوں سے سسکی نکلی۔ ”کیوں میری زندگی سے نکل گئیں اتنی جلدی..... بس اتنی سی محبت تھی تمہاری کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا، بڑھنے کے لیے اور بالکل جی داماں کر دیا۔“

وہ تو اس کی ذرا سی ناراضی، ذرا سی خلی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ ہمیشہ کے لیے خفا ہو گئی تھی کبھی ان کی زندگی میں واپس نہ آنے کے لیے..... وہ ذرا سی ناراض ہوتی تھی تو ان کی جان پر ہن آتی تھی، ان دنوں بھی وہ ان سے خفا، خفا ہی تھی۔

”دیکھو چندا..... اس طرح منہ موز کر مت جاؤ، میں مر جاؤں گا۔“ وہ چاہتی تھی کہ وہ بابا جان کو اس کے گھر بھیجیں اور اپنی کم مانگی کا احساس انہیں آگے بڑھنے سے روکتا تھا، وہ تھوڑا سا وقت چاہتے تھے اتنا کہ اس کے والدین کے سامنے دامن پھیلاتے ہوئے انہیں شرمندگی نہ ہو۔ اور اس روز تو وہ سچ جگ ناراض ہو گئی تھی۔ وہ آخری پیرٹل اینڈ کر کے گھر جانے کے لیے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے اور وہ ان کا ہاتھ جھک کر چل دی تھی۔ وہ اسے پکارتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے تھے۔ وہ دن مجسم ہو کر جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔

”چندا..... پلیز میری بات تو سنو۔“ وہ تیز تیز چلتے ہوئے اس کے قریب آئے تھے۔

”کیا بات سنوں.....؟“ اس نے مز کرنا ماضی سے انہیں دیکھا تھا۔

”چندا میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میرا یقین کرو..... لیکن میرے اور تمہارے اسٹیشن میں بہت فرق ہے، مجھے اس قابل تو ہونے دو کہ میں تمہارے ڈیڈی کے سامنے تمہارے لیے ہاتھ پھیلا سکوں۔ ابھی تو میری تعلیم بھی مکمل نہیں ہے۔“

”اور تمہارے کسی قابل ہونے سے پہلے ڈیڈی میری شادی کر دیں گے اور تم دیکھتے رہنا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے چندا.....“ انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔  
 ”یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ مٹی اور ڈیڑی نے میرے لیے میرے کزن کو منتخب کر لیا ہے۔“  
 ”تو..... وہ ان کے چہرے پر باہمی پھیل گئی۔“ پھر بھلا تمہارے کزن کے ہوتے ہوئے وہ میرا پروپوزل کیسے قبول کر لیں گے۔ اس کا اور تمہارا اسٹینس ایک ہو گا؟“  
 اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم انکار کے خوف سے کوشش ہی نہیں کرو۔ اگر اتنی ہی اہمیت تھی تو محبت کرنے سے پہلے سوچ لیا ہوتا۔“ چندا بدستور ناراضی سے بول رہی تھی۔ ”جو بھی فیصلہ کرنا ہے جلدی کرو بلکہ آج ہی کر لو..... تم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہو کہ ڈیڑی تمہارے متعلق سوچیں بھی نہیں..... جبکہ میں تمہارے متعلق ان سے بات کر چکی ہوں۔ ڈیڑی ابجو کیڈ لوگوں کی قدر کرتے ہیں اور تمہارے باپا برو فیسر ہیں..... معاشرے میں ایک مقام ہے ان کا۔“

لیکن چندا کے ڈیڑی تو بے حساب زمین و جائداد کے مالک تھے۔ اسے یہ بڑی ناممکن سی بات لگ رہی تھی۔

”کیا سوچنے لگے ہو؟“ چندا انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔  
 ”کچھ نہیں چندا! میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی کے متعلق نہیں سوچا۔ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو اور جب پہلی بار میں نے تمہیں مونا کے گھر کی سیر حیاں اترتے ہوئے دیکھا تھا تو تمہارا روپ اسی روز ہمیشہ کے لیے میرے دل میں کھب گیا تھا۔ اور جب دوسری بار میں نے تمہیں مونا کے گھر میں دیکھا تو میں نے خود سے کہا تھا۔ یہی وہ لڑکی ہے جسے زندگی کا سفر میرے ساتھ طے کرنا ہے۔ تب میں تمہارے متعلق کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا، مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم میری محبت قبول بھی کرو گی یا نہیں لیکن میرے دل کو یقین تھا کہ صرف تم ہی وہ لڑکی ہو جسے زندگی کے سفر میں میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے۔“

چندا کے رخسار گلگون ہو گئے تھے۔  
 ”میں چاہتا تھا، اپنی تعلیم مکمل کر کے کسی جا ب پر لگ جاؤں، کوئی سائنڈ بزنس کر لوں..... کچھ تو ہو میرے لیے.... کہ میں سہرا اٹھا کر تمہارے اس محل نما گھر میں قدم رکھ سکوں۔“ انہوں نے وضاحت کی۔ ”لیکن تمہیں شاید میری محبت پر یقین نہیں ہے؟“

”ایسا نہیں ہے، مجھے تمہاری محبت پر شک نہیں ہے بس مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ بننے کے چکر میں تم اتنے لیٹ نہ ہو جاؤ کہ.....“ وہ کچھ پریشان سی مٹی۔ ”ڈیڑی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”او کے چندا!“ وہ ہار سے گئے۔ ”میں آج ہی بابا جان سے بات کرتا ہوں۔“  
 ”تمہارے بابا جان اعتراض تو نہیں کریں گے نا.....“ چندا کو تشویش ہوئی تھی۔  
 ”وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں چندا، جب بھی تم گھر آتی ہو بہت خوش ہوتے ہیں۔ وہ بھی کبھی، کبھی میرے اور تمہارے درمیان اسٹینس کے فرق کے متعلق سوچ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔“

”خدا کے لیے اس احساس کتری سے باہر نکلو..... جب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو تمہیں کیوں ہے، دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔“ وہ انہیں سمجھا رہی تھی۔ ”پھر اتنی زیادہ دولت کا مصرف بھی کیا ہوتا ہے۔ اچھا کھاتے ہو، اچھا پہنتے ہو، زندگی کی ہر سہولت تمہیں میسر ہے تمہارے بابا جان اتنے معزز پیشے سے وابستہ ہیں۔ تمہیں تو ان پر فخر ہونا چاہیے۔“

”مجھے ان پر فخر ہے، مجھے ذاتی طور پر کبھی احساس کتری نہیں ہوا۔ میں صرف ان قاصلوں سے ڈر رہا ہوں جو میرے اور تمہارے درمیان ہیں، مجھے تمہارے ڈیڑی کے انکار سے ڈر لگتا ہے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو



میں کیسے برداشت کروں گا۔" وہ ہنساتی ہوئی تھی۔

"ڈیڈی نے آج تک میری ہر بات مانی ہے۔ وہ میری مرضی کو یقیناً اہمیت دیں گے۔" وہ بہت پریقین تھی۔  
"جب میں کہوں گی کہ مجھے تمہارے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو بھلا وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔"  
"اوکے..... آج بابا جان سے بات کر کے نہیں بتا دوں گا کہ وہ کب تمہارے گھر آ رہے ہیں۔" وہ مسکرائے تھے۔  
"اب سو ڈھٹیک کرو، آؤ تمہیں آئس کریم کھلاؤں۔" اور چندا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔  
"بابا.....!" رواد نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔  
"قبوہ پیسے کے آپ؟"

"پیس پیسز....." وہ یادوں کو جھٹکتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ حالانکہ قبوہ پینے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن انہیں لگا تھا کہ اگر وہ قبوہ پینے سے بھی انکار کریں گے تو رواد حقیقتاً پریشان ہو جائے گا۔ رواد نے دروازے سے باہر جھانک کر آواز دی۔

"چاچا قبوہ بنا کر بابا کے کمرے میں ہی لے آئیں۔ وہ بھی پیسے کے اور غلٹی یا رقم بھی آ جاؤ اور آج بابا کا سو ڈھٹیک ہوزنا ہٹھنے کا۔" آواز لگا کر وہ ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ پر بیٹھ گیا۔  
"تم لوگوں نے کھانا جلدی نہیں کھالیا..... کیا اچھا نہیں بنا ہوا تھا؟" انہوں نے رواد سے پوچھا۔  
"ارے نہیں بابا، کھانا تو بہت مزے کا تھا۔" رواد کے بجائے اندر آتے عقلم نے جواب دیا۔ "خدا بخش چاچا کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

"آؤ..... آ جاؤ بیٹا۔" انہوں نے بہت محبت سے اسے دیکھا۔ عقلم کے لیے وہ اپنے دل میں بہت محبت و شفقت پاتے تھے۔ اس کی طرف ان کا دل کھینچتا تھا۔  
"بیٹا تم یہاں سیٹ ہونا..... کوئی پرابلم تو نہیں.....!"

"نہیں بابا، میں یہاں بہت خوش ہوں اور وہاں ہاسٹل میں تو کبھی، کبھی دل بہت گھبراتا تھا۔"  
"آج بڑی عجیب بات ہوئی بابا۔" رواد کو ایک دم یاد آیا۔ "ہمارے ایک نئے پروفیسر آئے ہیں، انہوں نے ہم دونوں کو پہلے بھائی سمجھا پھر کہنے لگے۔ ضرور کوئی رشتے داری ہوگی۔ بہت مشابہت ہے تم دونوں میں..... خاص طور پر آنکھیں اور ناک تو بالکل ایک جیسی ہیں۔ جو اد نے بھی تائید کی۔"  
"بالکل صاحب.....!" خدا بخش نے قبوہ کی ٹرے ٹیل پر لاکر رکھی۔

"میں نے جب پہلی بار عقلم صاحب کو دیکھا تھا تو مجھے بھی لگا تھا کہ اپنے رواد سے بہت ملتے ملتے ہیں۔ خاص طور پر ان کی آنکھیں تو بالکل رواد جیسی ہیں۔ دیکھنے کا انداز بھی ویسا ہی ہے۔" انہوں نے عقلم کی طرف بخور دیکھا۔

واقعی انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ عقلم اور رواد میں کافی مشابہت تھی خاص کر آنکھیں تو.....  
"میرے پاپا کہتے ہیں میری آنکھیں تو بالکل ماما کی طرح ہیں۔" عقلم نے بتایا۔  
"ارے، میری آنکھیں بھی تو اپنی ماما کی طرح ہیں۔" رواد کے لبوں سے بے اختیار نکلا اور اس نے تصدیق کے لیے ان کی طرف دیکھا۔

"کیوں بابا؟" لیکن انہوں نے رواد کی بات ہی نہیں سنی تھی۔ وہ تو حیرت سے کبھی رواد کو دیکھتے کبھی عقلم کو اور پھر ان کے لبوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلتی۔  
"تمہارے پاپا کا نام.....؟" وہ مبہوت سے عقلم کو دیکھ رہے تھے۔

(جاری ہے)



## گزر چکی ہے فصل اکبر ہمارا

سنہ ۱۹۷۱ء



جگا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں لہجے، لہجے آویزے  
جھول رہے تھے۔ مرمریں حسین گردن میں ہیرے کا  
نیگلکس گویا اپنی ہی خوب صورتی میں اضافہ کر رہا تھا،  
گھنے سیاہ حسین بال سادگی سے سنورے ہوئے تھے۔

وہ سنہری ریٹنگ کا سہارا لیے آہستہ آہستہ  
بڑے پروقار اور مسکور کن انداز سے مرمریں زینے  
اترتی ہوئی نیچے آ رہی تھی۔ گہرے سبز رنگ کی پیش  
قیمت اور نفیس ساڑھی میں اس کا حسین سراپا ہزار گفتے

47 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

حسین و دلکش چہرے پر بغیر میک اپ کے بھی بے حد تابانی اور چمک تھی۔ نواب ذوالفقار نے تیزی سے سانس بھری، ان کا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔ کیا وہ اسے طلاق دے سکتے تھے؟ اسے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے خارج کر سکتے تھے؟ محض شک و شبہ کی بنیاد پر..... ایک موہوم سے ثبوت کی بنیاد پر جس کی تصدیق کی بھی اپنوں نے آج تک کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کیا یہ اس پر ظلم نہ ہوتا؟ اس کے ساتھ سنگین بے انصافی نہ ہوتی؟ کتنا عرصہ گزر چکا تھا وہ اسے طلاق دینے یا نہ دینے کے بارے میں کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ پارہے تھے۔

عجیلہ سے ان کی شادی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کے ساتھ ان کی شادی کسی رومان یا پسند کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ ان کے خاندانوں نے باہمی رضامندی سے طے کی تھی۔ یعنی یہ ارنجیلہ میرج تھی۔ عجیلہ ان کے والد مرحوم نواب ذوالقرنین علی خان کے پھوپھی زاد بھائی، نواب افتخار علی خان کی بیٹی تھی۔ جسے انہوں نے اپنی عمر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نواب افتخار ویسے بھی شمالی علاقے کے ایک انتہائی دور دراز کی ریاست مگر کے نواب تھے۔ وہ خاندانی تقریبات میں کبھی کبھار ہی شریک ہوتے تھے۔ ان کی بیگم کا تعلق بھی شمالی علاقے کی ایک ریاست سے تھا۔ خاندان کے لوگ ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے تھے، انہیں صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ ان کے پانچ بیٹے تھے اور ایک بیٹی..... اس ایک بیٹی عجیلہ کے حسن و جمال کا خاندان بھر میں خوب شہرہ تھا..... سنا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی بلکہ نہایت خوش اطوار اور خوش اخلاق اور خوش ذوق بھی تھی۔ جس کے لیے بڑے، بڑے امیر و بارسوخ گھرانوں سے رشتوں کے پیغام آرہے تھے لیکن نواب افتخار اس کی شادی اسے خاندان میں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کسی رشتے کی حوصلہ افزائی نہیں کی

تھی۔ پھر ایک خاندانی تقریب میں جو نواب افتخار کے چچا زاد بھائی، طاہر علی خان کی شادی کے سلسلے میں برپا ہو رہی تھی، وہ اپنی بیگم کے ساتھ من زار پہنچے تو ان کی بیٹی عجیلہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ اس تقریب میں نواب ذوالفقار اور ان کی والدہ بھی شریک ہوئے تھے۔ نواب صاحب کی ملاقات صرف نواب افتخار اور ان کی بیگم سے ہی ہو سکی تھی۔ ان کی بیٹی عجیلہ انہیں اس تقریب کی گہما گہمی میں کہیں نہ دکھائی دی تھی لیکن ان کی والدہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس ملاقات نے انہیں ایسا متاثر و مسحور کیا تھا کہ انہوں نے عجیلہ کو نواب اور ان کی بیگم سے اپنے بیٹے کے لیے مانگنے میں کوئی دیر نہ کی تھی۔ نواب افتخار اور خود ان دونوں کو اور ان کے بیٹوں کو بھی یہ رشتہ ہر لحاظ سے اپنی بیٹی، بہن کے لیے بے حد مناسب و موزوں لگا تھا۔ یوں عجیلہ بڑی دھوم دھام سے نواب ذوالفقار علی خان کی بیگم کی حیثیت سے "قصر زرین" میں بہار میں کر داخل ہو گئی تھی۔

نواب ذوالفقار علی خان نے اب تک عجیلہ کی صرف تعریفیں ہی سن رکھی تھیں۔ اب جب انہوں نے اسے دیکھا تو اپنا آپ ہی بھلا بیٹھے، اس کے بے پناہ حسن و جمال نے گویا انہیں اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ اس کی خوش ذوقی، نفاستِ طبع اور دیگر خوبیوں نے بھی انہیں اس کا شیدا بنا دیا..... وہ دل و جان سے اس کی محبت کا دم بھرنے اور ہر دم پر وہانہ وار تار ہونے لگے۔ وہ بھی ان کی محبت کا جواب محبت سے دینے میں بڑی گرم جوش اور ان کی مرضی و پسند کا احترام کرنے والی، ان کے اشاروں پر چلنے والی خدمت گزار بیوی ثابت ہوئی۔ ان کی زندگی بھر پور راحتوں اور مسرتوں سے لبریز گویا جنت کا نمونہ بن گئی۔ پھر اس جنت کو ایک ننھے سنے خوب صورت پھول نے اور بھی حسین بنا دیا۔ ننھا سلمان جو اب آٹھ ماہ کا ہو چکا تھا اپنی دادی کی آنکھوں کا نور اور

تو اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر بڑے پرسکون مگر  
تاثر سے بھرپور لہجے میں دھمی، دھمی سی معنی خیز  
مسکراہٹ سے صرف اتنا ہی کہا تھا۔

”گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر سے بھی“

اس پر وہ بری طرح چونکے تھے، انہوں نے تیز  
نظروں سے اسے گھورا تھا لیکن اس کے چہرے پر  
ایسے تاثرات پھیلے ہوئے تھے جیسے اس نے کوئی عام  
سی بات کہا ہو..... لیکن اس کے ہونٹوں پر جو خفیف  
سی معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی وہ انہیں کوئی  
ان کی کہانی سناتی مسکون ہو رہی تھی۔ ان کا دل ایک  
دم سے شکوک و شبہات کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ ان کے  
ذہن میں بد خیالیوں اور بد گمانیوں کے ناگ  
سرمرانے لگے۔ ایک عجیب بے چینی اور اضطراب  
انہیں شدید اذیت اور کرب میں مبتلا کرنے لگا تھا۔  
ان سے شادی سے پہلے کوئی مرد عجیلہ کی زندگی  
میں آچکا تھا شاید وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت  
میں مبتلا رہ چکے تھے۔ ان کے درمیان بے تکلفی بھی  
ہوگی، باہمی عہد و پیمان بھی ہوئے ہوں گے۔ لیکن  
ان کی شادی نہ ہو سکی تھی اور عجیلہ ان کی بیوی بن گئی  
تھی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ محض اپنے گھر  
والوں کے کہنے پر ان سے شادی پر تیار ہوئی تھی ورنہ  
اسے حقیقی معنوں میں محبت تو اپنی زندگی میں داخل  
ہونے والے اس پہلے مرد سے تھی۔

انہیں اب اس کی محبت، اس کی چاہت، اس کا  
لگاؤ سب ریا کاری اور منافقت دکھائی دینے لگے  
تھے۔ ان کی نظریں اب مشکوک انداز میں اس کی نقل و  
حرکت کا جائزہ لینے لگی تھیں۔ اس کے منہ سے نکلنے  
والی ہر بات سے وہ کوئی نہ کوئی معنی مطالب اخذ  
کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ لیکن انہوں نے  
اپنے رویتے یا باتوں سے اسے کچھ نہ محسوس ہونے  
دیا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اس کے ساتھ ہنستے بولتے،  
اس کے ہمراہ میر و تفریح کرتے، لوگوں سے ملتے

ان کے دلوں کا سرور تھا۔

ان کی زندگی شاید اسی طرح راحتوں اور مسرتوں  
سے بھرپور گزرتی رہتی لیکن ایک دن ایک واقعہ ایسا رونما  
ہو گیا جس نے نواب ذوالفقار کے لیے زندگی کا تمام تر  
حسن و دلکشی غارت کر کے رکھ دی اور اس میں نفرت اور  
غم و غصے کا زہر بھر دیا۔ ان کے دل و دماغ کو مسموم  
کر دیا۔ ان کی روح پر ایک بھاری بوجھ لا ڈالا۔

ہوا یہ تھا کہ اس شام وہ اور عجیلہ محل کے باہر  
چمن کی سیر کر رہے تھے۔ ان کے درمیان ہلکی پھلکی  
پرمزاح باتیں ہو رہی تھیں۔ یونہی چلتے، باتیں کرتے  
وہ چمن میں واقع وسیع و عریض تالاب میں بنی بارہ  
دری میں جا کر مرمرس نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ  
ایک بے حد حسین شام تھی۔ عطرین ہوا میں فضا کو معطر  
کیے ہوئے تھیں۔ رنگارنگ پھول بڑے دلکش انداز  
میں ہوا میں ہلکورے لے رہے تھے۔ درختوں کے  
پتے ہوا کی پھیپھڑیوں سے تالیاں بجا رہے تھے۔  
ادھر ادھر اڑتے رنگارنگ پروں اور تالاب کے دور  
دراز کے حصے میں تیرتے ہنگوں اور مرغابیوں کی  
چپکاروں نے فضا میں تفسیحی سی برپا کر رکھی تھی۔ ایسی  
فضاؤں، ایسے نظاروں میں عجیلہ کا حسین وجود نواب  
ذوالفقار کو بے خود کیے دے رہا تھا۔ ان کے درمیان  
شادی سے پہلے کے زمانے کی باتیں ہونے  
لگیں۔ نواب ذوالفقار، عجیلہ کو کالج اور یونیورسٹی  
میں اپنے ساتھ پیش آنے والے رومانی حادثات کے  
بارے میں بتانے لگے تھے کہ کتنی ہی خوب صورت  
اور طرح دار دو شیزاؤں نے انہیں اپنی طرف متوجہ  
کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کسی کے ساتھ سنجیدہ نہ  
ہوئے تھے۔ اور یہ معاملات دل یک طرفہ ہی رہے  
تھے۔ انہوں نے بعض دو شیزاؤں کا ذکر بڑی تفصیل  
سے کیا تھا اور ان کی ایک طرفہ محبت پر اظہارِ تاسف  
بھی کیا تھا۔ پھر انہوں نے عجیلہ سے بھی پوچھا کہ آیا  
اس کے ساتھ بھی ایسا کوئی رومانی حادثہ پیش آیا تھا؟

”گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر سے بھی.....“ ان کی یادداشت پر ان مٹ نعوش بن کر بہت ہو چکے تھے۔ وہ انہیں نہیں جھٹلا سکتے تھے۔ اپنی ہی آگ میں جلتے کھٹے مسلسل بے چینی اور اضطراب میں مبتلا وہ اپنے آپ کو چاروں طرف سے گہری تاریکیوں میں گھرا پارہے تھے۔ جن میں کہیں سے بھی روشنی کی کرن نہ دکھائی دے رہی تھی۔

دستِ دُعا و عرض تیز روشنیوں سے جھگڑتے لاؤنج میں اس وقت بجیلہ فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھی۔ قریب ہی صوفی نے پران کی والدہ صفیہ خانم پوتے سلمان کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے چائے کی ٹرالی تھی۔ وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

”کہاں رہ گئے تھے زلفی.....؟ یہاں چائے تمہارے انتظار میں ٹھنڈی ہوتی رہی۔“ صفیہ خانم نے پوچھا۔

”جن میں گلاب کے پھولوں کو دیکھنے چلا گیا تھا۔ وہاں پھولوں کی نئی اقسام لا کر لگائی گئی ہیں۔“ انہوں نے بات بناتے ہوئے اپنی پیالی میں چائے انڈیلنی شروع کی۔ اسی وقت بجیلہ بھی فون سے فارغ ہو کر ان کے قریب آئی تھی۔

”کس کا فون تھا؟“ انہوں نے استفسار کیا۔

”عذرا کا..... اس کے بھائی کی شادی ہو رہی ہے، آپ کیا میرے ساتھ چل نہیں گئے؟“ عذرا اس کی بچپن کی سہیلی تھی جو اکثر صمن زارا آتی رہتی تھی۔

”میں تو فی الحال کہیں نہیں جاسکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ، ہر ارضیات کا ایک وفد یہاں پہنچا ہوا ہے، مجھے ان کے ساتھ مصروف رہنا پڑتا ہے۔ تم خود چلی جاؤ، میری طرف سے معذرت کر لیتا۔“

”ہاں اپنے ساتھ کچھ کنیریں اور محافظ بھی لے جاؤ، دور کا سفر ہے.....“ صفیہ دیکھ بولیں۔ ”تم وہاں متاخر نہ رہو، بیٹی؟“

”بفتم بھرتو تک ہی جائے گا۔“ بجیلہ کچھ سوچ

ملاتے جبکہ ان کے اندر ایک الاؤ سا دکھ رہا ہوتا تھا۔ شدید غیظ و غضب، نفرت و اذیت، شدید حسد و رقابت کے جذبات کے کھولاؤ سے ہر دم۔ بے چینی بے سکون وہ اب بجیلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگے تھے جس کے لیے ان کے دل میں اب کوئی محبت، چاہت یا لگاؤ باقی نہیں رہ گیا تھا جو ان کے نزدیک اب ایک بے وقاف، فریبی، جھوٹی اور منافق عورت تھی۔ جو بظاہر ان کی محبت و وفا کا دم بھرتے ہوئے ایک دوسرے آدمی کے خیال و تصور کو بسانے بیٹھی تھی درحقیقت اسی کی محبت و چاہت کا دم بھرتی چلی جا رہی تھی۔ اور یہ ان کی برداشت سے باہر تھا۔ یہ ان کی محبت، ان کے پاکیزہ جذبات کی تذلیل ہی نہیں تھی، ان کی غیرت و حیثیت پر بھی کھلا وار تھا جسے وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے پارہا سے طلاق دینے کے بارے میں سوچا تھا لیکن وہ کسی کے سامنے طلاق کی کوئی معقول وجہ نہیں پیش کر سکتے تھے۔ اس صورتِ حال کے نتیجے میں شدید برہمی، جھنجھلاہٹ اور مایوسی نے ان کے دل و دماغ پر برا اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی صحت متاثر ہونے لگی، باوجود کوشش اور ضبط کے وہ اب اکثر بجیلہ سے سخت کلامی کر بیٹھتے۔ اس سے سرد مہری برتنے لگتے۔ اسے ڈانٹ اور تہمت بھی دیتے۔ وہ ان کے اس رویے پر حیران و پریشان نہیں خوش رکھنے اور ان کا ہر ممکن خیال رکھنے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ بدستور اس کی جانب سے کھینچے، کھینچے سے رہتے تھے۔ بجیلہ نے جب بھی ان سے ان کے اس بدلے ہوئے رویے کی وجہ جانتا چاہی تو انہوں نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے ہال دیا۔ انہیں بعض اوقات اس سے اپنی زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ اور یہ خیال گزرتا کہ شاید وہ اس کے بارے میں بے جا شکوک و شبہات اور غلط فہمی کا شکار ہیں لیکن اس کے کبے ہوئے الفاظ.....

**خودکشی**

ایک آدمی خودکشی پہ تقریر کر رہا تھا۔ خودکشی حرام ہے، ظلم ہے، بزدلی ہے، پاگل پن ہے، ایسی حرام موت مرنے سے بہتر ہے انسان اپنے آپ کو گولی ماروے۔“

☆☆☆

**بیچہ**

”ماں میں کب اتنا بڑا ہوں جاؤں گا کہ میں تم سے بنا پوچھے کہیں بھی آ جا سکوں گا۔“ ایک معصوم بچے نے اپنی ماں سے پوچھا۔ ”بیٹا اتنا بڑا تو ابھی تک تیرا باپ بھی نہیں ہوا۔“

از: گلینہ ضیا بخش، کراچی

بچہ کرنا تھا جلد ہی کرنا تھا۔

اس رات کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے کچھ وقت اپنی والدہ کے ساتھ گزارا۔ پھر اپنے کمرے میں چلے آئے۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے انہوں نے سگار دان سے سگار نکالا اور اسے سلگاتے ہوئے اس کے گہرے، گہرے کش لیتے ہوئے صوفے کی پشت سے تک کر اپنے ذہن میں طلاق کا مضمون تیار کرنے لگے۔ ان کی نظریں سامنے وارڈروب پر جمی تھیں۔ اس وارڈروب میں بجیلہ کے ملبوسات سجے تھے۔ سیف میں زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء محفوظ تھیں۔ بجیلہ ہر چیز کا بڑا اعلیٰ ذوق رکھتی تھی۔ خواہ وہ جوتے، کپڑے ہوں، زیورات، میب اپ کے لوازمات ہوں یا آرائشی اشیاء... ڈریسنگ روم میں بھی اس کی جو وارڈروب تھی اس میں آراستہ اشیاء بھی اس کی اعلیٰ ذوق کا شاندار نمونہ تھیں۔ ڈریسنگ روم کی وارڈروب کے خیال کے ساتھ ہی نواب ذوالفقار کو کوئی خیال آیا وہ چونکے اور سیدھے ہو کر صوفے پر آ بیٹھے۔ اس وارڈروب کی ہر کینینٹ ہر درازان کی دیکھی بھائی تھی۔ ان میں بھی بجیلہ نے اپنے پیش بہا زیورات اور بہت کچھ

کر بولی۔ ”لیکن کوشش کروں گی کہ جلد واپس آ جاؤں۔ آپ ننھے کی وجہ سے اداس ہو جائیں گی ناں؟“ صفیہ خانم مسکرائیں۔ انہوں نے جھکا کر بچے کو پیار کیا۔

”ہاں یہ تو مجھے بے حد یاد آئے گا لیکن یہ ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ مجھے یاد رکھ سکے۔ ویسے تم کب جا رہی ہو بیٹی؟“

”اگلے سنتے عذر مانے جلد پہنچنے کی تاکید کی ہے۔“ ”اچھا تم تیاریاں کر لو، میں ہوائی جہاز سے تمہارے سفر کا انتظام کروائے دیتا ہوں۔“ نواب ذوالفقار بولے اور خالی کپڑائی میں رکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

اس رات وہ دیر تک اپنے کمرے کے باہر لابی میں بیٹھے رہے۔ سگریٹ پر سگریٹ پھونکتے ہوئے عمیق سوچوں کے گرداب میں پھرتے رہے۔ بجیلہ سے نجات پانے کا یہ اچھا موقع تھا۔ اپنی سبکی کے بھائی کی شادی کے بعد اس نے اپنے ماں، باپ اور بھائیوں سے ملنے تو ضرور جانا تھا۔ یہ اسے طلاق نامہ بھجوانے کا اچھا موقع تھا۔ اس طرح وہ کبھی بمن زار واپس نہیں آ سکتی تھی۔ اپنی سسرال والوں کے سامنے اس طلاق کے لیے ان کے پاس اس کی بے وفائی اور فریب کاری کا مقبول جواز موجود تھا۔ اپنی والدہ کو بھی وہ مطمئن کر سکتے تھے جو بجیلہ کو حقیقی بیٹی کی طرح چاہنے لگی تھیں۔ ننھے سلمان کی جدائی انہیں شاق نزلتی لیکن پھر انہیں صبر آ ہی جاتا۔ صبح ہونے تک وہ اس ارادے ناسی فیصلے کے تانے بانے بنتے رہے۔

اگلے ہفتے بجیلہ ننھے سلمان کے ساتھ اپنی ریاست پرواز کر گئی۔ اس کے بعد کے چند دن نواب ذوالفقار کے اتنے مصروف گزارے کہ انہیں بجیلہ کو طلاق نامہ بھجوانے کا خیال تک نہیں آ سکا پھر جب بالآخر انہیں فرصت میسر آئی تو بجیلہ کے واپس آنے میں تھوڑے دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ اب انہیں جو

رکھا ہوا تھا لیکن ایک کیبنٹ ایسا تھا جو بند ہی چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے جب کبھی اس سے اسے کھولنے پر اصرار کیا تھا تو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ٹال مٹالی تھی۔ ان کے رگ و پے میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ وہ چیزی سے سگار کے کش لیتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئے۔ عجیب حیران کن بات تھی کہ انہیں عجیلہ کی طرف سے مشکوک اور بدگمان ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا اور انہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس ہمیشہ بند رہنے والی کیبنٹ میں کچھ ہو سکتا تھا۔ اس کے محبوب کے خطوط، تصاویر، خفیہ ڈائری یا خطرناک قسم کے کاغذات.....

انہوں نے ایٹھ ٹرے میں سگار پکلا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ اندر پہنچ کر انہوں نے روشنیاں جلائیں اور وہ وارڈ روبز کی قطاروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے عجیلہ کے اس وارڈ روب کے سامنے جا کر رک گئے۔ انہوں نے مخصوص خفیہ مقام سے اس کی چابیاں نکالیں اور وارڈ روب کھول دیا۔ سوراکن خوشبوؤں کے مجموعے ان کی حس شامہ سے ٹکرائے۔ ڈیٹروں پر لکھے حسین و بیش قیمت لمبوسات کی قطاروں سے آگے اور تانچے کیبنٹوں کی قطار بنی ہوئی تھی جو سب مقل تھے۔ انہی میں وہ کیبنٹ بھی تھا جسے کھولنے سے عجیلہ ہمیشہ انکاری رہی تھی۔ انہوں نے الماری کے خفیہ خانے سے ان کیبنٹوں کی چابیاں نکالیں اور انہیں اس کیبنٹ کے لاک پر آزمانے لگے لیکن اسے کوئی چابی نہ لگ سکی۔ شدید غصے اور جھنجلاہٹ کے عالم میں انہوں نے ایک بار پھر تمام چابیاں اس لاک پر آزما ڈالیں لیکن اس بار بھی وہی نتیجہ رہا۔ ہونا بھی یہی چاہیے تھا کہ عجیلہ اسے اس طرح بند رکھتی۔ ان کے رگ و پے میں شدید غیظ و غضب کی لہریں موجزن ہو گئیں۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، سنگار میز پر ایک نیل کٹر پڑا تھا۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا اور اس کا چاقو کھول کر اسے

کیبنٹ کے کی ہول میں داخل کرتے ہوئے اسے پوری قوت سے گھمایا۔ کھٹک ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی چاقو بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے نیل کٹر کو ایک طرف پھینکا اور کیبنٹ کھول دیا۔ ان کا خیال غلط نہیں تھا۔ اندر واقعی کاغذوں کے کئی پلندے اور ڈائریاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ انتہائی اشتیاق و تجسس سے کچھ غیظ و غضب سے کپکپاتے، شگوک و شبہات کے گرداب میں چکراتے انہوں نے پہلے ڈائریاں دیکھنی شروع کیں مگر ان تمام ڈائریوں میں چند ایک ہی صفحات پر کچھ نام اور پتے وغیرہ لکھے ہوئے تھے یا اشعار لکھے ہوئے۔ تین ہائی سب ادراک صاف تھے۔ انہوں نے انہیں اپنی جگہوں پر رکھتے ہوئے کاغذوں کے پلندے دیکھنے شروع کیے۔ وہ عجیلہ کے زمانہ طالب علمی میں مختلف رسائل کو لکھے گئے افسانوں اور غزلوں وغیرہ کے تراشے تھے۔ وہ ان سب پلندوں کو توجہ سے دیکھتے رہے۔ انہیں ان میں اسے کام کی کوئی چیز نہ مل سکی۔ اب ایک ہی پلندا باقی رہ گیا تھا۔ جس پر اخباری کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ وہ ایک فیتے سے بندھا تھا۔ شاید یہی ان کے کام کی چیز تھی۔ انہوں نے اس کے فیتے کو کھولا اس پر لپٹا اخباری کاغذ ہٹایا ان کا دل زور، زور سے دھڑک رہا تھا۔ شخص کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ کاغذ ہٹتے ہی نیلے گلابی اور سفید رنگوں کے لیٹر پیڈز پر لکھے خطوط ان کے سامنے تھے۔ یہ عجیلہ کی سہیلیوں کے اس کی شادی سے پہلے کے اسے لکھے ہوئے خطوط تھے۔ انہوں نے ایک، ایک کر کے انہیں پڑھنا شروع کیا۔ زیادہ خطوط میں ادھر، ادھر کی پُر لطف باتیں اور واقعات ہی لکھے ہوئے تھے پھر ایک خط کی سطروں پر نظریں دوڑاتے، دوڑاتے وہ بری طرح سے چوگے اور پوری توجہ سے ان سطروں کو پڑھنے لگے۔ لکھا تھا: "تو تم نے اپنے خوابوں کے شہزادے کو پاتلی لیا۔ افسوس کی بات ہے جو وہ تمہیں نہ دیکھ سکے ورنہ

تھی۔ ان میں تمہارے خوابوں کے شہزادے نواب ذوالفقار علی خان (اب تو ان کا نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں، تمہاری ان سے منگنی جو ہو چکی ہے) بھی آئے ہوئے تھے۔ اس تقریب میں مجھے انہیں اچھی طرح سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ واقعی اس قابل ہیں کہ تمہارے خوابوں کے شہزادے کہلا سکیں اب.....“

اس سے آگے نواب ذوالفقار سے کچھ نہ پڑھا جاسکا۔ ان کے دل و دماغ میں عجیب بیجان سا برپا ہو گیا تھا۔ انہیں دنگوں پر دھچکے لگ رہے تھے۔ تو یہ تھی عجیلہ کے اس معنی خیز جملے کی حقیقت.....“ گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر سے بھی“ جس کا اس نے ان کے سامنے گل کرا عتراف نہیں کیا تھا۔ اپنی زندگی کے حسین راز کو ہمیشہ پوشیدہ رکھا تھا۔ ایک بے بہا سرمائے کی طرح.....“ آف وہ بھی کیا کرنے لگے تھے۔ بے بنیاد شکوک و شبہات کا شکار ہو کر کیسا بھیا تک قدم اٹھانے لگے تھے۔

اسی وقت انہیں کمرے میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ دوسرے ہی لمحے عجیلہ ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئی۔ زمین پر گری ڈائریوں، کاغذوں اور خطوں کو دیکھتے ہی وہ ایک دم ہی اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی پھر اس کی نظریں نواب ذوالفقار پر پڑیں جو ہاتھ میں ایک خط لیے عجیب تحریر و رسم اسلمگی کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

”زلفی.....!“ وہ چلائی۔ ”یہ کیا ہے..... یہ سب کچھ کیا ہے..... اور یہ آپ کو کیا ہوا ہے؟“

”عجیلہ.....“ نواب ذوالفقار علی بہ مشکل تمام بولے۔ ”میری عجیلہ، میری جان..... میں..... میں تمہیں بتاتا ہوں..... میں ایک مہیب گڑھے میں گرنے جا رہا تھا..... بچ گیا۔“

اور عجیلہ ان کی اس بے ربط گفتگو اور متذبذب حالت پر اپنی خوب صورت لمبی پلکیں اٹھائے نکلے نینوں سے انہیں نکلے جا رہی تھی۔

ان کا حال بھی تم سے مختلف نہ ہوتا۔ اب تو تم اپنی ہر خاندانی تقریب میں شرکت کیا کرو، لیکن ہے کہ کسی موقع پر ان کا تمہارا آنا سامنا ہو جائے.....“ ان کے دانت سختی سے بھینچ گئے، خوابوں کا شہزادہ.....“

اب انہیں معلوم ہوا تھا کہ عجیلہ اس کیبنٹ کو اس طرح کیوں بند رکھتی تھی۔ ان کے اصرار کے باوجود اسے کھولنے پر کیوں آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے کہ اس میں ایسے خطرناک خطوط محفوظ تھے۔ انہوں نے شدید غیظ و غضب سے کپکپاتے ہاتھوں اور تیز سانسوں کے ساتھ دوسرا خط کھولا۔ یہ عجیلہ کی خاص کھلی عذرا کا خط تھا۔ رسمیات اور کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد لکھا تھا۔

”اور کیا تمہاری اپنے خوابوں کے شہزادے سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی؟ خاندانی تقریبات میں تو وہ شریک ہوتے ہی ہوں گے۔ تم ایسے ہی کسی موقع پر ان کے سامنے آ جاؤ تو یہ ناممکن ہی ہوگا کہ وہ تمہارے حصول کے لیے بے تاب نہ ہونے لگیں۔ ہم سب اس وقت کے بے چینی سے سخت ہیں۔“

شدید حسد و رقابت کی آگ میں جلتے بھینتے، غیظ و غضب کی لہروں سے تھر تھراتے انہوں نے باقی خطوط پر نظر ڈالنا بیکار سمجھ کر انہیں عجیلہ کی بے وفائی اور کرفریب کا پختہ ثبوت سمجھتے ہوئے اسے طلاق نامہ لکھنے کے لیے ان خطوط کو اکٹھا کیا۔ پھر جانے کس خیال کے تحت انہوں نے باقی خطوط پر بھی نظر ڈال لینا ضروری سمجھتے ہوئے اگلے یہ شدہ گلابی لیٹر پیڈ پر لکھے ہوئے خط کو کھولا اور اس کی سطروں پر نظریں دوڑانے لگے۔ وہ بھی عذرا کی تحریر میں تھا۔ اس میں کچھ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد لکھا تھا۔

”میں گزشتہ ہفتے من زار عقیلہ کے بیٹے کی سالگرہ پر گئی تھی۔ بڑی دھوم دھامی سالگرہ تھی وہ۔ آخر عمران، عقیلہ کا ایک ہی بیٹا جو ہے۔ وہاں رشتے داروں کے علاوہ عمائدین شہر کی بھاری تعداد بھی مدعو





## مستاع و ان

نبیلہ ابرار حسب

ناولٹ

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ عائکہ کی تکلیف اور کرب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شیریں اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ ایک تجربہ کار دائی بھی ان کے پاس موجود تھی، وہ اپنے تئیں ہر کوشش کر رہی تھی جو عائکہ کو اس تکلیف سے جلد نجات دلا سکے۔

”بھابی آپ عمر کو فون کر دیں شہر میں۔“ دانت پ دانت جما کے تکلیف برداشت کرتے ہوئے اس نے

54 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM  
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY



صورت حال کے حساب سے درست مشورہ دیا تھا۔  
 ”اور کتنی دیر میں.....؟“ شیریں کا لہجہ معنی خیز تھا۔  
 جواب میں شریقاں بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”اچھا تم جاؤ، میں ڈرائیور کو جگاتی ہوں ساتھ  
 ہی مری بھائی کو فون کر کے بتاتی ہوں۔“ وہ بیڈ سے اٹھی  
 اور اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ شریقاں حکم کی  
 تعمیل میں عائلہ کے پاس واپس آ گئی۔ جو درود اذیت  
 کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ایک ٹاپے کے لیے شریقاں کا  
 دل لرز سا گیا کیونکہ شیریں بی بی کے ارادے اور تیور  
 کچھ اور ہی لگ رہے تھے جبکہ ہرگز رنے والے پل  
 کے ساتھ عائلہ کی حالت خراب۔ سے خراب تر ہوئی  
 جارہی تھی۔

اکلا پورا گھنٹا شیریں نے بظاہر بڑے ہنگامی  
 اقدامات میں گزارا۔ عمر زیب اور اورنگزیب کو فون  
 کیا۔ دونوں بھائی سوئے ہوئے تھے۔ شیریں نے  
 فون کرنے میں پورا آدھا گھنٹا لگایا۔ فون کے بعد  
 ڈرائیور ولد ار کو جگایا۔ اور عمر زیب، شیریں بھابی کی  
 کال ریسیو کرنے کے بعد سے سخت مضطرب تھا۔ اس  
 نے بار بار بھابی سے تاکیدی الفاظ میں کہا کہ عائلہ کو  
 فوراً اسپتال لے جانے کا انتظام کریں۔ اورنگزیب  
 بھائی بھی جاگ گئے تھے۔ عمر نے عائلہ کا کیس ہینڈل  
 کرنے والی لیڈی ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا۔ اس کا اپنا  
 جدید سہولیات سے آراستہ اسپتال تھا۔ عائلہ ایک بار  
 خیریت سے اسپتال تک آ جاتی تو باقی کا مسئلہ نہیں تھا۔

☆☆☆

عمر زیب مضطرب انداز میں برآمدے میں ٹہل  
 رہا تھا۔ موسم میں اچھی خاصی خنکی تھی مگر وہ ارد گرد سے  
 بے نیاز تھا۔ اس وقت اس کی ساری حیات سمٹ کر  
 عائلہ کی طرف متوجہ تھی۔ عائلہ اس کی عزیز از جان  
 محبوب بیوی، اس کے دکھ سکھ کی ساتھی، اس کے  
 پیارے سے بیٹے کی ماں۔ وہ دوبارہ تخلیق کے کرب  
 ناک مراحل سے گزر رہی تھی اور اس سے وہ اس سے  
 بہت دور تھا۔ وہ اکیلے یہ سب تھیل رہی تھی۔ وہ اس

مقت آمیز نگاہوں سے شیریں بھابی کی طرف دیکھا تھا۔  
 ”شریقاں بڑی تجربے کار ہے۔ اس سے بھی  
 مشکل کیس اس نے منٹوں میں نمٹائے ہیں۔ ویسے بھی  
 رات کا وقت ہے عمر بھائی کو آتے، آتے چار پانچ گھنٹے تو  
 لگ ہی جائیں گے، اور نگزیب یہاں ہوتے تو پریشانی  
 کی بات کوئی نہیں تھی پر عین وقت پر وہ بھی عمر بھائی کے  
 ساتھ نکل گئے۔ خیر میں کچھ کرتی ہوں۔“ شیریں اسے  
 پریشانی سے دیکھتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

عائلہ کی زہنگی کا وقت قریب تھا حالانکہ ڈاکٹر  
 کے بتائے گئے حساب کے مطابق ابھی اس کے ہاں  
 ڈیوری میں پندرہ سے۔ بیس دن باقی تھے۔ یہی اطمینان  
 تھا جس کی وجہ سے دونوں بھائی کاروباری معاملات  
 نمٹانے شہر گئے ہوئے تھے۔ اگر انہیں پتا ہوتا تو وہ ہرگز  
 ڈیوری ڈیٹ سے کم سے کم ہفتہ پہلے عائلہ کو اسپتال  
 میں ایڈمٹ کر دیتے تاکہ بی بی وغیرہ کنٹرول میں  
 رہے۔ عمر مقرر مند تھا مگر عائلہ نے خود ہی سہولت سے منع  
 کر دیا تھا کہ آپ جب واپس آئیں گے میں تب ہی  
 اسپتال جاؤں گی پر اس کی نوبت ہی نہیں آ پائی۔ عمر  
 زیب کو گئے دوسرا دن تھا جب عائلہ کو لیبرین شروع  
 ہوئے۔ رات کا وقت، شہر گھنٹوں کی مسافت پر تھا۔  
 شیریں، شریقاں دائی کو لے آئی۔ دیہات میں اس کی  
 بڑی شہرت تھی۔ نارٹل کیس وہ آرام سے نمٹا لیتی تھی پر  
 عائلہ کا کیس پیچیدہ تھا۔ بڑے بیٹے شاہ زیب کی  
 پیدائش کے بعد عائلہ کے ساتھ کوئی پیچیدگی ہو گئی تھی  
 جس کی وجہ سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ احتیاط کی  
 ضرورت تھی۔

وہ درد سے تڑپ رہی تھی۔ تکلیف اس کی  
 برداشت سے باہر تھی۔ شریقاں اٹنے پاؤں باہر نکلے تاکہ  
 شیریں کو صورت حال بتا سکے۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ  
 پر چٹھی تھی۔ جو اس باختم شریقاں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر  
 بھی اس کے اطمینان میں سر مو کوئی فرق نہیں آیا۔

”بی بی جی یہ مسئلہ میرے بس سے باہر ہے آپ  
 چھوٹی مالکن کو شہر لے جائیں۔“ اس نے اپنے تئیں

کے برعکس شیریں کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہ تھے۔ شریفان دانی تھی اسے آئندہ پیش آنے والے حالات کا کچھ اندازہ ہو چکا تھا۔ عائکہ ہوش کی وادی سے دور جا رہی تھی۔ اگر کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو اس کی جان کہیں عذاب میں نہ آجائے۔ یہ تصورات اسے خوفزدہ کر رہے تھے۔

گاڑی شہر کی حدوں میں داخل ہو چکی تھی۔ شیریں نے عائکہ کے رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ اُدھر سے کسی روتول کا اظہار نہیں ہوا۔ وہ بیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی اور ہاتھ میں قہمی سیج کے دانوں کو گھمانے لگی۔

☆☆☆

ہسپتال کے باہر عمر زیب بے تابانہ ان کا انتظار کر رہا تھا ساتھ اورنگزیب بھی تھے۔ عائکہ کو فوراً آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا تھا۔

”بھابی آپ اتنی دیر سے کیوں لائی ہیں عائکہ کو؟“ عمر زیب کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔  
”وہ گاڑی میں عین وقت پر کچھ خرابی ہو گئی ورنہ اتنی دیر نہ ہوتی۔“

”اور گاڑیاں بھی تو تھیں گھر میں صرف ایک گاڑی ہی تو نہیں تھی ناں؟“ یوں لگ رہا تھا عمر زیب کو۔  
”شیریں چپ سی ہو گئی۔“

”میں نے اپنی طرف سے کوئی کمی یا کسر نہیں چھوڑی، یہ شریفان ساتھ تھی اس نے ہر ممکن طور پر عائکہ کا ساتھ دیا بس آنے سے کچھ دیر پہلے ہی عائکہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی ورنہ پہلے سب ٹھیک تھا۔“ شیریں کا لہجہ غلط بیانی کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں لڑکھایا نہ کمزور ہوا۔  
عمر زیب کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ طویل کارڈیور میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ بھائی نے اس کے کندھے پر بازو پھیلا دیا۔

”حوصلہ کرو، اللہ خیر کرے گا۔ عائکہ کے لیے صحت و زندگی کی دعا مانگو۔“ وہ انہیں کیسے بتاتا کہ اس وقت اس کا رُواں رُواں عائکہ کے لیے دعا گو ہے۔  
خاصی دیر گزر چکی تھی... عائکہ کو آپریشن تھیٹر میں لے کر

کے پاس ہوتا تو اس کی تکلیف میں کمی تو نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی ڈھارس تو بندھا سکتا تھا۔ اپنی محبت سے اس کرب کو کم تو کر سکتا تھا۔ اس نے انہوں سے ہاتھ ملے۔ ایک پرانا منظر زندہ ہو گیا تھا جب عائکہ رخصت ہو کر اس کے پاس آئی تھی۔ جب عمر نے زندگی بھر ہر دکھ درد میں اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا اور آج وہ اکیلی تھی۔ کاش وہ نہ آتا عائکہ کو ہسپتال میں ایڈمٹ کروا کے ہی آتا مگر اس وقت عائکہ نے ہی تو بڑی نرمی سے انکار کر دیا تھا۔ وقت گزر رہی نہیں رہا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں بھی جیسے رک رک کے چل رہی تھی۔ بھائی بھی اس کی حالت دیکھ کر بہت پریشان تھے۔ عمر زیب انہیں سونے کا کہہ کر خود داخلی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ آسمان پر ہادل جمع ہو رہے تھے۔ بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے ایک نظر آسمان کو دیکھا جہاں بادل برسنے کو تیار کھڑے تھے۔

”الہی خیر۔“ جانے کیوں اس کا دل ڈر گیا۔  
اس نے دوبارہ کمرے میں آ کر جیکٹ پہنی اور حویلی فون کیا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ عائکہ کو ابھی کچھ دیر پہلے شیریں بھابی کے ساتھ گھر سے لے جایا گیا ہے۔ اسے سخت غصہ آیا۔ شیریں بھابی نے ڈیڑھ گھنٹا پہلے فون کر کے اطلاع دی تھی۔ اس حساب سے انہیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے تھا اور کال ریسیو کرنے والی ملازمہ بتا رہی تھی کہ وہ لوگ ابھی ابھی روانہ ہوئے ہیں۔ اس نے غصے سے ریسیور کرینڈل پر پٹھا۔

”کاش..... کاش میں شہر نہ آتا۔“ اس نے اپنے سر کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

☆☆☆

گاڑی ٹارنل رفتار سے سیاہ کوئٹہ کی سڑک پر اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ سپیڈ سحر نمودار ہونے کی تیاری میں تھا۔ عائکہ کی گلابی مائل رنگت پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اب بالکل خاموش تھی۔ وقفے، وقفے سے اب اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر شریفان کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ اس

گئے ہوئے۔ عمر زیب کو اپنی آتی جاتی سانس بوجھ لگ رہی تھی۔ اسے اپنا دم گھٹنا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چہ نہیں وقت کیا دکھانے والا تھا۔

یوں لگ رہا تھا وہ پلی صراط پر کھڑا ہے اور بس اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ انہی خیالات میں غلطاں تھا وہ جب نرس کے ساتھ ڈاکٹر روینہ ان تینوں کی طرف آئی۔ عمر زیب میکا کی انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر روینہ کا چہرہ سنجیدگی و انفرادی کی تصویر بنا تھا۔

”اللہ نے بہت پیاری بیٹی دی ہے آپ کو مگر... فی الحال آپ اسے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ بیٹی انکوبیوٹر میں ہے۔ اس کی حالت جیسے ہی تسلی بخش ہوتی ہے اسے لے جائیے گا اور آئی ایم سوری عمر صاحب ہم عائلہ کو نہیں بچا سکے۔ آپ انہیں بہت دیر سے لائے اگر کچھ پہلے لے آتے تو شاید کچھ ہو سکتا تھا۔ میں نے عائلہ کے حوالے سے ان تمام پرائیمر سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ اتنا لمبا سفر پھر آپ کی سز کی کنڈیشن..... ہم کچھ نہیں کر پائے۔ اسی وجہ سے بیٹی کی حالت بھی زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔“

عمر زیب کے کانوں میں سائیں، سائیں ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا اس نے ایک لفظ نہیں سنا۔ اگر سنا بھی ہے تو یقین نہیں کیا ہے۔ بھلا عائلہ جیسے اسے چھوڑ کے جا سکتی ہے۔ اس نے تو وعدہ کیا تھا میں ہر حال میں آپ کے ساتھ رہوں گی پھر اتنی جلدی وہ کیسے بھول گئی سب کچھ۔

شیریں کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو، غم و الم کی تصویر بنا اور عمر زیب کا چہرہ اور شریفان کے بین عمر زیب کو یہ حقیقت باور کروا چکے تھے کہ عائلہ سچ اسے چھوڑ کے جا چکی ہے۔ کویت میں جملہ بیٹے والی عائلہ کا سفر پاکستان میں آکر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

عمر زیب ایک روایتی زمینداروں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر طبیعتاً اپنے خاندانی مزاج سے

بالکل الگ اور غیر روایتی..... ان کے خاندان میں نوکری نہیں کی جاتی تھی۔ جدی پشتی زمیندار تھے اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ تین بڑے بھائی..... زمینداری ہی کر رہے تھے پر عمر زیب نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری کرنے کی ٹھانی تو بڑے چوہدری صاحب روایتی جلال میں آگئے پر عمر زیب بھی انہی کا بیٹا تھا۔ اس نے محانتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک غیر ملکی کمپنی میں نوکری کر لی اور پانچ سال کے کنٹریکٹ پر کویت آ گیا۔ اس کمپنی کے مالک وہاں بسنے والے ایک پاکستانی باشندے شیخ عمار بن حیان تھے۔ وہ ایک بڑے سے وہاں رہ رہے تھے۔ عائلہ حیان ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ وہ اکثر ویسٹرن آفس آتی جاتی رہتی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی مذہبی عمر زیب سے نہ ہوتی۔ وہ عیاش طبع اور دل پھینگ نہیں تھا پر عائلہ میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ دل اس کے نام کی مالا بیٹے لگا تھا۔ اس کی نگاہوں کا خاموش پیغام عائلہ حیان تک پہنچ چکا تھا۔ عشق کی آگ دونوں طرف بھڑک رہی تھی۔ شیخ عمار بن حیان بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے عائلہ کو روکنے کی کوشش کی پر اس چڑھتی ندی کے آگے بند باندھنا مشکل تھا۔ محبت کی جیت ہوئی اور عائلہ عمر زیب کی بیوی بن گئی۔

اس شادی کے لیے عمر زیب کو کتنے پاؤں بیٹنے پڑے اسے ہی پتا تھا۔ پاکستان میں کوئی اس شادی سے لیے راضی نہیں تھا پر عمر زیب بھی اڑ گیا۔ بڑے پدم رہی صاحب کو باول تا خواست بار ماننا پڑی۔ یہ شادی کویت میں انجام پائی اور اپنی روایتوں کا سر اونچی رکھنے کی خاطر عمر زیب، عائلہ کو ایک ہفتے سے لیے پاکستان بھی لایا۔ یہ ایک ہفتہ چمکتے گزر گیا اور اسے دوبارہ کویت جانا پڑا کیونکہ اسے کاروباری معاملات کو بھی دیکھنا تھا۔ عائلہ کی شادی کے چار ماہ بعد شیخ عمار ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اگر عمر زیب جیسا مخلص ہم سفر نہ ہوتا تو عائلہ کو باپ کی دائمی جدائی کے صدمے کو برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا خصوصاً

## متاع دل

عائلہ دوسری بار امید سے ہوئی تو ڈاکٹر نے اس کے معائنے کے بعد بتا دیا کہ اس بار بہت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ بازی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ وہ گھریلو حالات اور نفرتوں کی وجہ سے بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ عمر زیب کا سہارا ہی اس کے لیے سب کچھ تھا پر اسے بھی غم دوراں نے اتنی فرصت نہیں دی تھی کہ سکون سے عائلہ کے دل کی بات جان پاتا۔ وہ اندر سے اندر رمل رہی تھی۔

کویت میں اتنا بڑا ایجنس تھا جسے عائلہ کا بھائی اور شہزاد کھڑے۔ تھے ادھر اورنگ زیب بھائی اور شیریں بھابی نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ وہ وہاں جا ہی نہیں پار با تھا۔ ورنہ دل اس کا بھی کرتا تھا کہ عائلہ کو یہاں سے لے کر بہت دور چلا جائے۔ اورنگ زیب بھائی ہی اب خاندان میں بڑے اور کرتا دھرتا تھے ان کا حکم ماننا بھی لازم تھا۔ ویسے بھی چھوٹے بھائی اور بھانج کے ساتھ ان کا رویہ بہت نرم تھا۔

وہ کہتے تھے کہ عائلہ اب اس گھر کی بہو ہے، ہمارے گھرانے کی عزت ہے اسے ہماری روایتوں کا امین ہونا چاہیے۔ عمر زیب، بھائی کا کہا کیسے ٹال سکتا تھا۔ اس نے عائلہ سے کہا تھا کہ میں اب ساری عمر ادھر ہی گزاروں گا تم بھی کویت کو بھول جاؤ۔ وہ شوہر پرست عورت ہر حالت میں شوہر کی خوشی میں خوش تھی۔ عمر زیب دل ہی دل میں کچھ پلان کر رہا تھا۔ عمر زیب سارا کاروبار پاکستان سٹیل کرنے کی فکر میں تھا۔ عائلہ نے کمپنی کے شیئرز فروخت کرنے کو کہا تھا۔ اس سلسلے میں عمر کی کچھ اور کمپنیوں سے بات بھی ہو چکی تھی۔ عائلہ کی ڈیوری قریب تھی۔ وہ ابھی تک گاؤں میں ہی رہا کس پڑے تھے۔ عمر شہر میں بڑا شاندار گھر بنا رہا تھا جو قیصر کے آخری مراحل میں تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ عائلہ سے مہمان سیت سے گھر میں قدم رکھے پر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عائلہ اب اپنے ابدی گھر روانہ ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس حالت میں جب وہ ماں بننے کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ عائلہ کی ماں تو بہت پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ ایک بھائی تھا جو اپنی جگہ لی اور اپنے بزنس کے ساتھ اپنی دنیا میں مگن تھا۔ اب اس کے لیے عمر زیب ہی سب کچھ تھا۔

شاہ زیب ان کی محبت کی نشانی کویت میں ہی پیدا ہوا۔ عمر زیب پر پاکستان واپس آنے کے لیے دباؤ بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ ادھر عائلہ کے رشتے دار بھی اس سے ناراض تھے کہ اس نے ایک غیر خاندان کے جوان کو شریک سفر چنا ہے۔

عمر زیب واپسی کا سامان باندھ چکا تھا۔ کمپنی کا سارا انتظام و انصرام عائلہ اس کے سپرد کر چکی تھی۔ نیجر بہت قابل بھروسہ تھا، بھائی بھی قابل اعتماد تھا سو عمر زیب عارضی طور پر معاملات ان کے حوالے کر کے ڈھیروں خواب نیے عائلہ اور نئے شاہ زیب کے ساتھ واپس پاکستان آ گیا۔

ان کا ویسا والہانہ استقبال نہیں ہوا جو ان کے تصور میں تھا۔ اس سے پہلے عائلہ صرف چند دن کے لیے پاکستان آئی تھی۔ اس وقت اس کے ساس، سر بھی زندہ تھے سب کی نگاہوں میں اسے پیاری نظر آیا۔ یہ بھی محض اس کی نظر کا دھوکا تھا اب مستقل طور پر یہاں رہنا پڑا تو ایک، ایک کر کے سب خوب صورت خواب چھٹا کے سے ٹوٹتے چلے گئے۔

شیریں بھابی کی چھوٹی بہن بیٹا کا رشتہ بڑوں کی ایما پر عمر زیب سے شروع سے ہی طے تھا پر وہ عائلہ کی محبت میں ہر روایت کو توڑ بیٹھا اور اب نظر میں اس کی منتظر تھیں۔ بیٹا کے گھروالے اس کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہ تھے، شیریں اس گھر میں اپنی بہن کی آمد کے سنے دیکھ رہی تھی جو عمر کی بغاوت نے چھتہ چور کر دیے۔ عائلہ ایک اہل حقیقت تھی ویسے بھی جب تک بڑے چوبدری صاحب حیات تھے تو دونوں میں چھپا نہ رکھ کر سامنے نہ آتا تھا مگر اب وہ چاروں... ظف سے مخالفتوں میں گھرا ہوا تھا۔ انہی حالات میں

ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں۔ گھر والوں نے اس کا رشتہ زبردستی کہیں اور طے کر دیا تھا۔ لڑکا کراچی میں سیٹل تھا اور بیٹا کی دور پرے کی خالہ کا بیٹا تھا۔ کھاتا بیٹا گھرانہ تھا چٹ منگنی اور پٹ بیٹا ہوا۔

☆☆☆

عمر زیب نے دونوں بچوں کے لیے گورنس رکھ لی تھی عمر دوست احباب یہی مشورہ دیتے کہ شادی کر لو۔ اس طرح بچوں کو ماں کا پیار بھی ملے گا اور گھر کے لیے عورت کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے دوستوں کی مانتے ہوئے شادی کر لی۔ راحیلہ بہت اچھی بیوی اور ڈرتے دار ماں ثابت ہوئی۔ ایک بار پھر عمر زیب کی زندگی میں گھریلو سکون اور خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ راحیلہ دونوں بچوں کی پرورش سگی ماں کی طرح کر رہی تھی۔ عمر کو ہر طرح کا سکون میسر تھا۔

اس کی دوسری شادی نے بڑے بھائی اور بھادج کو ناراض کر دیا تھا۔ انہوں نے اس سے ملنا جلنا ہی ختم کر دیا۔ عمر خود ہی ڈھیٹ بن کر گاؤں جاتا پر ان میں گرجوشی ختم ہو گئی تھی۔ شیریں کے اپنے شکوے تھے اب تو اورنگ زیب بھی اس کے بھواین چکے تھے۔

عمر زیب کی دوسری زندگی کی خوشیوں کا دور بھی مختصر ثابت ہوا۔ راحیلہ کو ہلڈ کینسر تھا۔ والدین نے بیٹی کی خوشیوں کی خاطر بغیر بتائے اس کی شادی کر دی تھی پھر بھی اس نے سات آٹھ سال گزار لیے۔ شاہ زیب اور دریکٹا کچھ سمجھدار ہو چکے تھے۔ خاص طور پر دریکٹا سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ حساس بھی تھی۔

راحیلہ نے ان دونوں بچوں کو ماں کا پیار دیا تھا۔ ان کی پرورش، دیکھ بھال، تعلیم و تربیت میں اپنا تمام تر خلوص اور محبت صرف کی تھی۔ راحیلہ، عمر زیب کی پسند یا محبت نہیں تھی مگر ان کے بھائی اور بھابی اس بات پر ناراض تھے کہ عمر نے ایک بار پھر خاندان سے باہر کی لڑکی کو چنا تھا۔ شیریں بھابی کو اپنا غم کھائے جا رہا تھا کہ عمر نے بیٹا کو دوسری بار بھی ٹھکرا دیا۔

60 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

عائلہ کو یہ دنیا چھوڑے تین ماہ گزر چکے تھے۔ شیریں بھابی اور انگزیب بھائی اور خاندان کے دیگر افراد نے عمر کی بھرپور دلجوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ عائلہ کی آخری نشانی کو عمر زیب نے متاع جاں بنا لیا تھا۔ بڑے چاؤ سے اس کا نام دریکٹا رکھا تھا۔ شیریں بھابی نے شاہ زیب اور منگی دریکٹا کو بہت اچھے طریقے سے سنبھالا تھا۔ ان کی مدد کروانے کی خاطر بیٹا بھی حویلی آ جاتی۔ اسے دریکٹا سے بہت پیار تھا۔ اسے اٹھائے، اٹھائے پھرتی۔ عائلہ کی جگہ خالی تھی اور یہ خلا پُر ہونا ہی تھا۔ یہ اہل حقیقت تھی کیونکہ اورنگ زیب چھوٹے بھائی کو بار بار دوسری شادی کا کہہ چکے تھے۔ وہ مذاکار کرنا تا اقرار بس خاموش ہو جاتا۔ اس کی خاموشی میں ہزار ہا سستی چھپے ہوئے تھے۔ شاہ زیب ابھی صرف ڈھائی سال کا تھا اور منگی دریکٹا چند ماہ کی۔ دونوں بچوں کو ماں کی آغوش کی شدید ضرورت تھی۔

☆☆☆

”عمر کیا سوچا ہے تم نے؟“ اورنگ زیب بھائی اسے بنور دیکھ رہے تھے۔ بیٹا بھی پاس موجود تھی اور دریکٹا کو گود میں لٹائے لاڈ کر رہی تھی۔

”بھائی جان میں شہر میں سیٹل ہونے کی پوری تیاری کر چکا ہوں۔ کہنی کے سارے شیئرز میں نے فروخت کر کے ایک اور کاروبار میں لگا دیے ہیں۔ مجھے اب بزنس کی دیکھ بھال کرنی ہے اور اپنے بچوں کو بھی دیکھنا ہے۔ فی الحال میں نے شادی کا نہیں سوچا ہے۔ یہی بچے میری کل کائنات ہیں۔“ وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر بول رہا تھا۔ شیریں کو یہ باتیں سخت ناگوار گزر رہی تھیں۔ اسے عمر کا فیصلہ ایک آنکھ نہیں بھایا۔ بیٹا چار ماہ سے عمر کے بچوں کو سنبھال رہی تھی، راتوں کی نیندیں حرام کر رہی تھی اور عمر نے یہ صند دیا تھا۔ وہ شہر جانے کی بات کر رہا تھا اور واقعی اس نے اپنا کہا پورا کر دکھایا۔ دو ماہ کے مختصر عرصے میں سب کچھ سیٹ کر دیا گاؤں کی حویلی خالی کر گیا تھا۔

بیٹا ایک بار پھر روتی تڑپتی رہ گئی۔ اب اس کی

ڈراپ کرنے کے بعد پھر شاہ زیب کو کالج چھوڑتا۔ شاہ زیب ڈرائیونگ سیکھ چکا تھا پر عمر نے ابھی تک اسے ڈرائیونگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ مجبوراً وہ بائیک چلا کر اپنا شوق پورا کرتا تھا۔ عمر زیب اس کے علم میں لائے بغیر ایک گاڑی اس کے لیے پسند کر کے ادا کی گئی بھی کر چکے تھے۔ چند دن بعد اس کی سالگرہ تھی یہ سمجھ اس خاص موقع پر شاہ زیب کو ملنا تھا۔ عمر زیب دونوں بچوں کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔

☆☆☆

وہ اپنے ایک دوست کی طرف گیا ہوا تھا۔ دریکٹا بھائی کے انتظار میں گیٹ کے آس پاس ہی ٹھہر رہی تھی ڈریکٹا اسی کے انتظار میں تھی۔  
"ابھی تک جاگ رہی ہو؟" شاہ زیب نے پیار سے اس کے سر پر چہت لگائی۔ اچانک بائیک آکر رکی تھی اور وہ گیٹ کے اندر داخل ہوا۔

"بھائی، بچا گاؤں جا رہے ہیں۔" اس نے گیٹ کے ساتھ نی پندرہ روٹ پہ چلتے، چلتے اسے بتایا تو وہ رک گیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"خود پچانے بتایا ہے کہ ان کا گاؤں جانے کا بہت دل کر رہا ہے، پچھلے کئی سالوں سے وہ جان نہیں پائے ہیں۔"

"اچھا یہ تو نئی بات بتائی ہے تم نے۔" چلتے، چلتے شاہ زیب اپنے بیڈروم کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دونوں اندر جا کے بیٹھ گئے۔

"بھائی میرا دل بھی کر رہا ہے جانے کو پچا کے ساتھ۔" "تو چلی جاؤ ناں۔" اس نے جوتے اتارتے ہوئے مشورہ دیا۔

"بھائی تم بھی چلو ناں میرے ساتھ۔" اس کے لہجے میں بے انتہا لجاجت تھی۔

"میں نہیں جا رہا۔۔۔ پچا پسند نہیں کرتے۔۔۔ میں تو آخری بار شاید چار سال پہلے گیا تھا گاؤں۔" اس نے حساب لگا کر بتایا۔

بڑھتے بڑھتے اس کے دل کا یہ زخم ناسور بن چکا تھا۔ عمر کی دوسری شادی کے بعد اس نے اورنگزیب کے دوسرے دو بھائیوں اور ان کی بیویوں کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔ عمر گاؤں آتا، راحیلہ کے ساتھ دونوں بچوں کو بھی لاتا پر ان سب کا رویہ اجنبیوں اور بیگانوں والا ہوتا۔ کوئی سیدھے منہ بات نہ کرتا۔ راحیلہ منہ ہنس کر اس کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کرتی۔ راحیلہ کی وائی جدائی عمر کے ساتھ، ساتھ ان دونوں بچوں کے لیے بھی کسی سانچے سے کم نہیں تھی۔ یہ راحیلہ ہی تھی جس نے عمر زیب کو گھر کی طرف سے بے فکر کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے پرنس کو بھرپور ترقی دی تھی کیونکہ راحیلہ نے بچوں کی ماں کی کمی پوری کر دی تھی۔ شاہ زیب اور دریکٹا نے پرسکون نارمل گھریلو ماحول میں پرورش پائی تھی۔ کوئی اور عورت شاید یہ سب نہ کر پاتی جو راحیلہ نے کیا تھا۔ اس نے ان دونوں کو ماں کا پیار دیا تھا۔

☆☆☆

سیٹی پر شوخ سی دُھن بجاتے ہوئے وہ آئینے میں خود کو دیکھتا بالوں میں برش کر رہا تھا۔ برش کرنے کے بعد اس نے پرفیوم اٹھایا اور خود پر اسپرے کیا۔ مکمل طور پر اپنی تیاری سے مطمئن ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلا۔ ڈائمنگ نیبل پر اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ عمر زیب نے بڑے فخر سے لمبے چوڑے شاہ زیب کو دیکھا۔ قد کاٹھ، شکل صورت میں وہ ہو بہو ان کی ہی کاپی تھا۔ انہی کی طرح کھڑی ناک، روشن آنکھیں۔  
"اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے۔" عمر زیب نے اپنی نظر گلنے کے ڈر سے ایک ٹاپے کے لیے اپنی نگاہیں اس کی طرف سے ہٹائی تھیں۔

"بھائی جلدی کرو ناں، ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" ڈریکٹا نے منگلی سے اپنی ستواں ناک سکوڑی۔ تب تک شاہ زیب کرسی تھمیت کر اس کے مقابل بیٹھ چکا تھا۔

وہ جلدی، جلدی کھا رہا تھا۔ کالج پہنچنے کی جلدی تھی۔ ڈریکٹا اولیوں کر رہی تھی۔ ڈرائیور اسے پہلے



”نہیں..... اگر ہم دونوں مل کر سچا سے کہیں گے تو وہ مان جائیں گے۔“

”بہت خوب تم اس لیے مجھے انتظار میں تھیں۔“ شاہ زیب فوراً معاملے کی تک پہنچ گیا۔ نہ جانے کیوں ان کا گاؤں جانا عمر زیب پسند نہیں کرتے تھے۔ کبھی کھل کر اس نے اس موضوع پر اظہارِ خیال بھی نہیں کیا تھا۔ عمر زیب نہیں چاہتے تھے کہ رشتے داروں کی اندرونی مخالفتیں ان کی اولاد پر عیاں ہوں۔

گزشتہ کچھ سالوں سے ان کا گاؤں جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ آخری بار جب وہ گئے تھے تو تینوں بھائیوں میں سے کسی نے بھی سلام دعا کے علاوہ ان سے کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ شیریں بھائی کا رویتہ سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مجبوراً وہ عائدہ کی قبر پر فاتحہ خوانی کر کے لوٹ آئے تھے۔

اب اتنے سال بعد عمر زیب نے گاؤں جانے کا قصد کیا تو دریکٹا نے بھی دبے دبے لفظوں میں جانے کی بات کی۔ ادھر سے کسی نے بھی ان سالوں میں چہر نہیں لگایا تھا۔ عمر زیب کا دل مچل رہا تھا انہوں سے ملنے کو..... ان کے دل میں تو سب کی محبت موجود تھی۔ یہ محبت ہی تھی جو انہیں وہاں لے جاتی تھی۔ ادھر سے تو جیسے سب نے نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔

اب دریکٹا، شاہ زیب کی نہیں کر رہی تھی کہ وہ بھی سچا سے بات کر لے تاکہ وہ راضی ہو جائیں۔

☆☆☆

عمر زیب نے باری، باری ان دونوں کے چہروں کی طرف دیکھا۔ دونوں کے چہرے نہایت معصوم اور خاندانی سیاستوں سے پاک تھے۔ دریکٹا کے ساتھ، ساتھ شاہ زیب نے بھی کہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ گاؤں جانا چاہتا ہے۔ اب فرار کی گنجائش نہیں تھی۔ مجبوراً وہ مان گئے۔ وہ کس طرح مانے تھے یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

پہلے صرف اور گزربہ ہی شیریں کے بہنے سے آکر اس سے ناراض ہوئے تھے بعد میں باقی دونوں

بھائی بھی ان کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ عمر زیب ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ گئے رشتوں کی یہ سفاک چھتیتیں ان کی اولاد پر عیاں ہوں۔ پروردگیا ضد کر رہی تھی اور ساتھ بھائی کو بھی ملا لیا تھا۔

”تم دونوں اپنے کپڑے اور ضروری سامان رکھ لو، ہمیں کل صبح نکلنا ہے۔“ عمر زیب نے بالآخر حان بھرتیالی۔

”اوہ..... چھ زندہ باد.....!“ دریکٹا اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔ شاہ زیب بھی مسکرانے لگا۔

عمر زیب انہیں خوش دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے سب کچھ بھول گئے۔

☆☆☆

کچا راستہ شروع ہو چکا تھا۔ گاڑی ادھر ادھر ڈول رہی تھی۔ پر ڈرائیور بہت ہوشیار اور تجربے کار تھا۔ عمران دونوں کو اپنی زمینوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ سڑک کے ساتھ کچے میں ایک پرانا کنواں تھا جو اب سوکھ چکا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی عمر کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ اس کے کچھ آگے اجڑا ہوا ڈیرا تھا جہاں بھی بڑے چوہدری صاحب محفلیں سجاتے تھے دوستوں اور سنے جلنے والوں کے ساتھ..... اب تو کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

ڈیرے سے کچھ آگے ان کے خاندانی قبرستان کی حدود شروع ہو رہی تھیں۔ عمر نے گاڑی ادھر رکوائی اور دروازہ کھول کر نیچے اترے۔ وہ قبرستان کے داخلی دروازے کی طرف جا رہے تھے دریکٹا اور شاہ زیب نے بھی ان کی تقلید میں قدم ان کے ساتھ ملا دیے۔ عمر نے سب کی قبروں پر فاتحہ خوانی کی۔ واپسی پر ان کی آنکھوں کے گوشے نم تھے۔ خود دریکٹا کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔

ڈرائیور نے دوبارہ گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھائی۔ اب سرسبز کھیت سامنے تھے۔ راستہ اب بھی سچا ہی تھا..... ہر یابی نظروں کو بھار ہی تھی۔ دریکٹا دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ بالآخر یہ طویل سفر حویلی کے نوہے سے بلند بالائیٹ کے سامنے اختتام

دونوں بہن بھائی ایک ہی کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ماثرہ کو بھی دریکٹا نے پاس بٹھالیا۔

”آپ کیا کرتی ہیں ماثرہ؟“ شاہ زیب نے پہلی بار پوری توجہ سے اس کی سمت دیکھا، کیسی گھور نظری، روشن آنکھیں تھیں ماثرہ نے نظر چرائی۔

”ایف ایس سی فرسٹ ایئر میں ہوں۔ اصل میں مجھے اس وقت تک ایف ایس سی کلیر کر لینا چاہیے تھا مگر مجھے ایڈمیشن لینے میں دیر ہو گئی پھر میں یہاں کی تعلیم کے معیار سے مطمئن نہیں ہوں۔ ایک قریبی شہر کے کالج میں ایڈمیشن لیا ہے۔ آنے جانے میں کافی ٹائم لگ جاتا ہے۔“ اس نے تفصیل سے بتایا اور چہرے پر آئے بال چھپے کیے۔ ماثرہ، شاہ زیب سے کچھ چھوٹی ہی تھی اس لیے دریکٹا اسے آپ جناب کہہ کر مخاطب کر رہی تھی۔

”آپ ہمارے ساتھ چلیں ہاں میرے کالج میں ہی ایڈمیشن لے لیں، ادھر ہی رہیں۔“ اس نے پورے خلوص سے ماثرہ کو یہ آفر کی جسے کارڈور سے گزرنے شیریں نے بھی سن لیا۔ وہ ادھر ہی آرہی تھی۔ یہ بات سن کر اس کے ہونٹوں پر مسرتی خیر مسکراہٹ آگئی ہلکے سے دروازہ بجا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ شاہ زیب انہیں دیکھ کر موڈ ب ہو گیا۔

”اور سناؤ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، ماثرہ کو بتا دو لے آئے گی۔“ ان کے لہجے میں یکا یک در آنے والا پیار بے سبب نہیں تھا۔

”نہیں تائی جان کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“ دریکٹا انہیں اپنے درمیان پا کر خوش ہو گئی۔

”پھر تم لوگ باتیں کرو، میں جا رہی ہوں۔ دن بھر ہونے والی بھاگ دوڑ مجھے تھکا دیتی ہے۔“ وہ انہیں اسی طرح باتیں کرتا چھوڑ کر اٹھ گئیں۔ ماثرہ رات ایک بجے کے بعد اپنے بیڈروم میں آ کر لیٹی۔ وہ بھی ایسے کہ اس کی آنکھوں میں دور، دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔

زیر ہوا۔ ڈرائیور نے ہارن بجایا تو اندر سے چھوٹا ٹیکٹ کھول کر چوکیدار باہر نکلا۔ عمر زیب کو دیکھتے ہی اسٹیشن ہو گیا زوردار سلام جھاڑا اور گینے کھول دیے۔ گاڑی اندر آگئی۔ کبھی اس گھر کے دروڈیوار کی ایک، ایک اینٹ میں اپنائیت کی مہک تھی پر آہستہ، آہستہ سب کچھ ختم ہوتا گیا۔ اب بس یادیں تھیں، عمر نے ایک ششدری سانس بھر کر ادھر ادھر دیکھا۔ ان کی آمد کی اطلاع گھر کے کینوں تک پہنچ چکی تھی۔

ایک دروازہ قد گوری رنگت والی لڑکی اندرونی رہائشی دروازے سے باہر نکلی اس کا رخ انہی کی طرف تھا۔ کچھ ہی دیر میں اور بھی چہرے آنے والے مہمانوں کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ نوجوان نسل کی دلچسپی دریکٹا اور شاہ زیب میں تھی۔ کچھ ہی دیر میں عمر بچا اور ان کے لیے چوڑے خوب روہنے اور نازک سی بیٹی کی آمد کی خبر گھر کے ایک، ایک کین تک پہنچ چکی تھی۔

دریکٹا اور شاہ زیب نے کافی عرصے بعد اپنے ان کزنز کو دیکھا تھا۔ خاص طور پر دریکٹا کا لگاؤ واضح طور پر محسوس کیا جا رہا تھا۔ ان سب کا رویہ دوستانہ تھا۔ البتہ خاندان کے کرتا دھرتا ہنوز دل میں پرانی نفرتوں کے بیج اگائے بیٹھے تھے۔ جن کی بھر پور فصل پک کر تیار تھی۔ اس نفرت کی فصل میں کڑوے اور کانٹے دار پھل تھے۔ جن کا ذائقہ دریکٹا اور شاہ زیب نے۔ فی الحال چکھائیں تھا۔ شیریں اور گھر کی دیگر عورتوں کا رویہ مناسب ہی تھا۔ چھوٹے تاپا لوگوں نے بھی سر پر ہاتھ پھیر دیے تھے۔ تاپا اور گھریب نے اپنے پورشن میں ان تینوں کے لیے کمرے تیار کروا دیے تھے۔ یہ سب ہنگامی حالات میں ہوا تھا کیونکہ عمر نے اپنے آنے کی پہلی اطلاع نہیں دی تھی پھر بھی عمر کے نزدیک ان کا رویہ نینیت تھا۔

ماثرہ رات کو ڈرٹریکٹا اور شاہ زیب کے لیے خود دودھ کے گلاس لے کر آئی۔ شیریں چچی کی اس بیٹی کا رویہ ان کے ساتھ باقی کزنز کی نسبت بہت ہی نرم اور پُر محبت تھا۔ اس وجہ سے دریکٹا کو وہ اچھی بھی لگی تھی۔

”جاگ جائے کزن... ناشتا تیار ہے جلدی  
 نہیں اور ہاں دیر مت کیجیے گا۔“ اس کے لبوں پر  
 پرکشش مسکراہٹ تھی۔ شاہ زیب کو کھڑکی سے اندر  
 آتی دھوپ کا ایک بہت ہی دل فریب محسوس ہوئی تھی۔  
 ”اوکے، میں آتا ہوں لیکن آپ کی ایک چیز  
 میرے پاس ہے۔“ وہ وہیں سے مڑا۔ مائرہ اس کے  
 پیچھے ہی اندر آگئی۔ شاہ زیب نیپل پر پائل ڈھونڈ رہا تھا  
 پر وہ وہاں نہیں تھی۔

”کون سی چیز ہے میری؟“ وہ بھی شاہ زیب  
 کے پیچھے متلاشی ٹٹا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔  
 ”ارے رات کو اس نیپل پر ہی تو رکھی تھی کہاں  
 گئی؟“ سائڈ نیپل کے پائے کے ساتھ کچھ چمک رہا  
 تھا۔ شاہ زیب نے جھک کر ہاتھ بڑھایا اس کی مطلوبہ  
 پائل مل گئی تھی۔

”یہ رہی آپ کی پائل... رات کو آپ یہاں  
 بیٹھی تھیں غالباً اس کا لاک کھل گیا تھا جب ہی پھر گئی  
 ہوگی۔“ شاہ زیب نے پائل اس کی طرف بڑھائی۔  
 ”میں صبح سے ڈھونڈ رہی تھی شکر ہے مل گئی۔ یہ  
 پائل بہت پسند ہے مجھے۔ آرڈر یہ ہوائی تھی۔“ اس  
 نے بے تابی سے پائل شاہ زیب کی ہتھیلی سے اٹھالی  
 اور پھر داہنی ٹانگ کا پانچھ ذرا سا اٹھا کر پاؤں بیڈ  
 پر رکھ کر وہاں ہی بیٹھنے لگی۔ شاہ زیب نے آنکھ  
 چرائیں۔ بالآخر وہ پائل پہن کر سیدھی ہوئی تو شاہ  
 زیب قدرے دور ہٹ گیا۔ ”تھینکس کزن میں جاتی  
 ہوں آپ فرلش ہو کے جلدی آئیں۔“ مائرہ خوش دلی  
 سے بولتی دروازہ بند کر کے جا چکی تھی۔

شاہ زیب شانور لیتے ہوئے اسی کے پارے میں  
 سوچ رہا تھا۔ مائرہ کی ننھے منے گلوں والی پائل اور شفاف  
 دودھیاءیر اس کے ذہن میں سب گڈڈ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ناشتے میں خاصا اہتمام تھا مگر شاہ زیب قدرے  
 شرمندہ تھا کیونکہ وہ خاصی دیر سے بیدار ہوا تھا۔ وہ  
 اور مائرہ ڈائننگ ٹیبل پر اکیلے تھے۔ اس نے پیا کا

اُدھر دریکتا بھی شاہ زیب کے پاس سے اٹھ آئی  
 تھی۔ اسے پیا سے دل ہی دل میں کچھ شکوے ہو چلے  
 تھے کہ وہ انہیں اتنے عرصے بعد کیوں گاؤں لائے۔  
 یہاں تو سب کزنز شیریں تائی سب کتنی محبت سے پیش  
 آ رہے تھے۔ تائی نے تو شکوہ بھی کیا کہ عمر جانے کیوں  
 تمہیں گاؤں نہیں لاتا ہے اس لیے ہم بھی شہر اس کے  
 پاس نہیں جاتے کہ جب وہ خود یہاں آنا پسند نہیں کرتا  
 تو ہماری آمد بھی اپنے گھر سے پسند نہیں آئے گی۔  
 دریکتا دل ہی دل میں کسی حد تک ان سے متفق تھی۔

شاہ زیب بھی دروازہ بند کر کے لیٹ گیا۔ معا  
 اپنے پاؤں کے نیچے اسے کسی چیز کے چھینے کا احساس  
 ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور لائٹ جلا کے دیکھا۔ یہ تازک  
 سی پائل تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ یہ مائرہ کی ہے کیونکہ وہی  
 ادھر پاؤں بیڈ پر اٹھا کر بیٹھی تھی۔ اسی کی پائل  
 تھی۔ لاک کھل جانے سے وہ اس کے پاؤں سے اتر  
 گئی ہوگی۔ دریکتا تو جیولری پسند نہیں کرتی تھی، یہ پائل  
 مائرہ کی ہی ہوگی۔ شاہ زیب نے پائل ہاتھ میں لے کر  
 بغور دیکھا۔ یہ بہت تازک سی پائل تھی۔ جس میں  
 چھوٹے، چھوٹے نگ جڑے تھے۔ بعد میں شاہ زیب  
 کو خود ہی ایسی آگئی تھی وہ کتنے غور سے دیکھ رہا ہے۔ اس  
 نے پائل سائڈ نیپل پر رکھ دی کہ صبح مائرہ کو دے دے  
 گا۔ بہت جلد وہ نیند کی وادیوں میں اتر اٹھا۔

☆☆☆

اس کا دروازہ ہولے سے بجا تھا۔ اجنبی جگہ پر  
 رات گزار رہی تھی پھر بھی نیند اچھی آئی تھی۔ ہوش  
 سنبھالنے سے پہلے ہی وہ پیا کے ساتھ گاؤں سے کوچ  
 کر گیا تھا پھر بھی کبھی آنا ہوتا پر رات ایسی مد ہوشی  
 کی نیند سویا کہ دن گیارہ بجے وہ بھی دروازہ ٹاک  
 کرنے پر آنکھ کھلی۔ شاید ان درودیوار میں اپنا نیت تھی  
 تب ہی تو وہ آرام سے سویا تھا۔ ورنہ اپنے کمرے اور  
 بیڈ کے بغیر اسے بڑی بے آرامی ہوتی تھی۔ اس نے  
 سلپنگ گاؤں پہن کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے مائرہ  
 کھڑی تھی۔

**دعا**

اے پروردگارا

مجھے وہ طاقت نہ دے جس سے میں دوسروں کو کمزور کر دوں۔ مجھے وہ دولت نہ دے جس کی وجہ سے میں دوسروں کو حقیر سمجھوں۔ مجھے وہ علم نہ دے جو میں اپنے ہی سینے میں چھپا کر رکھوں۔ مجھے وہ بلندی نہ دے کہ مجھے پستی میں کچھ نظر نہ آئے۔ مجھے میرے اللہ وہ سب دے جسے میں دوسروں میں ہائٹ سمجھوں۔

سرسلا: سنبل ملک جوان و ہوشیار

**بهار کا موسم**

بہار کا موسم تم شدہ چہروں کے دیدار کا موسم اور دراصل وصالِ یار کا موسم بڑے انتظار کے بعد آتا ہے۔ ویسے تو محبت سے آشناء محبت کی روح سے آشناء محبت کی تاثیر سے آشناء محبت کے کرشموں سے آشناء محبت کے اعجاز سے آشناء لوگ ہر موسم اور ہر رت میں پیار کی بہار تلاش کر لیتے ہیں۔ پھول کھلے تو وہ غور کرتے ہیں کہ پھول کی ہستی کیا ہے، عجیب راز ہے، پھول کھلتا ہے مرجھا جاتا ہے، چند لمحات کے لیے وہ مسکرایا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نامعلوم دنیا میں چلا گیا۔ بس انسان کی زندگی پھول کی مسکراہٹ سی ہے، ادھر آئے ادھر چلے گئے، پھول اپنی زندگی پر کیا اترائے گا، کیا فخر کرے گا۔

انتخاب: صائمہ یاسر شاہ، انک  
مصنف: واصف علی واصف

پوچھا تو مائرہ نے بتایا کہ وہ زمینوں پر گئے ہیں۔ وہ ناشتا کر کے فارغ ہوا تو شیریں تائی آگئیں۔ مائرہ بھی وہیں بیٹھ گئی پھر باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

”باغ میں چلتے ہیں پھر آپ کو نیوب، ویل کی طرف بھی لے جاؤں گی۔“ مائرہ نے آٹری کی تو ذرا بیگناہی جو اس کی باتوں میں بڑی خوشی، خوشی حصہ لیتی تھی جھٹ تیار ہو گئی اور شاہ زیب کو بھی آمادہ کر لیا۔ ان کے ساتھ باقی کزنز بھی تھے۔ جانے کیوں سب کو تیار ہونا دیکھ کر مائرہ کا منہ بن سا گیا تھا۔

راستے میں جگہ، جگہ بڑھتا تھا۔ آنکھوں کو تراوٹ سی مل رہی تھی۔ شاہ زیب نے ایک جگہ رک کر گہری، گہری سانسیں لیں جیسے اس ماحول اور اس فضا کی ساری تازگی کو اپنے اندر جذب کر لینا چاہتا ہو۔ مائرہ اس کے پیچھے ہی تھی۔

”کزن آپ کو یہ سب اچھا لگ رہا ہے؟“ اس نے غور سے شاہ زیب کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں بہت اچھا، میں پچھتا رہا ہوں کہ اتنے عرصہ گاؤں کیوں نہیں آیا؟“

”ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، جانے کیوں عمر بچھا آپ کو گاؤں لانے سے کتراتے رہے حالانکہ ہم سب لوگ آپ کو ہمیشہ مس کرتے رہے۔“ مائرہ کا بات کرنے کا انداز بہت سادہ تھا مگر شاہ زیب کے ذہن میں اس کا جملہ انک سا گیا کہ ”جانے کیوں عمر بچھا آپ کو گاؤں لانے سے کتراتے رہے۔“ واقعی بچا کیوں ایسا کرتے رہے۔ کل سے اب تک اس نے سب کے روتیوں میں گرجھوشی محسوس کی تھی۔ تایا اور نگزیب کے ساتھ، ساتھ ان کی اولادیں، دونوں چھوٹے تایا ان کی بیویاں، بچے سب اتنی محبت سے پیش آرہے تھے۔ کچھ ایسے ہی خیالات دریکنا کے بھی تھے کہ بچا خواہ خواہ نہ خود اتنا عرصہ گاؤں آئے نہ انہیں آنے دیا۔ وہ اب اپنیوں کی محبت سے سرشار تھی۔

☆☆☆

بہت بری لگی۔

”میں ماثرہ کا ایڈمیشن کروادوں گا مگر میرے ہوتے ہوئے یہ ہاسٹل میں کیوں رہے۔ جیسے دریکٹا میری بیٹی ہے اس طرح ماثرہ بھی ہے۔ بیٹا تم اپنا ضروری سامان پیک کر لینا، کل تم بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہو۔“ اب ان کا مخاطب ماثرہ تھی۔ اس کا تو خوشی کے مارے برا حال تھا۔ اتنی آسانی سے سب کچھ ہو جائے گا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے بی ماں کو سب سے پہلے بتایا تھا کہ دریکٹا کہہ رہی ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو اور ادھر ہی کسی اچھے سے کالج میں ایڈمیشن لے لو۔ اور گلزیب کے آگے اسی رات شیریں نے یہ تجویز رکھی تھی۔ آئیڈیا برا نہیں تھا۔ ویسے بھی عمران کا بھائی تھا۔ اگر ماثرہ اس کے گھر رہ کر تعلیم حاصل کرتی تو برائی ہی کیا تھی۔ ڈائٹنگ ٹیبل پہ جان بوجھ کر شیریں نے سب کے سامنے یہ بات چھیڑی تھی۔

ادھر گاؤں میں سب کچھ تھا۔ دولت، جائداد، کھانے پینے کی فراوانی پر شہر والی تیز رفتاری اور چکاچوند نہیں تھی۔ شیریں چاہتی تھی کہ ماثرہ ادھر رہ کر سب شہری میسرز دیکھ لے۔ شاہ زیب کو دیکھتے ہی اس کے ذہن میں ایک پرانی خواہش نے سر اٹھایا تھا۔ اسے کوئی مشکل ہی نہیں ہوئی۔ عمر بہت خوش ہوا کہ ماثرہ کو پڑھنے کا اتنا شوق ہے اس نے بہت خوش، خوشی اپنا بیگ تیار کیا تھا۔ صبح اسے عمر چچا کے ساتھ ان کے گھر چلے جانا تھا۔ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ باقی دونوں بچیاں اور ان کی بیٹیاں دل ہی دل میں جل رہی ہوں گی کہ وہ عمر چچا کے ساتھ ان کے گھر جا رہی ہے۔ وہیں رہ کر پڑھے گی سو اس نے اپنی طرف سے ان سب کو جلانے کا پورا، پورا انتظام کر لیا تھا۔

☆☆☆

عمر زیب کا گھر بہت خوب صورت اور ویل ڈیکوریشن تھا۔ پوری طرح شہری سہولیات سے آراستہ ماثرہ کو دریکٹا کے ساتھ والا کرا دیا گیا۔ اگلے

نوب ویل کے پاس بیٹھ کر ماثرہ نے دونوں پاؤں ٹھنڈے تازہ پانی میں ڈبو دیے۔ پل بھر میں ٹھنڈے پانی نے پاؤں کے ساتھ ساتھ ٹراڈرز کے پانچوں کو بھی بھگو دیا تھا۔ ایک بار پھر اس کے دو دو سیاہیر شاہ زیب کے سامنے تھے۔ اچھی خاصی ٹھنڈی پردہ نہ جانے کس مٹی سے بنی تھی اسے سردی کا احساس ہی نہیں تھا۔ مزے سے پانی کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ شاہ زیب کو ایک بار پھر نظریں چرانا پڑیں۔ ماثرہ کی معصوم سی بے باکی اسے عجیب سی لگ رہی تھی۔ جیسے اسے کچھ پتا ہی نہیں ہو، اس کا کزن کہہ کر مخاطب کرنا شاہ زیب کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ باقی لڑکے، لڑکیاں اس کا نام لے رہے تھے پردہ صرف کزن کہہ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا مگر ماثرہ کا اہمیت دینا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کافی دیر بعد وہ لوگ گھر لوٹے تو مختلف لوازمات سے گھر طعام ان کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہ زیب تھک چکا تھا، کھانا کھا کر سو گیا۔ مغرب کے وقت دریکٹا نے بڑی مشکل سے اسے اٹھایا۔

آج اورنگ زیب تانیا نے سب بھائیوں کی دعوت کی تھی۔ رات کا کھانا ان کی طرف تھا۔ لمبے سے ڈائٹنگ ہال میں بڑی رونق تھی۔ صبح ان لوگوں نے واپس شہر چلے جانا تھا۔ ایک طرح سے آج ان کی الوداعی دعوت تھی۔ باتوں اور کھانوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ شیریں بھابی نے روئے سخن عمر کی طرف موڑا۔

”عمر، ماثرہ کو پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ یہاں کے کالج کا تو آپ کو پتا ہے، پہلے ہی اس کا ایک سال ضائع ہو گیا ہے اب قریبی شہر کے ایک کالج میں داخلہ لے تو لیا ہے پردہاں آنے جانے میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا ہے جب سے آپ لوگ آئے ہیں یہ کہہ رہی ہے کہ اسے بھی وہاں ہی داخلہ لینا ہے۔ ہاسٹل میں رہ لے گی آپ بس اس کا داخلہ کروادیں۔“ شیریں بھابی کا لہجہ حد سے زیادہ پر تکلف تھا۔ عمر کو ہاسٹل والی بات

ہوگئی تھی پر شاہ زیب ایک حد میں ہی رہتا۔ خود وہ بھی اسے کزن یا آپ کہہ کر ہی بلاتی تھی۔ اس کے ایک، ایک عمل اور انداز سے خاص توجہ کا اظہار ہوتا تھا۔ شاہ زیب کہیں سے بھی لوٹ کے گھر آتا تو اسے چائے، پانی کا پوچھتی اگر وہ رات کو لیٹ آتا تو اکثر جاگ رہی ہوتی اسے کھانے کا کہتی نہ کھایا ہوتا تو اس کے لیے کما کا گرم کر کے لے آتی۔ اس کے چھوٹے موٹے کاموں کا پوچھ لیتی یہ سب شاہ زیب کو بہت عجیب بھی لگتا اور اچھا بھی کیونکہ ماثرہ کا تعلق اس خاندان سے تھا جہاں کی لڑکیاں پانی بھی ملازموں سے منگوا کے پتی تھیں لیکن خود ماثرہ اس کی خدمت کے لیے بے قرار نظر آتی۔ یہ سب باتیں ایک خاص جذبے کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ شاہ زیب پہ پتھر دواغ نہیں تھا مگر وہ انجان بھی نہیں تھا۔

”آپ چائے پکھن گے؟“ ماثرہ کچن کی طرف جا رہی تھی تو اس نے پوچھا۔

”ہاں ہوا دو۔“ شاہ زیب نے جیکٹ اتار کر پاس پڑے صوفے پر اچھال دی۔ ماثرہ چائے کا کہہ کر واپس آگئی۔ آج پہلی بار دونوں اس طرح بیٹھے تھے کہ تیسرا کوئی نہیں تھا۔ ریڈ کٹر کے ٹراؤزر شرٹ میں وہ شعلہ جوالہ لگ رہی تھی۔ سردی اور فلو کی وجہ سے آنکھیں اور ناک بھی سرخ سرخ سی نظر آ رہی تھیں مگر اس عالم میں وہ شاہ زیب کو پہلے سے بڑھ کر اچھی لگ رہی تھی۔

”طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟“ اس نے ازراہ ہمدردی پوچھا۔

”ہاں بس فلو ہے اس وجہ سے سر میں بھی درد ہے۔“ تو آرام کرو تاں۔“ اس نے مشورہ دیا۔

”آرام ہی تو کر رہی ہوں۔“ ماثرہ کے لہجے میں جانے کیا تھا شاہ زیب کو محسوس ہوا جیسے کچھ ہے..... آج سے پہلے اس نے کبھی ماثرہ کو اس طرح نڈھال سا نہیں دیکھا تھا۔

”کوئی پرابلم ہے تو بتاؤ؟“ شاہ زیب اس کے

کچھ دنوں میں ماثرہ کا ایڈیشن بھی ہو گیا۔ اب شاہ زیب خود ڈرائیو کرتا اور ان دنوں کو بھی ڈرائیو کر دیتا۔ شہر آ کر ماثرہ نے خود کو پہلے سے زیادہ سنوار لیا تھا۔ بال اسٹیکس میں کٹوا لیے۔ جدید فیشن کے پلبوسات خرید لیے، وہ گاؤں کی پروردہ نظر ہی نہیں آتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں سیکھنے کی صلاحیت بہت زیادہ تھی پھر آنے سے پہلے شیریں نے اسے بہت سی ہدایات بھی دی تھیں۔ جنہیں وہ پوری طرح فالو کر رہی تھی۔ اس کا رنگ روپ مزید نکھرتا جا رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ خوب صورت نہیں تھی پر اسے خوب صورت نظر آنے کا گرا آتا تھا۔ اور اس کا استعمال اس نے بہت خوب صورتی اور سلیقے کے ساتھ کیا تھا۔ وہ شیریں جیسی ماں کے زہرے سا یہ پروان چڑھی تھی.... بے باک و نڈر اپنی طرف موڑنے اور متوجہ کرنے کے سارے طریقے اسے آتے تھے۔

☆☆☆

شاہ زیب شام کو گھر لوٹا تو بڑی خاموشی تھی حالانکہ اس وقت پپا اور دریکھا شام کی چائے پر اس کا انتظار کر رہے ہوتے کہ وہ کب گھر لوٹے پھر ہر موضوع پر خوب ڈسکشن ہوتی پر آج لان میں پڑی چیز خالی تھیں البتہ بونگ روم میں ماثرہ مل گئی وہ کوئی فیشن میگزین دیکھنے میں لگی ہوئی تھی۔

”کیا پپا ابھی نہیں آئے اور یہ دریکھا کہاں ہے؟“

”چچا کھوڑی دیر پہلے کسی دوست کی طرف گئے ہیں اور دریکھا آئی زینا کی طرف گئی ہے کہہ رہی تھی انہوں نے میلا دپہ بلوایا ہے۔“ اس نے پڑوسیوں

میں سے ایک کا نام لیا۔ آئی زینا کا گھر تین گھر چھوڑ کر تھا۔ کافی اچھے تعلقات تھے ان کے ساتھ۔ اس لیے آنا جانا لگ رہتا تھا۔

”تم نہیں گئیں؟“

”اصل میں میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لیے نہیں گئی۔“ وہ میگزین رکھ کر اس کی طرف

متوجہ ہو چکی تھی۔ اب ان میں ابھی خاصی بے تکلفی

نے کتنی بار اسے لپٹایا پیار کیا رات کو ذرا فرصت ملی تو اس سے وہاں کی باتیں پوچھنے لگی۔

”عمر کا روپیہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟“ شیریں نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

”بہت اچھا، وہ بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔“

”دریکتا کی سناؤ۔“

”وہ بالکل بہنوں کی طرح ہے۔“

”اور شاہ زیب.....؟“ شیریں کا لہجہ بہت متنی

خیز تھا۔

”وہ بھی ٹھیک ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ شیریں مطمئن سی تھی۔

”میری بات یاد رکھنا۔“

”یاد ہے.....“ ماثرہ قدرے فطلی سے گویا ہوئی۔

”یاد رکھنا تم نے عمر کی بہو بننا ہے۔ ایسا نہ ہو

تمہارا حال بھی بیٹا خالہ کی طرح ہو۔“

”آپ بیٹا خالہ کی بات مت کریں، میں ان کی

طرح کزور نہیں ہوں۔“

”چلو اچھی بات ہے اگر تم کزور نہیں ہو، ویسے

بھی شاہ زیب تمہارے چچا کا اکھوتا بیٹا ہے، جان ہے

عمر کی اس میں۔“

”اے شاہ زیب کی جان عنقریب میرے پاس

ہوگی۔“ ماثرہ نے بڑے غرور سے یہ جملہ دل ہی دل

میں کہا تھا۔ بیٹا خالہ کے ماضی کے بابت اسے ایک

ایک بات امی سے معلوم ہوئی تھی۔ لے بے چوڑے شاہ

زیب کو دیکھتے ہی ذہن میں کچھ باتیں گڈٹ ہوئی

تھیں۔ عمر زیب چچا نے پہلی شادی اپنی پسند سے کر

کے بزرگوں کی روایات کو توڑا پھر حائلہ چچی کے بعد

دوبارہ اپنی مرضی سے شادی کی پر بیٹا خالہ کے آنسو

اور محبت انہیں نظر نہ آئے۔ انہیں دوسری بار ٹھکرایا

گیا..... ٹھکرائے جانے کی یہ اذیت بیٹا کے ساتھ،

ساتھ پورے گھرانے نے بھی جھیلی تھی۔ ان میں

شیریں بھی شامل تھی۔ عمر زیب کا یہ جرم ناقابل معافی

تھا۔ اب تو اور تک زیب بھی بیوی کے ہم خیال تھے۔

برابر رکھا میگزین اٹھاتے ہوئے اس کی طرف

قدرے جھکائیں اس وقت ماثرہ نے اپنا سر اوپر اٹھایا

تو اپنی دھن میں اس کا سر شاہ زیب سے ٹکرایا۔ اس

کے منہ سے اہلی سی چیخ برآمد ہوئی۔ شاہ زیب نے غیر

ارادی طور پر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا تو ماثرہ نے

دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ جیسے سہارا لینا

چاہ رہی ہو۔ پلی بھر کا تصادم تھا دونوں ایک دوسرے

کی دھڑکنیں تک سن سکتے تھے۔ باہر دروازے پہ آہٹ

ہوئی شاید کوئی ہوا کا جھونکا تھا جو دروازے سے چھیڑ

خانی کر رہا تھا مگر شاہ زیب بہت تیزی سے دور ہوا۔

سارا قسموں چھٹا کے سے ٹوٹا۔ اس کے بعد وہ وہاں رکا

نہیں اپنے بیڈروم میں آ کے بی دم لیا۔

ماثرہ کو اس رات تیز بخار تھا۔ ادھر شاہ زیب بھی

بے قرار تھا۔ وہ دوبارہ بھانے سے اس کے پاس آیا

وریکتا، ماثرہ کے پاس ہی تھی۔ وہ ادھر ادھر کی باتیں کر

کے چلا گیا۔ پر تھوڑی دیر بعد پھر آ گیا۔ اب کی بار

ماثرہ اٹھ کے بیٹھی ہوئی تھی اور دریکتا کچن میں اس کے

لیے سوپ لینے گئی تھی۔

”کیسی طبیعت ہے؟“ بے قراری اس کے لہجے

سے عیاں تھی۔

”اب ٹھیک ہو گئی ہے۔“ ماثرہ کا لہجہ وانداز ایسا

تھا کہ وہ اس وقت کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

ڈریکتا کے آنے سے پہلے وہ وہاں سے ہٹ آیا۔ ایسا

لگ رہا تھا جیسے چوری کر رہا ہو اور رکتے ہاتھوں

پکڑے جانے کا ڈر ہو۔ کچھ ایسا تھا ضرور مگر اسے سمجھ

نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

ماثرہ دو ماہ کے عرصے میں پہلی بار گاؤں گئی تھی۔

ماں، باپ اسے بہت یاد کر رہے تھے، اور نگزیب اسے

خود لینے آئے تھے۔ وہ چلی آئی حالانکہ دل نہیں کر رہا

تھا۔ شاہ زیب بھی گھر میں نہیں تھا۔ انہوں نے بیٹھی

اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی بس اچانک اسے

لینے آئے تھے۔ ناچار وہ ان کے ساتھ چلی آئی۔ ماں

رشتے میں کوئی برائی نظر نہیں آرہی تھی۔ آخر کو عمر چھوٹا بھائی تھا وہ اگر اسے نہ پوچھتے تو کون پوچھتا۔ خونی رشتوں کا حق تو ہوتا ہے اور وہ اپنا فرض نبھانا چاہتے تھے۔ اس بار عمر کو گاؤں آنے کی دعوت وہ خود دے رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً شہر کے چکر بھی لگا رہے تھے۔ عمر بہت خوش تھا کہ بالآخر اس کے بھائیوں کو اس کا احساس ہو ہی گیا۔ برسوں کی دوریاں ختم ہو گئیں اور برف پھل گئی تھی۔

☆☆☆

مائرہ نہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ شاہ زیب کو عجیب سی کھد بھد لگی ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ دیر رہا نہیں گیا دریکتا سے پوچھو پوچھا۔

”مائرہ کہاں ہے کافی دیر سے نظر نہیں آئی۔“

”بھائی وہ تو تایا ابو کے ساتھ صبح صبح گاؤں چلی گئی ہے۔ وہ لینے آئے تھے کہ سب گھر والے اسے یاد کر رہے ہیں۔“ ڈرہیکتا نوٹ بک پر جھکے، جھکے بولی۔ وہ شاہ زیب کے چہرے پر پھیلتی اداسی کے رنگوں کو نہ دیکھ پائی تھی ورنہ بہت کچھ جان جاتی۔

☆☆☆

مائرہ نے سکون کی سانس لی تھی۔ اب اسے واپس چھوڑ گئے تھے اور عمر چچا کے ساتھ ساتھ دریکتا اور شاہ زیب کے لیے بہت کچھ لائے بھی تھے۔ شاہ زیب کالج سے آنے کے بعد دوستوں کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ آج کل کم ہی گھر میں نکلتا تھا کالج کے بعد دوست ہوتے یا پھر ہائیک، آج بھی وہ اسی مشغل میلے میں لگا ہوا تھا۔ مائرہ کو مایوسی ہوئی وہ گھر پر نہیں تھا۔ وہ اصل میں اس کے تاثرات جانچتا چارہی تھی کہ اس کی آمد پہ اسے دیکھ کے شاہ زیب کس طرح ری ایکٹ کرتا ہے۔ جب وہ گئی تھی تب بھی شاہ زیب نہیں تھا اور اب آئی تھی تو تب بھی نہیں تھا۔ خیر اس نے آنا تو گھر ہی تھا۔ مطمئن سی ہو کر اس نے اپنے کپڑے الماری میں لٹکائے اور سفر کی دھول مٹی سے چھپچھا چھڑانے کی خاطر شاور لینے چلی گئی۔

چنانچہ وہ بھی عمر کے ساتھ کھائی سے پیش آنے لگے تھے۔ راجیلہ کی موت بھی اس کھائی اور سرد مہری کی دیوار کو نہ گرا سکی تھی۔ آہستہ آہستہ باقی چھوٹے بھائیوں کی نگاہیں بھی بدلنے لگیں۔ وہ خود ڈھیت بن کر ان کے پاس گاؤں آتے۔ اتنے برسوں میں شیریں نے اپنی اولاد کو بھی باور کرایا تھا کہ عمر چچا نے زیادتی کی ہے۔ اس بار عمر چچا کیلئے گاؤں نہیں آئے تھے۔ لہذا چوڑا غضب کی وجاہت سیٹھ شاہ زیب بھی ان کے ہمراہ تھا۔ شیریں بہت محبت سے ملی تھی اور رنگ زیب کا دل بھی بھائی کی محبت سے لبریز ہوا تھا۔ دریکتا اور شاہ زیب آخر تھے تو انہی کا خون..... پل بھر میں دلوں کی دوری ختم ہوئی تھی مگر یہ سب عارضی تھا۔

☆☆☆

مائرہ کے شہر جانے کے بعد دونوں بھابھیاں دل ہی دل میں عمر زیب سے ناراض تھیں کہ عمر نے ان کی اولادوں کو تو بالکل بھی نہیں پوچھا اور مائرہ کو ساتھ لے گیا۔ دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں کہ کسی طرح دریکتا ان کی بہو بن جائے تو وہ بھی شیریں کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکیں۔ فوزیہ نے دل ہی دل میں اپنے بیٹے امجد کے حوالے سے فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ امجد شہر کے ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا تھا وہ بہت آگے تک جانا چاہتا تھا۔ عمر زیب چچا کی طرح اس کی منزل بھی سب کچھ حاصل کر لینے کی تھی۔ اگر وہ عمر کا داماد بن جاتا تو یہ منزل بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتی۔ فوزیہ مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ کب امجد کے رشتے کے لیے عمر سے بات کرے۔

سب سے چھوٹی فرح چچی کی سوچ فوزیہ سے ذرا الگ قسم کی تھی۔ وہ مائرہ کے شہر جانے کے بعد اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور ہوئی تھی اگر عمر ان کے بیٹے کو گھر داماد بنا لیتا تو کتنا اچھا ہوتا دریکتا کے ساتھ ساتھ بہت ساری دولت بھی ملتی۔ فوزیہ اور فرح دونوں نے اپنے اپنے مجازی خداؤں یعنی عمر زیب کے بھائیوں سے بھی بات کر لی تھی۔ انہیں بھی اس



میں بیٹھی موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ دریکما اپنے کمرے میں سو رہی تھی اور شاہ زیب بھی کالج سے آنے کے بعد آرام کر رہا تھا۔ عمر حسب معمول آفس میں تھے۔ خوب صورت موسم کی جولائی دیکھ کر ماثرہ باہر نکل آئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے موٹی، موٹی بوندیں گریں اور پراسی دھرتی کا سینہ سیراب ہونے لگا۔ ماثرہ اب لان میں آ کر بارش کے مزے لے رہی تھی۔ شاہ زیب کی آنکھ بوندوں کا آواز سے کھلی۔ اس نے گلاس وینڈو سے پردہ ہٹایا..... مائے کا منظر بڑا واضح تھا۔ ہر چیز بارش میں نہا رہی تھی اور ماثرہ اس دلنریب منظر کا حصہ بنی ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ شاہ زیب چھلانگ مار کر بیڈ سے اتر آیا۔ اگلے لمحوں میں وہ بھی باہر بلبے میں کھڑا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“

”موسم انجوائے ہو رہا ہے۔“ وہ دلکشی سے مسکرائی۔ اس سے شاہ زیب کو وہ موسم کی طرح ہی ایلہلی نظر آئی۔ بارش کی بوندوں نے اسے اچھا خاصا بگکوڈ الا تھا۔ وہ اپنے بال جھکتے ہوئے سرشاری کی کیفیت میں تھی۔ جیسی آسمان کی لانتا ہی وسعتوں میں بجلی چمکی اور ساتھ ہی زور کی گڑ گڑاہٹ ہوئی۔ ماثرہ کے لبوں سے ایک زوردار چیخ برآمد ہوئی اور اسی لمحے وہ بھاگ کر برآمدے میں کھڑے شاہ زیب سے جا کھرائی۔ انجانے میں اس نے شاہ زیب کے بازو پکڑ لیے تھے۔ اس کے نازک گداز ہاتھوں نے شاہ زیب کا سہارا غیر ارادی طور پر لیا تھا۔ یہ لمس، یہ احساس، یہ گرفت، یہ مہک شاہ زیب کے لیے بڑی انوکھی اور دلکش تھی۔ شاہ زیب نے اسے تمام لیا تھا۔ اس کے دل نے بے اختیار ایک خواہش کی، کاش ماثرہ اسی طرح اس کی بانہوں کی گرفت میں محفوظ رہے۔... پر ایک لمحہ ہی تو تھا۔ ماثرہ کو بہت تیزی سے احساس ہوا کہ وہ اس کے کس قدر قریب ہے۔ یہ احساس آنے کی دیر تھی کہ ماثرہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر منظر سے ہٹی اور تیزی سے اپنے بیدروم میں آگئی۔

دریکما اسے دوبارہ اپنے درمیان پا کر بہت خوش ہوئی۔ اور نگ زیب اسے یہاں چھوڑ کر زیادہ دیر نہیں رکے اور اسے چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ واپس روانہ ہو گئے۔ دریکما نے خود اس کے لیے پائے بنائی۔ دونوں نے لان میں بیٹھ کر چائے پی۔ شاہ زیب ہنوز غائب تھا۔ ماثرہ نے خود سے اس کا نہیں پوچھا۔ احتیاط لازم تھی۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی وہ اس کا کزن تھا وہ اس کے بارے میں پوچھ سکتی تھی۔ دریکما نے مہلا کیا کہا تھا..... پر ماثرہ کے اپنے دل میں چور تھا جو اسے روک رہا تھا۔

☆☆☆

ماثرہ ٹی وی لائونج میں بیٹھی ڈراما دیکھ رہی تھی۔ شاہ زیب اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہوا۔ ”ارے کب واپسی ہوئی اور اپنے جانے کا بتایا ہی نہیں۔ بے سروتوں کی طرح چلی گئیں۔ میں نے تمہیں کون سا روک لینا تھا۔“ ایک دبا دبا سا شکوہ شاہ زیب کے لبوں پر آئی گیا جو وہ ایک سانس میں بول گیا۔

”آپ روک لیتے تو میں کبھی نہیں جاتی۔“ وہ رک رک کر بہت آہستہ آواز میں بولی تھی۔ شاہ زیب حیرانی سے اسے سکتے لگا۔ ماثرہ نے نظر نہیں چرائی۔ جانے ابھی اس پر اپنے محسوسات کا کون سا دروا ہوا تھا وہ جان ہی نہیں پایا۔

”اچھا یہ بتاؤ گاؤں میں سب کیسے ہیں؟“ وہ فری ہی سنہیل گیا تھا۔

”ٹھیک ٹھاک، اے ون۔“ وہ بڑی ادا سے بولی۔ ”اور انی نے آپ کے لیے کچھ چیزیں بھجوائی ہیں۔“ ”ٹھیک ہے میں ڈرائیو ہوں پھر بات ہوتی ہے۔“ شاہ زیب اسے کچھ سوچتا چھوڑ کر وہاں سے جا چکا تھا۔

☆☆☆

بہت خوب صورت موسم تھا، سرمئی، سرمئی بدلیاں آسمان پر جمع ہو کر بھاگتی پھر رہی تھیں۔ ماثرہ باہر برآمدے

”بہیں، میں جاؤں۔“

”اگر میں نہ ہوں تو.....؟“ شاہ زیب کی جھکی آنکھوں میں خود سری جھکی تو مائرہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے آگے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ شاہ زیب نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس جرات پر وہ حیران ہوئی اتنے میں دریکٹا ڈانٹنگ ہال سے باہر نکلے تو شاہ زیب نے مائرہ کے ہاتھ چھوڑ دیے مگر وہاں سے جانے سے پہلے وہ اسے سرگوشی میں کہنا بھولا نہیں تھا کہ ”مجھے تم سے باتیں کرنی ہیں۔“ مائرہ کی نگاہ اس کے قدموں میں تھی۔

☆☆☆

نیم تاریک ریستورنٹ میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ شاہ زیب نے اپنے احساسات و خیالات اور نہ جانے کیا کچھ مائرہ کی سماعتوں تک پہنچا دیا۔ یوں اس نے صاف اور سیدھے نپے تلے انداز میں چاہت کا اظہار کیا۔ مائرہ کافی دیر خاموش رہی جیسے بولنے کے لیے الفاظ جمع کر رہی ہو۔

”کیا ہماری محبت کو عمرِ چھپ قبول کر لیں گے؟“ خاصی دیر بعد اس نے خاموشی توڑی اور جو سوال کیا تو کم از کم شاہ زیب کو تو وہ سوال عجیب ہی لگا تھا۔

”کیوں، اس میں برائی کیا ہے جو وہ قبول نہیں کریں گے بلکہ انہیں تو خوش ہونا چاہیے، وہ اپنی نیکی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں نے ایک تڑپ دیکھی ہے ان میں، اپنے رشتوں کے لیے۔“ مائرہ نے یقین نہ کرنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

”آپ لوگ اتنا عرصہ گاؤں نہیں آئے بلکہ عمر بچھا آپ کو لائے ہی نہیں..... خود بھی اُدھر کا رخ کرنا چھوڑ دیا۔ ابو، دونوں بچیا، ہم سب کزنز آپ سے ملنے کی آرزو ہی کرتے رہے مگر عمرِ چھپ کو لگتا ہے پسند نہیں تھا کہ اپنی نیکی سے اپنے بھائیوں سے قریب ہوں، انہوں نے تو آپ دونوں، بہن، بھائی کو بھی نہیں آنے دیا۔“ مائرہ کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ شاہ زیب اس کی کہی

وہ کتنی دیر وہیں مائرہ کے بس اور اس مہک کے احساس میں گہرا کھڑا رہا۔ بسی بسی سانس لے کر اس نے مائرہ کی معدوم ہوتی خوشبو کو اپنے سینے میں بھرنے کی کوشش کی..... شعور میں کسی کمی کا احساس ہوا تھا تو جھجیل کی تمنا بھی جاگ پڑی۔ مائرہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور دل شدت سے اس کا متلاشی تھا۔

وہ اس کے بیڈروم کے دروازے پر رکا..... پر اندر داخل نہیں ہوا۔ کچھ سوچ کر واپس مڑ گیا۔ دل انوکھی لے پر دھڑک رہا تھا۔ وہ دل میں چھپے جذبوں کو پہچان چکا تھا۔

پھر وہ رات کے کھانے پر ہی نظر آئی مگر اس طرح کہ شاہ زیب سے گریزاں اور نظریں چرائے ہوئے..... اسے عجیب سا محسوس ہوا۔ شاہ زیب سے رہا نہیں گیا اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

”مجھ سے ناراض ہو؟“

مائرہ نے حیران نگاہیں اوپر اٹھائیں اور لٹی میں سر ہلایا۔

”پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں، بھاگ کیوں رہی ہو مجھ سے؟“ وہ تفتیشی انداز میں بولا تو مائرہ کی آنکھوں میں بے بسی سی ڈولتی دکھائی دی۔

”مجھے نہیں پتا۔“

”کیوں نہیں پتا؟“

”بس نہیں پتا نا.....“ شاہ زیب کو جانے کیوں اسے تنگ کرنے میں لطف آ رہا تھا۔

”پھر کس کو پتا ہے؟“

”آپ کو پتا ہوگا۔“ وہ گریزاں، مگریزاں سی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

”نہیں، مجھے نہیں معلوم..... تم بتاؤ نا.....“

”آپ کو سب پتا ہے۔“ شاہ زیب حیران سا ہوا۔ سارے راز اس ایک ٹاپے میں اس پر منکشف ہوئے۔

”بھلا مجھے کیا پتا ہے؟“ وہ انجان پن سے گویا ہوا تو مائرہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ وہاں سے ہٹا چا رہی تھی پر شاہ زیب دیوار بن کر اس کے راستے میں حائل تھا۔

باتوں میں حقیقت ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔  
 ”مائرہ یہ سب تمہاری نلٹا نہیں ہے بیٹا اپنی فیملی  
 سے اپنے بھائیوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔“  
 ”اگر وہ محبت کرتے ہوتے تو اتنا حرص انہوں  
 نے خود کو اور آپ لوگوں کو انہوں سے دور نہیں رکھا۔  
 دوسری شادی کے بعد تو وہ گاؤں سے بالکل ہی کنارہ  
 کش ہو گئے تھے۔ اتنے عرصے بعد وہ آپ دونوں کو  
 گاؤں لائے۔ کبھی سوچا آپ نے کبھی پوچھا ان  
 سے؟“ وہ ایک ہی سانس میں بولے مٹی۔ شاہ زیب  
 کے ماتھے پر نظرات کی لیکر میں نمایاں ہونے لگیں۔  
 مائرہ ہنسی کیا، کیا کہہ رہی تھی جو بھی تم شاہ زیب  
 سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ ریسٹورنٹ کے خواہناک  
 ماحول میں اظہار محبت کے بعد وہ ہلکا پھلکا تو ہو گیا تھا پر  
 ایک اور بوجھ ذہن و دل پر سوار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج کا سارا دن شاہ زیب کے ساتھ گزارنے  
 کے بعد وہ بہت مطمئن تھی۔ کتنی جلدی یہ مشکل مرحلہ  
 بھی طے ہو گیا تھا۔ شاہ زیب نے پہلے خود محبت کا  
 اظہار کر کے اس کے غرور میں کٹی گنا اضافہ کر دیا تھا۔  
 گاؤں کی پروردہ ایک عام سی لڑکی نے شہر کے ایک  
 پڑھے لکھے خوبرو جوان کو اپنا امیر بنا کر ہوا لیا تھا۔ بیٹا  
 خالہ تو ناکام رہی تھیں پر جیت اس کے حصے میں آئی  
 تھی۔ وہ جتنی بھی خوشی منانی کم تھی۔

پہلی نظر میں ہی شاہ زیب کو دیکھ کر اس کا دل  
 دھڑکا تھا۔ وہ نظر انداز کیے جانے کے قابل بھی تو  
 نہیں تھا۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ شاہ  
 زیب اس طرح اس سے محبت کرنے لگے گا۔ خود شاہ  
 زیب کے اپنے کالج میں ایک سے ایک خوب صورت  
 اور طرح دار لڑکی تھی پر اس کا دل مائرہ پہ ہی آیا۔

☆☆☆

دریکتا تیار ہو رہی تھی اس کی فرینڈ کی برتھ ڈے  
 تھی۔ شاہ زیب نے کہا تھا..... ”جب تیار ہو جاؤ تو مجھے  
 بلا لینا میں جب تک تھوڑی دیر آرام کر لوں۔“ سو وہ

72 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

بے فکر تھی۔ اس لیے سکون سے تیار ہوئی۔ آئینے میں  
 خود کو دیکھا وہ مطمئن سی تھی کہ اچھی لگ رہی ہوں۔  
 اب شاہ زیب کو اٹھانا تھا کہ اس نے بھی تو پہنچ کرنا  
 تھا۔ اس نے گنتتے تے ہوئے دروازہ ناک کیا تو وہ  
 ہاتھ کے دباؤ سے ایک دم کھل گیا۔ اندر کا منظر حیران  
 کن تھا۔ مائرہ، شاہ زیب کے بہت قریب کھڑی اس  
 کی ٹائی کی ٹاٹ باندھ رہی تھی۔ انداز میں جنم، جنم کی  
 بے تکلفی اور اپنائیت تھی۔ آہٹ سے وہ دونوں بیک  
 وقت اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مائرہ کے ماتھے پر  
 پسینہ پھوٹ پڑا۔ وہ بھاگنے والے انداز میں دریکتا  
 کے قریب سے گزر کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ شاہ  
 زیب بھی بہت شرمندہ لگ رہا تھا۔ گاڑی میں بھی وہ  
 اس سے نظر نہیں ملا پارہا تھا۔

مائرہ خود ہی اس کے بیڈروم میں آئی تھی۔ وہ  
 تیار ہو کر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔ جب وہ اس کے  
 بہت قریب چلی آئی اور بڑے آرام سے پرفیوم کی  
 بوتل اس کے ہاتھ سے لی اور خود اسپرے کرنے لگی۔  
 اس کے بال برش سے سنوارے۔ مائرہ کا انداز بہت  
 عام اور نارمل سا تھا جیسے اس بات اور اس قربت کی  
 کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

”ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی ہے میں ٹھیک کر دیتی  
 ہوں۔“ ٹائی کی ٹاٹ باندھنے کے یہاں دوری کچھ  
 اور بھی کم ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ شاہ زیب بے خود  
 ہوتا آہٹ ہوئی اور وہ حواسوں میں واپس آ گیا۔  
 مائرہ بڑی تیزی سے باہر نکلی۔ وہ ندامت سے  
 نگاہیں جھکا۔۔۔ کے رہ گیا۔

”میں تمہیں نو بیجے پک کر لوں گا۔“ بہن کو  
 ڈراپ کر کے گاڑی موڑ کر وہ فقط یہی کہہ سکا۔ دریکتا  
 بہت چپ، چپ سی تھی۔ مائرہ کے انداز بہت عجیب  
 سے ہو رہے تھے۔ وہ اکثر ٹوٹ کرتی۔ شاہ زیب کے  
 کپڑے دھل کر آتے تو وہ پریس کرنے کھڑی ہو جاتی۔  
 وہ گھر میں ہوتا تو مائرہ پاس ہی بیٹھی رہتی۔ کبھی  
 چائے اور کبھی کھانے کا پوچھتی۔ اس کے ایک، ایک

زیب کی طرف مڑ گیا۔

”کیا سوچا ہے دریکتا کے بارے میں؟“ یہ سوال نوید بھائی کی طرف سے آیا۔

”بھائی نوید میں آپ کا سوال نہیں سمجھ پایا ہوں۔“ عمر زیب نہ سمجھ آنے والے انداز میں انہیں نکلنے لگے۔

”ارے بھائی، میرا مطلب ہے کہ دریکتا خیر سے سیانی ہو گئی ہے، اب اس کی شادی کے بارے میں بھی سوچا ہے کہ نہیں؟“ اب کے انہوں نے کھل کے اپنا سوال ڈھرایا۔

”ابھی تو پڑھ رہی ہے، جب تعلیم سے فارغ ہوگی تو دیکھا جائے گا۔“ عمر نے سکون سے جواب دیا۔

”بیٹیاں سیانی ہو جائیں اور جب رشتے بھی موجود ہوں تو اس فریضے کو جلدی ادا کر لینا چاہیے۔“ یہ ہارون بھائی بولے تھے۔

”کریوں گا پہلے پڑھ لکھ تو جائے۔“ عمر نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

”کوئی مگنی وغیرہ..... کوئی بات تو پکی کر لو۔ پڑھائی کا کیا ہے بعد میں چلتی رہے گی۔ دریکتا کے لیے کون سا رشتوں کی کمی ہے، اپنا اجد ہے، دیکھا بھالا ہے وہ بھی ابھی پڑھ رہا ہے، تعلیم مکمل ہونے سے شادی ہو جائے گی۔“ نوید بھائی کی بات اتنی مشکل نہیں تھی کہ عمر کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اب ہارون بھائی بھی بول پڑے.....

”قاسم بھی تو ہے اجد سے بڑا ہے، لائق فائق ہے پھر عمر جس بیٹے کو بھی اپنی بیٹی کے لیے پسند کر لے۔“

”ہاں تم... لوگ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شاہ زیب اور دریکتا کی شادی خاندان میں ہی ہونی چاہیے۔

رشتے اپنے خاندان میں موجود ہوں تو باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ گھر کی دولت و عزت گھر میں ہی رہے تو اچھا ہے۔“ اور نگزیب بھائی بھی گفتگو میں شامل ہو گئے۔ عمر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے..... سوچ ہو کے ہر بات پہ سر ہلاتے رہے۔

☆☆☆

عمل سے کوئی خاص چیز جھلکتی دیکھا جسے کوئی نام دینے سے قاصر تھی اور آج اس نے جو نمبر دیکھا تھا وہ ہضم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ اتنی قربت، اتنی اپنائیت ماثرہ کے انداز میں اتنا استحقاق جیسے جنم، جنم کی بے تکلفی ہو، جب وہ یہاں شروع میں آئی تھی تو اتنی چھینپی چھینپی سی رہتی بالکل خاموش، خاموش سی..... اس کا یہ روپ دریکتا کے لیے حیران کن تھا۔

پارٹی میں بھی وہ اسی معاملے پر سوچتی رہی اور ٹھیک طرح سے انجوائے بھی نہیں کر سکی۔ فائل ایگزاحر کے بعد ان کی چھٹیاں تھیں۔ جیسی پیمانے کہا تھا کہ جب ماثرہ گاؤں جائے تو تم بھی ساتھ چلی جانا۔ جب پیمانے کہا تھا تب وہ خوش تھی پر اب دل بچھا، بچھا سا تھا۔

☆☆☆

ماثرہ واپسی کے لیے تیار تھی۔ عمر اسے چھوڑنے جا رہا تھا اور شاہ زیب بھی گاؤں جانے کو تیار تھا۔ ایسے میں دریکتا کو اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا تھا سو وہ بھی جا رہی تھی پر بے کھل دل کے ساتھ.....

اس بار ان کا استقبال پہلے سے بھی بڑھ کر والہانہ انداز میں ہوا۔ گرجوشی سب کے رویوں میں نمایاں تھی۔ رات کا کھانا فرح چچی کی طرف تھا حالانکہ اور نگزیب نے کہا تھا کہ رات کا کھانا سب ادھر ہی کھائیں گے..... پر بھائی اور بھابھ کے سامنے ان کی ایک نہیں چلی۔ فرح اور نوید بڑی محبت اور اصرار سے ان تینوں کو اپنی طرف لے گئے۔

البتہ سونے کا انتظام تاپا اور نگزیب کے گھر پر ہی تھا۔ فرح چچی نے کئی بار ڈوب دیکھا سے اصرار کیا کہ رات ان کے گھر ہی رہے پر ماثرہ اسے اپنے ساتھ لے آئی۔

☆☆☆

عمر زیب کے ساتھ باقی تینوں بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے اچھے ماحول میں بات چیت ہو رہی تھی۔ اچانک ہی گفتگو کا رخ دریکتا اور شاہ

گزرنے کا احساس ہوا تو وہ چونک گیا۔

”اچھا آؤ گھر چلیں۔“

”اگر کسی نے پوچھ لیا کہ کہاں گئے تھے تو کیا کہیں گے؟“ وہ اسے امتحان میں ڈالنے والے سوال کر رہی تھی۔

”کہہ دوں گا کچھ نہ سمجھ... آؤ چلیں۔“ شاہ زیب نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ماثرہ نے باجھک اپنا ہاتھ اسے تھمایا۔ شاہ زیب کی نگاہوں میں محبت کے ان گنت رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ ماثرہ نے نظریں جہ الیں۔

☆☆☆

دو دن گزر چکے تھے، تیسرے دن عمر نے واپسی کا قصد کیا تو دریکٹا بھی اس کے ساتھ تیار ہو گئی۔ شاہ زیب کا موڈ کچھ دن خرید رکنے کا تھا اس لیے دونوں باپ بیٹی واپس آ گئے۔ چپا سے کچھ پریشان، پریشان سے لگ رہے تھے مگر پوچھنے پر وہ ٹال گئے۔ اس نے بھی جرح نہیں کی۔ شاہ زیب کی طرف سے ایک الجھن سی تھی۔ کہاں تو وہ گاؤں کا نام سننا پسند نہیں کرتا تھا اور اب ادھر رکنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس کی بے قراری کا سبب دریکٹا اچھی طرح جان گئی تھی، سبب بڑا مضبوط تھا۔ ماثرہ ہی وجہ تھی جو وہ ادھر رک گیا تھا۔ دریکٹا جانتی اور دیکھتی تھی عمر اس سے لاعلم تھے۔ وہ تو شاہ زیب اور ماثرہ کی بڑھتی دلچسپی سے بھی واقف نہیں تھے۔ دریکٹا حساس فطرت کی تھی بہت سی باتیں خود ہی محسوس کر لیتی تھی پھر دل ہی دل میں کڑھتی تھی۔ ماثرہ کی جب سے شاہ زیب میں دلچسپی بڑھنی شروع ہوئی تب سے ماثرہ کی بات چیت اس سے بہت کم ہو کر رہ گئی تھی۔ زیادہ تر وہ اپنے کمرے میں ہی بند رہتی۔ اس تبدیلی سے بھی وہ اپ سیٹ تھی۔ حالانکہ ماثرہ کے یہاں آنے پر سب سے زیادہ خوشی اسی کو ہوئی تھی اور اب ماثرہ ہی اسے انور کر رہی تھی۔ چنانچہ وہ کیوں ایسا کر رہی تھی، دریکٹا مسلسل اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش میں تھی۔

سب سے زیادہ شاہ زیب یہاں آ کر خوش تھا۔ شیریں پائی کی خصوصی توجہ و محبت اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ یہاں آ کے ماثرہ سے باتیں کرنے کے بے شمار مواقع آزادی سے میسر تھے۔ کوئی پوچھنے اور دیکھنے والا نہیں تھا۔ دوپہر میں ماثرہ کے ساتھ وہ متروک ڈیرے کی طرف نکل گیا۔ اسنے دونوں کی بے تاملیاں اکٹھی تھیں۔ جذبیوں کو اظہار اور قبولیت کا راستہ مل رہا تھا اور ماثرہ حوصلہ افزائی بھی کر رہی تھی پر ایسے جیسے کسی پیاسے کو کنوئیں کے پاس لا کر کھڑا کر دیا جائے اور پانی پینے بھی نہ دیا جائے۔ عجیب اختیار اور بے اختیار تھی۔

”کب بات کریں گے عمر چپا سے؟“ وہ امید کے دیے جلائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”بہت جلد کروں گا تم فکر نہ کرو۔ پہلے چپا کا موڈ دیکھوں گا اس کے بعد دیکھوں گا کہ یہ بات کس طرح کی جائے۔“

”آپ تو کہہ رہے تھے کہ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور اب کہہ رہے ہیں کہ موڈ دیکھ کر بات کروں گا۔“ وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئی تو شاہ زیب پریشان ہو گیا۔ ماثرہ کے ماتھے کے بل جیسے اس کی جان نکال لیتے تھے۔ ایسا ہی جنونی اور انتہا پسند تھا وہ اپنے جذبیوں میں۔

”اچھا ناں جلد ہی بات کروں گا۔ مبر نہیں ہو رہا ہے کیا؟“ وہ شرارت پر اتر آیا۔

”میں تو مبر ہی کر رہی ہوں آپ سے ڈر لگتا ہے کہ آپ کی بے مبری و بے قراری مجھے کسی مشکل میں نہ ڈال دے۔“ وہ بڑے ناز سے ابرو چڑھا کر لٹیلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تمہاری عزت مجھے ہر چیز سے پیاری ہے، کبھی آج نہیں آنے دوں گا۔“ ایک لخت وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”تو پھر چلیں گھر، ایسا نہ ہو کہ اعلان گمشدگی نشر ہو رہا ہو۔“ ماثرہ کے احساس دلانے پر اسے وقت

## صبح تا شام

نہ کسی درتچے سے دے صدا  
 نہ بلا مجھے کسی باہم سے  
 میں نکل گیا تیری صبح سے  
 میں چلا گیا تیری شام سے  
 کبھی عشق کرتا ہے یہ مجھ سے  
 تیرے شہر کے سبھی بے وفا  
 مجھے سوچنے تیرے روپ سے  
 تجھے جاننے میرے نام سے  
 میں جو تیرے دام میں آ گیا  
 میرے واسطے وہ کمال کا  
 میرے واسطے یہ ملال ہے  
 جو نکل گیا تیرے دام سے  
 تیرے شہر دل کو انہوں نے  
 آکے بہت ہی خاص بنا دیا  
 یہ جو لوگ ہیں بڑے مست سے  
 یہ جو لوگ ہیں بڑے عام سے  
 میری کیا مجال کہ میں تمہیں  
 کبھی اپنے گھر میں بلا سکوں  
 پونہ جھانک لینا ذرا سا تم  
 ادھر آؤ مگر کسی کام سے  
 تیرے حسن کا جو ایر ہے  
 یہ ضیا وہی تو فقیر ہے  
 کبھی سوچنا بھی نہ چھوڑنے کا  
 یہ قیدی زلف کے دام سے

کلام: شبانہ ضیا

انتخاب: مہوش جواد، چوک اعظم لہ

☆☆☆

آفس سے واپسی پر عمر اپنے دوست، طاہر لغاری  
 کی طرف چلے گئے۔ ان کے ذہن پر بہت بوجھ تھا۔  
 اپنا ہر مسئلہ وہ طاہر سے ڈسکس کر لیتے تھے۔ عمر کے  
 حالات زندگی اور خاندان سے طاہر اچھی طرح واقف  
 تھے۔ عمر بھی اس پر بے پناہ اعتبار کرتے تھے۔ راجیلہ  
 کے ساتھ عمر کی شادی میں طاہر ہی پیش، پیش رہے  
 تھے۔ طاہر لغاری کے ساتھ ان کے مضبوط دوستانہ  
 گھریلو تعلقات بھی تھے۔ ان مضبوط تعلقات کی ایک  
 وجہ کچھ ملتی جلتی باتیں بھی تھیں۔ طاہر کی بیوی بھی ایک  
 حادثے میں اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ ایسی ہی کیفیت  
 اور مسئلہ عمر کے ساتھ بھی تھا سو ان کے خیالات میں بھی  
 کافی حد تک ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔

گاؤں سے واپسی کے بعد عمر کے پاس کافی  
 باتیں جمع ہو گئی تھیں جو ان کے خیال میں طاہر سے  
 ڈسکس کرنا ضروری تھیں۔

طاہر لغاری مزید بیکور دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔  
 ”بڑے دن بعد چکر لگایا ہے۔“ وہ عمر سے گرم  
 جوش سے بغل گیر ہوئے۔

”سات دن ہی تو ہوئے ہیں، اتنا زیادہ وقت تو  
 نہیں گزرا۔“ وہ پھیکے سے انداز میں زبردستی مسکرائے۔

”کیا بات ہے، کچھ آپ سیٹ لگ رہے  
 ہو؟“ طاہر فوراً تاڑ گئے کہ کوئی بات ہے۔

”ہاں، میں گاؤں گیا ہوا تھا۔ دو دن رہ کر آ رہا  
 ہوں۔“ انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

”یہ تو اچھی بات ہے تم گاؤں گئے تھے مگر تمہیں  
 تو خوش نظر آنا چاہیے، انہوں سے مل کر تو تمہاری خوشی  
 کئی گنا بڑھ جاتی ہے لیکن تم آج خوش نظر نہیں آ رہے  
 ہو، کیا بات ہے؟“

”تمہیں طاہر، خوش تو ہوں.....“ وہ بولتے،  
 بولتے رک گئے۔ طاہر اس دوران اسے دیکھتے رہے  
 کہ وہ خود سے ہی کوئی بات کرے۔ ”طاہر میرے بھائی  
 کہہ رہے ہیں کہ مجھے شاہ زیب اور دریکتا کا رشتہ

بوجھ کر طرک کیا اور واقعی عمر نے بہت تیزی سے خود کو سنبھالا پھر کچھ دیر اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

مائرہ چھٹیوں کے بعد گاؤں سے آگئی تھی اور شاہ زیب پر زور دے رہی تھی کہ عمر حجاب سے اپنے اور اس کے رشتے کی بات کرے کیونکہ بیٹا خالہ بھی اپنے بیٹے باسط کے لیے اس کا رشتہ مانگ رہی تھی۔ باسط، مائرہ کا بھتیجہ تھا۔ بیٹا کی بڑی آرزو تھی کہ مائرہ اس کی بہو بنے مگر شیریں کا ارادہ کچھ اور تھا۔ اس کی نگاہ شاہ زیب پر تھی۔ ادھر مائرہ نے باسط کے رشتے کا بتا کر شاہ زیب کو پریشان کر دیا تھا۔

”میں آج بچا سے بات کرتا ہوں۔“ وہ مائرہ کو تسلی دے کر بچا کے بیڈروم کی طرف آ گیا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ معاً اسے یاد آیا کہ اس وقت وہ اسٹڈی روم میں ہوں گے۔ اس نے ادھر کا ہی رخ کیا، وہ مطالعے میں مگن تھی۔ شاہ زیب ان کے سامنے رکا تو وہ چونک گئی۔ جانے کیا بات تھی جو اس وقت وہ ان کے پاس آیا کیونکہ جب وہ اسٹڈی میں ہوتے تو سختی سے کہتے کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ شاہ زیب کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی اور اضطراب تھا۔ عمر پریشان ہو گئی اور کتاب بند کر کے رکھ دی۔

”بچا آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“ وہ کہتے ہوئے چھکچھاہٹ کا شکار ہونے لگا۔

”خیریت تو ہے اس وقت کون سی بات کرنی ہے جو تم نے صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا اور کہتے ہوئے گھبرا بھی رہے ہو۔“

”جہاں میں مائرہ سے محبت کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنا تمام تر حوصلہ جمع کر کے کہہ ہی دیا۔ عمر حیران، حیران نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھتے رہ گئے جیسے یہ توقع نہ کر رہے ہوں کہ وہ یہ بات بھی کر سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

خاندان میں ہی طے کرنا چاہیے۔ اور نگزیب بھائی نے کہا ہے کہ خاندان کی عزت اور دولت خاندان میں ہی رہنی چاہیے۔ سچ پوچھو تو میں اس بات پر پریشان ہوں۔ جانے کیوں میرے دماغ میں بری، بری باتیں جنم لے رہی ہیں، خاص طور پر ان کی یہ بات میرے ذہن میں اٹک کر گئی ہے خاندان کی عزت اور دولت دائی۔“

”ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو، سب کے رویے پرکھو اور اس کے بعد جو فیصلہ کرنا ہے وہ کرو۔“ طاہر نے صاحب مشورہ دیا۔

”تمہیں تو معلوم ہے میری دوسری شادی کے بعد پورے خاندان نے مجھ سے ملنا ملنا اور آنا جانا ختم کر دیا تھا۔ میں خود ہی ڈھیٹ بن کے جاتا رہا، اپنے بچوں سے ہر بات چھپائی تاکہ نفرت کے شعلے کہیں ان کے دامن کو جلا نہ دیں۔ درمیان میں بھائیوں اور بھابیوں کے رخ روٹیوں کی وجہ سے کافی عرصہ گاؤں جانے کی جرأت ہی نہیں کر سکا اور نہ ہی ادھر سے کبھی کسی نے آکر میرا حال احوال پوچھنے کی ضرورت سمجھی۔ اتنے عرصے بعد گاؤں گیا تو اپنے بچوں کو لے گیا۔ سب نے ٹھیک طریقے سے بات چیت کی۔ لیکن اب ایک دم سے بچوں کے رشتے کی بات مجھے ہنسم نہیں ہو رہی ہے، کہاں تو کوئی مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا اور کہاں اب بچوں کے رشتے طے کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ میرے بچے ہی میرے لیے سب کچھ ہیں، میں نے اپنیوں کی نفرتیں اور بیگانگی سہی ہے، نہیں چاہتا ان کا نشانہ میری اولاد بنے۔“ بولتے، بولتے عمر جذبائی ہو گئے اور آواز بھی بھرا گئی تو طاہر نے اپنا بازو ان کے گرد حائل کر دیا۔

”نی الحال تم خاموش رہو اور صرف دیکھو..... تمہاری اولاد ہے، تمہیں اپنی اولاد کے معاملے میں پورا اختیار اور فیصلے کرنے کی آزادی ہے، جہاں تمہارا دل چاہے ان کے مستقبل کا فیصلہ کرو اور پریشان مت ہو، مرد بنو یا..... کیا عورتوں کی طرح نسوے بہانا شروع کر دیے ہیں۔“ طاہر نے جان



## سرسبز کی والی

### ام شام

سائیکل پر چہنے والے چھتو کے پیر بڑی عیزی  
 سے حرکت کر رہے تھے..... اور ساتھ، ساتھ شائقین  
 کے تالیاں بجاتے ہاتھوں میں گویا بجلی بھر گئی تھی،  
 دیکھنے والی آنکھیں حیرت کے مارے پھٹ رہی  
 تھیں اور سانس ساکن تھی..... ٹائیون کی پتلی سی ری  
 پر وہ بڑے مزے سے سائیکل چلا رہی تھی اس خوف  
 سے بالآخر وہ جھے گر جائے گی.....  
 وہ ایسی ہی تھی، ہر خوف سے بے نیاز، خوب

77 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM  
 RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
 FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY



صورت، نظر..... اسی لیے وہ سارے سرکس کی جان تھی۔ اس کا ہر آنکھ، ہر دھبہ نیا اور خطرناک ہوتا تھا اور سرکس کا بیسٹ سیلر آنکھ بھی..... رسی بری طرح مل رہی تھی، اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بند کیے تو تالیوں کے شور سے کان بھینٹنے لگے۔ چمنو کے جہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ چھیل گئی۔ اب اسے ڈر کر ڈرا کر مزہ آتا تھا۔

☆☆☆

”لے روٹی کھالے..... بد جات سارا وقت پیٹھے، پیٹھے روٹیاں توڑے ہے۔“ سوکھی روٹی، پتلا سا شوربہ اور ایک ادکھائی پونی، اس نے پیٹ کی طرف سرسری سی نگاہ ڈالی اور اسے ہاتھ سے پرے کھسکا دیا۔

”کم بکھت کے نخرے تو دیکھو جیسے آسمان کی پری ہووے..... ابھی بتاتی ہوں ہم اتنی محنت کر کے روٹی کھاتے ہیں اور یہ ایسے ٹھوکر میں مارے ہے.....“

اس سے پہلے کہ وہ جھکی سے نکل کر بھاگتی، کپڑے دھونے والا ڈنڈا اس کی کمر پر پورے زور سے آکر لگا اور سارے بدن میں ایک دم انگارے بھر گئے..... ہزار ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں پھر بھی وہ نہ روئی نہ رکی کیونکہ اسے بھوکا رہنا قبول تھا مگر وہ جھوٹا نہیں کھا سکتی تھی۔

ابا میلوں ٹھیلوں میں پتلی تماشا دکھایا کرتا تھا مگر اب خواجہ سراؤں کے آنکھ نے بے جان چلیوں کی اہمیت ختم کر دی تھی، اس لیے ابا نے انہیں ایک بڑے سے صندوق میں بند کر دیا تھا۔ وہ کبھی، کبھی انہیں صندوق سے باہر نکالتی، صاف کرتی، ان کی ڈوریاں اپنے ننھے، ننھے ہاتھوں میں تمام کر انہیں نچاتی، اسے ان چلیوں سے اپنی ماں کی خوشبو آتی تھی۔ وہ ساری کی ساری اس کی ماں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھیں۔ اسے اپنی ماں کی ہلکی مگر محبت بھری مٹی سے یاد تھی۔

”ارے کم جات کہاں مر گئی؟“ ڈوریوں

78 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

میں پھنسے ہاتھ ایک لمحے کو کانپے..... ”ایک دن تیرے سمیت ان کو جین میں گاڑ دوں گی.....“ جب خدا کا، کیا وقت ہو گیا، سارا کام نونوں کا نون پڑا ہووے۔“ اس نے جلدی، جلدی انہیں صندوق میں رکھا اور صندوق کو چار پائی کے نیچے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ بھول گئی تھی کہ فی الحال اس کی اپنی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔

☆☆☆

”ارے چمنو تو نے تو کمال کر دیا۔ مارے سرکس کی آدمی کمانی تو تیرے اس آنکھ کی وجہ سے ہوئے ہے، اچھا کیا جو تو نے سرکس میں آنے کا بھیسلہ کر لیا، تیرے اندر جادو ہے، تمہارے جیسی پاور بھل چھوری میں نے آج تک نہیں دیکھی اور پھر تو سب سے ہٹ کر ہے..... سا باس یونہی دل لگا کر کام کرتی جا.....“ سرکس کے مالک نے اسے ہرے نیلے نوٹ پکڑاتے ہوئے دانت نکالے۔

”سکریہ صاحبہ چندگی میں کچھ تو کرنا تھا پھر چندگی سے کھیل ہی سی.....“ چمنو ہلکی سی ہنسی، ہنستی ہوئی خیمے سے باہر نکل آئی۔

”ارے کہاں چل دی رانی..... رسی پر تو بڑے کرتب دکھاوے ہے کبھی مارے دل کے تاروں سے بھی چھیڑ چھاڑ کر لیا کر۔“ موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے والے مراد نے خیمے سے باہر نکلتی چمنو کو دیکھ کر آنکھ دیا تے ہوئے کہا۔

”تجھے کتنی نیم بولا ہے مارے رستے میں مت آیا کر رنج پھرتا ہے مارا.....“ چمنو میلے کی مٹائی نہیں ہے۔“ اس نے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے انا گسہ کا ہے کو کرے ہے.....“

”چل ہٹ ورنہ کسم سے روج روج کی ٹینسن کھسم کر دوں گی میں۔“

”ارے رانی دیکھ تو بھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہے اور اپنی بھی موت کے گرد چکر

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

سمندر کے کنارے نارنجی گولے نے ڈوبنے کی تیاری پکڑی تو وہ دونوں بھی ہستی کی طرف روانہ ہوئے۔ بھنگی ریت کے ذروں اور سورج کی پہلی نارنجی کرنوں نے آنے جانے والی لہروں کے کان میں جانے کیا سرگوشی کی۔ ٹبک اور نرم بھنگی ہوانے دونوں کو الوداع کہا اور رات نے تاروں سے سجے گھوگٹ کو شام کے چہرے پر ڈال دیا۔

☆☆☆

”تھارے کو پتا ہے، گٹو آدمی اور جناور میں پھرک ہوئے اے.....“ گٹو نے برگر کا بڑا سا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے آنکھوں میں آنکھوں میں اس کی بات کا مطلب پوچھا۔

وہ جب بھی باہر جاتی، آتے ہوئے گٹو کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کھانے کو لاتی تھی۔ سارے سرکس میں وہ واحد تھا جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ لیتی تھی۔

”بھئی، کبھی مارے کو یوں ہٹکر ہووے کہ جیسے بادساہ مارے کو بندر یا کبھے جو پیار کی ڈگڈی پر تاج رہی ہو۔“

”تو ایسا کیوں سوچے اے، بادساہ تو تجھ سے بڑا پیار کرے ہے..... تو ایسا سوچ کر فٹول میں اپنا منج خراب کرتی ہے۔ بادساہ تو تجھ سے بڑا پیار کرے.....“

”پر گٹو، جانے کیوں مارے کو اس کی آنکھوں میں وہ پیار نجر نہ آدے جو مارے دم، دم میں مہکے ہے۔“

”جیل چھوڑ، بلا وجہ اپنے دل میں وہم ڈالنے کی کیا جرورت..... تو کھود اپنی پیاری اے وہ کا ہے کو تھارے سے پیار نہ کرے۔ تو دل مسیلا نہ کر۔ جیل اب جا کر سو جا صبح تو تیرا اتنا مسئلہ آٹم ہے، ٹھیک سے سوئے گی نہیں تو آٹم میں مہانہ آوے گا۔“

گولڈ ڈرنک کے آخری گھونٹ پی کر وہ دیوار سے نیچے کود گیا..... چھنو سے باتیں کرنے کے لیے اسے دیوار پر چڑھ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ وہ جانے کب

لگاتا ہے، اپنا دونوں کی جوڑی ایک دم چکا چک لگے گی، بول تو آ کر تیرے ابا سے بات کروں پتا وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

”نامراد، مارے کو لگے تیرا دماغ پھر گیا اے..... اپنی اوقات دیکھی ہے تو نے توٹوں کا پہاڑ ہے تیرے پاس جو چلا ہے ابا سے بات کرنے۔ تھارے کو ماری ہٹکر کرنے کی کوئی جرورت نہ ہی۔“ وہ توٹوں کو اپنے ٹراڈزر میں اڑتے ہوئے سائڈ سے نکل گئی۔ خیسے کے پیچھے سے دو آنکھوں نے دیر تک اور دور تک اس کے قدموں کا پیچھا کیا۔

☆☆☆

”چھنو آج تو بہت کھوب صورت لگے ہے.....“ گلابی جوڑے میں گلابی ہوتی چھنو کو دیکھ کر بادشاہ نے شاہانہ انداز میں کہا۔

”جیل ہٹ، آیا بڑا۔ مارے کو سب پتا ہے سو کے درمیان تو سامنے بیٹھی جانا بیوں سے آنکھ مٹکا کرے ہے۔“ اس نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”کسم لے، لے جو تھارے سوا کبھی کسی کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھا ہو۔“

”تو مارے سے اتنا پیار کرے ہے؟“ چھنو کی آنکھوں میں پیار ہی پیار تھا۔

”تھارے بغیر تو بادساہ جتنا ہی نہ رہ سکے۔“ اس نے چھنو کا سفید اور نرم ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”اچھا اب زیادہ ہیرد گیری مت کر، جیل کچھ کھاتے ہیں، میں صبح یونہی بھوکی ہی گھر سے آگئی تھی۔“

چھنو اور بادشاہ دونوں سمندر کے کنارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ٹھنڈی ریت پر قدم سے قدم ملا کر خوابوں کے انجانے مگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رات چھنو کو جو پیسے ملے تھے اس نے آدمی آج خرچ کر لینے تھے اور آدمی اس نے ماں کے ہاتھ میں رکھ دیے تھے اور اب چار، چھ دن تک اسے چھنو کے کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔

کرنے کو مل جاتے تھے جس سے اس کے شوق کو کہیں نہ کہیں تسکین مل جاتی تھی۔

اسٹیل کے بڑے، بڑے رنگز کے چاروں طرف آگ بھڑک رہی تھی، آگ اور جوانی کے کھیل کو دیکھنے کے لیے بڑے ٹکٹ سیل ہوئے تھے۔ شو ہاؤس مل تھا۔ پردہ اٹھنے والا تھا۔

آگ کے جلتے ہوئے گول، گول دائروں میں چھنو بڑے، اطمینان سے سائیکل چلا رہی تھی، آگ کی گرمائش اس کے جلتے وجود پر ٹھنڈے چھینٹے ڈال رہی تھی سب کی نظریں اس پر گڑی ہوئی تھیں جیسے ہی اس نے ہاتھ چھوڑ کر سائیکل چلانی شروع کی سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ چھنو کی نظر بیڈل پر جمی ہوئی تھی مگر وہ وقت کے پے کو الٹا پھرتا دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

”ہائے غیب ہو گیا، میں لٹ گیا، برباد ہو گیا۔“ رونے پینے کی آواز سے اچانک خمی چھنو کی آنکھ کھلی، اسے ایک دم کچھ سمجھ نہیں آیا۔ چھوٹی سی جھلکی لوگوں سے بھری پڑی تھی۔

ابا، اماں کی چار پائی کے پاس بیٹھا بین کر رہا تھا، اماں کے اوپر ایک پھولوں والی سیکی سی چادر ڈالی ہوئی تھی۔ چند گھنٹوں بعد وہ چار پائی جہاں اس کی ماں بیٹھی تھی خالی ہو گئی تھی۔ اس کی ماں کبھی اٹھتی، کبھی بیٹھتی، کبھی کھانسی جانے سے کیا بے چینی تھی۔ بعد میں پتا چلا کہ اسے خون کا کیسر تھا۔

وہ پیار سے چھنو کو اپنے پاس بیٹھا لیتی، دنیا کی اونچ نیچ بتاتی، گھر کے کاموں کے بارے میں سکھاتی اور کبھی جو اس کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے اسے سوچی کا حلوا بنا کر کھلاتی، اس کے بال بتاتی، اسے پتلی تماشا دکھاتی..... مگر ایسا کم، کم ہوتا تھا۔ زیادہ تر وہ ٹرہ حال پڑی رہتی اور ابا اس سے بیزار باہر گھومتا رہتا۔ اماں کے بعد چھنو کو جھلکی کاٹنے کو آتی تھی، وہ اماں کی اکلوتی اولاد تھی مگر ابانے کبھی اس

سے سرکس میں تھا..... غریب، اور جہالت نے اسے آج ایک تماشا بنا دیا تھا اس کا قد ڈھائی فٹ تھا اور اس کے پیدائشی تین ہاتھ تھے یعنی دو صبح دائیں کہنی سے ایک اور ہاتھ نکلتا ہوا اور جو کروں کی پارتی میں وہ سب سے زیادہ مقبول تھا۔

سرکس کے ٹیموں، جموں کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ موت کے کنویں کے پاس پہنچی تو اس نے غصے اور نفرت سے مراد کے بارے میں سوچا۔ اسے وہ شروع سے ہی بہت برا لگتا تھا۔ وہ مست چال چلتی اپنی جھلکی میں داخل ہوئی مگر وہ آنکھیں اب بھی جھلکی کے جلتے ہوئے میلے پردے کو تک رہی تھیں اس بات سے بے خبر کہ محنت کا انجام خاک میں ملتا ہی ٹھہرا ہے۔

☆☆☆

”بادشاہ ادھر آ.....“ صبح، صبح چڑیوں کی چپکار کے ساتھ، ساتھ سرکس بھی بیدار ہو چکا تھا، جانوروں اور انسانوں کی ملی جلی آوازیں دن کا حصہ بنتی جا رہی تھیں۔ وہ نکلنے کے پاس بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ مراد نے اسے آواز دی۔

چھنو کو اس کا مراد سے ملنا پسند نہیں تھا مگر وہ اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور تھا اس لیے کبھی کبھار وہ سرکس کے باہر اس سے مل لیتا تھا۔

بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے سمجھایا کہ تو جھل میں آتا ہوں، شیوہناتے ہوئے اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ چھنو کی آنکھیں ہر وقت اسی کے آس پاس ڈولتی رہتی ہیں۔

قدرت نے بڑی فیاضی سے اسے مردانہ جاہت کی دولت دی تھی جسے وہ اپنی تیاری سے چار چاند لگا لیتا تھا۔ بس اسے ایک ہی جنون تھا، فلموں میں کام کرنے کا جنون، وہ اپنے آپ کو پیدائشی ہیرو سمجھتا تھا، فلم نگری میں کافی مقاماری کے بعد اس نے آخر تک کراپا کے کہنے پر سرکس میں کام کر لیا تھا۔ یہاں بھی ایسے آٹم سوئنگ

گھر۔ اداس۔ ویران

جو اولاد نہیں

آج بھی ہزاروں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ اولاد نہ ہونے سے دوسری شادی یا طلاق جیسے گھریلو جھگڑے، اداسیاں اور جدائیاں جنم لے رہی ہیں۔ آپ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ مایوسی تو گناہ ہے۔ ہم نے صرف دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں پر ریسرچ کر کے ایک ایسا خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کر لیا ہے جس کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کے ہاں بھی خوبصورت اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھل سکتے ہیں۔ آج ہی فون پر اپنی تمام علامات سے آگاہ کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی بے اولادی کورس منگوائیں۔ خدا کے لئے ہمارا بے اولادی کورس ایک دفعہ تو آزمائیں اور خدا را اپنے گھر کے ماحول کو تو جنت بنا لیں۔

المسلم دار الحکمت رجسٹرڈ

ضلع حافظ آباد۔ پاکستان

0301-6690383

0300-6526061

فون اوقات

صبح 10 بجے سے شام 4 بجے تک

پر توجہ نہیں دی تھی وہ شاید اسے بھی۔ بے جان پتلی سمجھتا تھا پھر ایک دن ابا نے اسے بڑے دلدار سے اپنے پاس بلایا اور گود میں اٹھا کر باہر لے گیا..... بازار سے اسے نئی فراک دلائی اور بہت ساری قیمتی تانیاں بھی، چھنوکو ابا آج بہت بدلا، بدلا اور اچھا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے واپس جھگی میں لے آیا، اماں کی چار پائی پر ایک لال ٹھنڈی دھری تھی..... مگر اس کا چہرہ بھی تھا۔

”اے چھنوکو، یہ تیری نئی اماں اے، چل جا کر سلام کر.....“ ابا نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

فراک کے رنگ اور مٹھی میں دبی ہوئی تانیاں کی خوشی دونوں یک دم ماند پڑ گئے۔ وہ جلدی سے جھگی سے باہر بھاگ گئی۔

”نواب جادی چل اٹھ کر برتن مانجھ۔ میں تمہارے پاس کی نکرانی نہیں کہ سارے کام کرتی رہوں۔“ سوئی ہوئی چھنوکو کسی نے بے دردی سے جھنجھوڑ ڈالا۔

”مگر مارے کو برتن دھونے نہیں آتے.....“ آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

”حرام کھور مارے سے جہان چلائے اے..... تمہارے جتنی چھوریاں سب کام کرے، کرے گی تو کھود آ جاوے گا..... میں اپنی اماں کی طرف جا رہی ہوں، ماری واپسی تک سارا کام کر کے رکھنا ورنہ.....“

ایک تھپڑ پھول سے گال پر پڑا اور اسے لگا وہاں آگ سی لگ گئی ہو..... پہلی بار چھنوکو درد سے آشنا ہوئی اور پھر ہوتی چلی گئی۔ کبھی پیاز کا سٹے چھوٹی، چھوٹی انگلیاں کٹ جاتیں، کبھی لکڑیاں جلاتے ہازو جل جاتا، کبھی کپڑے دھوئے دھوئے کھرا کڑ جاتی پھر آہستہ، آہستہ چھنوکو درد اچھا لگنے لگا وہ ڈر اور درد سے بے نیاز ہوتی چلی گئی اور پھر سو لھویں سال اس نے سرکس میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ہر سال ان کی جھگیوں کے

دیکھا، چھنو کی آنکھوں میں ڈر اور درد کو مات دینے کا  
 ایک انوکھا سانسہ ہلکورے لے رہا تھا۔  
 ”سچ بتا تو مارے سے اتا پیار کرے، ماری اتی  
 بھکر ہوئے تھارے کو۔“  
 ”سچ بگی تھاری قسم.....“ بادشاہ نے سر پر ہاتھ  
 رکھ کر کہا۔

”تو پھر ابا سے بات کر لے بادشاہ..... مارے  
 سے اب اور اتجار نہ ہوئے..... میں روج، روج کی  
 اس جنگ سے تھک گئی ہوں..... مارا بھی دل کرے  
 ہے تو، میں اور ماری چھوٹی سی جنگی جہاں پیار ہی پیار  
 ہووے۔“ وہ ایک دم سہنوں کی ڈور تھارے بہت  
 آگے نکل گئی۔

”ہاں، ہاں تھوڑا صبر کر بلکہ مارے لیے دعا  
 کر..... سن کل ہی مارے کو پتا لگا ہے کہ سرکس میں فلم  
 کا یونٹ آرہا ہے۔ انہوں نے سرکس میں کچھ شوٹ  
 کرنے ہیں، مجھے لگتا ہے اب کے بار مارے کو چانس  
 جرور ملے گا..... پھر تھارا بادشاہ سچی کا بادشاہ بن  
 جاوے گا اور تو ماری ملکہ.....“

”بادشاہ تجھ کتنی بار سمجھایا ہے..... تو پھر مارے  
 کو کسے دلاوے، تو ظلم کے منحوس لکھیال کو دل سے  
 نکال کیوں نہیں دیتا.....“ چھنو نے منہ پھلا کر کہا۔

”ارے ماری ملکہ تھارے باپ سے بات  
 کرنے کے لیے بھی تو مارے کو اتے ٹوٹ چاہیے،  
 تھارے کو پتا ہے پیسوں کے بغیر بیاہ کہاں ہووے  
 اے..... اور پھر مارے کو پتا لگا تھا تھارے ابا سے  
 تھاری ماں نے تیرے لیے اپنے پیسے والے چاچا  
 کے لیے بات کر رکھی ہے۔“

”اے گولی مار..... چھنواب موم کی ناک نہیں  
 کہ جہاں چاہے موڑ لو، ابا وہی کرے گا جو میں کہوں  
 گی..... پر تو سن لے بادشاہ نوٹوں میں بڑا جور  
 ہووے اے، یہ بوڑھے ہوتے باپ کو خرید  
 لیوں۔“ وہ دھکی ہو کر بولی۔

پاس میدان میں بڑا سرکس لگا کرنا تھا۔

”ابا میں سرکس میں کام کرنا چاہتی ہوں۔“  
 رات کو بلا جھگ اس نے سب کے سامنے یہ بات کہہ  
 دی کہ اب وہ کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔  
 ”تیرا سچ کھراب ہو گیا ہے کیا، نہ، بلا  
 کروائے گی مارا.....“ اماں چلائی۔

”میں نے کہہ دیا ہے، میں کل مالک سے بات  
 کر لوں گی، میں نے ابا کو بتانا تھا، بتا دیا۔“  
 ”حرام کھور، چلیل کہیں کی، کیسے منہ کواوے ہے۔“  
 ”چل چھوڑ کرنے دے جو کرتی ہے، چار پیسے  
 ہی گھر میں آویں گے میں تو اب بڑھا ہو گیا ہوں اور  
 تو نے جان چلانے کے علاوہ کیا کیا ہے۔“

”وکیہ چھنو کے ابا تھارے کو بھانے کا کج تھی  
 پتا..... جوان چھوری ہے، کوئی کلٹھی ہوگئی تو جندگی بھر  
 روئے گا۔ اڑنے سے پہلے اس کے پر کاٹ دے۔ مارا  
 چاچا منہ مائی قیمت دینے کو تیار ہے۔ ساری جندگی عیس  
 کرے گی ہاں۔“ اس نے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

”چل ہٹ چٹال، مارے کو سب پتا ہے وہ  
 تھارا چاچا جانتی یار ہوئے..... ماری تو قسمت پھوٹی تھی  
 تھارے جیسی بانجھ کو بیاہ لایا، ایک بچہ تو دے نہ سکی  
 مارے کو مسورہ دینے چلی ہے۔ مارے کو بیٹے کا کتنا  
 سوچ تھا مگر تو، تو گھانے کا سودا نگلی۔ تھارے باپ  
 نے اتے پیسے لیے مارے سے۔“ چھنو کے باپ نے  
 دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر پیسوں کی مقدار بتائی۔

چھنو کو نے میں بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھی۔  
 اسے پتا تھا اب اس کی ماں کچھ نہیں بولے گی۔ ایک  
 یہی بات تو تھی جو اسے چپ لگا دیتی تھی کیونکہ وہ  
 جانتی تھی عورت کتنی ہی کھوب صورت اور جوان کیوں  
 نہ ہو اگر بانجھ ہو تو مٹی برابر ہو جاتی ہے۔

”آج تو، تو نے جان نکال دی ماری۔“ وہ  
 آہستہ پورا کر کے باہر نکلی ہی تھی کہ سامنے بادشاہ چلا  
 آیا..... چھنو نے مسکرا کر پیار سے اس کی طرف

ڈائریکٹر جلدی سے کہہ کر لوکیشن پر چلا گیا۔ جہاں ہیروئن نے شیروں کے ساتھ ایک گانا بچھرائ کر دانا تھا۔  
 ”تم اسٹاپ ہوائے کو اپنا نمبر لکھوادینا یہاں سے فارغ ہو کر میں کچھ سوچوں گی۔“ وہ چابھتی اور سوچتی نظروں سے بادشاہ کو دیکھتی اندر خیمے کی طرف چل دی۔ اس کے بھڑکیلے اور فنگ والے لباس نے بادشاہ کی نگاہوں کو اس کے تعاقب پر اس وقت تک مجبور کیے رکھا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی، دوسرے درجے کی ہی سبھی تھی۔ آخر ظلم نگری کی ہیروئن.....  
 ”چھوٹے چھوٹے.....“ آج سرکس میں قلم کی شوٹنگ کی وجہ سے چھٹی تھی۔

وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ کسی نے دھیرے سے اسے آواز دی، اس نے آنکھیں ملاتے ہوئے چارپائی کی اوپر کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ آواز کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی آنکھیں نیچے کی طرف گئیں تو وہاں گٹو کھڑا تھا۔

”ارے تو اس وقت کیا کر رہا ہے، سب خیر تو ہے ناں؟“ چھوٹے اٹھتے ہوئے اپنے سیاہ لہجے اور گھنے بالوں کو ہاتھوں سے لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، ہاں خیر اے، میں تمہارے کو ایک بات بتانے آیا ہوں۔“ وہ بیروں میں چپل اڑس کر باہر گئے نکلے تک آئی، گٹو بھی اس کے ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھوں پر پانی کی برسات ہونے لگی۔ پانی کے ننھے، ننھے قطرے شبنم کی طرح اس کے گلاب چہرے پر چھٹے ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے گٹو تو مارے کو پریشان گئے ہے۔“ اس نے چولھا جلاپا اور جائے کا پانی رکھتے ہوئے پوچھا۔ اماں، اہا بھی کہیں گئے ہوئے تھے۔

”وہ بادساہ ہے ناں..... وہ..... وہ۔“  
 ”ہاں بول بھی دے کیا وہ، وہ پہ تمہاری سوئی انک گئی ہے۔“ وہ پریشان ہو کر بولی۔

”وہ قلم والی میڈم کے آگے پیچھے پھرے

”اچھا آکھری ہار مارے کو پالس لینے دے پھر ساری جہنگی قلم کی بات نہیں کروں گا.....“ بادساہ نے اس کا ہاتھ تھام کر منت کی۔ ”تمہارے کو پتا ہے مارے کو کتنا سوک اے قلم میں کام کرنے کا۔“

”میں تمہارے کو آکھری ہار چانس دے رہی ہوں ایسے سوک کا کیا پھاندہ جس میں صرف وخت بر باد ہووے اور پھر میں ہوں ناں تمہاری ہیروئن اور مارا ہیرو تو..... بادساہ میں تمہارے بغیر نہ رہ سکوں۔ مارے کو یوں بھل کر ہووے کہ تو اتنی بڑی قلم نگری میں جا کر کھو گیا تو چھوٹا کیا کرے گی، انسان پھر شہ نال ہووے اور پھر روشنیاں انسان کی آنکھ کا نور لے لیں..... اسے کچھ خبر نہ آوے.....“ وہ بولتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا یا وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

”اچھا چھوڑ کیا باتیں کرے ہے تو بھی، مارے آٹم کا وخت ہو رہا ہے سام کو ملیں گے۔“

چھوٹے عجیب سی نظروں سے دور جاتے ہوئے بادشاہ کو دیکھتی رہی، لمحہ، لمحہ وہ اس سے دور ہوتا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دور میدان میں دو آنکھوں نے محبت اور اواسی میں لپٹا یہ سارا منظر دیکھا اور چھوٹے کی آنکھوں سے گرنے والے دو انمول موتی بھی جو نیچے گر کر مٹی میں مل گئے تھے۔

”میڈم جی آپ مجھے قلم میں کوئی بھی رول دلوا دو کسم سے میں جان توڑ محنت کروں گا۔ اور ثابت کر دکھاؤں گا کہ اداکاری مارے خون میں شامل ہے۔“ اسے مراد نے بتایا تھا کہ یونٹ کے ساتھ آنے والی ہیروئن کا چاچا ہی قلم پر پیسہ لگا رہا ہے ورنہ اس درمیانے درجے کی ہیروئن کو کون پوچھتا۔

میک اپ کروانی ایک شوخ سی ہیروئن نے نظریں اٹھا کر اچانک آجانے والے کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ وہ اس کی قلم کے ہیرو سے کہیں زیادہ پیٹنم اور خوب صورت تھا۔

”بے بی ڈارلنگ شارٹ ریڈی ہے.....“

ہے.....“ پانی ابلنا شروع ہو گیا تھا اس نے دودھ اور پتی ڈالی۔

”ہاں مارے کو کھمر ہووے کل ماری بات ہوئی تھی..... آکھری بار کو سس کرے ہے پھر تم کا نام نہ لیوے گا۔“

”مگر چھوڑوہ فلم والی میڈم بہت کھوب صورت اور چالاک ہے۔“

”اس دن تو تو مارے کو سمجھاوے تھا اور اب مارے کو مٹکر میں ڈالے ہے؟ ایسا کچھ نہیں ہے گٹو اور اگر اس چنڈال نے مارے بادساہ پر میلی نجر ڈالی تو میں اس کم جات کا منہ نوج ڈالوں گی۔ اور پھر مارا بادساہ تو مجھ سے بہت پیار کرے ہے۔“ لہجے میں یقین اور بے یقینی ایک ساتھ بولتے نظر آتے تھے،

چائے کیوں میں ڈل چکی تھی مگر یونہی پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

”پھر بھی تو کھیال رکھنا، جمانہ بڑا خراب ہے، مرد انسان ہووے پھر شتہ نہ ہووے۔“ گٹو جا چکا تھا، جھگی کا میلا پردہ مل رہا تھا، چائے کیوں میں جوں کی توں پڑی تھی۔

☆☆☆

جھگیوں کے آس پاس برگد کا ایک پرانا اور بڑا درخت تھا جس کے آس پاس ایک گول چبوتر ایتنا ہوا تھا، جھگیوں میں بسنے والے لوگ جب اپنی تنگ و تاریک جھگیوں سے گھبراتے یا گھر والی سے چھپ کر کوئی بات کرنی ہوتی تو برگد والے چبوترے کا رخ کرتے، اب بھی وہاں دو مرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے، برگد کے درخت پر موجود قاخہ بے چینی سے پھر لگا رہی تھی وہ جی، جی کر رہی تھی تاکہ کوئی اس کی مدد کرے، اس کا ایک انڈا گھونیلے سے گر کر ٹوٹ چکا تھا مگر وہ اس بات سے نا آشنا تھی کہ انڈا اب جڑ کر گھونیلے میں واپس نہیں آسکتا اور پھر چبوترے پر بیٹھے دونوں انسان اپنی باتوں میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں

برگد پر ہونے والے حادثے کی خبر نہیں تھی.....

”وکیجہ بختو تمہارے کو سب معلوم ہووے پھر بھی تو...“

”میں تمہارا کھسان نہ ہونے دوں، تمہارا پھاندہ چاہوں بس اب تو سووے کی بات کر لے باقی سب میں کھو دستبجال لوں گا۔“

”اچھا مارے کو کچھ سوچنے کی مہلت تو دے۔“

”نہ اب میں تمہاری ایک نہ ہی سنو، تو بس دام بتا، میں، تمہارے کھیال سے بڑھ کر اس سے پیار کروں ہوں.....“

”میں پورے ساٹھ ہجاریوں گا، بول تو بات کر۔“

”یار کچھ تو لجاج کر! تے پیسے..... تو کھو کتنے میں چھوری لایا تھا؟“

”وہ جمانہ اور تھا اور پھر تو، تو سونے کا انڈا دینے والی مرغی مانگے ہے..... اب سووے والی بات آئی تو تمہارے کو اتے پیسے لگے، یہ تو یاری والی بات ہے ورنہ تمہارا اور اس کا کیا جوڑ.....“

”ارے میں تو حجاج کر رہا ہوں تو، تو کہہ ہو گیا، میں تمہارے دن میں بندوبست کر کے تمہارے سے ملتا ہوں۔“

قاخہ کو صبر آ گیا تھا وہ اب باقی انڈوں کے پاس بیٹھی تھی۔ دونوں آدمی چبوترے سے اٹھ کر اپنی، اپنی جھگیوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ بوڑھا برگد اپنے کندھے جھکائے کسی اور کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆

سرکس کے اسٹیج پر آج بہت چہل پہل تھی صبح سویرے سے ہی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ ہر طرف ایک عجیب سی سنسنی پھیلی ہوئی تھی جو سستا حیران رہ جاتا، گٹو کو جیسے ہی پتا چلا وہ بھاگتا ہوا چھنو کی جھگی کی طرف گیا اس نے جلدی سے پردہ ہٹایا۔ وہ اپنا ڈریس پہن چکی تھی اور اب میک اپ کر رہی تھی۔

”تمہارا منج پھر گیا ہے کیا چھنو..... چندگی روج، روج نہ ہی ملے..... مارے کو صاحب جی نے بولا



جی کہانیوں آپ سٹیوں جگ سٹیوں کے مثال مجموعہ

# سڑک سڑک

ماہنامہ

مارچ 2015  
لاہور کی جگ سٹیاں

استاد اختر

اردو ادب کی ایک اہم شخصیت کا زندگی نامہ

خزانہ

دنیا بھر میں ادھر ادھر دفون خزانوں کا تذکرہ

پندرہ ستم گزار

خبرداران بدنام ترین شہروں سے دور رہیں

خیزہ سیانا

اس نے چھوٹے بھائی کو دل بھر کر ستایا جو اپنا چھوٹے نے بھی وار کر دیا جس سے وہ عمر بھر تھلا تار ہے گا۔ ایک سبق بھری سچ بیانی

مجلس الف لیلہ

مرحوم علی سفیان آفاقی کی آخری تحریر ہے

آپ محفوظ رکھنا پسند کریں گے

لاہور

طویل سڑک سڑک "سرب" جس کے پچھم نے قارئین کو سکھو کر دکھا ہے۔ دنیا بھر سے دلچسپ و معلومات بھرے قصے، سبق آموز واقعات اور دل کو چھو لینے والی سچ بیانیاں

آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مقصود کرالیں

خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ

ہے میں تمہارے کو سمجھاؤں..... ہم سب تمہارے سے بہت پیار کرتے ہیں..... ہم تمہارے کو کتنا نہیں چاوتے ہیں۔"

اس نے لب اسٹک لگانے کے بعد نیچے رکھی، وہ پتھر کا بت۔ بنی صرف اپنا کام کر رہی تھی۔ جیسے گنو کی کوئی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ رہی ہو۔

"سن رہی ہے، میں تمہارے سے بات کروں ہوں، تو یہ آٹم نہ ہی کرے گی۔" اس نے چھوٹے نرم و ملائم گلابی ہاتھ پر اپنا چھوٹا اور بھرا سا ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

"تو باب لگے ہے مارا....." چھوٹے گنو کا ہاتھ جھٹکا اور چٹکا کر بولی۔

وہ ہم کر پیچھے ہٹا، اس نے آج سے پہلے چھوٹا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔

"تمہارے کو پتا ہے گنو صق کی کوئی جات نہ ہوے..... اور محبت، یہ بڑی کم جات ہوئے باندھ کی طرح ہر کسی کی ڈگڈی پر تاپے، مارے کو اس سے

صق ہے..... پر تمہارے کو کیا پتا صق کیا ہووے۔" وہ اب گالوں پر روج لگا رہی تھی۔ چھوٹے جیسے بے خودی میں اپنے آپ سے ہی باتیں کرتی جا رہی تھی۔

"صق بندے کو جوڑے ہے پھر توڑے ہے اور پھر جوڑے ہیں وہ اسے ٹوٹ کر کھتم نہ ہونے دیوے۔"

"تو کیا بولے جا رہی ہے..... ساری جندگی بڑی ہے ایک بادساہ سے جندگی کھتم نہ ہووے اے....." گنو قریب ہو کر بڑے پیار سے بولا۔

"بادساہ سے کوئی بہت اچھا تمہارے کو مل جاوے گا۔"

"گنو ماری دنیا تو اسی سے شروع ہو کر اسی پر کھتم ہو جاوے ہے۔ پر مارے کو بہت تکلیف ہووے جیسے چھری سے اندر کچھ کٹ رہا ہو۔" اس نے سختی سے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے کہا۔ آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں مگر ابھی

تک ایک آنسو بھی نہیں پڑتا۔

”گٹو میں نے تمہارے کو کہا تھا ناں..... میں اس چنڈال بدجات کا منہ توج لوں گی..... جبر کھالوں گی بادشاہ کو مار دوں گی..... دیکھ اب وحشت آنے پر چھتو کج بھی نہ کر سکی.....“ وہ پھر سے خود کا لہی کرنے لگی تھی۔

”گٹو ماری ماں مر گئی..... میں کج نہ کر سکی۔ مارے باپ نے دوسری سادی کر لی..... میں کج نہ کر سکی۔ نئی ماں عذاب بن کر مارے پر ناجمل ہو گئی..... میں کج نہ کر سکی اور اب بادشاہ مارے کو چھوڑ کر چلا گیا..... میں کج نہ کر سکی۔“ پھر یک دم وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی اور اس کے انگ، انگ سے ٹپک رہا تھا۔

”تو کا ہے کو تڑپے ہے اس حرام کھوڑ بے دھما کے لیے..... سا باس اٹھ چھتو..... تو کوئی با جا رہی بکنے والی چیخ نہ ہی تو، تو انمول ہے، مارے کو بکین ہے ایک دن بادشاہ بہت تڑپے گا، پچھتائے گا..... اس نے تمہارے جیسے ہیرے کی قدر نہ ہی کی چھوٹی روسیوں کے پیچھے چلا گیا تو کاے کو بھکر کرے ہے۔“

”چل گٹو شو کا لیم ہو گیا.....“ چھتو نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا اس کے چہرے پر اب کہیں درد نظر نہیں آرہا تھا۔

”کر لے اپنی مر جی..... میں کیا لگوں تمہارا جو تو ماری بات مانے۔“ گٹو غصے میں بولتا ہوا جگلی کے پردے کی طرف گیا..... ایک لمبے کے لیے رکا اور مڑ کر چھتو کو دیکھا۔

”اللہ کرے بادشاہ اور میڈم دونوں کو کتے کی موت آوے۔“ اس نے اپنے چھوٹے اور بھدے ہاتھ اٹھا کر بد عادی اور جگلی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”بادشاہ تمہیں پتا ہے کہ تم کس قدر خوب صورت ہو.....“ بے بی اس کے بے حد قریب بیٹھی

اسے چار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ایسا کرتے ہیں تمہارا نام پرنس رکھ دیجئے ہیں۔ بادشاہ کچھ اولڈ فیشن ہے کہو، کیسا لگانا نام؟“

”مارے کو کیا خبر جو آپ کو صحیح لگے ویسا کر لو۔“ وہ کچھ گھبرا کر بولا۔

بادشاہ کو لگتا اسے کوئی بڑا خزانہ مل گیا ہو وہ تھی تو دوسرے درجے کی مگر تھی تو قلمی ہیروئن اور پھر اس کا سجا سہا پانگا، گاڑی، نوکر چاکر وہ کچھ گھبرایا ہوا رہتا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو..... ابھی آنکھ کھلے گی اور خواب چمن سے ٹوٹ جائے گا۔

”ڈارلنگ تمہاری تک تو میں نے پہنچ کر دی ہے۔“ اس کا اشارہ اس کے تن پر سجے براڈ ڈیکٹروں کی طرف تھا۔ ”مگر تمہیں اپنے یونے کا اسٹائل بھی بدلنا ہوگا تاکہ میں تمہیں کسی اچھے ڈائریکٹر سے ملوا سکوں، میں نے ایک لڑکے سے بات کی ہے وہ کل سے آکر تمہیں سب کچھ سکھایا کرے گا۔“

آج کل انڈسٹری میں بیوٹی کی بڑی مانگ تھی اور اس طرح کے چھدرنے قلم میکرو سے پڑتے تھے..... بے بی کے خیال میں بادشاہ کا حسن وہ میٹرمی تھا جس پر وہ قدم رکھ کر دوسرے نمبر سے پہلے نمبر پر آسکتی تھی اور پھر کچھ وہ اس کے دل کو بھی بھا گیا تھا۔

دونوں کے بیچ فاصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔

میز پر ام انہماٹ بھی تھی اور چند لحوں میں رقص اٹلیس شروع ہونے کو تھا..... بادشاہ کو کچھ ہوش نہیں تھا اسے تو ابھی تک یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ قسمت اس پر یوں مہربان ہو چکی ہے۔ ابھی تک قلم میں کام تو نہیں ملا تھا مگر بے بی نے چند لوگوں سے بات کر لی تھی۔ سرکس سے بے بی کے بیڈروم تک کا سفر اک خواب معلوم ہوتا تھا، وہ جب سے سرکس سے آیا تھا واپس نہیں گیا تھا، وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہاں کیا ہوا اور کتنے، کتنے طوفان آئے اور کیا کچھ برباد ہو گیا۔ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک دمک کے آگے

رسی کا کھیل اور آگ کا انتقام تھا۔ سائیکل اینڈنگ پوائنٹ کے قریب پہنچ گئی تھی۔ شور، تالیاں واہ، واہ کی آوازیں دور نہیں دور ہوتی جا رہی تھیں بس چاروں طرف ایک ہی بازگشت تھی.....

”چھو میں تمہارے سے بہت پیار کروں ہوں..... تمہارے بغیر تو بادشاہ چندا نہ رہ سکے۔“  
 ”پہلے چھو رانی تمہارے بادشاہ کی فلم دیکھ لے..... بڑا گروہ تھا تمہارے کو اپنے بادشاہ کے پیار پر.....“ مراد نے ایک موبائل اس کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اس میں دنیا بھر کی حقارت اور تذلیل صاف نظر آ رہی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی چھو نے موبائل کی اسکرین پر دیکھا..... بڑے دن جو ہو گئے تھے بادشاہ کو دیکھے ہوئے۔

مگر وہاں جو نظارہ تھا اس نے چھو کے اعصاب کو جنموڑ کر رکھ دیا۔ ایک لمحے کی نظر اسے اپنی نظروں میں اپنے عشق کی نظروں میں بے مول کر گئی تھی۔

”بول رانی اب کیا کھیال ہے تمہارا..... بول تو کل ہی تمہارے باپ سے بات کروں.....“ مراد نے مسکرا کر موبائل اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے چھو سے سوال کیا۔ چھو نے کوئی جواب نہیں دیا، جیب چا پ اپنی جھلی کی طرف چل دی..... مگر مراد متکسین تھا اس نے اپنے حصے کا کام کر دیا تھا۔ اس نے کسی طرح بادشاہ اور بے بی کے قابل اعتراض سین حاصل کر لیے تھے اب اسے پتا تھا کہ چھو کچھ دن سوگ منائے گی اور بالآخر اس کی ہو ہی جائے گی۔

☆☆☆

بادشاہ نامراد واپس لوٹ آیا تھا اور اب مراد گردن جھکائے چھو کے سامنے بیٹھا تھا..... وہ خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

بادشاہ کو چھو کی اجنبی نگاہوں سے وحشت ہو رہی تھی..... پھر وہ اسے بتانے لگا کہ کیسے اس

اسے ایک لمحے کو بھی چھو کا خیال نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

چھو نے اس آئٹم کے لیے بہت خوشی اور جوش سے ایک مہینے تک محنت کی تھی۔ اس نے خود مانگہ کو بتایا تھا کہ وہ یہ آئٹم کرنا چاہتی ہے اور یہ سرکس کا اس کا آخری آئٹم ہوگا اس کے بعد وہ اور بادشاہ شادی کر لیں گے اور وہ سرکس کو خیر باد کہہ دے گی مگر اب بہت کچھ بدل گیا تھا، آئٹم تو وہ اب بھی کر رہی تھی مگر..... سب نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ وہ آئٹم ابھی نہ کرے جب اس کی دماغی حالت کچھ بہتر ہو تو یہ شور کھلیں گے، سارا سرکس اور سادی بستی والے اس کی اور بادشاہ کی محبت کے بارے میں چلتے تھے اور اب اس قدر کھلی بے وقافی سے بھی کوئی بے خبر نہیں تھا..... مگر اس نے کسی کی نہیں مانی تھی۔

شو کا وقت شروع ہونے والا تھا پردہ اٹھنا شروع ہو گیا تھا کئی آنکھیں سامنے اسٹیج پر گڑی تھیں ان آنکھوں میں حیرت، خوشی اور حرے کے انتظار کی کیفیت تھی۔

مگر پردے سے ذرا پیچھے دو آنکھوں میں صرف دکھ تھا، فکر تھی اور ڈھیر ساری دعائیں تھیں، خلا میں بندھی رسی پر سائیکل کو رکھا گیا، چھو بڑی شان سے اس پر سوار ہوئی اور پھر ایک طرف سے ایک لڑکے نے رسی کو ہلانا شروع کر دی، یہی سر پھری چھو کا آئٹم تھا..... اسے اپنی رسی پر سائیکل چلانی تھی اور نیچے گرنے کی صورت میں اس کی ہڈیاں تو شاید ٹوٹتی ہی مگر اس کا اور بھی بہت نقصان ہوتا کیونکہ جہاں تک رسی کی ریخ تھی وہاں تک نیچے آگ چل رہی تھی۔

سائیکل اپنا آدھا رستہ پار کر چکی تھی جھکوں میں جھولتا چھو کا وجود اور عی طرح کی آنڈھیوں کی زد میں تھا۔ پیڈل پر اس کے ہر مضبوطی سے جھے ہوئے تھے ہر آگے بڑھنے والا قدم اسے پیچھے دھکیل رہا تھا جہاں پیار تھا، ڈر تھا.....

بدجات کھیل کر بی بی نے اسے ایک موٹے مہینے پیسے والے سیٹھ کے لیے ٹھکرا دیا جو پیسہ لگا کر ایک فلم بنا رہا تھا اور بی بی کو ہیروئن لینا چاہتا تھا مگر وہ بادشاہ کی جگہ اپنے بیٹے کو لینا چاہتا تھا..... اور بی بی کو بی بی اپنی بقا کے لیے فلم چاہیے تھی اور پھر بادشاہ اسے پہلی نظر میں اچھا لگا تھا ایک بھر پور اور مکمل مرد..... اسے اس سے قربت کے چند بل مطلوب تھے اور وہ بادشاہ نے بڑی فیاضی سے اس کی جمہولی میں ڈال دیے تھے پھر اس نے بادشاہ کو اس کی اوقات یاد دلا کر واپس سرکس کی طرف دھکیل دیا تھا۔

”چھوٹے تو بول..... مارے سے لڑ، مارے کو برا بھلا بول، گالیاں دے، جلیل کر..... مگر نوں خاموس نہ رہے.....“

چھوٹے نے نظر اٹھا کر ایک بار اور بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ در آئی ایک دم اس کی آنکھوں سے دو موتی نکلے اور اس کے پھولوں والے گریبان میں جذب ہو گئے وہ کرسی سے اٹھی اور جلدی سے جھکی کا پردہ ہٹا کر باہر نکل گئی۔ خیمے سے باہر دو آنکھوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا ان آنکھوں میں چھوٹے کے لیے آنسو تھے درد تھا، محسوس تھا.....

☆☆☆

ساری بستی میں جشن کا سماں تھا، ہر طرف رنگ برنگ جھنڈیوں سے سجاوٹ کی گئی تھی اور کیوں نہ کی جاتی آج سرکس کی ہیروئن کی شادی تھی..... ہر کوئی خوش تھا کہ چلو چھوٹو کو سرکس اور بستی چھوڑ کر نہیں جانا پڑا تھا۔ اب اس نے ساری عمر یہیں رہنا تھا۔

بادشاہ کی میلی جھکی دو سو واٹ کے بلب سے جگمگ کر رہی تھی اور کیوں نہ کرتی سرکس کا چاند اس کی چھوٹی سی جھکی میں آن سما یا تھا۔ چھوٹے آسمان سے اترتی پری لگ رہی تھی، لال جوڑا اس پر بڑا جگمگا رہا تھا۔ بادشاہ کی مرحوم ماں کا سارا زور اس کے کورے

بدن پر اپنی محبوب دکھا رہا تھا۔

”چھوٹو تمہارے کو پتا ہے میں نے اس دن کا کتنا اتھا کر کیا..... میں نے تمہارے باپ سے پہلے ہی بات کر لی تھی..... اور اب تمہارے کو یقین بھی نہیں تھا کہ تو نوں مان جاوے گی..... ماری تو قسمت بدل گئی آج میں بہت خوش ہوں..... اب میں ساری زندگی تمہارا کنبال رکھوں گا، آج سے تو راج کرے گی راج.....“ چھوٹے کا نرم اور گلابی ہاتھ تھامتے ہوئے بولتے، بولتے بختو کو پھندا سا لگا..... اب ساٹھ سال کے بوڑھے کو اگر چھوٹے جی، دلہن مل جائے تو اسے سانس رک رک کر ہی آتی تھی ناں۔

چھوٹے نے گھونٹ میں سے جھانک کر دیکھا سامنے بادشاہ کا بڑھا چاچا بختو، گلے میں ہار ڈالے بیٹھا تھا اور اپنی اکٹری سائیس بحال کر رہا تھا۔ جوانی میں پسند کی شادی نہ ہونے کے باعث اس نے ساری زندگی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اب۔ یہ چھوٹے کے دل کا فیصلہ نہیں تھا مگر اس فیصلے کے لیے اسے اس کے دل نے ہی مجبور کیا تھا۔ چھوٹے کبھی جھوٹا سا لسن نہیں کھایا تھا تو یہ تو پھر مرد کا معاملہ تھا اس نے جھوٹے اور بد کردار مرد پر اس بڑھے مرد کو فوقیت دی تھی اور جو پیسہ اس نے بادشاہ کے لیے جوڑا، جوڑ کر رکھا تھا وہ اس نے گنو کو دے دیا تھا وہ یہاں سے فرار چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے پیسوں کی ضرورت تھی ایک انگریز ڈاکٹر ایک بار سرکس میں آیا تھا اور اسے کہہ گیا تھا کہ اگر وہ اس کے ملک آجائے تو ایک بہتر اور فعال زندگی گزار سکتا ہے۔

اور جو پیسہ بختو نے چھوٹے کے باپ کو دیا تھا اس سے وہ اس کی سوتیلی ماں پر سوتن لانے والا تھا، وہ سرکس والی تھی اور اس نے سب کو حیران کرنے والا فیصلہ کر لیا تھا۔ انتقام بھرے اس فیصلے میں دروہی دور تھا اور اسے دروہی دور دکھا کر ہی مزہ آتا تھا۔

www.paksociety.com

# میرا درد نہ جانیے کوئی

روشا نے عبدالقیوم

بارش کی کن کن برساتی بوندیں تیز بوجھاڑ  
میں کب بدل گئیں مجھے پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں اپنی  
سوچوں میں اتنی محو تھی کہ بارش تیز ہونے کا مجھے  
احساس ہی نہیں ہو سکا۔ بادل گرجتے پر بس ہر شے و  
حواس کی دنیا میں لوٹی۔ بارش کی ترجمی بوندیں  
کھڑکی سے اندر آ کر مجھے اچھا خاصا بھگو چکی تھیں۔  
جانے کیوں پر بار ہی بارش مجھے اور زیادہ  
اداس اور تنہا کر دیتی تھی اور میں سوچتی رہ جاتی کہ کیا



93 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

یہ اسی طرح ہر دل کو بوجھل کر دیتا ہے یا صرف مجھے ہی ایسے احساس سے دوچار کرتی ہے؟

”بارش کا موسم اپنے ساتھ جانے کون، کون سی یادیں لے کر آجاتا ہے۔ یہ ابر رحمت ہو کر بھی نہیں اداسیاں اور تھائیاں کیوں دے جاتی ہے۔“ میرے ہاتھ میں موجود چائے کا بھاپ اڑاتا کپ اب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا تو ٹھنڈی چائے کی ایک خاص کڑواہٹ میرے اندر تک اترتی چلی گئی۔

”کیوں اداس ہو؟“ فرمین آپی کی آواز پر میں نے سامنے بارش میں دھندلے نظر آتے درخت پر سے نظریں ہٹا کر ایک گہری سانس کو سینے سے آزاد کیا۔

”میں اداس تو نہیں.....“ میں ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

”تو پھر تمہاری ان خوب صورت آنکھوں میں اداسیوں نے کیوں ڈیرے ڈال رکھے ہیں؟“ انہوں نے بغور میری آنکھوں میں جھانکا۔

”میں خود نہیں جانتی۔“ میں نے انہیں ٹالا۔

”کیوں اتنا سوچتی ہو؟ مت سوچا کرو، جو ہونا ہوتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا، وہ ہو کر رہتا ہے۔ تمہارے سوچنے سے چیزیں بدل نہیں جائیں گی۔ مت خود کو بلاوجہ پکان کیا کرو، بی اسٹراک ایڈ بریو.....“ ان کے لہجے میں میرے لیے محبت اور فکر تھی۔

”میں خود کچھ سوچنا نہیں چاہتی..... مگر یہ سب میرے اختیار میں نہیں۔ میں جتنی بھی کوشش کروں ان سوچوں سے چھٹکارا پانے کی یہ اتنا ہی مجھ سے آکر چٹ جاتی ہیں۔“ میرے لہجے میں بے بسی تھی۔

”تم ایک بار ان فضول سوچوں سے چھٹکارا پا کر تو دیکھو۔ دیکھنا زندگی کتنی آسان ہو جائے گی۔ کوشش کرنا تو بندے کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔“ انہوں نے مجھے تسلی دی۔ میں نے اثبات میں سر ہلا کر سامنے تیز برستی بارش پر نظریں مرکوز کر دیں۔

وہ کمرے سے چلی گئیں۔  
اکثر ہی مجھ پر قنوطیت اور دلگوشی کا دورہ پڑتا تھا۔ خاص کر ایسے موسم اور دوپہر کی بارش تو مجھے اور بھی تہا اور اداس کر دیتی تھی۔

☆☆☆

صبح جلدی، جلدی تیار ہو کر ناشتا کر کے میں گھر سے کالج کے لیے نکل آئی۔ چہرہ منٹ کا پیدل کا راستہ تھا کالج تک..... میں اپنی سوچ میں مگن چلی جا رہی تھی جیسی کسی گاڑی کی بریکس لگیں بالکل میرے قریب آکر میں تو اچھل ہی پڑی۔

”میڈم! دکھائی نہیں رہتا آپ کو؟ سڑک کے صحن درمیان چل رہی ہیں، مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو کہیں اور جا کر اپنا یہ شوق پورا کریں۔ ہمیں کیوں مروا رہی ہیں۔“ تقریر پوری ہوئی اور گاڑی یہ جاوہ جا۔

میں حیران و پریشان کہ یہ سب کیا ہوا۔ پوری بات مجھے کچھ دیر بعد سمجھ آئی تھی کہ میں مین سڑک کے درمیان اپنے خیالوں میں مگن چل رہی تھی۔ گاڑی والے کا حصہ بجا تھا۔ بہر حال خود کو لعنت ملامت کرتی کالج پہنچی..... کلاسز کے دوران بھی میں افسردہ سی رہی۔ وہ، وہ کراہتی غلگی یاد آ رہی تھی۔ تیسرا پیر یڈفری تھا۔ میں ڈپارٹمنٹ کی سٹریٹیوں پر آ کر بیٹھ گئی۔ جیسی شاز یہ مجھے آتی دکھائی دی تھی۔

”ہماری اداس بلبل یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہے؟“ وہ دم سے میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس کے پیچھے زاہدہ بھی چلی آئی۔ ہم تینوں کلاس فیلوز ہونے کے ساتھ، ساتھ پڑوسی بھی تھے۔ اسی لیے ہماری بہت گہری دوستی تھی۔

”میں اداس تو نہیں۔“ میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

”پھر یہ تجلید کس شوق میں فرمایا جا رہا ہے؟“ وہ شرارت پر آمادہ ہوئی۔  
میں خاموش رہی۔

چھپی محرومیاں ان آنکھیں رکھنے والوں کو دکھائی نہیں دیتیں۔ جس بات کی میرے لیے کوئی وقعت نہیں، کوئی اہمیت نہیں، دنیا اسی حوالے سے مجھ پر رشک کرے۔ اس سے زیادہ دکھ کا مقام میرے لیے کیا ہوگا، خود کو میری بہترین دوست کہنے والیاں جب میری آنکھوں اور میری ہنسی میں چھپی اداسی کو محسوس نہیں کر سکیں تو میں گلہ کس سے کروں، کسے اپنا غمگسار بناؤں، کس سے اپنا اصل درد بیان کروں۔“ وہ اپنے آپ سے بڑھتی گئی۔

”بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس چیز کی ہمیں چاہ نہیں ہوتی۔ وہ بن جائے، ہماری جھولی میں آگرتی ہے اور یہ پاگل دنیا سمجھتی ہے کہ ہمیں مفت اقلیم کی دولت مل گئی..... جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔“ میں حیرت و تاسف سے اپنی سہیلیوں کو اپنی تعریفوں اور رشک میں جلا دیکھتی اور سنتی رہتی۔ میرے پاس دنیا جہاں کی نعمتیں ہیں۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے مگر پھر بھی ایک کی ہے۔ اور اس ایک کی نے میری ذات اور میری زندگی میں خلا سا بھر دیا ہے۔ میں ادھوری سی ہوں، ایک خالی پن سا ہے جو مجھے کسی بھی خوشی سے کھل خوش ہونے نہیں دیتا۔ یہ کی میری ذات کا روگ بن گئی ہے۔ کسی اور کے لیے شاید یہ ایک عام سی بات ہو مگر میرے لیے میری زندگی کا سب سے سنگین ترین مسئلہ ہے۔

☆☆☆

صبح نماز اور تلاوت کے بعد میں تھوڑی دیر کے لیے سو گئی تھی۔ میری آنکھ شور کی آواز سن کر کھلی تھی۔ میں آنکھیں رگڑتی کرے سے لگی۔

”میرے گھر میں میرے ہی سامنے ان احسان فراموش، بے غیرت لوگوں کا ذکر بھی مت کریں، میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔“ یہ امی کے جملے تھے جو میرے کان میں پڑے تھے۔

”جو بھی ہو چاہے سوتیلے ہی سہی مگر وہ میرے

”اچھا چھوڑو ناں اس بحث کو، یہ بتاؤ ہمیں خوش خبری کب سناؤ گی؟“ زاہدہ نے شازہ کو ٹوک کر مجھ سے پوچھا۔

”کیسی خوش خبری؟“ میں حیران ہوئی۔

”بھئی ہمیں اچھی طرح خبر ہے کہ ہماری پیاری سہیلی کے لیے رشتوں کی لائن لگی رہتی ہے مگر آنسوؤں کے پیشتر تو فرحین آپنی کی وجہ سے رجحیکٹ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے سنا ہے کہ اب کی بار جو پروپوزل آیا ہے اس پر تمہارے لیے کافی سوچ بچار کی جا رہی ہے۔ ان کے پاس کھل معلومات تھیں۔“

”بھئی اب تم کرنا مت..... کیونکہ رپورٹ کافی بگڑی ہے۔۔۔ اور باوثوق ذرائع سے آئی ہے۔ سچ، سچ بتاؤ!“ زاہدہ نے شرارت سے آنکھیں نمائیں۔ اس کے انداز پر مجھے ہنسی آگئی۔

”اسی تو کوئی بات نہیں۔“ میں جانتی تھی یہ خبر اسے فرحین آپنی نے ہی اس کے اصرار پر بتائی ہوگی۔

”جناب ایسی ہی بات ہے، تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے۔“ اس نے مصنوعی غمگی دکھائی۔

”کب..... ہاہ! کاش ہم بھی تمہاری طرح خوب صورت ہوتے، لوگ صبح شام سوالی بن کر ہمارے دروازے پر بھی آتے، ویسے کتنی لگی ہو تم، کتنے اچھے، اچھے پروپوزل آتے ہیں تمہارے لیے اور کتنی معصوم بھی ہو تم جو منہ سے بھاپ تک نہیں نکالتیں۔ وہ تو بھلا ہو فرحین آپنی کا جو ہمیں تمہاری سہیلیاں جان کر سب کچھ بتا دیتی ہیں ورنہ تم سے تو ہمیں کسی بھلائی کی امید ہے بھی نہیں۔ تمہاری جگہ میں ہوتی ناں تو سب پر اترا، اترا کر اپنی اہمیت جتاتی۔“ شازہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر مجھ پر رشک کا اظہار کیا۔ میرے اندر تقاضا کا کوئی احساس نہیں ابھرا۔ اس کے برعکس میرا دل بے پناہ تاسف سے بھر گیا۔

”میرے اندر کتنے شائے ہیں، میری ذات میں

بہن، بھائی ہیں، میری باپ کی اولاد ہیں۔ میں ان سے جدا نہیں رہ سکتا، جس طرح ناخن گوشت سے الگ نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہم ایک ہی باپ کی اولاد اور ایک ہی خون ہیں۔“ امی کی بات کے جذبات میں ابو غصے سے بولے تھے۔

”ساری زندگی انہوں نے میرا حق ہی چھینا ہے، پال پوس کر جوان کیا ان کی شادیاں کیں اور اب یہ میرے ہی دشمن بن گئے۔ اب میرے بچوں کا حق بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ اتنے سالوں سے انہیں ہم یاد نہیں آئے اور آج..... آج بیٹھے بٹھائے انہیں ہماری یاد آگئی۔ بس میں نے کہہ دیا میں تو انہیں اپنے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دوں گی۔“ وہ غصے میں بے قابو ہوئی جا رہی تھیں۔

”آواز نیچی رکھو، گھٹیا عورت، ساری زندگی تم نے مجھے میرے اپنوں سے جدا رکھا، اتنے رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی میں اکیلا ہی رہا اور یہ سب صرف تمہاری وجہ سے ہوا۔“ ابو کو امی کی عمر بھر کی خدمات سب بھول گئیں کہ جب وہ بیاہ کر آئی تھیں اور انہوں نے ہی ابو کے چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالا تھا۔ اس وقت ابو کو بھی طیش چڑھا ہوا تھا اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر امی پر ہاتھ اٹھاتے، میں ان کے سامنے آگئی۔

”ابو کیا کر رہے ہیں آپ.....؟“ میری آنکھوں میں دکھ سے آنسو آگئے تھے۔ میں نے انہیں دونوں کندھوں سے تھام کر ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”جانے کیا سوچ کر میرے ماں، باپ نے مجھے اس شخص کے پلے باندھا تھا۔ جس میں غیرت نام کی کوئی شے نہیں۔ ان کے سوتیلے بھائیوں نے کیا، کیا برائیاں کیا ہمارے ساتھ اور یہ ہیں کہ ان کے پیچھے مرے جا رہے ہیں۔ جینا حرام کر رکھا ہے، میری تو زندگی ہی اجیرن کر دی ان لوگوں نے۔“

”امی آپ ہی خاموش ہو جائیں، آپ دونوں کیا ہر وقت بچوں کی طرح لڑتے رہتے ہیں۔“ میں

نے امی کو خاموش کروانے کی کوشش کی مگر ان کی گھوری نے میری زبان کو بڑیک لگا دیے تھے۔

بچپن سے میں اپنے ماں، باپ کا یہی رویہ دیکھتی آرہی تھی۔ مگر مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اب تک اس معمول کی عادی کیوں نہیں ہوئی۔ اپنے بہن بھائیوں کی نسبت میں کافی حساس تھی۔ چھوٹی، چھوٹی باتیں مجھے پریشان کر دیتی تھیں۔ اب میں اپنی سہیلیوں اور ان کے ماں، باپ کو دیکھتی ہوں، وہ اکتے گھومنے، اکتے ہنسنے بولتے اور کھاتے پیتے ہیں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہوتا ہے..... یہ سب ایک مذاق سا لگتا ہے اور میری کھار بے حد حسد بھی ہوتا ہے کہ میرے ماں، باپ ایسے کیوں نہیں؟ وہ کیوں ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن بنے رہے۔ اور ایسے ہی والدین کے بچے خود ترسی، احساس کمتری اور کبھی کبھی جارحانہ رویوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر انہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ ماں کا ساتھ دیں یا باپ کا۔ میرے ماں باپ نے ہم سب بہن بھائیوں کی ہر چھوٹی بڑی خواہش پوری کی، پڑھایا لکھایا مگر ان دونوں کی آپس کی نفرت ہمیں مکمل ہونے نہیں دیتی۔ ایک کسی سی محسوس ہوتی ہے، ہر شے ہوتے ہوئے بھی۔

ابو کے سوتیلے رشتوں نے ہمیشہ میری ماں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی اگر ان کا ذکر کرنے بیٹھوں تو پوری ایک کتاب مکمل ہو جائے۔

صرف امی نہیں ابو کے ساتھ بھی انہوں نے کچھا چھانہا نہیں کیا۔ ابو نے ان کے بڑے بھائی ہونے کے ناتے باپ کا سا کردار ادا کیا۔ مگر کہتے ہیں تاں کہ بعض لوگ بہت احسان فراموش ہوتے ہیں، تو ان لوگوں کا شمار بھی انہی احسان فراموش لوگوں میں ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے گھر ہمارا آنا جانا بند ہے۔ مگر ابو ان کے یہاں ضرور جاتے ہیں اور ان کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ جس کا ہمیں کسی نہ کسی طرح



کریں گی۔" میں نظریں جھکائے خاموشی سے بیٹھی ان کی پُرسکون اور ٹھہری ہوئی آواز سن رہی۔

پھر جانے مجھے کیا ہوا کہ میں پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ انہوں نے مجھے چپ نہ کروایا نہ کوئی تسلی دی، جب میں خوب روہکی تو خود ہی چپ ہو گئی۔ انہوں نے اٹھ کر مجھے پانی پلایا۔

"جو میں بوجھ ہے دل پر مجھے بتا دو، پُرسکون ہو جاؤ گی....." انہوں نے میری طرف تسلی آمیز انداز میں دیکھا۔ وہ دکھ جو جانے میرے دل میں کب سے براجمان تھا۔ جسے میں رات کی تنہائی میں، بارش کے موسم میں، راہ چلتے ہوئے خود سے پوچھتی کہ آخر میں ہی کیوں.....؟ اب میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس صبح چہرے والی اپنی نیک استانی سے شیراز کروں..... تاکہ وہ میرے حق میں دعا کریں۔ پانی پی کر اور استانی کی محبت بھری حوصلہ افزائی پر میں نے ہمت پکڑی اور دھیرے، دھیرے انہیں سب کچھ بتانے لگی۔

میں انہیں تمام حالات بتاتے، بتاتے شدت سے رو دی۔

"استانی جی اب بھی میرا ایک، ایک لمحہ اسی خوف میں گزرتا ہے کہ کہیں امی، ابو کی لڑائی نہ ہو جائے، ان کی آواز باہر لوگوں اور آس پاس کے پڑوسیوں تک نہیں پہنچ جائے۔ یہی خوف ہے جو بچپن سے میرے ساتھ پھلتا آیا ہے..... میرا ساتھ نہیں چھوڑتا..... خوف کے ساتھ جینا بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ کبھی، کبھی میں اللہ سے شکوہ بھی کرتی ہوں کہ جب تو نے میرا خمیر اٹھایا تو، تو ہر چیز بنانے پر قادر ہے تجھے تو معلوم تھا میرے رب کہ میں کس طبیعت کی ہوں گی یا مجھے اس ماحول میں پیدا نہ کرتا اور یا مجھے اتنا مضبوط بنایا ہوتا کہ میں بغیر کسی ڈر، خوف کے ان لوگوں کے درمیان رہتی جو میرے اپنے ہیں، جو میرے والدین ہیں، گراہک دوسرے کے لیے اجنبی....."

پتا چل ہی جاتا ہے اور یہی بات اڑی کے غصے کو ہوا دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ دیکھا جائے تو ان کا غصہ بھی بے جا نہیں..... مگر ابو کو کون سمجھائے۔ اڑی کو اتنا صبر کرتے ہوئے دیکھتی ہوں تو اب مجھے یہی شادی کے نام سے نفرت ہی ہونے لگی ہے۔ یہ مرد ذات اتنی خود غرض کیوں ہوتی ہے۔ کسی کے بھی احساسات کی پروا نہ کرنے والی.....! اپنی انہی سوچوں میں گھرے، گھرے میرے رب نے مجھے راہ سمجھائی اور میں نے قرآن ترجمہ و تفسیر کورس میں داخلہ لے لیا۔ حفظ قرآن میں کر چکی تھی۔ میں شروع سے ہی مذہب کی طرف مائل تھی۔

میں نہیں جانتی، میں کس طرح اتنے زیادہ لوگوں کی پسند بن گئی۔ چاہے وہ رشتے دار ہوں یا غیر..... ہر کوئی میرے گھر سوالی بن کر آنے لگا۔ لڑکیوں کے لیے یہ بات خوشی کا باعث ہوگی مگر مجھے ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ جہاں تک میری بات ہے، ہاں میں خوب صورت ہوں، کم عمر ہوں، آج کل لوگوں کو ماڈرن، پڑھی لکھی، کمانے والی بہو کی خواہش ہوتی ہے مگر مجھ میں تو یہ سب کچھ بالکل نہیں..... کسی قسم کی تقاریب یا محفلوں میں بھی جانا میں پسند نہیں کرتی، صرف پڑھائی کے لیے گھر سے نکلتی، وہ بھی میری مجبوری تھی، آج میں بے حد مضطرب تھی۔ سبقت میں بھی عدم توجہی کا شکار رہی۔ کلاس ختم ہوتے ہی میرے معلم نے مجھے اپنے پاس آفس میں بلایا۔

مجھے دو مہینے ہو گئے تھے تہہ تر جیسے کی کلاسز لیتے ہوئے۔ جیسی میری چپ، چپ اور ادا سی بھری شکل دیکھ کر میری معلمہ سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے خاص طور پر اپنے آفس میں بلا کر مجھ سے میرے کم مہم اور اداس رہنے کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔

"عائشہ اگر کوئی بریشانی ہے تو بلا جھجک مجھ سے شیراز کو سکتی ہیں، میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ آپ کے کام آسکوں بلکہ مجھے خوشی ہوگی آپ مجھ پر بھروسا

آپ خود بتائیں اس سب میں ہم سب کا کیا تصور ہم بچے ان کی نفرت کی بھیئت چڑھتے ہیں آپس میں ہر روز جھگڑنے والے والدین کو اللہ اولاد ہی کیوں دیتا ہے۔" میں خاموش ہوئی تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"جانتی ہو عائشہ، اللہ جس سے محبت کرتا ہے ناں اسے ہی آزمائش میں ڈالتا ہے، اسے یہ بھروسا ہوتا ہے کہ میں اپنے جس بندے کو اس امتحان کے لیے جن رہا ہوں، وہ اس پر پورا اترے گا۔ وہ ہر کسی کو یہ مرتبہ نہیں دیتا۔" وہ دھیرے، دھیرے مجھے سمجھا رہی تھیں۔ "اچھا یہ بتاؤ کیا تمہارے پاس اللہ کا کوئی خاص تحفہ ہے؟ مثلاً کچھ بھی ہو، کوئی ہنر کوئی کمال یا کچھ بھی..... جو تم سمجھو کہ تمہارے ارد گرد کسی بھی شخص کے پاس وہ ہنر نہیں..... صرف تم میں ہے۔"

"نہیں تو....." میں ان کی بات پر حیران ہوئی تھی۔

"سوچو..... کچھ تو ایسا ضرور ہوگا اللہ ہر بندے میں کوئی نہ کوئی غیر معمولی صلاحیت ضرور عطا کرتا ہے۔" انہوں نے پُر زور اور مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہاں، مجھے اللہ نے لکھنے کا ہنر دیا ہے مگر میں نے اسے ہمیشہ خود تک ہی محدود رکھا، اپنی ذات اور اپنے کمرے تک..... اس سے باہر کی دنیا میرے اس ہنر کے بارے میں نہیں جانتی۔ بس میں اسکول اور کالج میں بہت لیے، لیے مضامین لکھتی تھی تو میری ٹیچرز بہت سراہتی تھیں۔ سب تو میں اپنے دل کی باتیں، اپنے محسوسات سب لکھتی تو ہوں مگر پھر ضائع کر دیتی ہوں کہ ان کا کیا فائدہ....." میں نے اپنے اس ہنر کو تلاش جو میرے نزدیک کوئی خوبی نہیں تھی۔

"صلاحیت ہنر، وہ شے نہیں جسے چھپایا جائے بلکہ یہ تو وہ ہے جو دنیا سے منوایا جائے۔ ہنر کی اپنی ایک الگ پہچان ہوتی ہے، جس طرح خوشبو چھپانے سے چھپ نہیں سکتی اسی طرح صلاحیت، ہنر اور قابلیت کی بھی اپنی الگ جگہ ہے جو خود کو منوا کر ہی

رہتی ہے۔" انہوں نے اپنی چمکتی ہوئی خوب صورت روشن آنکھیں مجھ پر مرکوز کر دیں۔ اور یوں ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ ایک، دو، تین آہستہ، آہستہ میری تحریریں ایک کے بعد ایک شائع ہونے لگیں۔ میری تحریروں کو پسند کیا جانے لگا۔ میں اخبارات میں آرٹیکل لکھنے لگی۔ رسالوں اور میں کہانیاں لکھنے لگی۔ آہستہ، آہستہ لگا میرا نام اچھے مصنفین کی فہرست میں شمار ہونے لگا۔ میرے اندر کی نئی اور تہائی قلم کے ذریعے ختم ہونے لگی، بہت جلد میری ایک، الگ دنیا بن گئی، جس میں صرف میں بطور ایک لکھاری اور میرے چاہنے اور مجھے سراہنے والے بستے تھے۔ دھیرے، دھیرے میرے دکھ اور میری تہائیاں پس پردہ چلی گئیں اور میری قومی سوچیں مثبت تحریروں میں بدلتی چلی گئیں۔ اب سوچتی ہوں تو لگتا ہے کہ کبھی، کبھی اللہ بظاہر کچھ نہ دے کر بھی بہت کچھ دے دیتا ہے۔ اگر مجھے یہ نامساعد حالات نہ ملتے، مجھے تہائیاں نہ ملتیں تو آج میں اتنی اچھی لکھاری نہیں ہوتی، میرا اتنا نام، اتنا مقام اور اتنی عزت نہ ہوتی۔ میں گناہ زندگی سجا کر مرجاتی، ایسا کچھ بھی چھوڑ کر نہ جاتی جو میرے بعد میرے نام کو زندہ رکھتا، واقعی خدا بڑا کارساز ہے، وسعت والا ہے، بے انتہا مہربانی ہے، ہم جو صرف ایک خواہش کے پورا نہ ہونے پر اتنا داؤد اٹلاتے ہیں، اپنی زندگی کے بے شمار قیمتی لمحے اس نہ ملنے کے سوگ میں برباد کر دیتے ہیں اور خدا کی باقی بے شمار عنایات اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اس کا شکر ادا نہیں کرتے، یہ مجھے اب جا کر سمجھ آیا ہے کہ واقعی اللہ جو کرتا ہے اسی میں ہماری بہتری ہوتی ہے۔ چاہے ہم جتنی بھی آنکھیں بند کیے پڑے رہیں مگر ایک دن ہمیں اس ذاتِ اعلیٰ صفات کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے مگر وہ بھی اس کی مکمل معرفت کے ساتھ۔





سورج کا  
اپنی

شیریں حیدر

”کرم مجھے ہرگز پسند نہیں کہ تم ہر روز کے  
بعد کوئی نہ کوئی عذر کر کے چھٹی مانگ لیتے ہو.....  
تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری تنخواہ سارے ملازموں  
سے زیادہ ہے اور وہ اس لیے ہے کہ ہم تم پر اعتماد  
کرتے ہیں، کام تم چاہے کم کرو مگر کم از کم اس گھر  
کے وقادار ہو اور پانی ملازموں سے اچھی طرح کام  
کروا لیتے ہو.....“ میں نے ٹی وی پر نظریں جمائے  
ہوئے بے نیازی سے کہا، اس ہفتے میں کرم نے

99 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

دوسری بار چھٹی پر جانے کا کہا تھا۔

”کل آ جاؤں گا باجی؟“ اس نے لجاجت سے کہا۔ ”مجبوری نہ ہو تو آپ کو علم ہے کہ میں کبھی اپنے منہ سے بول کر چھٹی نہیں مانگتا.....“

”اب ایک بار جو تمہارا یہ سلسلہ شروع ہو گیا ہے تو چلتا ہی رہے گا، لگتا ہے کہ ہمیں کوئی اور ملازم ڈھونڈنا پڑے گا۔“ میں نے نخوت سے کہا تھا۔

”اس نمائی کا بیاہ کر کے میں تو دختوں کو ہی پڑ گیا ہوں باجی.....“ اس کی آواز بھرا گئی۔ ”اولاد ہے نا! اسے تکلیف میں دیکھتا ہوں تو رہ نہیں پاتا، اس سے کبھی اچھا تھا کہ میں اس کا بیاہ ہی نہ کرتا.....“ وہ چکن کی طرف چلا گیا، میرا دل تھوڑا سا نرم ہوا، اس کے جاتے ہی عابد کھٹکنا ہے۔

”تم کچھ زیادہ ہی سختی نہیں کرتی ہو اس بچارے کو..... بھاگ جائے گا۔“ انہوں نے کہا۔ ”آج کے زمانے میں ایسے سلجھے ہوئے اور وقادار ملازم کامل جانا نعمت سے کم نہیں، لوگوں سے پوچھو تو علم ہو کہ کس، کس طرح کے مسائل ہیں ملازموں کی عدم دستیابی کے باعث.....“

”جانتی ہوں عابد، اس نے کبھی اس سے قبل یوں اس طرح بار بار چھٹی کی بھی نہیں، جب بیٹی کو بیاہنے بھی گیا تو ایک ہفتے کے لیے اور اس کے بیاہ کو دو ماہ ہونے والے ہیں، ان دو ماہ میں آج چھٹی بار چھٹی مانگ رہا ہے۔“

”ہو گی کوئی مجبوری یار.....“ عابد نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

”ویسے مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے واقعی ذرا زیادہ سختی سے بات کر دی ہے..... اب آپ یوں کریں کہ اس کو ٹیلا کر کہیں کہ چلا جائے..... ایک دن کے لیے کہہ رہا ہے، آپ اسے دو دن کے لیے بھیج دیں!“ میں نے حائث طائی کی تقلید کی۔

”میں کیوں کہوں، تم خود کہو تا کہ جو سختی تم نے کی

ہے اس کا ازالہ ہو جائے..... معذرت کر لو اس سے۔“

”اچھا میں اس سے معذرت کر لوں تا کہ اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ جائے واہ!“ میں نے ابرو اچکائے۔ ”ملازموں کو ان کے مقام پر ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔“

”ویسے اس سے معذرت نہ سہی لیکن اسے چھٹی کا تم خود کہہ دیتیں تو اچھا تھا، وہ خوش ہو جاتا، یہی تمہاری معذرت ہو جاتی اور تمہارا قد بھی چھوٹا نہ ہوتا.....“ عابد نے اپنی دانست میں بات مزاحیہ کی تھی مگر مجھے اپنے چھوٹے قد پر چوٹ کبھی برداشت نہ ہوتی تھی۔

”آپ نے اسے بلا کر کہا ہے تو کہہ دیں اور بھیج دیں۔“ ٹی وی کا ریہوٹ اٹھا کر میں نے ٹی وی بند کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی، جانتی تھی کہ عابد بیٹھے ہوئے اپنا پسندیدہ ٹاک شو دیکھ رہے تھے، یہ میری ناراضی کا اظہار تھا..... بچے اپنے، اپنے کمروں میں تھے، عابد بھی تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں آگئے۔

”اگر کسی نے جوانی میں تم سے کہہ بھی دیا ہو گا کہ روٹھ کر تم حسین لگتی ہو تو وہ پرانی بات ہے جانم.....“ انہوں نے میرے قریب بیٹھ کر کہا۔ ”اب تم صرف مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔“

”آپ اس عمر میں اللہ اللہ کیا کریں تو بہتر ہے..... رومانس آپ کو اس وقت نہیں کرنا آیا جب آپ جوان تھے اور اب سفید سر کے ساتھ تو آپ بالکل مسخرے لگ رہے ہیں۔“ میں نے ان کا ہاتھ جھٹک کر تازہ توڑ جواب دیا۔

ویسے حقیقت یہی تھی کہ اب مجھے بات بے بات غصہ آنے لگا ہے، ذرا سی بات پر پارہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا، بچے جوان ہو چکے تھے اور عابد مجھے سمجھاتے رہتے ہیں کہ مجھے اپنے غصے کو قابو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، یہ وہ وقت ہے جب ہمیں اپنے بچوں کی زندگیوں کے اہم معاملات کو طے کرنا

## انشیہ

مومنہ کا خیال وہ اپنی بیٹی کی طرح ہی کرتا تھا اور ہم رات بھر بھی باہر رہتے تو وہ جاگ کر پہرہ دیتا تھا، ایک یہ خوبی اس کی لاکھ کجیوں پر بھاری ہوتی۔

”تم ٹھیک ہوں ناں؟“ میں نے چہ کر سوال کیا، وہ منہ دوسری طرف کیے فرنیچر پر سے وہ معمول صاف کر رہا تھا جوگی ہی نہیں۔

”جی ہاں ٹھیک ہوں۔“ پہلا طویل فقرہ اس کی بھرائی ہونے آواز میں ادا ہوا تھا۔

”ٹھیک تو نہیں لگ رہے ہو مجھے.....“ میں نے کندھے اچکا کر کہا اور اپنے دھیان میں ٹی وی دیکھنے لگی اور مجھے کام ہی کیا تھا۔

☆☆☆

”میں نے عمر بھر مومنہ بیٹی کو اپنی بیٹی کی طرح

ہی سمجھا ہے باجی.....“ اس کا چہرہ آنسوؤں سے

تر تھا۔ ”یہ میری وہ بیٹی ہے جسے میں کم پیار کرتا ہوں

اور مومنہ بیٹی کو زیادہ..... اس بد قسمت کی ماں

سویرے اس کو یہاں چھوڑ گئی ہے جی، اس کی سسرال

والے تنگ کر رہے ہیں، ہمارے گھر پر بار بار آتے

ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں، اسے کہیں مروانہ دیں،

اسی خوف سے اس کی ماں کہتی ہے کہ چند دن اسے

یہاں رکھ لوں جب تک حالات موافق نہ ہو جائیں

..... اگر آپ اجازت دیں تو اسے مومنہ بی بی کی

خدمت کے لیے چند دن رکھ لیں.....“ میں نے نظر

بھر کر اس کی بیٹی کو دیکھا جس کے چہرے میں کھمن

جیسی سفیدی نری اور ملاحظہ تھی، آنکھوں میں جگنوؤں

جیسی چمک اور ہر نی جیسا خوف تھا، قامت میں وہ

مومنہ سے بھی نکلتی ہوئی تھی اور جوانی کا سن۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“ میں نے اسے گھورتے

ہوئے سوال کیا، نظر اس کے تلخ چہرے سے ہٹ ہی

نہ رہی تھی۔

”جی..... خوب صورت!“ میں اس کی عکاسی

کرتا نام۔

ہے اور کل کلاں کو اس گھر میں دو بہنیں آئیں گی تو کیا میں ایک سخت گیر ساس نہیں بن جاؤں گی!

☆☆☆

وہ دو دن کے بعد لوٹا تو مجھے اس کے چہرے پر

پریشانی نظر آئی..... کرم ہمارے پاس بیٹس برس سے

تھا، جب آیا تو نوجوان لڑکا تھا، ہمارے بچوں کو باہر

کھیلنے کے لیے لے کر جاتا، گھر کے اندر کام کاج

اجنبائی جلدی سیکھا اور ہوتے، ہوتے اس نے کافی

ڈٹے داریاں خود بخود اپنے سر لے لیں۔ اس کی

شادی ہوئی، بچے ہوئے اور ساتھ ساتھ ہمارے

بچے بھی جوان ہو گئے، کرم مستقل رہنے والا ملازم تھا،

باقی ملازموں کے ساتھ وہی ذیل کرتا اور ہمیں اس

سے آگاہ کر دیتا، کسی کو چھٹی پر جانا ہے، کوئی نیا ملازم

آتا تو وہ اس کے زیر تربیت چلا جاتا، ملازموں کے

مسائل وہی حل کرتا، انہیں آپس میں پیار محبت سے

رہنے کو کہتا اسی لیے گھر میں ملازموں کی فوج تھی مگر

ہمیں ان کے مسائل کا علم نہ ہوتا، اگر ہمیں کسی کے

مسائل کا علم ہوتا بھی تو وہ فقط کرم ہی تھا۔

”سب خیریت ہے ناں گھر پر؟“ میرے منہ

سے ہمدردی کا فقرہ ادا ہوا۔

”جی.....“ اس نے چہرہ پھیر کر جواب دیا،

مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے لہجے میں آنسوؤں کی

آمیزش تھی۔

”بیٹی ٹھیک ہے تمہاری.....؟“

”جی!“ اس کا جواب اب بھی مختصر ہی تھا۔

”اچھا دیکھو شام کو ہاشم اور حاتم اپنے دوستوں کی

طرف جا رہے ہیں۔“ میں نے اپنے جڑواں بیٹوں کا

بتایا۔ ”صرف مومنہ گھر پر ہوگی، اسے صرف سوپ بنوا

کر دینا ہے، کھانا وہ نہیں کھائے گی، میں اور صاحب

بھی باہر جا رہے ہیں، جب تک ہم لوٹ نہ آئیں ہر

طرح سے خیال رکھنا۔“ میں نے اسے سمجھایا۔

”جی اچھا.....“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”ہوں..... کتنا عرصہ ہوا ہے بیاہ کو؟“ میں نے اگلا سوال کیا۔

”دو مہینے جی.....“ اس کا لہجہ بھی سہا ہوا تھا اور میرا انداز تو اسے مزید سہا رہا تھا۔

”ہوں..... دو ماہ میں ہی تمہاری سسرال میں نہیں بنی؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا..... وہ شیشائی اور اپنے باپ کی طرف دیکھا..... ”عمر کیا ہے تمہاری؟“

”سولہ سال جی.....“ اس کے بجائے کرم نے جواب دیا، شاید وہ جان گیا تھا کہ اس کی بیٹی میرے انداز گفتیش سے پریشان ہو گئی ہے۔

”جلدی کیا تھی تمہیں اس کے بیاہ کی کرم؟ اب اتنی سی لڑکی سسرال میں جا کر کس طرح نباہ کر سکتی ہے، ہمارے پاس تم بیس سال سے رہ رہے ہو، مومنہ چار سال کی تھی جب تم آئے تھے، اب چند ماہ بعد اس کی شادی ہے، وہ چوبیس کی ہو چکی ہے، تمہاری بیٹی چوبیس سال تک کھنچے، کھنچے شاید چوبیس دفعہ سسرال والوں سے جھگڑا کر کے تمہارے گھر آئے گی اور ان جھگڑوں کے باوجود آٹھ بجے بھی پیدا کر لے گی۔“ میرا انداز کافی سفاک تھا مگر میں سمجھ رہی تھی کہ بعض زخموں کی جراحی کے لیے سفاک بننا پڑتا ہے۔

”میں اب وہاں نہیں جاؤں گی کبھی نہیں جی!“ اس کی نرم آواز آئی۔

”تو کیا عمر بھر باپ کے گھر بیٹھی رہو گی؟“ میں نے پوچھا۔ ”ایسا کیا کر دیا تمہاری سسرال والوں نے چار دن میں تمہارے ساتھ کہ تم وہاں جانے کو تیار ہی نہیں ہو، شادی تو دیکھ بھال کر ہی کی ہو گی ناں تمہارے باپ نے.....“

”اپنا خاندان ہے جی.....“ کرم نے کہا۔ ”بس میری بیٹی کے مقدر ٹھنڈے ہیں کہ اسے ان عجیب حالات سے واسطہ پڑ گیا ہے۔“

”کیا ہوا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بس باجی بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، اس کا خاوند تو سا ہے اور اس کا بڑا بھائی بد نیت..... خوب صورت نے اپنے شوہر کو اس کے بھائی کی شکایت کی تو وہ اسے جھوٹا کہتا ہے، اپنے بھائی کو وہ خدا کے بعد سب کچھ سمجھتا ہے اور بیوی کی بات پر یقین نہیں کرتا..... اب اس گھر میں جہاں اس کا خاوند رات کی اور صیغہ دن کی ڈیوٹی کرتا ہے، گھر میں اور کوئی نہیں،

ساس نہ سسر، یہ کس طرح تمہارا رہ سکتی ہے، اس سے پہلے کہ کوئی نقصان ہو جائے، میں دو دن پہلے جا کر اس کو لے آیا تھا، اس کے شہر سے بات کی تو وہ کہتا ہے کہ میرا فرشتوں جیسا بھائی ہے، اس لڑکی کا دماغ خراب ہے، میں بھی غصے میں آ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ لے آیا..... میری بیٹی جھوٹ نہیں بول سکتی، وہ کیوں جھوٹ بولے گی، اسے کوئی دشمنی تو نہیں اپنے شوہر کے بھائی سے.....“ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا اور وہ کانپ رہا تھا۔

”ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو.....“ میں نے ابرو اچکائے۔ ”یہ اپنے شوہر کے بھائی پر الزام لگا رہی ہو..... کچھ ایسا کہا ہو اس نے جو یہ غلط بھی ہو.....“

”نہیں جی.....“ وہ ترخ کر بولی۔ ”میں جھوٹ نہیں کہہ رہی، اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا ایک

بار..... میرے شوہر کی غیر ماضی میں..... میں نے زبردستی چھڑایا اور بعد میں جب اپنے شوہر سے شکایت کی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے غلط نہیں ہوتی ہو گی، وہ میرے باپ کی طرح ہیں، انہوں نے مجھے پالا ہے، پڑھایا ہے، خود شادی نہیں کی اور میری شادی کر دادی ہے..... میں خاموش ہو گئی، سوچا کہ میری کم عمری کی وجہ سے میں نے غلط سمجھا ہو گا..... مگر وہ حد سے بڑھنے لگا، میرے شوہر کے سامنے بھی کچھ نہ کچھ کہہ دیتا اور میرا شوہر خاموش رہتا یوں جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو اور پھر ایک رات میرے کمرے میں آ گیا، میں نے

## غزل

کیسے کیسے گمان میں گزری  
زندگی امتحان میں گزری

بند تھے جس کے سارے دروازے  
مگر ایسے مکان میں گزری

ذکر آیا تھا اس کا محفل میں  
شب اسی کے دھیان میں گزری

تم کو معلوم ہے جہاں والوں  
ہم پہ کیا اس جہان میں گزری

غم دوراں میں حیات اپنی ایم ہے  
عزم کے سائبان میں گزری

مرسلہ: مہوش جواد، لیہ

ذرا سمجھدار ہونے دیتے اور اس کی مرضی پوچھ کر  
شادی کرتے تو یہ مسائل نہ ہوتے..... چھان بین کر  
کے شادی کرتے..... ہاں"

"اس نے میٹرک کیا ہے جی، بہت ذہین بچی  
ہے اور اس کی معنی بچپن سے طے تھی، اسے پسند تھا  
سب کچھ، حادثے میں اس کے شوہر کے ماں باپ مر  
گئے تھے چند سال پہلے تو اب ان کے گھر کا ہاٹری،  
چولہا چلنا مشکل ہو گیا تھا، میرے بھتیجے ہیں دونوں  
رشتے میں..... اور بیٹی کو بیاہنا تو تھا، ان کی امانت تھی  
ان کے حوالے کر دی۔"

"ہم م..... میں نے گہری سانس لی۔" جوان  
لڑکی ہے کرم..... شوہر گھر نہیں ہوتا، کیا معلوم کہ  
سچائی وہی ہو جو اس کا شوہر اور اس کا جینٹھ کہہ رہا  
ہے....." کرم کے چہرے پر دھواں پھیل گیا۔

"میری بیٹی اتنی گھنیا نہیں ہو سکتی باجی..... یہ

103 ماہنامہ ہائیرہ ماہ ساج 2015ء

چینا شروع کر دیا، گھر میں تو کوئی نہ تھا مگر پاس پڑوس  
کے خوف سے وہ کمرے سے نکل گیا اور جاتے،  
جاتے کہہ کر گیا کہ میں زیادہ عرصہ خود کو بچانا نہ پاؤں  
گی..... میں ہر رات جاگ کر گزارتی ہوں، میرا  
شوہر گھر نہیں ہوتا، نہ صرف کمرے کے اندر سے  
چٹنی چڑھا کر رکھتی ہوں بلکہ ہاتھ میں بڑا سا چھرا پکڑ  
کر بیٹھ جاتی ہوں، خوف سے لرزتی رہتی ہوں....."

"ہوں....." میں نے اس کی بات سن کر گہری  
سانس لی۔

"ایک دن میں ایک پڑوس کی طرف چلی گئی،  
اس نے مجھ سے میرے گھر کے حالات پوچھے تو میں  
نال منول کر گئی، تب اس نے مجھے بتایا کہ میرا جینٹھ  
ایک بدکار آدمی ہے، اس کی حرکتیں ایسی ہیں کہ محلے  
میں کئی بار پٹ چکا ہے..... مجھے اس نے کہا کہ میں  
اس سے بچ کر رہوں..... اور اس دن سے مزید  
خوفزدہ ہو گئی ہوں اور فیصلہ کر لیا کہ اب وہاں نہیں رہنا  
..... میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں اس گھر میں  
نہیں رہ سکتی جہاں اس کا بھائی بھی رہتا ہے..... وہ  
ایک بدنیت آدمی ہے اور مجھ پر بری نظر رکھتا ہے، اگر  
اسے اس بات کا یقین نہیں تو پھر میرے اور اس کے  
درمیان اعتبار اور اعتماد تو ہے ہی نہیں، اس لیے میں  
اس گھر کو چھوڑ دوں گی..... کہنے لگا، تم کہتی ہو کہ  
میرے بھائی کی نیت ٹھیک نہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ  
میرے بھائی کے ساتھ تمہاری نیت ٹھیک نہیں.....  
مجھے انہوں نے بتایا ہے کہ تم رات کو ان کے کمرے کا  
دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی ہو..... بیگم صلحہ میرے تو  
حواس ہی سن ہو گئے، میں نے ابا کو کال کر کے ساری  
بات بتائی تو وہ مجھے لینے آ گئے اور اب وہ دونوں  
بھائی کبھی ترلے نہیں کرتے ہیں تو کبھی دھمکیاں اور  
تڑیاں دیتے ہیں....." اس کی طویل بات اختتام کو  
پہنچی تو میں اس کے چہرے پر سچائی تلاش کر رہی تھی۔  
"تم بچی کو چار جماعتیں پڑھاتے..... اسے

فرشتوں کی طرح مصوم ہے، اسے تو زمانے کی اونچ نیچ کا علم ہی نہیں، اس میں ہیر پھیر نہیں، جو میری بیٹی کہہ رہی ہے وہی سچ ہے.....“

”میں سچ کہہ رہی ہوں جی..... ایک لفظ جھوٹ نہیں ہے اس میں.....“ وہ سسکی گئی۔

”اولاد کی محبت ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ رہتی ہے اور ہمیں وہی سچ نظر آتا ہے جسے ہماری اولاد سچ کہتی ہے کرم..... دوسروں کے سچ کڑوے ہوتے ہیں، وہ حلق سے نہیں اترتے ہمارے.....“ میں نے اپنی طرف سے آئینہ اس کے سامنے رکھا تھا۔

”چند دن کا آسرا چاہیے باجی..... میں کوئی اور انتظام کر کے اسے کہیں اور چھوڑ آؤں گا۔“ کرم کے لہجے میں التجا اور امید تھی۔

”گھر میں سارے مرد ملازم ہیں کرم، کوارٹروں میں آٹھ مردوں کی موجودگی میں.... اسے کیسے رکھ سکتے ہو، کوئی اور انوکھا ہو جائے تو.....؟“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مگر یہ وہاں کیسے رہ سکتی ہے باجی؟“  
 ”تو اور کہاں رہے گی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”جی..... مومنہ باجی کے کمرے میں زمین پر بستر لگا لے گی.....“

”کیا.....؟“ میں چیخی۔ ”میں اسے گھر کے اندر کس طرح رکھ سکتی ہوں.....“ مجھے اس کا حسن خوف زدہ کر رہا تھا۔ ”گھر میں ہاشم اور حاتم ہیں..... اور..... اور..... صاحب ہیں۔“

”تو پھر کیا ہوا..... وہ تو جانتے ہیں کہ میری بیٹی ہے، جس طرح مومنہ میری بیٹی ہے، اسی طرح میری بیٹی آپ کی بیٹی جیسی اور بہنوں جیسی ہے.....“ اس نے گھٹکیا کر کہا۔

”یہ تم کہہ رہے ہو کرم کیونکہ تم اپنی بیٹی کو فرشتوں جیسی سمجھتے ہو، میں نہیں..... نہ ہی میں اپنے گھر میں کوئی نیا کھیل ہوتے ہوئے دیکھ سکتی

ہوں.....“ میں نے سفاکی کی انتہا کر دی۔ ”تم جاؤ دو دن کے لیے اور اسے اسی وقت واپس اپنے گھر چھوڑ آؤ، ہو سکے تو اس کے شوہر سے صلح کر لو، اگر اس کے بھائی کی طرف سے مسئلہ ہے تو وہ..... اسے علیحدہ گھر لے کر اس میں رکھے.....“ میں نے مفت میں مشورہ بھی دیا۔

”یہی تو ممکن نہیں ہے.....“ کرم نے بیچاریگی سے کہا، خوب صورت اب خاموش کھڑی دانتوں سے اپنے ہونٹوں کو کچل رہی تھی، اس کے نین کٹورے بھرے ہوئے تھے مگر وہ انہیں سنبھالنے ہوئے تھی۔

”ٹھیک ہے باجی، میں اسے فیصل آباد اپنی بہن کے ہاں چھوڑ آتا ہوں، شاید وہاں تک اس کا شوہر نہ پہنچ پائے، مجھے تو خوف ہے کہ میری بیٹی کو وہ لوگ اغوا نہ کر لیں۔“ اس نے چادر اپنے کندھے پر رکھی اور بیٹی کا ہاتھ تھام کر نکل گیا۔

دو دن تو کیا دو ہفتے اور دو مہینے بھی گزر گئے، اس کی واپسی ہوئی نہ کوئی اطلاع آئی، اس کا فون بھی بند جا رہا تھا، جانے کیا مسئلہ ہو گیا تھا، کہیں فیصل آباد جاتے ہوئے کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو..... سوچ کی حد یہاں آ کر رک جاتی کیونکہ کرم کا ایسا مزاج ہی نہ تھا کہ کہے ہوئے وقت سے ایک گھنٹا بھی اوپر لگا تا اور کبھی کوئی مجبوری ہوتی تو پوری ذمے داری سے اطلاع بھی کرتا اور معذرت بھی۔ مومنہ کی شادی کے دن جوں جوں قریب آ رہے تھے، مجھے خلیجان ہونے لگا کہ سارے کام کس طرح ہوں گے، کرم جیسا کوئی اور کام کرنے والا ملازم نہ تھا، باہر سے بھی خاندان کے بہت سے لوگ آ رہے تھے جو ہمارے گھر میں ہی ٹھہرتے اور کرم کے سوا کسی کو مہمانوں کا خیال کب رکھنا آتا تھا۔ وہ ہماری عدم موجودگی میں بھی پورے گھر کا نظام اس طرح چلاتا تھا کہ کسی کو کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔

خاید سے کہہ کر اس کے گھر سے بھی ہٹا کر دیا مگر



اُسے اونے پونے داموں چپتا بڑا تھا، کبھی کسی شہر اور کبھی کسی شہر میں بھٹکتا پھرا، بیٹی کی طرف سے خلع کا مقدمہ درج کروایا اور خود گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے محنت مزدوری کرتا رہا، اس کی بیوی بھی کام کرنے لگی کیونکہ گھر کا گزارہ نہیں چل رہا تھا۔ اسی لیے اس کی صحت یوں گر گئی تھی۔

”تین ماہ تک میں اپنی بیٹی کی خاطر بھاگ دوڑ کرتا رہا، بہن کے گھر چھوڑ کر آتا تو دو دن میں لوٹ آتا مگر وہ لوگ میرے خاندان کے سب گھروں میں اس کی تلاش میں جا چکے تھے..... اب انہیں اللہ کے آسرے پر چھوڑ کر آ گیا ہوں۔“ اس نے وضاحت کی۔ جو میں اس کو تین دن رکھ لیتا تو شاید اس غریب کو اتنا ذلیل و خوار نہ ہونا پڑتا۔ ”مومنہ بیٹی کی شادی کا یاد تھا مجھے، اس لیے آ گیا ہوں کہ اسے اپنے ہاتھوں سے وداع کروں گا اور پھر ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا۔“ اس نے مزید کہا تو میرے دل میں ایک لمحے کے لیے اتنے اچھے ملازم سے ہاتھ دھونے کا ملال آیا۔ شادی قریب تھی اور ایسے میں اس کا آ جانا مجھے نسبت غیر متحرقہ لگا تھا، سو اللہ کا شکر ادا کیا کہ کچھ پریشانی کم ہوئی تھی، شادی ہو جائے گی تو دیکھیں گے کہ آگے کیا کرتا ہے۔

شام میں عابد آئے تو کرم سے بڑے تپاک سے ملے، اس سے تفصیل سے گفتگو کی، اس کے مسائل کی تفصیل سنی اور اسے تسلی دی، حاتم اور ہاشم واپس آئے تو کرم سے لپٹ کر ملے، اس سے کہا کہ وہ اسے بہت مس کرتے تھے..... اور مومنہ کی خوشی بھی دیدنی تھی۔

”چاچا..... آپ نہ آتے تو میں نے شادی نہیں کروانا تھی۔“ کرم بچوں کی طرح رونے لگا، میں ہی لیے دیے رکھتی تھی عابد اور بیچے تو اس سے بہت مانوس تھے اور اس کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔

”بس بیٹی کی شادی کے لیے آیا ہوں چند دن

علم ہوا کہ وہ گھر چھوڑ کر کہیں چنے گئے ہیں.....“ ایسی بھی کیا آفت آگئی کہ اسے بتانے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔“ میں نے غصے کا اظہار کیا۔

”اتنی سنگ دل نہ ہوا کرو.....“ عابد نے کہا۔ ”جو چند دن تم اس کی بیٹی کو پناہ دے دیتیں تو کیا قیامت آ جاتی، کیا وہ ہمارا کچھ لوٹ کر لے جاتی؟“ میں نے عابد کو غصے سے دیکھا۔ ”جانے کیا بھلیا لوٹ کر لے جاتی! میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

”غریب آدمی کی مجبوریاں ہماری مجبور یوں سے مختلف ہوتی ہیں، جانے وہ کس پریشانی میں گھر چھوڑ کر گیا ہوگا اور کہاں، کہاں بھٹک رہا ہوگا، تم نے اس کی بیٹی کی پریشانی میں اس کا ذرا سا خیال نہیں کیا، ہماری بیٹی کو اس نے اپنی بیٹیوں کی طرح پالا ہے.....“ ”تو کیا میں اس کی ملازمہ بن کر اس کی بیٹی کو بھی پالتی؟“ غصے میں میرے منہ سے اور کچھ نہ نکلا۔

”تم سے تو بحث ہی فضول ہے.....“ عابد وہاں سے اٹھ گئے۔

☆☆☆

پھر اچانک وہ چلا آیا..... ہم سے آدمی عمر کا کرم، ایک دم بوڑھا لگنے لگا تھا، اس نے معذرت کی کہ اس کا فون چوری ہو گیا تھا اور وہ ہم سے رابطہ نہ کر سکا کیونکہ اسے نمبر زبانی یاد نہ تھا، بیٹی کو گھر لے کر جاتے ہوئے راستے میں کسی نے اس کی جیب کاٹ لی۔ گھر پہنچا تو علم ہوا کہ پولیس بار بار اس کے گھر پر اس کی بیٹی کی بازیابی کے لیے چھاپے مار رہی تھی کیونکہ اس کے شوہر نے شکایت کی تھی کہ اس کا سر اس کی بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر اس کے گھر سے لے کر چلا گیا ہے، وہ رات اس نے اپنے پڑوس میں گزارا کیونکہ اس کے گھر پر کسی بھی وقت کوئی آ سکتا تھا..... پڑوسیوں کی مدد سے ہی اس نے گھر کا سامان ٹرک پر لے دیا اور اپنے بال بچوں سمیت شہر، شہر بھٹکتا رہا..... ہاتھ میں رقم نہ ہونے کے باعث کالی سامان

کے لیے پھر چلا جاؤں گا اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھوں گا، ان کے مسائل کافی ہر گئے ہیں۔“ کرم نے آنسو پونچھ کر کہا۔

”کوئی نہیں جا رہے آپ کہیں بھی چاہیں.....“  
حاتم نے کہا۔ ”مومنہ کی شادی کا بڑا خیال ہے آپ کو اور ہماری شادیوں کا آپ کو کوئی خیال نہیں.....“  
”ابھی تو ان میں بہت سال ہیں، جب آپ لوگوں کی شادیاں ہوں گی تو پھر آ جاؤں گا.....“ کرم نے مسکرا کر کہا تھا۔

”تم اب کہیں نہیں جا رہے ہو کرم.....“ عابد نے کہا۔ ”میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں، کسی وکیل سے تمہاری بیٹی کے مقدمے کی بات بھی کرتا ہوں اور اس کے شوہر کا بندوبست بھی کرواتا ہوں۔“  
”مہربانی صاحب.....“ کرم نے ہاتھ بانٹھ کر کہا۔ ”مگر اب مجھے جانا ہی ہو گا کہ اپنے ہال بچوں کو ملتان چھوڑ کر آیا ہوں۔“

”چلو بعد کی بعد میں دیکھیں گے.....“ عابد نے بات بدلی۔ ”ابھی تو تم دیکھو کہ شادی کے کیا انتظامات کرنا ہیں..... امریکا والوں کے لیے ایکسی تیار کرو دو اور باقی لوگ.....“ عابد اسے ہدایات دینے لگے اور وہ سر ہلا کر سنتا رہا، مجھے علم تھا کہ اسے یہ سب کچھ بتانے اور سمجھانے کی ضرورت نہ تھی وہ خود سارا کام سمجھتا تھا، اس کے آجانے سے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ نکل گیا تھا۔

☆☆☆

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا موی؟“ میں نے کوشش کی کہ میری آواز سرگوشی سے بلند نہ ہو۔ ”کوئی سنے تو تمہاری دماغی صحت پر شک ہی کرے گا نا.....“

”مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے ماما کہ کون کیا سمجھتا ہے اور میری ذہنی یا جسمانی صحت پر کتنا شک کرتا ہے، میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ آپ

میری بات کا یقین کر لیں.....“  
”میں تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں اور وہ تمہارے سسرال والوں سے بات کرتے ہیں، وہ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں.....“ میں نے گویا بات ختم کر دی۔

”آپ اپنی طرف سے جو چاہے کوشش کریں، جس کمری بلا کر بات کریں مگر میرا فیصلہ اٹل ہے ماما، میں نے آپ کو بتا دیا ہے، آپ پاپا کو بتادیں تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔“ وہ یوں بات کر رہی تھی جیسے یہ اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ہاتھ سے کبھی ماری دینا۔

”تم ابھی بیٹی ہو سوتی.....“ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”شادی کے بعد لڑکیاں سسرال جا کر نئے نئے رشتوں سے روشناس ہوتی ہیں، ان رشتوں کے اپنے انداز ہوتے ہیں، بسا اوقات لوگوں کی شفقت کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ تو جوان لڑکیوں کو شہے میں ڈال دیتا ہے.....“ میں اسے رساں سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں چوبیس سال کی ہو چکی ہوں ماما..... میں نے لڑکوں کے ساتھ تعلیم بھی حاصل کی ہے اور ملازمت بھی کی ہے، میں بیٹی نہیں ہوں..... مجھے خود پر پڑنے والی ہر نظر کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے..... مجھے اس گھر میں واپس نہیں جانا ہے ماما.....“ اس نے زور دے کر کہا۔ ”امید ہے کہ آپ بات سمجھ گئی ہوں گی۔“ اس کا لہجہ حتمی تھا۔

”ایک شہے کی بنا پر..... پوری زندگی کو داؤد پر لگا دینا کہاں کی گھنڈی ہے مومنہ.....“ مجھے ہنسہ آنے لگا تھا۔ ”ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے، ان کے سوالوں کا کیا جواب دیں گے.....؟“

”آپ کو اپنی بیٹی کی عزت سے زیادہ لوگوں کو منہ دکھانے کی فکر ہے.....“ مومنہ چینی۔

”آہستہ بات کرو..... گھر میں دس ملازم ہیں، کیوں تماشا بنانا چاہتی ہو؟“ میں نے اسے گھر کا۔

عدم موجودگی میں بابا کو اس طرح پریشان بھی کر سکتی ہے۔ "ہمارے بات کرنے سے کل ہی اطہر گھر پہنچا تو یہ جان کر کہ مومنہ کیسے میں ہے، بہنیں چلا آیا۔"

"کیا پریشان کیا ہے بیٹا اس نے تمہارے بابا کو؟" میں نے ابرو اچکا کر پوچھا۔ کرم چائے پیش کر رہا تھا، اطہر نے چائے لینے سے انکار کر دیا، کرم نے باقی لوگوں کو چائے دی اور باہر نکل گیا۔

"بابا نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس پر مجھے یقین نہیں تھا مگر اب جبکہ مومنہ میرے بابا پر الزام لگا رہی ہے تو میں اسے بتا دوں کہ میں مر کر بھی اپنے بابا پر شک نہیں کر سکتا..... مومنہ خود ہی ایسا بد کردار ہوگی کہ میری عدم موجودگی میں اس نے میرے بابا پر..... اس نے نہایت گھٹیا الفاظ استعمال کیے جو اس کی شخصیت کے برخلاف تھے۔ شروع کر دیے....."

"زبان سنہال کر بات کرو برخوردار....."

عابد کا ایسا لہجہ میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ "تم میری فرشتوں جیسی معصوم بیٹی پر کچھڑا چھال رہے ہو....."

"آپ کی بیٹی میرے فرشتوں جیسے معصوم باپ پر کچھڑا چھال رہی ہے انکل!" وہ دودھ بولا۔ "آپ نے اسے اچھے اور برے کی تمیز ہی نہیں سکھا کر بھیجا۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں اطہر....." مومنہ گھٹکیاتی تھی۔ "میں جھوٹا الزام نہیں لگا رہی..... میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہنے کو تیار ہوں، آپ انکل سے کہیں کہ وہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ وہ میرے کمرے میں اور میرے بستر تک نہیں آئے تھے..... اور یہ کہ وہ مجھے عجیب، عجیب باتیں آپ کی عدم موجودگی میں کہتے ہیں کہ نہیں؟ وہ سسکی۔ "میں سچ کہہ رہی ہوں بابا....." اس نے باپ کی طرف دیکھا، میں نے اس کا چہرہ دیکھا، اس میں مجھے کسی اور چہرے کا عکس دکھائی دیا، جس پر میں نے الزام دھرا تھا، جس کی سچائی پر میں نے شک کیا تھا، جس نے کہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے مگر میں نے اسے جھوٹ سمجھا تھا،

"مس..... اطہر کی صینے میں چدرہ دن فلائٹ ہوتی ہیں اور ان سارے دنوں میں دن کو تو گھر میں ملازمین ہوتے ہیں مگر جو نئی کام ختم کر کے سب ملازمین اپنے کوارٹروں میں چلے جاتے ہیں، میں اکیلی خوف زدہ ہو جاتی ہوں..... مجھے انکل سے ڈر لگتا ہے مس..... وہ مجھے عجیب انداز سے دیکھتے ہیں، پہلے پہل تو میں جانتی ہی نہ تھی اس لیے لاٹھی میں اپنے کمرے کا دروازہ بھی لاک نہ کیا..... ایک دن وہ میرے کمرے میں آگئے تھے ماما!"

"کوئی بات کرنے آئے ہوں گے بیٹا....."

"پلیز مس..... آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"

"تمہارے باپ کی عمر کے اور اسی طرح محترم ہیں بیٹا!" میں نے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"میں رات کو اپنے کمرے میں بستر پر جاگ کر بیٹھی رہتی ہوں، یہی نہیں ماما، میں اپنے پاس چاٹو رکھتی ہوں کہ اگر کبھی وہ دروازے کا لاگ کھول کر یا دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہو جائیں تو....." وہ رورہی تھی۔

"وہ ایسا کیوں کریں گے بیٹا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ تو اس قدر شفیق ہیں....."

"ان کی شفقت میں ہوں ہے ماما..... اطہر بھی اس بات کو نہیں سمجھتے..... میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔" وہ اپنی ضد پر قائم رہی، میں نے عابد سے بات کی تو انہوں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ تب ہم نے سوچا کہ اطہر اب کی بار فلائٹ سے آئے گا تو اس سے بات کریں گے کہ علیحدہ گھر لے کر مومنہ کو رکھے، محل کر اس سے بات نہ کی جاسکتی تھی مگر گول مول لفظوں میں تو مقصد بیان کیا جاسکتا تھا۔

☆☆☆

"آئی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مومنہ میری

عدالت سے کہا۔ ”میں نے آپ کو ہمیشہ اپنی ماں اور بڑی بہن کی طرح سمجھا ہے۔“

”مگر میں نے نہیں کرم۔“ میں نے اعتراف کیا۔ ”تمہاری اتنی وفاداری کے باوجود۔۔۔ تم نے مومنہ کو ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح سمجھا مگر میں خوب صورت کے لیے اس انداز سے نہیں سوچ سکی۔“ میں اس آئینے کے روبرو کھڑی تھی جس نے مجھے اپنا چہرہ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ ”مجھے معاف کر دو کرم، اپنے بیوی بچوں کو یہاں لے آؤ، دو کوارٹر خالی کروا لیتے ہیں، خوب صورت اور مومنہ کا مقدمہ ایک ہی عدالت میں اور ایک ہی وکیل کے ذریعے لڑا جائے گا۔“

”وہ وہاں ٹھیک ہیں باجی۔۔۔“ کرم ہنسی بھرا ہوا کہہ رہی ہیں تو مان جاؤ ناں کرم۔۔۔“ عابد نے کہا۔ ”چلو یہاں نہ سہی، کہیں قریب کرائے کا کوئی مکان دیکھ لو، کرایہ میں تمہیں دے دیا کروں گا۔“

بیٹیاں نازک آئینوں جیسی ہوتی ہیں، انہیں ٹھیس پہنچے تو ماں باپ کے دلوں کو ٹھیس پہنچتی ہے۔۔۔ کہنے کو تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ دوسرے کی بیٹیاں ہماری بیٹیوں جیسی ہیں مگر حقیقت میں ایسا کہاں ہوتا ہے۔ میں نے خوب صورت کے لیے توبہ آسانی سوچ لیا تھا کہ وہ بدنیت ہو سکتی ہے مگر وہی لمحہ جب میری بیٹی پر آیا تو مجھے اس کے کہے بنا بھی یقین تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔۔۔ وہی سچ جو خوب صورت بھی کہہ رہی تھی مگر میں نے اسے جھوٹ سمجھا تھا، شاید دانستہ۔۔۔ میں اس کی خوب صورتی سے خوف زدہ ہو گئی تھی کہ میرا سب رشتوں سے اعتماد اٹھ گیا تھا مگر اب ازالے کا وقت آ گیا تھا، وہ لمحہ آ گیا تھا جب میں نے کسی کے کہے بنا جان لیا تھا کہ اپنی غلطی پر معافی جب بھی موقع ملے، مانگ لینی چاہیے، اس سے قد بھی چھوٹا نہیں ہوتا۔۔۔ بلکہ اللہ کی نظر میں تو بندے کا قد بلند ہو جاتا ہے۔



آج وقت نے وہ لمحہ میرے روبرو دکھڑا کیا تھا۔

”بند کرو اپنی بکواس۔۔۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ ہوا میں ہی رک گیا جو شاید وہ جوش جذبات میں مومنہ پر اٹھا لیتا جو وہ ہمارے گھر پر نہ ہوتا۔۔۔ ”نام دیکھو اور بکواس سنو اس کی اور حرکتیں دیکھو۔“ وہ مسلسل بک رہا تھا۔

”نورا اس گھر سے دفع ہو جاؤ تم اور دو بارہ شکل نہ دکھانا۔۔۔“ عابد چیخے۔ ”تم میں مردانگی ہوتی تو تم میری بیٹی پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔۔۔“

”آپ سب ایک ہی جیسے ہیں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ”سمجھ لوں گا میں آپ لوگوں کو۔۔۔“

”تم فوراً میری بیٹی کو فارغ کرو ورنہ میں خلع کے ذریعے بھی تم سے نجات حاصل کر سکتا ہوں، بے غیرت کہیں کے۔۔۔“ عابد کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

”تم لوگوں کو میں عدالتوں میں ایڑیاں رگڑواؤں گا۔۔۔“ وہ بک بک کرنا نکل گیا۔ کہیں سے وہ ایک پڑھا لکھا مہذب انسان نہیں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

کرم چائے کے برتن اٹھانے آیا تو اسے اندر کا منظر کچھ کچھ میں آ گیا تھا، وہ خاموشی سے اپنا کام کرنے لگا، برتن اٹھا کر اس نے کپڑے سے میز صاف کرنا شروع کی۔

”کرم۔۔۔“ میری آواز کسی کنویں سے آئی تھی۔

”جی باجی۔۔۔“ اس نے سر اٹھا کر میری طرف سوالیہ نظر سے دیکھا۔

”تمہارے گھر والے کتنے دنوں میں یہاں آ سکتے ہیں؟“

”جی؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے معاف کر دو کرم۔۔۔“ میرے آنسو بہنے لگے۔ ”مجھے دل سے معاف کر دو۔“

”کیسی بات کر رہی ہیں باجی!“ اس نے

نروٹھے پن سے کہا۔ انہم نے بھی دل ہی دل میں اس کی تائید کی مگر چھوٹی بہن کی تسلی کی خاطر یوں۔  
 ”چلو کوئی بات نہیں، ان کی مرضی..... نہیں ہے تو نہ سمی۔“

”مرضی کی کیا بات ہے؟“ ماہم غصے سے یوں۔ ”یہ کوئی تفریح تھوڑی ہو رہی ہے، مجبوری ہے اس میں تو امی کو کچھ خیال کرنا چاہیے۔ یہ کیا کہ ہمیشہ اپنے اصول اور قاعدے..... مجب قیدیوں والی زندگی ہے۔ سچ یہ اکتا دل کرتا ہے کہ سہیلیوں اور محلے میں مایوں، مہندی میں دیر تک رکھنے کو۔ انجوائے کرنے کو گمراہی ہمیشہ ساتھ لے کر جاتی ہیں اور ساتھ ہی واپس لے آتی ہیں۔ یہ نہیں کہ خود گھر آ کر آرام کر لیں اور ہمیں وہاں اور لوگوں کی طرح ان کے ساتھ انجوائے کرنے دیں..... اور کبھی کہو تو وہی نصیحتوں کے انبار..... زمانے کی خرابی کا روتا..... وغیرہ وغیرہ.....“ دل اتنا خراب ہو رہا تھا کہ ماہم نے بھی دل کھول کر بھڑاس نکالی حالانکہ اس سے پیشتر ہمیشہ ایسے موقع پر دونوں چاہے ناراضی

”نہیں، نہیں بالکل نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔“ صبا بیگم اتنی زور سے چیخیں کہ دونوں لڑکیاں حیرانی سے انہیں دیکھنے لگیں کہ ایسی کون سی انہونی بات ہوئی ہے جس کا اتنا شدید رد عمل..... اس سے زیادہ وہ ماں کی حالت پر پریشان ہوئیں جو یہ بات سن کر پاگلوں کی طرح نہیں، نہیں کی گردان کیے جا رہی تھیں۔  
 انہم جلدی سے پانی کا گلاس بھر لائی اور ان کے ہونٹوں سے لگانا چاہا تو انہوں نے ہاتھ سے گلاس ایک طرف کیا اور یوں۔

”میں نے کہہ دیا ہے کہ آئندہ یہ بات کوئی اپنے منہ سے نہیں نکالے گا اور میں بھی کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی۔“  
 ”پہلے کبھی اجازت دی ہے؟“ ماہم نے برا سا منہ بنایا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ صبا بیگم نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

”امی ہمیشہ ہی ایسا کرتی ہیں۔“ ماہم نے

## طوفانِ کوگر کے بعد

سحرمت احمد



سے ہی ان کے کہنے پر سر جھکا لیا کرتی تھیں اور دو چار دنوں میں بھول، بھال جاتی تھیں۔

”برسی بات .....“ انہم نے پیار سے بہن کو اپنے ساتھ لگایا اور کہا۔ ”ماں ہیں، ان کی بات مانتی چاہیے..... وہ ہمارا بڑا تھوڑی چاہیں گی، چلو غصہ تھوک دو۔“

”لیکن یہ کوئی خیروں کی بات تھوڑی ہے، یہ تو گھر کی بات ہے۔“ اور صبا بیگم جو اپنے روپے سے خود پریشان و پشیمان تھیں۔ دونوں لڑکیوں کے کمرے کی جانب بڑھیں تو ان کے درمیان ہوتی گفتگو سن کر وہیں رک گئیں..... اور پھر جب ماہم نے گھر کی بات ہے کہا تو وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

”ہاں وہ بھی گھر کی ہی بات تھی۔“ دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب لوٹ گئیں اور بیڈ پر بٹھ حال سی ہو کر چھت کی طرف دیکھنے لگیں..... اور پھر ماہ و سال کا فاصلہ کھوں میں طے ہو گیا۔

☆☆☆

یہ اس زمانے کی بات ہے جب صبا بیگم..... صبا بیگم نہیں بلکہ نٹ کھٹ سی صرف صبا تھی جو اپنے والدین اور بڑی بہن کے ساتھ اسی خوشی زندگی گزار رہی تھی۔

صبا کے والدین اپنی دونوں بیٹیوں میں گمن ایک بھر پور اور خوشگوار زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبا کے دادا کی مختصر سی فیملی قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے پاکستان آنے والی اپنے خاندان کی واحد فیملی تھی۔ جس میں صبا کے دادا، دادی اور والد افضل احمد شامل تھے۔ افضل احمد کے والد ایک تعلیم یافتہ شخص تھے جنہیں اپنی لیاقت سے یہاں ایک اچھی سرکاری نوکری مل گئی۔ انتھک محنت سے ایک نمایاں مقام بھی حاصل ہو گیا۔ ساتھ، ساتھ افضل احمد بھی تعلیمی مدارج طے کرتے چلے گئے۔

انڈیا اور پاکستان کے درمیان آمد و رفت کی بحالی کے بعد دونوں میاں، بیوی مع افضل احمد کے

110 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

کئی دفعہ وہاں جا آچکے تھے۔ ابھی افضل احمد کی شادی کا سوچا بھی نہیں تھا کہ بیوی کی اچانک موت نے افضل کے والد کو بہت کچھ سونے پر مجبور کر دیا..... اور اس سوچ کو انہوں نے عملی جامہ اس طرح پہنایا کہ جلد ہی اپنے بیٹے افضل احمد کے لیے انڈیا سے ہی اپنی بیٹی ارجمند بانو کو بیاہ لائے جو اکلوتی ہونے کے ساتھ، ساتھ والدین کے سائے سے بھی محروم تھیں۔ اور جنہیں ان کے بڑے تایا نے پالا تھا۔

ارجمند بانو فطرتاً سیدھی سادی اور گھریلو لڑکی ثابت ہوئیں اور جلد ہی انہوں نے میاں کے ساتھ، ساتھ سر کے دل میں بھی جگہ بنا لی..... اور یوں زندگی اطمینان و سکون سے بسر ہونے لگی مگر والد کو یہ خوشیاں تادیر دیکھنا نصیب نہ ہوئیں اور ایک دن اچانک ہی وہ دنیا سے منہ موڑ گئے۔ ان کے انتقال کے بعد انڈیا سے رہا سہا نانا بھی ٹوٹ گیا..... اور اب پاکستان میں افضل احمد اور ارجمند بانو کا حقیقی رشتے دار تو کوئی تھا نہیں..... بس دوست احباب اور ملنے جلنے والے ہی تھے جنہیں وہ رشتے دار گردانتے تھے۔ گزرے وقت کے ساتھ افضل احمد اور ارجمند بانو کی گود میں یکے بعد دیگرے دو پیاری، پیاری سی بیٹیوں دعا اور صبا کا تھمہ آ گیا۔ پھر پلک جھپکتے ہی وہ شادی کی عمروں تک بھی آ گئیں..... دونوں لڑکیاں تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ، ساتھ ماں کی طرح خوب صورت اور سلیقہ شعار بھی تھیں۔

☆☆☆

”نہیں آپ کا کیا خیال ہے۔ مجھے تو لڑکا بہت اچھا لگا ہے۔“ ارجمند بانو نے دعا کے لیے آئے رشتے کے بارے میں شوہر سے استفسار کیا۔

”لڑکا تو مجھے بھی اچھا لگا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے، نوکری بھی کچی ہے۔ گھر بھی اپنا ہے مگر خاندان کا کچھ زیادہ اتنا چاہئیں.....؟“ وہ فکر مندی سے بولے۔

”بتایا تو ہے بھائی صاحب نے ہماری طرح ہی ان کے والدین بھی اکیلے پاکستان آ گئے تھے اور

## طہفان کے بعد

پہلے دونوں مرتبہ تو ارجمند بانو کے قریب اسی شہر میں تھی تو وہ ہر مرحلے پر موجود ہوتی مگر اس دفعہ ماں سے دور دوسرے شہر میں اور اس پر طبیعت بھی کچھ زیادہ ہی خراب تھی تو عجیب سی پریشانی تھی اسی لیے صبراً کہاں کو آنے کا خط لکھ دیا۔

ارجمند بانو، دعا کا خط ہاتھ میں لیے پریشانی سے سوچ رہی تھیں۔ پہلے دونوں مرتبہ تو ارجمند بانو نے دعا کو اپنے گھر پر بلوایا تھا۔ فیاض بھی یہیں سے آفس چلا جاتا تھا۔ کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر اس دفعہ تو دعا ان کے گھر بھی نہیں آسکتی تھی کہ فیاض کا آفس کا مسئلہ تھا اور دوسرے بچیاں بھی باپ سے دور نہیں رہ سکتی تھیں کہ علیحدہ رہنے کی وجہ سے صرف ماں، باپ سے ملی ہوئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دعا نے امی کو بلوانے کا فیصلہ کیا۔

ادھر ارجمند بانو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی جس کا دعا کو علم نہیں تھا۔ دوسرے اگر وہ کسی طرح چلی بھی جاتی تو گھر پر افضل احمد کے آفس جانے کے بعد صبا بالکل اکیلی رہ جاتی جو کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ سو انہوں نے باہم مشورے سے صبا کو دعا کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے صبا گھر اور بچیوں دونوں کو اچھی طرح سنبھال سکتی تھی۔ یوں افضل احمد صبا کو بڑی بہن کے گھر چھوڑنے روانہ ہو گئے..... اور دوسرے دن ہی اسے چھوڑ کر واپس بھی لوٹ آئے کہ بیوی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ صبا کو بہن کے پاس آئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ دعا کی طبیعت تو ویسی ہی چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بہت... جڑ پھری اور آدم بیزار ہو گئی۔ صبا نے گھر کو اچھی طرح سنبھال لیا تھا۔ بچیاں بھی اس سے مانوس ہو گئی تھیں۔ فیاض نے بھی اطمینان کی سانس لی تھی۔ نہیں تو وہ گھر آفس اور بیمار بیوی کے درمیان کھن چکر بن کر رہ گیا تھا۔ صبا کے گھر اور بچیوں کو سنبھال لینے سے اب وہ گھر اور بچیوں کی جانب سے پوری طرح مطمئن تھا جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا اور

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

اب اس بیچپارے کے والدین کا بھی انتقال ہو گیا تو یہ اکیلا رہ گیا ہے..... بھانگی صاحب لڑکے کے ساتھ، ساتھ اس کے والدین کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور کیا چاہیے۔

”ہاں یہ تو ہے، ہمارے جیسے ہی حالات ہیں، اس کا تو ہم پر زیادہ حق بنتا ہے۔ ویسے میں اس کے محلے اور آفس سے بھی معلومات کراؤں گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے..... پھر ہم جلد ہی دعا کی شادی کر دیں گے تاکہ ایک فرض سے تو سبکدوش ہوں۔“ ارجمند بانو نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ اور یوں باقی کے تمام معاملات جلد ہی خوش اسلوبی سے انجام پائے اور دعا اپنے والدین کی ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اپنے پیارے گھر سدھاری۔

☆☆☆

فیاض نہ صرف اچھا داماد بلکہ دعا کے لیے بہت اچھا شوہر بھی ثابت ہوا۔ جہاں قسمت نے دعا کو دو بیٹیوں سے نوازا وہیں فیاض بھی ترقی کر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا گیا۔ ترقی کے ساتھ اس کا تبادلہ بھی دوسرے شہر ہو گیا۔ جسے ان لوگوں نے نوکری کا حصہ سمجھ کر ہنسی خوشی قبول کیا..... اور وہیں سیٹل ہو گئے۔

”میرا خیال ہے دعا اور امی کو بلا لیا جائے..... اب تم سے کام بھی نہیں ہو رہا اور دوسرے اس مرتبہ تمہاری حالت بھی زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔“ فیاض ڈاکٹر کی ہدایت اور دعا کی گرتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”سوچ تو میں بھی یہی رہی ہوں، حالانکہ پہلے دونوں دفعہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا مگر اس مرتبہ تو سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ ہلڈ پریشاں لگ رہی ہے۔“ دعا پریشانی سے بولی۔

”چلو تم پریشان مت ہو، اللہ بہتر کرے گا۔“ فیاض نے اسے تسلی دی۔

دعا تیسری مرتبہ ماں بننے کے مرحلے میں تھی۔

صبا کی تعریف کے ساتھ شکر گزار بھی تھا۔

۔۔۔ سب ٹھیک ہوگا۔“

”آنی دودھ چاہیے۔“ تین سالہ ندانے ناشتا  
بیاتی صبا کے پیچھے آکر بسورتے ہوئے کہا۔

دعا کو اسپتال گئے دودن ہو گئے تھے۔ اس کی  
حالت ٹھیک نہیں تھی۔ فیاض مسلسل اسپتال میں تھے  
اور دعا کے پاس محلے کی ایک نیک اور ہمدرد خاتون کو  
چھوڑ گئے جن کی وجہ سے دعا کو بہت تسلی اور ڈھارس  
تھی۔ آخر تیسرے دن دعا نے تیسری بیٹی کو جنم دیا۔  
بیٹی سے زیادہ دعا کی نئی زندگی کی خوشی تھی۔ صبا ایک  
بار پھر خوشی سے رو دی۔ خالہ نے گلے سے لگایا اور  
کچھ کہانے پینے کی تاکید کی کیونکہ جب سے دعا گئی  
تھی اس نے ذہننگ سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

”ارے جاگ گئیں، السلام علیکم۔“ صبانے  
حسب معمول سلام سے ابتدا کی۔ ”چلو پہلے جلدی،  
جلدی واش روم جا کر برش کرتے ہیں پھر مزے۔ سے  
دودھ کے ساتھ ناشتا بھی کریں گے۔ کیوں ٹھیک ہے  
ناں.....“ صبانے جلدی، جلدی فیاض کا ناشتا ٹیبل پر  
لگایا اور اسے ناشتا کا کہہ کے خود ندا کے ساتھ اپنے  
کمرے کی جانب بڑھ گئی جہاں سے چھوٹی انم کے  
رونے کی آواز آرہی تھی۔ اتنے دنوں میں صبانے  
بہلا، پھسلا کر بچیوں کو اپنے پاس سلاتا شروع کر دیا  
تھا۔ ویسے بھی دعا کے چڑچڑے پن کی وجہ سے  
بچیاں اس سے ڈری سہی رہتی تھیں۔ اس لیے خالہ کی  
محبت اور توجہ پا کر اس کی جانب بڑھنے میں دیر  
نہیں لگی اور وہ صبا کے آگے پیچھے کھوٹے لگیں۔

☆☆☆

”فیاض میرا خیال ہے آج آپ گھر چلے  
جائیں کیونکہ میری طبیعت بھی اب ٹھیک ہے اور مجھے  
گھر اور بچیوں کی فکر ہو رہی ہے۔ ویسے تو صبا موجود  
ہے مگر بچیاں آپ کو یاد کر رہی ہوں گی۔ پہلے مجھوری  
تھی مگر اب اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ہوں تو آپ گھر  
جائیں۔ دو ایک دن میں میں بھی آ جاؤں گی آپ کل  
صبا اور بچیوں کو لے کر آجائے گا۔ مجھے بھی ان کی  
بہت یاد آرہی ہے اور آپ گھر جا کر ریٹ کر لیں  
گے تو ممکن بھی اتر جائے گی۔“

☆☆☆  
”صبا، صبا.....“ دعا کی ورو میں ڈوبی آواز  
جیسے ہی صبا کے کانوں میں بڑی وہ دوڑتی ہوئی اس  
کے کمرے کی طرف گئی۔ اس کی حالت اور چہرہ دیکھ  
کر اس کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

”ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو..... ممکن اور نیند  
پوری نہ ہونے کی وجہ سے دماغ ماؤف سا ہو رہا ہے۔  
گھر جا کر آرام کروں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔ اچھا  
اب میں چلتا ہوں..... اپنا خیال رکھنا۔“ فیاض نے  
محبت سے دعا کا ہاتھ دبا کر تاکید کی اور اللہ حافظ کہتا  
ہوا چلا گیا۔

”صبا جلدی کرو فیاض کو فون کرو اور انہیں  
ایسولینس کا بھی کہنا۔“ دعا نے تکلیف برداشت  
کرتے ہوئے کہا اور یوں دعا ایک نئی زندگی کو دنیا  
میں لانے کے لیے اسپتال پہنچ گئی۔

☆☆☆

”صبا، صبا۔“ پڑوس سے خالہ گھبرائی ہوئی گھر  
میں داخل ہوئیں۔

☆☆☆  
”خالہ جان دعا کریں..... دعا آنی خیریت  
سے.....“ اس سے آگے صبا سے بولا نہیں گیا اور وہ  
بے تحاشا رونے لگی۔

”کیا ہوا خالہ..... سب خیریت تو ہے؟“  
”خدا کرے سب خیریت ہو۔“ خالہ روہانے پہنچے میں  
ہوگی۔ میں بھی دعا کر رہی ہوں تم بھی دعا کرو انشاء اللہ

”نہ بیٹے ایسے نہیں روتے، اللہ سب خیر کرے  
گا۔ انشاء اللہ ادیکھو بچیاں دیکھیں گی تو پریشان  
ہوگی۔ میں بھی دعا کر رہی ہوں تم بھی دعا کرو انشاء اللہ

ماہنامہ پاکیزہ، مارچ 2015ء



### مہبت

محبت اس سے ہوتی ہے جس کی خامیاں بھی اچھی لگیں اور شادی اس سے جس کی خرابیاں اچھی لگیں۔ محبت انسان ہمیشہ اپنے جیسے سے کرتا ہے۔ یعنی جو بری عورت سے محبت کرتا ہے وہ اچھا آدمی نہیں ہو سکتا۔ جو برے آدمی سے محبت کرتی ہے وہ ماں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

کہتے ہیں محبت اس سے ہوتی ہے جو خوب صورت ہو، حالانکہ خوب صورت وہ ہوتا ہے جس سے محبت ہو۔

میرا دوست (ف) کہتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے، اس کی محبوبہ کو دیکھ کر تو اس کی بات کا یقین آ جاتا ہے۔

مرسلہ: یا سبھن اقبال، سنگھ پورہ لاہور

نظریں چرا کر باری، باری دونوں بچیوں کو اپنے کمرے میں لاسلایا۔ لائٹ بند کرنے اور صبا کو چادر اوڑھانے کے خیال سے جب دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو نہ چاہتے ہوئے بھی سوئی صبا کو دیکھنے لگا..... اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ رات تنہائی، مہینوں کی تھکن اور ٹینشن نے نجات کے لیے ایک ایسا راستہ اپنا لیا کہ ایک شریف، مہذب، پڑھا لکھا اور اتنا قریبی رشتہ رکھنے والا شخص انسان کے رتبے سے ایسے گرا کہ خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہ رہا۔ صبا کو تو اس ناقابل یقین صورت حال سے ایسا شاک پہنچا کہ وہ سکتے کی کیفیت سے نکل ہی نہیں پائی۔

”آف یہ میں نے کیا کر دیا۔“ اب فیاض اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے آپ کو ایک گرا ہوا انسان سمجھ رہا تھا کہ نہ جانے وہ کون سا ایسا کمزور لہو تھا جس کی زد

وہاں جارہی ہوں، واپسی کا کچھ پتا نہیں..... ویسے تو فیاض آج رات آنے کا کہہ کر گیا ہے مگر وہ نہ آئے تو تم براہ سے سیکنہ کو بلا لیتا۔ اکیلی پریشان مت ہونا.....“

”نہیں..... نہیں آپ اطمینان سے جائیں۔ میری فکر بالکل نہ کریں، میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی!“

صبا نے انہیں سلی کے ساتھ اطمینان دلایا تھا۔ خالہ جیسے آئی تھیں اگلے پھروں واپس لوٹ گئیں۔

☆☆☆

خالہ کے جانے کے بعد صبا گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی اور دن بھر کی مصروفیت کے بعد رات کو تھک ہار کر بچیوں کو سلا کر تمام دروازے کھڑکیاں چیک کر کے خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ فیاض بھائی کے آنے کی امید اتنی قوی تھی کہ اس نے سیکنہ خالہ کو بھی آنے کا نہیں کہا۔ دوسرے اس نے سوچا کہ اگر فیاض بھائی نہیں بھی آئیں گے تو وہ اکیلی ہی رہ جائے گی۔ مگر بھی سب طرف سے محفوظ ہے فکر کی کوئی بات نہیں۔ دوسرے وہ اتنی پریشانی، تھکن اور رت جگنو کے بعد کچھ بے فکری سے اپنی نیند سونا چاہتی تھی۔ فیاض اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوا تو ایک جامہ ستائے نے اس کا استقبال کیا..... رات ایک بجے کا وقت تھا۔ وہ بھی کسی کو بے آرام نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھا..... مگر بچیوں کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش کو رو نہیں کر پایا تو دبے پاؤں صبا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں خالہ کی غیر موجودگی محسوس کر کے حیران تو ہوا مگر اب صرف یہ پوچھنے کے لیے تو نہیں چکا سکتا تھا۔ اس لیے صرف سوچ کر رہ گیا۔ دونوں بچیاں صبا کے دائیں، بائیں سو رہی تھیں۔

☆☆☆

فیاض تین دن سے بچیوں سے دور تھا۔ اچانک انہیں اپنے ساتھ ملانے کی خواہش جاگی تو صبا سے

سے وہ بچ نہیں سکا تھا، اور وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ بہت عداوت اور شرمندگی محسوس کر رہا تھا..... اور اسی عداوت، شرمندگی اور خوف کے زیر اثر وہ صبح ہی صبح نہ جانے کہاں چلا گیا تھا اور صبا اپنے بکھرے وجود، کھلی آنکھوں اور خالی الذہنی سے نہ جانے کب سے لیٹی چھت کو نکلے جا رہی تھی۔ اس میں تو روئے نہ کا بھی حوصلہ نہیں تھا۔ آنسو جیسے جم گئے تھے کہ اچانک عدا کی آواز سے واپس حال میں کھینچ لائی۔

”آئی اٹھو..... پایا بھی نہیں ہیں اور آپ بھی سو رہی ہیں۔ ہمیں بھوک لگی ہے۔“

”جلدی اٹھو، مجھے دودھ۔“ انم اپنی تو تلی زبان میں بولی۔ صبا بچیوں کی خاطر اپنے حواس مجتمع کر کے اٹھ بیٹھی۔ ابھی تو وہ اپنی بربادی پر ماتم کناں بھی نہیں ہوئی تھی۔ کوئی داد فریاد بھی نہیں کی تھی۔ کسی اپنے سے لپٹ کر روئی بھی نہیں تھی کہ ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی اور پھر وہ اس بری طرح ٹوٹ کر روئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں تو آنکھیں دل بھی رو دیے۔ اسی قیامت کی رات کی صبح اچانک دعا کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا اور وہ بغیر کسی سے کچھ کہے سنے ہی سب سے منہ موڑ گئی۔ اطلاع ملنے ہی والدین بھی پہنچ گئے اور انہیں دیکھ کر صبا اپنی بربادی اور بہن کی المناک موت پر اس طرح روئی کہ مانو حواس ہی کھو بیٹھی۔

☆☆☆

آج دعا کو گزرے دسواں دن تھا۔ گھر میں صبا، ارجمند بانو، افضل احمد، فیاض اور عینوں بچیاں تھیں۔ رشتے دار کوئی تھے نہیں۔ ملنے ملانے والے دوست احباب اسی وقت آئے تھے جن کو بعد میں اطلاع ملی وہ ان دس دنوں میں تعزیت کے لیے آچکے تھے اور اب تو روٹین لائف شروع ہو گئی تھی۔ فیاض آفس جانا شروع ہو گیا تھا اور آفس سے آنے کے بعد زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتا تھا اور وہیں بچیوں کے ساتھ مصروف رہتا تھا۔ جس

114 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

کی وجہ سے صبا سے بھی بہت کم سامنا ہوتا تھا۔ صبا خود دل پر پتھر رکھے گھر کے کام اور دوصوم بچیوں اور دس دن کی ننھی سی جان کی دیکھ بھال میں اتنی مصروف رہتی تھی کہ اپنے اوپر گزرا سا نچہ ایک خواب محسوس ہوتا تھا مگر حقیقت کوئی بدل نہیں سکتا تھا۔ صبا تو اب تک اپنی بربادی کی داستان اپنی ماں کو بھی نہیں بتا پائی تھی۔ قیامت و قیامت نے ایسی قیامت مچائی کہ کچھ بتانے کا یارا بھی نہیں رہا۔

ازہرہ ارجمند بانو بچیوں کی صبا سے انیسیت، لگاؤ اور صبا کی پُر ظلمت محبت اور خیال دیکھ کر کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

صبا ننھی ماہم کو فیڈر سے دودھ پلا رہی تھی تو ارجمند بانو اس کی حالت سے بے خبر اس کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھیں اور گویا ہوں۔

”میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اب کیا کریں۔ ہمیں بھی اب واپس جانا ہے۔ یہاں گھر اور بچیوں کو دیکھنے والا کوئی بھی نہیں اور ہم بچیوں کو اپنے ساتھ بھی نہیں لے جاسکتے کیونکہ بچیاں باپ سے بہت مانوس ہیں۔ ماں کی محبت سے تو ویسے ہی محروم ہو گئی ہیں اب اس طرح باپ کی شفقت اور سائے سے بھی محروم ہو جائیں گی۔“

صبا نے سب کچھ سنا مگر بولی کچھ نہیں۔ ارجمند بانو نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر بولیں۔

”میں یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر فیاض گھر اور بچیوں کی خاطر دوسری شادی کرتا ہے تو آنے والی گھر کو تو اپنا سمجھے گی مگر بچیوں کو نہیں..... یہ رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے۔ میرا تو بچیوں کا سوچ، سوچ کر دل پھنا جا رہا ہے۔ بیٹی کا نم کیا کم ہے، جو ان مصوموں کا خیال الگ مارے جا رہا ہے۔“

صبا اب بھی خاموش رہی۔ اچانک انہوں نے اپنا ہاتھ صبا کے ہاتھ پر رکھا اور بولیں۔

طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ ایسی صورت میں اس کی زندگی تو برباد ہو ہی جاتی تھی۔ کیا ایسے جرم کی کوئی معافی ہو سکتی تھی۔ دونوں اپنی، اپنی جگہ ان ہی سوچوں اور الجھنوں میں گرفتار ایک دوسرے سے نظریں چرائے زندگی گزارنے کے لیے کوئی درمیانی راستہ تلاش کر ہی رہے تھے کہ اچانک ایک اور طوفان نے ان کی زندگیوں کا نظام ایک مرتبہ پھر درہم برہم کر دیا۔

فیاض، ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ بیٹیاں ماں کے بعد باپ سے بھی محروم ہو گئیں اور صبا کے حصے میں اپنے اوپر ہونے والی بربادی کے بعد ایک ہونٹا گھر پر سکون سناٹا آیا تھا۔

☆☆☆

صبا کے والد ریٹائرڈ ہو چکے تھے..... اور دونوں طرف اللہ کے فضل سے مالی پریشانی کوئی نہیں تھی اس لیے صبا نے امی، ابا کے مشورے سے ایک نئی جگہ پر گھر لے کر والدین کے ساتھ تین بچیوں کی بیوہ ماں کی حیثیت سے نئی زندگی کا آغاز کر دیا تھا۔

دیکھتے، دیکھتے بچیاں جوان ہو گئیں اور صبا کے والدین یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ صبا بچیوں کے ساتھ ٹرڈ کار بیوہ کی زندگی گزار رہی تھی۔ رشتے دار نہ ہونے کی وجہ سے اس نئی جگہ پر لوگ تو لوگ.... خود ان تینوں لڑکیوں کو بھی صبا کی پچھلی زندگی کی اصل حقیقت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ وہ تو فقط یہ جانتی تھیں کہ ہمارے والد ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے تھے اور ہم اپنے نانا، نانی کے پاس اپنی ماں کے ساتھ رہتے تھے۔ جن کا انتقال ان کے سمجھدار ہونے پر ہوا تھا۔

یہی وہ حالات اور واقعات تھے جن کی وجہ سے صبا بیگم بچیوں کے معاملے میں اتنی احتیاط پسند اور چوکئی ہو گئی تھیں کہ آج بچیاں ان سے برا بیچتے تھیں اور نہ جانے کیا، کیا سوچ رہی تھیں۔ آج بھی ماضی جیسی صورت حال آپڑی تھی۔ انہم اور ماہم سے بڑی

115 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015

”تم بن جاؤ ان کی ماں بیٹی۔“ صبا نے اختیار نظریں اٹھانے پر مجبور ہوئی..... ٹرڈی پھر بھی کچھ نہیں۔ ”میری مری بیٹی اور تمہاری سرجوہ بہن کی نشانیاں ہیں..... بڑل جائیں گی..... ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ صرف دل ہی دکھاتے رہیں گے۔ بڑھاپے میں یہ دن بھی دیکھنا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ کچھ ایسی بے بسی سے روئیں کہ صبا انہیں گلے لگا کر خود بھی رو پڑی۔

☆☆☆

صبا نے فیصلہ کرنے میں زیادہ دن نہیں لگائے، یوں، جہلم کے فوراً بعد صبا کا نکاح فیاض سے سادگی سے کر کے ارجمند بانو اور افضل احمد اپنے گھر سدا حارے۔ صبا نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس فیصلے کی پہلی وجہ تو صرف اور صرف بچیوں کی آئندہ زندگی اور ان سے صبا کا لگاؤ اور محبت تھی اور دوسری وجہ خود صبا تھی۔ کیونکہ ابھی نہیں یا یہاں نہیں تو کہیں نہ کہیں شادی تو اسے کرنی پڑتی۔ اور یہ وہ جانتی تھی کہ اس حقیقت سے آگاہ ہونے پر کوئی اسے کیسے قبول کرے گا اور کسی کو دھوکا دینے کے وہ حق میں نہیں تھی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ وہ اسی کے حق میں فیصلہ دے، دے جو خود ہی قصور بھی ہو، دوسرے اگر کسی نے کوئی جرم یا گناہ کیا ہو تو اس کو اس کی سزا تو ملنی چاہیے ناں..... اور یہ سزا صبا نے اپنے مجرم کے لیے خود بخوبی کی تھی۔

شادی کو ہفتہ ہو چلا تھا مگر ابھی تک صبا اور فیاض ندی کے دو کناروں کی طرح چل رہے تھے۔ فیاض جرم اور شرمندگی کی وجہ سے صبا سے سامنا کرنے سے کترار ہا تھا۔ صبح ہی صبح آفس چلے جانا اور رات گئے گھر لوٹنا..... رادھر صبا بھی نکاح جیسے پاکیزہ بندھن میں بندھنے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو کسی طرح بھی اس کی جانب مائل نہیں کر پار ہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ یہ بندھن تو دعا کی موت کی صورت میں بحالت مجبوری بندھا ہے۔ اگر دعا زندہ ہوتی تو یہ رشتہ کسی

پر پتھر رکھ کر ماضی کے سطر پر روانہ ہو گئیں اور جب یہ سطر تمام ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ دونوں بیٹیاں حیرت اور شاک کی کیفیت میں اٹھیں تک رہی ہیں۔ دونوں کو گزری زندگی کی دھندلی، دھندلی باتیں یاد آرہی تھیں۔ خالہ کی محبت، ان کا خیال، ان کی فکر مگر باپ کے حوالے سے کوئی ایسی بات یاد نہیں آرہی تھی جس سے ان کے جذبات کا اندازہ ہوتا۔ صبا نے ہمیشہ ہی عزت و احترام کے ساتھ فیاض کا ذکر کیا کیونکہ کم عمری کی وجہ سے لڑکیوں کو تو اپنے والد یا دبی نہیں تھے۔ کجا کہ ان کی ہاتھیں..... اس کے ساتھ ہی اس بات کا انکشاف کہ وہ ان کی اصل ماں نہیں بلکہ خالہ ہیں۔ اس کے باوجود کئی ماؤں سے بڑھ کر انہیں ان کی چاہت ملی..... یہ سب جان کر اور محسوس کر کے لڑکیوں کے دل میں ان کی محبت اور احترام کئی گنا بڑھ گیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے لپٹ کر اور یہ کہہ کر "امی ہمیں معاف کر دیں۔" اس بری طرح روئیں کہ صبا بیگم کو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

آخر کار جب جذبات کا طوفان تھا تو انہم یوں گویا ہوئی۔

"امی آپ کی روک ٹوک بجا..... اچھا کیا آپ نے ہمیں بتا دیا۔ اس میں ہمارے لیے حقیقت سے آگئی بھی ہے اور آئندہ زندگی کے لیے نہ صرف ہمارے لیے بلکہ ہر ماں کے لیے ایک سبق ہے کہ بیٹیوں کے معاملے میں والدین خصوصاً ماں کو ہمیشہ چوکنا اور احتیاط پسند ہونا چاہیے ورنہ کوئی بھی صبا کی بھی وقت کہیں بھی زندہ درگور ہو سکتی ہے۔ ہم نہیں جائیں گے بس آپ ندا آئی کو اصرار کر کے نہیں بلوائیں۔" یہ کہہ کر دونوں لڑکیوں نے ماں کا ایک ایک ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر چوم لیا اور صبا بیگم نے اطمینان سے آنکھیں موند کر دونوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔



ندا جس کی انہوں نے شادی کر دی تھی۔ ڈیلوری کے مرحلے میں تھی اور اس نے انہم یا باہم میں سے کسی ایک کو اپنے گھر رہنے کے لیے کہا تھا۔ جسے سن کر ایک بار پھر۔۔۔ ماضی کی کتاب اپنی پوری جزئیات کے ساتھ صبا بیگم کے سامنے کھل گئی تھی۔ اور بچیوں کے تحفظ کی خاطر اب وہ اس کے ورق ان کے سامنے اٹھنے پر مجبور تھیں۔ انہیں سب کچھ بتانا ضروری ہو گیا تھا۔ چاہے ان کا ماضی بے نقاب ہو جائے انہیں پروا نہیں تھی۔ وہ تو یہ چاہتی تھیں کہ ان کا دل ماں کی طرف سے صاف ہو جائے اور وہ بھی ان کی احتیاط پسندی اور روک ٹوک کی اصل وجہ جان سکیں۔ صبا بیگم نے کمرے میں جھانکا تو انہم، ماہم بیڈ پر پاؤں لٹکائے منہ منائے بیٹھی نظر آئیں۔ شاید ان کے آنے سے پہلے کچھ بات کر رہی تھیں۔ صبا بیگم دونوں کے درمیان آئیں اور اچانک ضبط کھو کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دیں۔ دونوں بیٹیاں ناراض ہونے کے باوجود سب کچھ بھول کر پریشان ہو گئیں۔ اور انہیں چپ کرانے اور تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں۔ ماہم دوڑ کر پانی لے آئی۔ رونے اور پانی پینے سے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ گویا ہوئیں۔

"تم دونوں مجھے کیا سمجھتی ہو؟"

"ماں اور کیا.....؟" دونوں ایک ساتھ بولیں۔

"وہ تو میں ہوں مگر ایک ظالم اور سخت دل ماں..... کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں.....؟"

"نہیں، نہیں بالکل نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں، ہم ایسا نہیں سمجھتے، وہ تو ویسے ہی۔" دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا وضاحت کریں۔

"اچھا ٹھیک ہے مگر آج میں تمہیں ایک حقیقت بتاتی ہوں۔ غور سے سننا اور پھر اپنی ماں کے بارے میں فیصلہ کرنا کہ وہ روک ٹوک اور سختی کرنے میں کتنی حق بجانب ہے۔"

پھر انہوں نے دونوں لڑکیوں کا ہاتھ تھا ماں اور دل



## ماتیر سحر کے نام

سحرش فاطمہ

”یہ تم نہیں ہو سکتیں۔“ کہیں سے اسے  
آواز آئی۔

”تم نے ایسا کیا بھی کیسے؟“ اس آواز پہ جو وہ  
سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی، سر اٹھایا۔ آنسوؤں سے  
کامل بہہ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ خوش مزاج، چلبلی سی لڑکی، معصوم چہرے  
والی..... جو بھی اسے دیکھتا تعریف کیے بغیر نہیں رہ

117 ماہنامہ ہما کیروزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

جاتی، اس نے تصویریں مانگیں، میں نے بے دلی سے  
پر..... "حرمیت خاموش ہو گئی۔

"پھر کیا.....؟" چند لمحوں کے بعد پھر آواز  
آئی۔ حرمیت نے گہری سانس لی۔

"اس کی باتوں میں، آواز میں، اداؤں میں  
ایسی گم ہوئی کہ ہوش ہی نہیں رہا کہ میں کچھ غلط کر رہی  
ہوں۔ کسی نے میری تصویریں انٹرنیٹ پر ڈال  
دیں۔" حرمیت نے افسوس سے سر جھکا لیا۔

"زما۔ نے بھر میں مجھے رسوا کر دیا۔" اس نے  
سسکی بھری۔

"کسی نے..... کیا مطلب تمہارا؟" آواز  
نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی اس نے یا کسی اور نے یہ کام  
کیا ہے لیکن کیا ہے..... شک کسی ایک پر نہیں کر سکتی۔  
اور گرد لوگ بھی تو ہوتے ہیں....." حرمیت خیالوں  
میں گم جواب دے رہی تھی۔

"تمہاری کیا غلطی اس میں سیہ تو اس نے کیا تھا نا۔"  
"اس کا جتنا ظرف تھا اس نے کیا..... لیکن

میں کیسے بہک گئی؟"  
"تم بہکی نہیں بہکائی گئی تھیں۔"

"جو بھی تھا، غلطی میری ہی تھی۔ میں نے اتنا  
بھروسا کیا اس پر اور اس نے....." حرمیت نے پھر  
ردنا شروع کر دیا۔

"اب کیا زندگی بھر ایسے ہی رہو گی؟ اللہ سے  
معافی مانگو اور توبہ کرو اور وعدہ کرو پھر ایسا کچھ  
نہیں کرو گی۔ پھر سے اچھی لڑکی بن جانا۔ یہ کوئی  
مشکل کام تو نہیں ہے نا....."

"مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا..... یہ دنیا والے  
مجھے گندی نظروں سے دیکھتے ہیں، اب بھی بہت کچھ  
کہتے ہیں۔ مجھ میں ہمت نہیں۔" حرمیت نے پھر  
اٹھنے کی کوشش کی اور چلتے، چلتے کھڑکی کی طرف آئی۔

پٹ کھولنے لگی کہ ایک دم ہوا اس کے چہرے پر لگی۔

پاتا۔ فریبی ہاتھ جسامت میں بھی اس کی خوب صورتی  
غضب کی تھی۔ آواز میں ایسا اورج اور ٹھہراؤ کہ سننے والا  
اس کی آواز کا دیوانہ ہو جاتا۔ جھیل جیسی گہری آنکھوں  
میں بلا کی شرارت اور ذہانت جھلکتی اور سب سے بڑھ  
کر ہر ایک کا خیال رکھتا، سب سے پیار کرنا یہی خوبی  
اس کو سب میں ممتاز کرتی تھی لیکن اس کے ساتھ ایسا  
ہوا کیا کہ اس کی یہی خوبی اس کے لیے آزار بن  
گئی۔ لوگ اس سے دور ہوتے چلے گئے۔

☆☆☆

کمرے میں بند وہ اپنے ہال کوچ رہی تھی۔  
اسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی۔ وہ اپنے کیے کی  
سزا چاہ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا یہ تو میں وقت سوچتا جا رہے تھا اب  
کیوں منہ چھپانے کمرے میں بیٹھی ہو؟" کوئی بولا تھا۔  
اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑا اور اٹھنے کی  
کوشش کی۔

"جب کر لیا سب کچھ تو یوں بیٹھنے کا  
فائدہ.....؟" پھر وہی آواز آئی۔

"م..... میں نے کچھ..... کچھ نہیں کیا....."  
حرمیت نے اس آواز کو جواب دیا۔

"جب تمہیں لگتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا تو پھر  
کیوں منہ چھپا رہی ہو، نکلو کمرے سے باہر سامنا کرو  
سب کا۔" اب کی بار آواز نے اسے حوصلہ دیا۔

"میں اچھی لڑکی نہیں رہی، میں نے..... میں  
نے اپنی عزت، حرمیت نے دونوں ہاتھوں سے اپنا  
چہرہ چھپا لیا اور رونے لگی۔

"کیا کر لیا ہے ایسا..... بتاؤ تو پتا آواز نے  
پھر اس سے پوچھا۔

"میں نے پیار کیا تھا۔" حرمیت نے آہ بھر کے کہا۔  
"ہا ہا ہا....." کہیں سے ہنسی کی آواز گونجی۔

"وہ جیسا کہتا گیا، میں کرتی گئی۔ وہ مجھ سے  
پیار جاتا، میں اس کی آواز میں، اس کے سحر میں کھو

118 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

### مسکراہٹ بیگم

بی بی اور بی بی میں یہ فرق ہے کئی وی کی نشریات کے محدود اوقات ہیں جبکہ بی بی کے معاملے میں یہ سب آپ کی اوقات تک محدود ہے لیکن بی بی بی بی وی ایک تو بی بی اور بی بی وی گویا بہت ہی بی بی وی..... گزشتہ دنوں بی بی بی نے بڑی بی بی بات کی، اس نے ایک ایسا پروگرام نشر کیا جسے دیکھ کر ہم ابھی تک مسکرا رہے ہیں۔ یہ پروگرام نامی گرامی گلوکارہ مس سیٹھی کا تھا۔ یہاں گرامی سے مراد گراموں میں موصوف کا وزنی ہونا نہیں، اگر وہ دیکھنے میں ہماری ایک اداکارہ سے ملتی ہیں جنہیں ایک صحافی نے موصوف کہا تو تباہ ہو گئیں کہ اس نے ہمیں منہ صوف کہا۔ بہر حال اس انٹرویو میں مس سیٹھی نے کہا ہے کہ مجھے ہزاروں نوجوانوں کے والدین نے شادی کی درخواستیں دی ہیں۔ میں آسمندہ ماہ ایک تقریب میں سب کو مدعو کروں گی جہاں جو زیادہ دیر تک مسکرائے گا اس سے شادی کروں گی۔

بی بی بی بی کی اس بی بی کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر ہزاروں نوجوانوں کے والدین نے ہی موصوف کو شادی کی درخواستیں کیوں دیں، نوجوانوں نے کوشش کیوں نہیں کی..... ہو سکتا ہے محترمہ نے مسکراہٹ کی یہ شرط رکھی ہی اس لیے ہو کہ شادی شدہ اور والدین قسم کے لوگوں کی چھانٹی ہوئے کیونکہ شادی شدہ کو اتنا مسکرانے کی عادت نہیں ہوتی۔ شادی کے بعد تو یہ حال ہوتا ہے کہ کسی نے ایک شخص سے پوچھا۔ ”آپ شادی شدہ ہیں؟“ تو اس نے کہا ”نہیں، دراصل میری ابھی، ابھی کارچوری ہوئی ہے اس لیے آپ کو لگ رہا ہوگا۔“

اقباس از مزاحیات

حریر: ڈاکٹر یونس بٹ، مرسلہ: فضلہ، تول، بارہ کھو

”دیکھو تمہیں سامنا تو کرنا ہوگا دنیا کا..... میں تمہارے ساتھ ہوں، تم گھبراؤ نہیں..... میں تمہارے اندر موجود ہوں، تمہیں ہر دم حوصلہ دینے کے لیے..... اور دنیا کا کیا ہے وہ تو بولتی ہے اور بولتی رہے گی! اصل تو اللہ ہے ناں! اس سے معافی مانگنا، توبہ کرنا خود کو بہ نصاب ہے اصل بات۔ باقی دنیا سے کیا لینا دینا؟“

حزمت نے کچھ دیر کو اپنی آنکھیں بند کیں اور کچھ سوچنے لگی۔

”مگر اس دنیا کی نظریں مجھے گھوریں گی ان کا کیا کروں گی؟“ اس نے گھبرا کر ایک دم آنکھیں کھول لیں۔

”کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ اور اللہ بھی تو ہے۔“

”تم تو رہتے ہی دو، تم نے ہی سوال جواب کر کے مجھے اتنا ڈرا دیا ہے تم نے ہی عدالت لگائی۔“

حزمت نے گردن جھکا کے کہا۔

”یہ تو اچھا ہونا، تمہارے ضمیر کی عدالت پہلے لگ گئی۔ تم اس کے کہ دنیا کی عدالت میں تمہیں پٹن ہونا پڑتا..... چلو اٹھو وضو کرو، نماز پڑھو اور اپنے رب سے رو، رو کر معافی مانگو۔“

یہ آواز اس کے اندر کی تھی، اس کے اپنے ضمیر کی آواز جس نے ہر اچھے کام میں اس کا ساتھ دیا تھا لیکن اب سمجھانا بھی اس کا ہی فرض تھا۔ اور سچ بات تو یہی ہے کہ ہم دنیا کے ڈر سے ہر ظلم چپ کر کے سہہ لیتے ہیں۔ غلطی تو انسان سے ہی ہوتی ہے..... پر وہ ذات جو حضور رحیم ہے، ہماری توبہ قبول کرنے والا ہے اور ہم دنیا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس ذات واحد سے رجوع نہیں کرتے، اس سے معافی نہیں پانتے۔

حزمت کے ضمیر نے اس کا سچا ساٹھی بن کر اس کا حوصلہ بڑھایا اس لیے کہ انسان تو ہے ہی خطا کا پتلا۔ وہ خطا کر کے ہی سیکھتا ہے مگر جس کا ضمیر زندہ ہو۔ وہی خود احتسابی کے عمل سے بھی گزرتا ہے۔





منی ناول

جنگل کی کاپھولانی

راہدہ پروین



ساتواں حصہ

بنتی کہتے ہیں۔ "اس نے پیاری سی مسکراہٹ لبوں پر  
سجائے سجائے جواب دیا۔  
"جیتی رہو بیٹی۔ ڈاڈی اماں نے اس کی دیوالی  
کے چراغوں کی طرح لودیتی آنکھوں کی طرف دیکھتے

"کیا نام ہے بیٹی تمہارا؟" جب وہ اپنا سٹی  
پوری طرح یاد کر چکی تو دادکا اماں نے پوچھا۔  
"بنت کور..... بنت کور میرا پورا نام ہے  
بڑی ماں جی..... ویسے پیار سے سب لوگ مجھے صرف

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء 120

Copied From Web





Copied from web



ہوئے اسے دعا دی۔ جس روز سے پڑھنے آئی تھی انہیں یہ سالوں سلونی مگر شوخ، جنجیل لڑکی بہت بھلی معلوم ہوئی تھی۔ جیسے ہی ان کے گھر میں داخل ہوئی، اس کی شوخ و شریر مسکراہٹوں اور کھٹی کھٹی باتوں کی آوازوں سے آنگن بھرا بھرا لگتا تھا۔ اس وقت بھی وہ برآمدے میں بیٹھی شرمین کا دیا ہوا سبق یاد کر رہی تھی۔ دادی اماں قریب ہی بیٹھی بیٹھی پڑھ رہی تھیں اور پیاری بوا ترکاری بنا رہی تھیں اور ان کی باتیں دلچسپی سے سن بھی رہی تھیں۔

اسی وقت شرمین دوبارہ برآمدے میں آئی اور بستی کا سبق سننے لگی جو اس نے فراموش کر دیا۔

”چلو آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اب تمہیں اجازت ہے کہ دادی اماں سے باتیں کرتی رہو۔ کل سے انشاء اللہ تمہیں لکھنے کی مشق بھی شروع کروادیں گے۔“

”شمن دیدی.....؟“ بستی اسے اٹھے دیکھ کر جلدی سے بولی۔ ”لکھنے کے لیے جتنی لاؤں؟ سلیٹ لاؤں یا کاپی پتھل لاؤں؟“ شرمین بے ساختہ ہنس دی۔

”ایک تو تم نے میرے نام کو ایک دلچپ شکل دے دی ہے دوسرے پھر سوالات بھی تم اتنے ہی دلچپ کر رہی ہو، بھی تمہیں کھل کر بتائے دے رہی ہوں کہ تمہیں صرف پڑھنے سے مطلب ہے، سلیٹ کاپی سب میری ڈتے داری ہے۔“

”جی بہت اچھا شمن دیدی۔“ اس نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

شرمین ٹوشن کے بچوں کی طرف چلی گئی اور بستی نے اچانک دادی اماں کے چروہانے شروع کر دیے۔

”ارے..... ارے..... انہوں نے میرے چھوڑنے کے لیے اصرار کیا۔“ ایسے مت کرو بیٹی..... مت دباؤ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ مگر وہ نہ مانی، لجاجت سے کہنے لگی۔

”مجھے اس خدمت سے مت روکیں ماں

جی..... میں وہاں گاؤں میں اپنی دادی ماں کے روز پاؤں دانتی تھی۔ عادت پڑی ہوئی ہے جس دن سے یہاں آئی ہوں، کسی صورت جین ہی نہیں آرہا.....“

”اے بیگم..... اداب لینے دیں..... بیچاری کو جین سکون مل جائے گا۔“ پیاری بوا اس کی سٹارش میں بولیں۔

دادی اماں کی بے لوث محبت اور جذبہ دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

لڑکی اچھی خاصی تقریباً شرمین کی ہم عمر تھی مگر بہت بھولی سی، سادہ لوح سی..... اس نے اپنا بیٹ بھرے رویتے سے سب کے من موہ لیے تھے۔ ہندو ہونے کے باوجود کسی پودت چھات کی قائل نہیں تھی۔ دادی اماں جس چیز کو پوچھتیں، بخوشی کھاپی لیتی تھی۔ سارا دن اپنے گاؤں کے قصے کہانیاں سناتی رہتی پڑھ لینے کے بعد بھی وہ اکثر بیٹیں براجمان رہتی..... لہذا دادی اماں کا دل خوب اس سے لگا رہنے لگا۔

فارغ اوقات میں شرمین بھی اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر لیتی۔ بستی کے یہاں آنے جانے پر اس کی ماں روک ٹوک بھی نہ کرتی تھی۔ پڑوس میں ہی تو گھر تھا۔ یعنی خان صاحب کے کرائے دار.....

”تمہارا گاؤں کیسا ہے بستی اہم نے تو کبھی نہیں دیکھا گاؤں کیسا ہوتا ہے؟“ ایک روز شرمین نے اس سے پوچھا۔

”کیسی ہے ہماری بستی، کچھ مت پوچھو شمن دیدی..... یوں سمجھو پھولوں بھرا گلدستہ ہے۔“ وہ لہک کر بولی۔

”اللہ! کس قدر حسین اور خوش رنگ منظر ہوں گے وہاں کے، ہے نا؟“ شرمین نے حیرت اور اشتیاق سے آنکھیں میاڑ کر پوچھا۔

”بس دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، کسی روز میرے ساتھ چل کر دیکھو۔“ اس نے جھوم کر جواب دیا۔

”میں..... کہاں جاسکوں گی اتنی دور.....“

## جنگل کا پھول

نے کوئی زور زبردستی سے تو شہر آباد کیا نہیں ہے، اپنی خوشی، مرضی سے اور اپنی ضرورت کی خاطر آئے ہیں، پتائی کا نقصان پر نقصان ہو رہا تھا۔“

”نقصان کیوں ہو رہا تھا تمہارے پتائی کا؟“

شرمین نے چونک کر پوچھا۔

”اصل میں ہر سال اپنے کھیتوں پر جو ہم دھان اگاتے ہیں، اب کچھ مدت سے دھان کی وہ فصل پہلے جیسا منافع نہیں دے پارتی تھی۔ ہر دفعہ گھانا ہو جاتا ہے، پتائی کا من اس بات سے اچاٹ رہنے لگا تھا۔ انہیں وہم ہو گیا کہ وہاں پر ہمارے دیوتا ہم سے ناراض رہتے ہیں۔ اس نے ساوگی سے گروں ہلا کر جواب دیا۔“

”اور..... یہاں شہر میں؟“ شرمین نے خوش مذاقی کے انداز میں پوچھا۔

”یہاں شہر میں چڑے کی ایک بہت بڑی ٹیکری میں ہمارے ایک رشتے دار نے پتائی کو بہت اچھی نگہاں دلوانے کو کہا تو پتائی نے سارا حساب کتاب لگا کر ان کی بات مان لی کیونکہ اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے۔“

”لیکن..... میں نے سنا تھا کہ تم لوگ اپنی تعلیم کی وجہ سے شہر آ کر آ جاؤ ہوئے ہو، کیا ایسا نہیں ہے؟“

شرمین نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

”تم نے مجھے درمیان میں سے ٹوک دیا دیدی۔“ وہ اسی طرح باتیں کرتی تھی۔ کبھی آپ، کبھی تم..... کہنے لگی۔

”میری اگلی بات تو سنیں دھیان دے کر۔ یہ ایک بات تو ہوئی پتائی کے کام دھندے اور گھانے، منافع کی..... اب دوسری بات سنیں..... یہاں شہر میں اشوک بھیا ڈاکٹری کی پڑھائی پڑھ رہے ہیں نا، اس کارن انہیں یورڈنگ میں رہنا پڑ رہا تھا، پتائی ان کی طرف سے بہت کھوج اور نگر میں رہا کرتے تھے۔ لہذا ہمارے یہاں شہر میں آ کر رہنے سے اشوک بھیا کو بھی گھریار کا سکہ چین مل گیا۔“

شرمین نے قدرے مایوسی سے کہا۔ بسنتی اس کی معلومات میں اضافہ کرنے لگی۔

”ہماری بسنتی خوب صورت اس لیے ہے شہرین دیدی کہ وہ ایک ہرے بھرے جنگل کے کنارے آباد ہے، جنگل میں اتنی پیاری ٹھنڈی، شہنشاہی ہوائیں چلتی ہیں۔ رنگ، رنگ کے پھول کھاتے ہیں، منوں پھولوں اور میوؤں کے چٹے ہیں، منھی منھی گھیریاں، چھوٹے، چھوٹے سرخ آنکھوں والے سفید اور کالے خرگوش اور اندر جنگل میں ہرن سے لے کر ہر قسم کے چھوٹے بڑے جانور ہیں۔ پانی کی سنگتاتی عذاب ہے، عذاب پر بنا کڑیوں کا پل..... جب تیز ہواؤں کے چھوٹے چلتے ہیں تو لمبی، لمبی گھاس میں خوب لہریں اٹھتی ہیں اور اس پر اڑتی ہوئی رنگ برنگی تھلیاں، بھونزے اور جہاز جیسی ٹڈیاں.....“

شرمین آنکھیں حیرت سے دیکھے اس دیہاتی سی لڑکی کی بیان بازی سن رہی تھی مگر وہ ایک استغراق کے عالم میں یوں لے جا رہی تھی۔

”بسنتی کو راتم تو اندر سے پوری شاعرہ نکلیں کیا خوب منظر کشی کی ہے اپنے گاؤں کی.....“ جب وہ خاموش ہوئی تو شرمین نے اسے چھیڑا۔

”سچ کہتی ہوں، شہرین دیدی! اگر آپ وہاں ہوں تو آپ بھی ایسی ہی باتیں کرنے لگو..... وہ جگہ ہی ایسی سندر، سندر ہے۔ وہاں کے چمندر پرند بھگوان کے گیت گاتے ہیں جیسے سویرے، سویرے پاہر نکلو تو ساری قضاؤں میں منھی منھی چڑیوں، طوطوں، کوؤں، کبوتروں، میناؤں اور رنگ، رنگ کے پرندوں کی بہاریں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، دور جنگل سے فاختاؤں کی پکاریں جیسے من میں اترتی چلی جاتی ہیں۔“ وہ مسکرائے بغیر جھجکی سے بولی۔

”پھر..... شہر تو تمہیں بالکل اچھا نہیں لگتا ہوگا؟“ شرمین نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

”جی ہاں یہ تو ہے.....“ بسنتی نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ”پر دیدی اول تو لگانا پڑتا ہے، ہم

کرنے کی؟“ شرمین نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔  
 ”اس کا بیاہ جو ہو گیا ہے شہین دیدی..... وہ  
 اپنے ساجن کو پیاری ہو چکی ہے۔ مجھے کم، کم ہی یاد  
 کرتی ہوگی۔“

”اوہ..... اچھا۔“ شرمین نے ایک گہری سانس  
 لے کر کہا۔

”تو ٹھیک ہے، سسرال میں اسے کم ہی تمہاری  
 یاد آتی ہوئی۔“

”لیکن..... رشیم بیاہ کے بعد کہیں دور قحوظی ہی  
 گئی ہے، وہیں بستہ ہے۔“ وہ ڈے قاصطے پر جنگل کے  
 کنارے ریٹ ہاؤس بنا ہوا ہے، اس میں رخصت  
 ہو کر گئی ہے، واصل..... رشیم کا بیاہ، جنگل بابو سے ہوا  
 ہے، وہ دنیا میں اکیلا ہے، اس لیے وہیں رہتا  
 ہے۔“ بستہ نے اس کی مطومات میں اضافہ کیا۔

”جنگل بابو؟ جنگل بابو..... کون؟“ شرمین نے  
 سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں پوچھا۔

”وہاں..... وہ پورے جنگل کا افسر  
 ہے۔“ بستہ نے بڑی دانشمندی سے بتایا۔

”شہزادوں کے جیسا حسین و جمیل..... اس نے  
 بڑی چاہت اور منت مراہوں سے یہ بیاہ کیا ہے۔  
 بہت..... بہت چاہتا ہے رشیم کو۔“ کہتے، کہتے وہ خود  
 ہی لجا گئی۔

”شہین دیدی..... رشیم میری اتنی پکی، پکی سکھی  
 سے مگر افسوس کہ میں آتے سے اس سے مل کر بھی نہ  
 آسکی۔ کیونکہ یہاں شہر میں پہلے پہل تو مانتا ہی آ کر  
 رہی تھیں، میں تو ایک دن اچانک آ گئی بھیا کے  
 ساتھ..... رشیم کو خبر بھی نہیں دے سکی۔ اب کسی دن  
 جاؤں گی واپس.....“

”ارے بیٹی! تمہاری پڑھائی ختم نہ  
 ہوئی؟“ اچانک ذکیہ خالہ ان کے سر پر  
 آ پہنچیں۔ ”تمہاری ماں بلا رہی ہے کہ آ کر پڑھیں،  
 نکل کر دو، جاؤ جلدی.....“ بستہ ہنستی ہوئی اٹھ کر چل  
 دی۔ خالہ، داہی ماں کے پاس آ بیٹھیں۔ آج وہ کسی

”چلو اچھا ہوا، خدا کا شکر ہے تم لوگوں کے  
 مسائل حل ہوئے، اب وہاں گاؤں میں تمہارے اور  
 بھی رشتے دار ہوں گے۔ تم لوگوں کا آنا جانا تو لگا ہی  
 رہے گا۔“ شرمین نے بھی اس کی تفصیلات سن کر چمن  
 کی سانس لے کر کہا۔

”جی ہاں جی.....“ وہ اداس ہی ہو کر بولی۔  
 ”میری دادی ماں، موسیٰ، ماموں، پو ابہت لوگ ہیں،  
 سبھی یاد آتے ہیں، پر ایک سکھی اسکا ہے جو بھولے  
 نہیں بھولتی۔“

”سکھی..... یعنی سیلی.....؟ کیا نام ہے اس کا؟“  
 شرمین نے دلچسپی لے کر دریافت کیا۔

”رشیم..... نام ہے اس کا..... سارے جگ  
 میں مجھے سب میں پیاری سب میں دلاری.....“ بستہ  
 نے اسی انداز میں جواب دیا۔

”رشیم.....“ شرمین نے متحیر ہو کر پوچھا۔  
 ”یعنی..... مسلمان ہے وہ؟ وہاں گاؤں میں  
 مسلمان بھی رہتے ہیں؟“

”ہاں شہین دیدی..... کیوں نہیں..... زیادہ تر  
 مسلمان ہی رہتے ہیں وہاں.....“ بستہ نے اسے  
 تفصیل بتانی شروع کر دیا۔

”بستہ میں مسلمانوں کی مسجد بھی ہے، ہم سب  
 لوگ بہت مل جل کر رہتے ہیں، ایک ہمارے رحمت  
 بابا ہیں، ان کی بیٹی ہے رشیم بی بی۔ پھول کلیوں جیسی  
 کول، کول اور نیاری..... ہم دونوں بچپن کی سکھیاں  
 ہیں، ایک ساتھ پلی بڑھیں، ایک ساتھ کھلی کودیں۔  
 جنگل کا کون سا حصہ ہے جو ہمارے پیار کا گواہ  
 نہیں ہوگا..... ہر وقت کا ساتھ تھا ہمارا.....“

”وہ بھی..... تمہیں بہت یاد کرتی ہوگی۔“  
 شرمین نے متاثر ہو کر کہا۔

”اسے تو شاید مجھے یاد کرنے کی اتنی فرصت  
 نہیں ہوگی، ہاں میں ہر روز اس کو یاد کرتی رہتی ہوں۔“  
 اب بستہ چونک سی پڑی اور مسکرا کر جواب دیا۔

”کیوں؟ اسے کیوں فرصت نہیں ہوگی یاد  
 کرنا؟“

”اسے تو شاید مجھے یاد کرنے کی اتنی فرصت  
 نہیں ہوگی، ہاں میں ہر روز اس کو یاد کرتی رہتی ہوں۔“  
 اب بستہ چونک سی پڑی اور مسکرا کر جواب دیا۔

”کیوں؟ اسے کیوں فرصت نہیں ہوگی یاد  
 کرنا؟“

”اسے تو شاید مجھے یاد کرنے کی اتنی فرصت  
 نہیں ہوگی، ہاں میں ہر روز اس کو یاد کرتی رہتی ہوں۔“  
 اب بستہ چونک سی پڑی اور مسکرا کر جواب دیا۔

”کیوں؟ اسے کیوں فرصت نہیں ہوگی یاد  
 کرنا؟“

”کیوں؟ اسے کیوں فرصت نہیں ہوگی یاد  
 کرنا؟“

## ضنگل کا بھول

”آخر ایک نہ ایک دن شرمین کو رخصت تو کرنا پڑے گا کیونکہ دنیا جہان کا بھی دستور ہے، تو کیوں نہ ابھی سے اچھا برا سوچ لیا جائے۔ ابھی تو بہت مہنگائی بھی نہیں ہے، کسی نہ کسی صورت سچی ترشی سہہ کر گھر کا الگ ایک حصہ یہ آسانی بن سکتا ہے، خود خان صاحب کھڑے ہو کر بناویں گے۔ اچھا خاصا ماہانہ آمدنی کا ایک معقول ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خوب سوچ لیں۔“ دادی اماں کا منہ ان کی بات سن کر کھلے کا کھلا تھا اور آنکھوں میں سوچ کا گہرا اثر.....

☆☆☆

جب سے خرم گھر پر ایک ہفتہ رک کر آیا تھا اس کا رویہ بہت بدلا، بدلا سا ہو گیا تھا۔ بعض دن وہ گھنٹوں کمرے میں لیٹا چھت کو گھورتا رہتا..... ریشم نے خرم کی پریشانی کو بہت جلد محسوس کر لیا۔ ایک دو بار اس سے پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ صاف ٹال گیا۔

گھر میں اپنی شادی کی تیاریاں اس کے لیے سوہان روج بن گئی تھیں۔ جب ریشم نے زیادہ اصرار سے پوچھنا چاہا تو خرم نے تقریباً اسے ڈانٹ کر اپنا موڈ خراب کر لیا۔ اب وہ ریشم کو کس طرح اپنی تشویش اور فکرات میں شامل کرتا۔

اس کے ڈانٹ دینے پر وہ ہونٹوں کی طرح اسے بھینکنے لگی پھر اس منحوس گھڑی کو کوٹنے لگی جب وہ بے جا مداخلت کی مرتکب ہوئی تھی۔ مگر ساتھ ہی اسے شدید قسم کا اچھنچا آن گھیرتا۔ خرم کا اداس اور عجیب ناقابل فہم سا رویہ اس کی سمجھ سے باہر ہوتا۔ وہ لاکھ سوچتی۔

”آخر اس میں برا مان جانے والی کیا بات تھی؟“ مگر جواب اس کی محدودی عقل میں نہ ملتا۔ لیکن وہ کرید، کرید کر گھر کا ماحول بھی خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ سوچتی اگر ضروری سمجھیں گے تو خود ہی اپنی پریشانیوں میں شریک کر لیں گے۔ اب تو ہستی میں ہستی بھی نہیں تھی جس سے وہ اپنے دل کی بات کر لیتی۔ ہستی اور اس کے گھر والوں کے شہر جا بسنے کی پکی

125 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

نئی خبر کے ساتھ آئی تھیں۔ بڑی پرجوش اور سرگرم سی دکھائی دے رہی تھیں اس وقت۔ پاندان اپنی طرف کھینچتے ہوئے رازداری سے گویا ہوئیں۔

”ارے آپا! آج کل لوگوں نے اپنے مکان کرائے پر اٹھانے کا خوب رواج نکال لیا ہے اور ہمارے پڑوسیوں نے بھی سچا کر لیا۔“

”ارے کیا کہہ رہی ہو ذکیہ! میں خاک بھی نہ کھجی۔“ دادی اماں نے تسخ رکھتے ہوئے ہز بڑا کر دریافت کیا۔

ذکیہ خالہ نے پان کے پتے پہ خوب کتھا چونا لگایا، تمباکو، چھالیا اور شاید لونگ یا لالچھی رکھی اور کہنے لگیں۔

”جب سے ہمارے پرانے کرائے دار گئے، کئی لوگوں نے کرائے کے لیے پوچھا۔ کل بھی کوئی آئے تھے، خان صاحب نے جواب دیا۔ ہم نے تو اپنا گھر کرائے پر اٹھا دیا۔ پاس میں پڑوسی کھڑے تھے، بس جی فور ای سٹ گٹ کر کے اپنی طرف لے گئے اور شام تک اپنا ایک حصہ دے دیا۔“

”الہی شکر ہے، میں تو ڈر ہی گئی تھی کیا ہو گیا۔“ دادی اماں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

”میں تو کہتی ہوں آپ بھی ایسا ہی کر لیں۔“ ذکیہ خالہ نے جھٹ سے دوسری تجویز پیش کر دی۔

”کیسا کر لیں؟“ دادی اماں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔

”اے بھی کہ اتنا بڑا گھر ہے ماشاء اللہ سے..... ایک حصہ علیحدہ کر کے کرائے پر اٹھا دیں۔ کل کھاں کو اللہ رکھے شرمین بیٹیا..... کی شادی بیاہ کا موقع آئے تو کم از کم آپ کے پاس آمدنی کا ایک ذریعہ تو رہے گا جو کہ ہوگا بھی مستقل.....“ وہ سمجھا سمجھا کر بولیں۔

”دادی اماں چونک کر ان کی صورت بھینکنے لگیں۔

”ہاں، ہاں ذرا غور کیجیے۔“

خیر اور تفصیل اسے رحمت بابا نے سنا دی تھی۔ چنانچہ اسے اور بھی زیادہ مبرمجیل سے کام لینا تھا۔

خرم سے اتنے دنوں کی رفاقت نہ راستہ زبان بندی سکھادی تھی۔ اپنے سیدھے سچے خیالات کا اظہار کر کے وہ انہیں خفا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ایسی فضول بدحرکیوں سے بچنا چاہتی تھی۔

ایک روز جب فضا میں بہت ابر آلود ہو رہی تھیں۔ اتنے بڑے گھر میں بھی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ ریشم تمام دن سونے کی کوشش کرتی رہی مگر نیند نہیں آئی گری کی شدت کی وجہ سے شب و روز بے کیف لگ رہے تھے۔

خرم صبح سویرے سے جنگل کے دورے پر نکلا ہوا تھا۔ آج اس نے دوپہر میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس کا انتظار کرتے کرتے ریشم کو بالآخر جھپکی آگئی۔

دلچسپ دوپہر کے سنانے میں..... خرم آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا اور اس کا شانہ جھنجھوڑ کر بولا۔

”ریشم، ریشم..... بات سننا ریشم۔“ وہ سوئی ہی کہاں تھی۔ اس کی آواز پر گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

”کیا ہوا..... گگ..... کیا بات ہے؟“ اس نے بوکھلا کر دریا پالت کیا۔ انہیں پسینے میں تر ہتر دیکھ کر مزید ہول مچی۔ مگر اسے اپنی حالت کا مطلق احساس نہیں تھا۔ گھبراہٹ اور وحشت میں پورے الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کہیں سے بھوت دیکھ کر آ رہا ہو، اس کے انداز میں خوف کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

”کیا ہوا؟ بتاتے کیوں نہیں؟ بابا تو خیریت سے ہیں؟“ خرم نے چند گہری، گہری سانسیں لے کر پرسکون ہونا چاہا۔ اتنے میں کسی نے زور، زور سے گھٹ کھٹکانا شروع کر دیا۔

ریشم نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”اتنی..... بھری دوپہر میں کون آگیا؟“ خرم کی پیشانی پر ایک دفعہ پھر پسینے کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ وہ

اس کے بہت قریب آگیا اور سرگوشی میں بولا۔

”خانساماں تو بے نہیں، تم گیٹ پر جاؤ..... اگر باہر سے کوئی میرے متعلق پوچھے تو کہہ دینا۔ ابھی وہ یہاں نہیں ہیں، شہر گئے ہوئے ہیں۔“ ریشم کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ ”ارے..... میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ جاؤ بھی.....“ خرم نے جھنجھلا کر اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔

”مم..... مگر..... میں؟“ وہ بری طرح ہکلا کر رہ گئی۔

”ارے بھئی بحث کا موقع نہیں ہے، جلدی کرو جلدی۔“ کوفت کے باوجود خرم نے آواز دہا کر کہا۔ اس کی بے تحاشا پریشانی کو دیکھتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف چل دی جو اب شد و مد سے بجایا جا رہا تھا۔

”کون.....؟“ ریشم نے پست سی آواز میں پوچھا۔

”بی بی.....! خرم صاحب کو بھیج دیجیے ذرا۔“ باہر سے کسی نے بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔

”وہ تو جی.....“ ریشم کی زبان لڑکھڑا گئی لیکن سنبھل کر بولی۔ ”شہر گئے ہیں..... یہاں نہیں ہیں۔“

”اوہ.....“ لہجے میں افسوس اور گھٹن تھی۔ ”اچھا سنیں، کسی کے ہاتھ پانی بھجواد دیجیے۔“

”جی..... وہ.....“ ریشم کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کے پیچھے خرم جگ اور گلاس لیے کھڑا ہا ہر دینے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ریشم نے اسے عجیب نظروں سے دیکھتے جگ گلاس لیے۔ گیٹ ذرا سا کھول کر ہاتھ باہر کر دیا اور

دویرے سے بولی۔

”یہ پانی لیجیے..... گھر پر کوئی موجود نہیں ہے۔“

”اوہ..... بہت زحمت دی آپ کو۔“ کسی نے کہتے ہوئے جگ گلاس لے لیے، تھوڑی دیر کے بعد دونوں چیزیں لوٹا دیں اور وہی مہذب آواز دوبارہ سنائی دی۔ ”اچھا جی، بہت شکریہ آپ کا، خرم صاحب آئیں تو کہہ دیجیے گا۔ آفیسر آئے تھے وزٹ پر.....“

ناممکن

مٹی جاتی ہے آئے دن وہ بیٹی پارلر  
کہ مقصد ہے جواں گناہ، مثال حور ہو جانا  
مگر یہ بات کسی خاتون کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی  
کہ ممکن ہی نہیں کشش کا پھر انکور ہو جانا  
مرسلہ: رُدا بہ علی، لالہ موسیٰ

حسرتیں

یوں اکیلے میں مجھے الہی وفا یاد آئے  
جیسے بندے کو معیبت میں خدا یاد آئے

جیسے اجڑے ہوئے پنچھی کو نشین اپنا  
جیسے اپنوں کے مچھرنے پہ دعا یاد آئے

جیسے ذہلی ہوئی شاموں کو سویرا کوئی  
جیسے بھگرے میں پرندے کو فضا یاد آئے

جیسے بوڑھے کو خیالات میں بچپن اپنا  
جیسے بچے کو شرارت میں پہ سزا یاد آئے

جیسے اُجڑی ہوئی ہستی کو زمانہ اپنا  
جیسے طوفاں کے ٹھہرنے میں دیا یاد آئے

جیسے پلکوں کے جھپکتے ہی کنارے بھینگیں  
جیسے اس روز ہوا کون جدا یاد آئے

جیسے سورج کی تمازت میں گھٹا یاد آئے  
یوں اکیلے میں مجھے الہی وفا یاد آئے

مرسلہ: تفسیر آراء، راس الخیمہ

ساتھ ہی گاڑی اشارت، ہرنے کی آواز ابھری۔ پھر  
جنگل کے ٹائے میں محدود ہوتی ہوئی ختم ہو گئی۔

ان کی بات سن کر خرم کی رنگت اُڑ گئی۔ انہوں  
نے سمجھا کچھ اور ہو کچھ اور گیا تھا۔ اس وقت اس کا  
انداز اور خیال دونوں قفل ہو گئے تھے۔ مگر یہ وقت ان  
باتوں پر سوچ بچار کرنے کا نہیں تھا۔ شریک حیات سر  
پرنگی تلوار بن کر لنگ رہی تھی۔

اس نے دیر سے روکی ہوئی سانس خارج کی  
اور ریشم کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی طرف چل دیا۔ بیڈ پر  
بیٹھ کر اس نے ایک ہلکا سا ہتھ لگایا۔ مگر ریشم مسکرا بھی  
نہیں سکی۔ افسوس کے لہجے میں بولی۔

”چھپ کیوں گئے تھے آپ...؟ بچارے اتنی  
سڑی گری میں آئے تھے۔“

”ارے چھوڑو، کل تک کے لیے بندھ جانا  
میں۔“ خرم بے پروائی سے کہہ کر لیٹ گئے۔

”لیکن..... پہلے تو کبھی آپ نے ایسا  
نہیں کیا؟“ ریشم کی حیرت بدستور تھی۔

”پہلے..... خانہ ماں بھی غیر حاضر نہیں ہوا کرتا تھا۔“  
خرم نے سوچ کر بواز پیش کیا پھر شوخی سے

اضافہ کیا۔ ”اور جتنا پہ..... آپ کو اتنا افسوس کیوں  
ہو رہا ہے، میں نے تو آپ ہی کی آسانی کر دی۔ اگر

روک لیتا تو ظاہر ہے میری کم، آپ محترمہ کی زیادہ بہتر  
آتی اس سڑی گری میں۔“

”اچھا تو آپ مجھے ایسا کام چور بھتے ہیں؟“  
ریشم نے منہ پھلایا۔

”یا میرے مولا.....“ وہ سر پر ہاتھ مار کر  
تسخرانہ انداز میں گویا ہوا۔ ”یہاں تو نیکی کا صلہ بھی

لاتا ہے.....“ ریشم منہ پھیر کر مسکرائے گی۔  
”اچھا یہ بتاؤ۔“ خرم نے اس کا رخ اپنی طرف

پھیر کر پوچھا۔ ”ابھی یہ کیوں پوچھ رہی تھیں کہ بابا تو  
خیریت سے ہیں؟“ ریشم نے یک بیک اداس ہو کر

جواب دیا۔  
”ہاں تو اور کیا..... آپ تو آج کل توجہ نہیں

ہوں گے۔ تم آج جلدی کھانا تیار کر لینا میں باہر کا جائزہ لے کر گیارہ بجے تک آ جاؤں گا۔ پھر بابا کی طرف چلیں گے۔ آج انہیں زبردستی اٹھلاؤں گا اس دن تو بہانہ کر کے بچ گئے تھے۔“

”برسات کا امکان نہیں ہے، اس بوجھ کو بہن رہنے دو۔“ ریشم کے یاد دلانے کے باوجود وہ یہ کہہ کر چھترن چھوڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد ریشم کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ دس بجے کے قریب آسمان پر پھر سے بادل جمع ہونے لگے۔ آن کی آن میں سیاہ گھنٹور گھٹاؤں نے ماحول کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔ ہواؤں میں سنسنی پیدا ہونے لگی۔ گہشت بھونٹے، بھونٹے اس کا جی ہولنے لگا۔ ہمیشہ سے کھلی نھاؤں میں رہنے کی وجہ سے وہ موسموں کے تیز پہچانتی تھی۔ فلک پر بادلوں کے پرے کے پرے دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ آج کی طوفانی بارش کئی دنوں تک رکنے والی نہیں ہے۔ ہنڈیا چولہے سے اتار کر پیچھے اولے پر دھری، بھاگ کر کمرے سے چھتری اٹھائی اور دو، دو زینے پھلانگی چھت پر آ گئی۔ ذہن میں یہی خیال تھا کہ کوئی آتا جاتا نظر آ گیا تو اس کے ہاتھ سے خرم کو چھتری بھجوا دے گی۔ کسی حرواسے یا راکبیر کی تلاش میں اس کی نگاہیں دور، دور بھٹکنے لگیں مگر اتفاق کی بات ہے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ ہر پلڈ ٹری، ہر راستہ سونا بڑا تھا۔ بارش کی آمد کا احساس ہر ذی روح کو ہو گیا تھا۔ خور و گھاس کے قطعوں میں ٹھی، منی گھریوں اور سفید سفید خرگوشوں نے مینڈکوں کے ساتھ مل کر جیسے جشن بہار کے استقبالہ نغمے نشر کرنا شروع کر دیے تھے۔ ہری گھاس میں بسی، بسی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ سرسبز چوں والے پودے، بیڑ سرشاری کے عالم میں ہری بھری شاخیں ہلا، ہلا کر مست و بے خود ہونے لگے۔ آسمان پر خوشنما پرندے درجنوں کے حساب سے پر پھیلائے ننھے منے جہازوں کی طرح تیرتے نظر آ رہے تھے۔

اجانک سہرے اور دلکش رنگوں سے مزین پر

دے رہے، بابا پتھارے استے پتھارے رہنے لگے ہیں۔ سارا، سارا دن گھر میں اکیلے پڑے کھانٹے، کراہتے رہتے ہیں۔ کوئی دوائی دینے والا بھی نہیں ہوتا۔ کمزوری کی وجہ سے کئی، کئی دن باہر نہیں نکل پاتے۔ شاید نماز بھی گھر میں پڑھتے ہیں۔“

”ہاں یار..... بہت دنوں سے جنگل میں نہیں دکھائی بھی نہیں دے رہے۔“ خرم نے ذہن پر زور دے کر کہا۔

”یہاں..... ہمارے گھر بھی بہت دنوں سے نہیں آئے۔ بہتی کا ایک نیک دل لڑکا ان کی بھیڑ بکریاں چرانے لے جاتا ہے، کوئی اور کے کام بھی کر دیتا ہوگا۔“ ریشم کی آنکھیں بھینکنے لگیں۔ بھرائی آواز میں یولی۔ خرم نے دلار سے اسے لپٹا لیا اور سر تھپتھا کر یولا۔

”تم رنجیدہ نہ ہو، ہم شام کو ہی ان کی طرف چلیں گے اور کسی طرح سمجھا بھجا کر اپنے پاس لے آئیں گے تاکہ تم ان کی خدمت کر سکو۔“ اسے تسلی بخشی دے کر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ دماغ میں دیر سے آندھیاں چل رہی تھیں۔ وہ دور سے آئی ہوئی گاڑی دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ خاور ان کے پاس رہنے کے لیے ریٹ ہاؤس آرہے ہیں، آج بڑی چوک ہو گئی تھی وہ نکلے اس کے آفسر..... ہر دو لحاظ سے اس کے لیے لمحہ فکر یہ تھا یہ واقعہ.....

☆☆☆

موسم ذرا بدلا تو ایک رات خوب دھواں دھار بارش ہوئی اور تمام رات جم کر برسی..... صبح کے وقت بادل چھٹنے لگے اور دھلے گھرے نیلے آسمان پر اکا دکا بادل رہ گئے۔ ہواؤں کے جھونکے بوجھل اور نمدار تھے۔ سورے، سورے کوئی باہر سے چند شکار کیے ہوئے پرندے بھجوا گیا تھا۔ خرم نے ناشتے میں صرف ایک پیالہ دودھ کالیا اور ریشم سے یولا۔

”رات کو ہوا میں بہت طوفانی تھیں۔ میرا خیال ہے بہت سے بیڑ، پودے تو شاید جڑوں سے اکھڑ گئے



انداز میں بولی۔

معصومہ نے ابھی کچھ دیر قبل شادی سے متعلق ممانی نامہ کا فیصلہ اور پھر امی اور ابا میاں کا جواب روپی کے گوش گزار کیا تھا، ظاہر ہے بات اسی کی شادی سے متعلق تھی، اسے سخت شرم آ رہی تھی مگر وہ اپنے جوش و خروش میں اس کے احساسات سبھے بغیر اپنی ہی ہانکے جا رہی تھی اور کسی صورت اپنے مطالبے سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ بالآخر روپی نے کسی صورت خود کو نارمل کیا اور ہچکچا کر بولی۔

”معصومہ! تم نے تو ننھے بچوں کو بھی مات کر ڈالا۔ اب بھلا میں اتنے بڑے شہر میں شرمین کو کہاں سے ڈھونڈ نکالوں؟“

”واہ..... آپ تو کمال کرتی ہیں۔“ وہ چمک کر بولی۔ ”یہ خاور بھائی کس دن کام آئیں گے؟ جا کر ڈاکٹر شا کرہ سے کیوں نہیں رابطہ کرتے؟ سب معلوم ہو جائے گا۔“

بات روپی کے بھی دل کو لگی۔ رفتہ، رفتہ اس کی دماغی صلاحیتیں بیدار ہونے لگیں۔ اس نے سوچا۔

”سچ تو کہہ رہی ہے معصومہ، شرمین کا اتنا پتا تو یہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے، ڈاکٹر شا کرہ کو تو ہم بھول ہی گئے تھے۔“ اندر سے اس کے دل میں بھی شرمین کے لیے معصومہ سے کم ہمدردی اور انیسیت نہ تھی۔ مگر بڑوں کے سامنے مجبور تھی۔ خاص طور پر ہونے والی ماس صاحبہ کے سامنے اس لیے اس نے معصومہ کو ٹولا۔

”چلو ٹھیک ہے معصومہ..... مانا کہ ہمیں شرمین کا گھر یا سب معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہے۔ پھر تم کیا کرنا چاہو گی؟ کیا ہے تمہارے ذہن میں؟“ روپی کو آمادہ دیکھ کر معصومہ کو ثقوبت ہوئی، وہ بہت دھیمی ہو کر کہنے لگی۔

”روپی آبا! آپ خود سوچیں، وہ بیچاری اماں جان کے روٹے سے کس قدر دل برداشتہ ہو گی ہو گی..... اور کچھ نہیں تو اس کے گھر جا کر ہم اس سے معافی تو مانگ سکتے ہیں۔ معلوم نہیں اماں جان نے

پھیلائے رقصاں ایک خوب صورت مور رشیم کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ ایسا ولفریب اور من موہ لینے والا منظر تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے تمام مسائل بھول بیٹھی۔

مور اور مور کا تاج، بچپن سے اس کی کمزوری رہا تھا۔ خبر نہیں کب تک وہ کھوئی رہتی کہ معا اس کی محویت ایک دوسرے ہی نگارے نے اپنی طرف مبذول کروائی..... دور تک نظر آنے والی سڑک پر ایک بڑی سی جیب لڑھکتی زور دار انداز میں چلی آ رہی تھی جیسے لمحہ بھر میں منزل کو چھو لینا چاہ رہی ہو۔ رات بھر برستی رہنے والی بوندوں سے اینٹوں کی یہ سڑک وحل، وحل کر گہری سرخ ہو چکی تھی اور سبزے کے پس منظر میں بڑی بھلی لگ رہی تھی مگر اب ان لہجوں میں مور کا رقص اور سڑک کی خوب صورتی دیکھتے رہنے کا موقع کہاں تھا بھلا..... وہ پُر تجسس نظروں سے جیب کو دیکھنے لگی۔ جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی منزل یہی گھر ہے۔

وہ میڑھیاں اتر کر جلدی سے گیٹ کی طرف آئی جہاں دستک شروع ہو گئی تھی۔

”وہ..... گھر پر نہیں ہیں۔“ اس نے اندر سے جواب دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے، وہ آئیں تو یہ دے دیجیے گا۔“ باہر سے ایک سفید لٹاف بڑھایا گیا۔ وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اس پر جانے کیا لکھا ہوا تھا۔

☆☆☆

”روپی آبا! خدا کے واسطے کچھ کریں..... کچھ تو سوچیں۔“ معصومہ نے کمرے کی لمبائیاں ناپتے ہوئے بے قراری سے کہا۔ روپی جو ان لمحات میں مختلف کیفیات کا شکار ہو رہی تھی، فقط اس کی صورت دیکھ کر رہ گئی۔ منہ سے کچھ نہ بول سکی۔

”آپ کو تو اس سے بہت ہمدردی تھی، اب کیا ہوا! منہ کچھ تو کیجیے، یوں منہ میں گنگھنیاں ڈال کر تو نہ بیٹھیے.....“ معصومہ جو اپنا سارا جوش خطابت صرف کر چکی تھی۔ بالآخر اس کے قریب بیٹھ گئی اور خوشامدانہ

اسے کیسے، کیسے بڑے، بڑے، انناظ اور الزامات دیے ہوں گے۔“

”سچ کہتی ہوں تم..... بھائی جان بعض اوقات بہت زیادتی کر جاتی ہیں۔ ہمیں ضرور اس سے معذرت کرنی چاہیے۔“ روہی کے دل پر چوٹ سی گئی..... آہستہ سے بولی۔

”کس سے معافی طلبانی کی باتیں ہو رہی ہیں چکے، چکے.....“ اچانک خاور نے اندر داخل ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

”آہ..... خاور بھائی تو بڑے موقع سے آئے، روہی آپا! اب ان سے باقی سب باتیں طے کر لیجیے۔“ مصومہ، خاور کو دیکھتے ہی اچھل پڑی اور خوش ہو کر بولی۔

”ہاں، ہاں طے کر لیں۔ ہم بھی آج بہت کچھ طے کرنا چاہتے ہیں۔“ خاور اسی خوشگوار موڈ میں تھے، خوش دلی سے بولے۔

”ہم تو اپنی ہی کوئی بات کر رہے ہیں۔ تم کون سی بات طے کرنا چاہتے ہو۔“ روہی نے غور سے ان کی صورت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہے ہمارے بڑے بھائی کی شادی کی بات..... آپ کے مطلب کی بات نہیں ہے، آپ چپکی رہیں۔“ خاور نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

روہی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ واقعی چپ ہو گئی۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ خاور بھی ہمارے شادی کا تذکرہ کہیں سے سن آئے ہیں اس لیے اسے چھپانے کے موڈ میں ہیں۔

مصومہ نے جب یہ دیکھا کہ موضوع بدلنے کو ہے، وہ جلدی سے بھائی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور ان کے کاندھے سے لگ کر بولی۔

”اللہ خاور بھائی ایسے سب باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے آپ میری تو سن لیجیے۔ کسی طرح ڈاکٹر شاہد سے شرمین کا ایڈریس معلوم کر لیجیے..... ہم لوگ اسے منانے کے لیے جائیں گے..... بعد میں تو روہی آپا..... کو فرست بھی نہ ملے گی۔“ خاور ویسے بھی ان

دلوں کی باتیں سن چکے تھے۔ ان کا ہنسا مسکراتا چہرہ بچھ کر رہ گیا۔

”اور وہ..... تمہارے منانے سے..... مان جائے گی؟“ طحڑیہ انداز میں پوچھا۔

”مانے گی کیسے نہیں..... اماں نے کچھ کہہ دیا ہوگا، ہم سب تو خطا کار نہیں ہیں، ہمارے دلوں میں اس کی قدر اور محبت ہے اور بہت ہے۔“

”آپ کیا کہتی ہیں اس معاملے کے سچ؟“ خاور نے روہی سے پوچھا۔

”جناب! ایک سو ایک فیصد راضی بہ رضا بلکہ پہلا ووٹ۔“ اس نے اقرار میں سر ہلا کر کہا۔

”ٹھیک ہے، کل شام کو ہی چلنا اس کے گھر۔“ خاور نے نہایت آسانی سے ہتھیار ڈال دیے اور بولے۔

”اللہ میرے بھیا کی خوشیوں کی حفاظت کرے۔“ مصومہ نے خوش ہو کر بھائی کے ہال بگاڑ ڈالے۔ اسی وقت پھوپی شمسہ بیگم کے آجانے کی وجہ سے موضوع بدل گیا، ویسے بھی یہ تینوں فی الحال سب سے چھپ کر شرمین کے ہال جانا چاہ رہے تھے۔

پھوپی کو دیکھتے ہی خاور نے نعرہ لگایا۔

”مبارک ہو پھوپی جان! سنا ہے کہ آپ کے بڑے بیٹے کی شادی ٹھہرائی جا رہی ہے، ہے ناں گناہ بات؟“

”جہیں بھی بھیاسلامت ہو..... تمہاری اطلاع سو فیصد سچ ہی ہے۔“ پھوپی جان نے مسکرا کر جواب دیا۔ روہی تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

”آہ..... باشریا گئیں.....“ خاور نے یہ آواز بلند نعرہ کسا۔ پھوپی مسکراتی رہیں، مصومہ ہنسی چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد خاور نے شمسہ بیگم کو مخاطب کیا۔

”پھوپی جان! بھلا ایک ہی جگہ سے رخصتی اور بارات اچھی لگے گی؟“ مصومہ چونک کر بھائی کی صورت دیکھنے لگی۔

”بیٹا میں تمہارے سوال کا مطلب نہیں سمجھی؟“ انہوں نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

## جنگل کا بھول

بارات اور رخصتی کی کیا تنگ ہے؟“ بس ان کا یہ کہنا تھا کہ یہ معاملہ پوری طرح زبردستی پر بحث آ گیا اور گھر کے بڑے بیگم کی سے اس کا حل سوچنے لگے۔

بالآخر پھوپھا حسین احمد کی آمد پر اس آخری فیصلے پر مہربت ہوئی کہ شادی سے کم از کم ایک ماہ قبل پھوپھی جان اپنی فیملی کے ساتھ اپنے پرانے والے گھر میں شفٹ ہو جائیں گی اور نائمہ بیگم وہیں بارات لے کر جائیں گی اور..... بہو بیاہ کر لائیں گی۔

آج کل نائمہ بیگم خوب مصروف اور مگن دکھائی دیتیں۔ اور ہر دن کسی نہ کسی مصروفیت میں خوش، خوش ابھی رہتیں۔ انہوں نے دو بار پارکی چمکے، برادری سے تعلق رکھنے والی سلیڈ سٹورٹوں کو بلوایا تھا اور دن رات انہی سے سرکھپاتی رہتیں۔ اپنے مزاج و عادات کی وہ علیحدہ ہی خاتون تھیں، انہیں کسی کی رائے مشورے کی حاجت ضرورت تو تھی ہی نہیں جو ان کی اپنی سمجھ عقل میں آ رہا تھا بے دھڑک کر رہی تھیں۔

اس یادگار موقع پر انہوں نے بقول فصیحہ جینک کا منہ کھول ڈالا تھا۔ جہاں، جہاں ہی چاہ رہا تھا بے دریغ پیسہ خرچ کر رہی تھیں اور اپنے آپ سے داد وصول کر رہی تھیں۔ آج سنا کر کو طلب کیا ہے تو کل جو ہری بیٹھا ہے تو پر سوں درزی..... مارے خوشی اور جاؤ کے اپنے زیادہ تر بھاری، بھاری قیمتی زیورات سارے چڑھاوے کے نام پر انہوں نے تجوری سے برآمد کر لیے تھے۔ بعض زیورے کے موتی تو اس قدر نایاب اور انمول تھے جو آج کل کہیں سے دستیاب بھی نہیں تھے۔ مگر نائمہ بیگم کا ذوق شوق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مٹی چلی جا رہی تھیں۔

اول تو انہیں شروع سے ہی اپنی چیتھی نند شمس بیگم کی اولاد میں روٹی سے والہانہ محبت رہی تھی۔ دوسرے یہ کہ بھانجی ہونے کے ساتھ، ساتھ وہ اب ان کی بہو بھی بننے جا رہی تھی۔ بہو بھی کون سی..... سب سے پہلی بڑی اولاد کی بہو..... وہ لاڈ پیار اور چاؤ کی بلند ترین چوٹی پر کھڑی ہو کر چاہ رہی تھیں کہ روٹی

131 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

”بالکل سیدھی سادی بات کہہ رہا ہوں پھوپھی جان، میرا مطلب ہے کہ ہم بارات لے کر پڑوس میں جائیں گے اور وہیں کو رخصت کروا کر پانچ منٹ میں اپنے گھر آ جائیں گے۔ بھلا خاک، لٹا، آئے گا۔ درمیان میں کچھ قاصلہ ہونا چاہیے۔“

”ارے ہاں، بھیا سچ تو کہہ رہے ہیں۔“  
مصومہ نے چونک کر کہا۔

”پڑوس سے لکل کر پڑوس میں چلے گئے بالکل بھی ہلا گلا نہ ہوگا۔ کوئی حرج نہیں آئے گا۔ بارات وہ کہ جو چڑھے تو سب دیکھیں۔“

”اے بچوں..... یہ کیا تم لوگوں کی مت ماری گئی..... کیسی اونگی ہوئی بائیں سوچ رہے ہو؟“ شمسہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”میری بیاری پھوپھی جان اذرا سمجھنے کی کوشش تو کیجیے کہ وہ منظر کیا پیکانہ پیکانہ ہوگا جب وہیں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں پہنچادی جائے گی۔ نہیں بھئی، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ سب سے پہلا احتجاج میرا نوٹ کر لیجیے۔“ خاور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھے اور بہت پیار سے پھوپھی کو سمجھا، سمجھا کر بولے۔

”اور دوسرا میرا، میں بھی بھیا سے اتفاق کرتی ہوں۔“ مصومہ چلا کر بولی۔

پھوپھی جان بیجاری ان دونوں کی صورتیں دیکھ رہی تھیں اور وہ دونوں اپنی، اپنی ہانگے جا رہے تھے۔ بالآخر انہیں سر تسلیم خم کر کے وعدہ کرنا پڑا۔

”تمہارے پھوپھا صاحب آ جائیں ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھ دیا جائے گا۔ اب میرا داغ مت کھاؤ۔“ اور جب نائمہ بیگم کے علم میں بچوں کا مطالبہ آیا تو انہیں یہ بات بے حد پسند آئی انہوں نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

”بچوں کا کہنا بالکل درست ہے، اچھا ہوا ان لوگوں نے توجہ دلائی ورنہ ہمیں اپنی مصروفیت میں یہ کچھ عقل میں نہیں آیا تھا۔ واقعی ایک ہی جگہ سے

کے لیے عرش کے تارے توڑ لائیں..... یا ہفت اقلیم کے خزانے سمیٹ کر اس کی بری میں جڑ دیں۔

اس سلسلے میں وہ کسی کی دخل اندازی کو بھی غیر ضروری سمجھ رہی تھیں۔ بھاری سے بھاری جوڑے مل رہے تھے، ننگ رہے تھے، درزی کو بھی کے ایک کمرے میں بیٹھے ان کے احکامات کی تکمیل کر رہے تھے۔ وہ سر سے ہر تک مستغرق تھیں اپنی مصروفیات میں۔

اسی دوران اپنی شامت اعمال سے ایک دن اصتری ان کے ہتھے پڑھ گئی۔ وہ حسب معمول آئی تھی سن گن لینے..... نائٹ بیگم نے وہ بے دھڑک سناٹیں کہ کان پیٹ کر اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔ تمام اگلی جھپٹی کسر نکال ڈالی نائٹ بیگم نے۔

گھر کے اندر بلائی گئی لڑکیوں ہالیوں کے ہاتھوں میں ہر وقت سوئی دھاگا نظر آتا تھا۔ تیاریاں خوب زوروں... پر تھیں۔ مارا مار سلائی نکائی ہو رہی تھیں۔ بڑی دھوم دھام سے بری تیار کی جا رہی تھی۔ بارہ، بارہ بجے رات تک سب لگے رہا کرتے..... نائٹ بیگم کبھی یہاں دکھائی دیتیں... کبھی وہاں..... آج کل انہیں اپنے سر پر کھوش نہیں تھا تو شمس بیگم کا کیا ہوتا؟ وہ تو ویسے ہی جینے کے بکھیڑوں میں الجھی تھیں۔

☆☆☆

”ذکیہ خالہ تو ایک مشورہ دے کر چلی گئی تھیں مگر دادی اماں کو سوچنے سمجھنے کی ایک راہ بٹھا گئی تھیں۔ لہذا دادی اماں کئی روز تک مسلسل اسی نکتے پر غور کرتی رہیں۔ الٹ پلٹ کر اس مشورے کا جائزہ لیتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلسل غور و فکر نے ان کے دل و دماغ کے کئی بند راستے کھول ڈالے۔ جوں، جوں وہ اس گہرائی میں اترتی گئیں کہ کسی مناسب رشتے یا پیغام کے آنے کے بعد وہ اپنی پیاری پوتی کے ہاتھ پیلے کر کے اپنے سب سے اہم اور ضروری ترین فرض سے ادا ہو کر کس طرح سکھ کی سانس لے سکیں گی، آدھے گھر کو کرائے پہ اٹھا دینے کا خیال ایک دلکش تجویز بن گیا۔

132 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

یہ رائے ان کے لیے بہترین حل بن گئی اور قابل عمل بھی..... جو بات انہوں نے بھی سوچی تک نہیں گئی۔ وہ نہایت آسان اور بے ضرر لگنے لگی۔

چنانچہ ایک دن موقع دیکھ کر دادی اماں نے شرمین کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑے مدلل انداز میں گھر کے دو پورشن کر لینے سے متعلق اس کا عندیہ لینا چاہا۔ لیکن اس معاملے میں اس کی رائے لینے نہ لینے سے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ اس نے کہہ دیا کہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے مجھے تو ایسے معاملات کی معلومات ہے نہ دلچسپی..... آپ جو کریں گی، بہتر کریں گی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر دادی اماں نے ذکیہ خالہ کو بلوایا اور اپنی رضامندی دے دی۔ وہ تو خوشی سے کھل اٹھیں۔ بس ایک ہفتہ دس دن کے اندر، اندر خان صاحب نے دادی اماں کے گھر کا کام شروع کروا دیا تھا۔

اس سلسلے میں ان کے گھن میں لگا ہوا لیٹوں کا بیڑ سب سے پہلے کاٹا گیا۔ بس اس لیے شرمین کو ضرور ایک گہرے آنسو کا احساس ہوا مگر پھر وہ اپنے درس و تدریس کے مشغلے میں محو ہو گئی۔

ایک ماہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ دادی اماں کے گھر کا دوسرا حصہ بن کر تیار ہو گیا۔ حتیٰ کہ رنگ و روغن بھی ہو گیا اور خوب اچھا لگ رہا تھا چونکہ جگہ کشادہ تھی اس لیے دو حصے ہونے کے باوجود گھر کی کشادگی اور وسعت میں فرق نظر نہیں آتا تھا بلکہ خان صاحب کے تدبیر اور تعمیرات کے شوق اور تجربے کی بنا پر گھر کے کئی مقامات خوب صورت اور پائدار ہو گئے تھے۔

جوں، جوں گھر میں تبدیلی آتی گئی پڑھنے کے لیے آتی جاتی ہنستی کا اشتیاق بھی بڑھتا چلا گیا۔ اسے ویسے ہی شرمین سے اچھائی درجے کی عقیدت اور انیسیت پیدا ہو چکی تھی، دن بھر میں خصوصاً شام کا زیادہ وقت وہ یہیں گزارنا پسند کرتی تھی، اب یہاں کا علیحدہ پورشن دیکھ کر اس کے اندر کا جوش و خروش بھی بڑھ رہا تھا۔ جب سے اس نے سنا تھا کہ دادی اماں گھر کا یہ حصہ کرائے پر اٹھانا چاہتی ہیں، وہ دل ہی دل میں اپنے

## القریش پبلی کیشنز کے نئے ناول شائع ہو گئے ہیں

600/- روپے	سائرہ رضا	اب کر میری رفوگری
600/- روپے	صالحہ محمود	رگ جاں جو قریب تھے
600/- روپے	اشتیاق فاطمہ	دل کی دہلیز پر
600/- روپے	فاخرہ گل	میرے ہمنوا کو خبر کرو
400/- روپے	میرا شریف طور	زندگی کی حسین راہ گذر
400/- روپے	میرا شریف طور	وہ اک لمحہ محبت
900/- روپے	نبیلہ عزیز	درِ دل
400/- روپے	نایاب جیلانی	زرد پتوں کا شجر

سرکلر روڈ، چوک اردو بازار لاہور  
فون: 37652546 — 042-37668958

## القریش پبلی کیشنز

گھر اور اس گھر کا موازنہ کرنے لگی تھی۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ خان صاحب کی نسبت دادی اماں کا گھر زیادہ بڑا تھا۔ کرائے والے حصے میں ایک کمر اور اسٹور کا اضافہ بھی تھا۔ چنانچہ بنستی نے اپنے ماما، پتائی کو اس امر کا احساس دلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ دن رات دادی اماں کے گھر کی تعریفیں کرتی رہتی، وہاں کے گن گاتی رہتی۔

جلدی ہی اس کی محنت رنگ لے آئی۔ دادی اماں کے گھر کی کشادگی اس کی ماما جی کو بھی بہت بھائی۔ انہوں نے بنستی کے پتائی کو اکسایا۔ پتائی نے خان صاحب سے ذکر کیا۔ خان صاحب کا دل تو قدرت نے ویسے ہی گویا آسپور سے بنایا تھا۔ انہوں نے بالکل بھی کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا۔ ویسے بھی انہیں کرائے داروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ دادی اماں کے حالات ان کے پیش نظر تھے۔ کرائے دار کی حیثیت سے رام داس کی فیملی اپنی شرافت اور سادگی کی وجہ سے نہایت موزوں بھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے وقت ضائع کیے بغیر ذکیہ خالہ کے ذریعے دادی اماں کی رائے طلب کی جو بغیر کسی ہنس و ہنسی کے انہیں ہاں کی صورت میں مل گئی۔ اس لیے علیحدہ حصہ بن جانے کے بعد جلد ہی دادی اماں کا گھر کرائے داروں سے آباد ہو گیا تھا۔

اس طرح گھر کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ ہو گیا۔ شام کے اوقات میں ویسے ہی ٹیوشن سینٹر آباد ہو جایا کرتا تھا۔ سونے پر سہاگا کرائے کی اضافی آمدنی تھی، دادی اماں تو سجدہ شکر بحال تھیں۔ اپنے رحیم و کریم رب کا شکر ادا کرتے ان کی زبان نہ تھکتی۔ بنستی اب زیادہ تر بدھری نظر آتی۔ جلدی، جلدی گھر کے کام کاج میں اپنی ماما جی کا ہاتھ بٹاتی اور اس طرف بھاگ لیتی۔ شرمین اسے شام کے وقت پڑھایا کرتی تھی، دن میں جب شرمین اسکول جا چکی ہوتی تو بنستی، دادی اماں کے ارد گرد گھوما کرتی، اس کی میٹھی، میٹھی باتیں دادی اماں کو بہت بھاتی تھیں۔

134 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

عبداللہ اور ولی اللہ بھی اسکول چلے جاتے، گھر میں اوپر کے کام کاج کے لیے شرمین نے ایک ملازم رکھ لی تھی۔ باقی باورچی خانے کا کچھ کام پیاری بوا دیکھ لیتی تھیں، دادی اماں کو فرصت ہی فرصت ہوتی، ایسے میں بنستی ان کا دل بھانے کا سامان تھی۔ وہ ان سے بیٹھی گھنٹوں اپنے گاؤں کی باتیں کرتی رہتی۔

فطری طور سے وہ بہت ذہین تھی، دیکھتے ہی دیکھتے فر فر ہر طرح کی تحریر پڑھنا سیکھ گئی۔ گھر میں آیا ہوا اخبار اٹھاتی اور دادی اماں کو دیتا جہاں کی خبریں سنا ڈالتی۔ خبریں پیاری بوا بھی بڑی دلچسپی سے سنا کرتی تھیں۔ تبصرہ کرتی جاتیں، سنتی رہتیں۔

دو دن سے شرمین کو شدید نزلے کی شکایت تھی۔ اتوار کے دن وہ اندر کمرے میں بے خبر پڑی سو رہی تھی۔ بنستی، دادی اماں کے سر میں تیل کی مالش کرنے لگی۔ پیاری بوا اٹھ کر کسی کام سے باورچی خانے میں گئی تھیں کہ باہر دروازے پر کھٹکا ہوا۔

آج ٹیوشن کی بھی چھٹی تھی۔ دادی اماں نے بنستی کو اشارہ کیا، اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دو خوش پوش لڑکیاں جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

یہ دونوں، روہنی اور مصومہ تھیں۔ آج شاہنگ کے بہانے ڈاکٹر خاور کے ساتھ آئی تھیں۔ خاور گھر کے باہر گاڑی میں ہی بیٹھے تھے۔ ان کا خود کا چہرہ بے حد سنجیدہ اور حساس ہو رہا تھا۔ دل میں اک کک، بے چینی اور بے کلی کھٹک رہتی تھی۔ یہ دونوں آہستہ، آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی قریب آئیں اور نہایت ادب سے سلام کیا۔

دادی اماں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ روہنی اور مصومہ کی صورتیں دیکھیں تو جلدی سے گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔ محبت سے سلام کا جواب دیا نفاست اور سلجے سے بچے سجائے ایک پرسکون کمرے میں لا بٹھایا اور غور سے دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

”بیٹی! کہاں سے آئی ہو تم لوگ.....؟ پہلی بار دیکھ رہی ہوں تمہیں۔“ روہنی اس وقت تک اجنبیت پر

قابو پا چکی تھی۔ اطمینان سے تعارف کرایا۔

”دادی جان! ہم دونوں شرمین کی دوست ہیں، کچھ دن پہلے تک ہمارے ہاں ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، انہوں نے آنا بند کر دیا۔ معلوم نہیں کیوں؟“

”ارے ہاں.....“ دادی اماں نے چونک کر کہا۔ ”شرمین جتنی جگہ ٹیوشن پڑھاتی رہتی ہے، میرا عاقبتانہ تعارف کرواتی رہی ہے..... اس نے تم لوگوں کو بھی بتایا ہوگا، اللہ کا شکر ہے اسے سرکاری ملازمت مل چکی ہے، گھر سے نزدیک ہی ہے اس کا اسکول..... اب چونکہ ڈیوٹی کے بعد زیادہ وقت نہیں مل پاتا ہے، اس لیے ٹیوشن پر جانا چھوڑ دیا ہے۔“ یہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر رہ گئیں۔

”دادی اماں..... شرمین کہاں ہیں؟ کہیں دکھائی نہیں دیں اب تک.....“ تھوڑی دیر کے بعد معصومہ نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

”بیٹی.....! آج وہ تو ماسی سو گئی ہے، دو تین دنوں سے طبیعت اس کی گری، گری ہی ہو رہی ہے بہت سخت نزلہ زکام ہوا ہے۔“ دادی اماں نے ٹکڑی سے کہا۔ اتنے میں بستنی شرماتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور دادی اماں کے بالکل قریب جا کر دھیرے سے پوچھا۔

”بڑی ماں جی! پیاری بوا پوچھتی ہیں مہمانوں کے لیے چائے دم کروں..... یا شربت بناؤں؟“ بستنی کا دھیرے بھی اتنے زور کا تھا جو ان دونوں نے بخوبی سنا اور سن کر مسکرائے گئیں۔

”کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے دادی جان..... ہم کون سا کہیں کے مہمان ہیں۔ آپ کے اپنے تو ہیں، بس آپ شرمین سے ملوادیجیے، ہم انہی سے تولیے کے لیے نکلے ہیں آج۔ مہربانی ہوگی۔“ روٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”دادی اماں! یہ دراصل میری ہونے والی بھانجی ہیں اور شرمین کی بہت گہری سہیلی ہیں، اب ان کی شادی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں اس لیے ہم ان کو خود

شادی کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں۔“ معصومہ انہیں متاثر کرنے کے لیے جلدی سے بولی۔

”اچھا..... خدا مبارک کرے..... شرمین کیسے نہ شامل ہوگی سہیلی کی شادی میں۔“ دادی اماں خوش ہو کر بولیں۔ پھر روٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

”ارے بیٹی! تم خود کیوں گھر سے نکل پڑیں؟ کسی سے خبر بھجوا دی ہوئی شادی کی۔ شرمین کو ہم خود بھجوا دیتے دعوت میں۔“ روٹی نے لاجواب ہو کر سر جھکا لیا۔ معصومہ کو ہنسی آ گئی۔ ان دونوں لڑکیوں کو ہنسنے مسکراتے دیکھ کر اور دل ہی دل میں شرمین کی کسمپرسی کا خیال کر کے ان کا دل بھرا آیا۔ جی مسوس کر بولیں۔

”خوش رہو بیٹی..... سدا ہنسو، مسکراؤ۔ اللہ نصیبے اچھے کرے..... یہی دن تو ہوتے ہیں لڑکیوں کے ہنسی، دل لگی کرنے کے۔ خدا ہر بیٹی کے مقدر چمکانے، میں تو بڑھاپے میں اپنی شرمین کے متعلق سوچ، سوچ کر ہوتی رہتی ہوں۔ کیسی میری بیٹی کی عمر گزری جا رہی ہے، نہ کوئی جاؤ کرنے والا نہ ناز اٹھانے والا..... بس دن، رات اپنے چھوٹے بھائیوں کے لیے محنت مشقت کی چکی میں ہستی رہتی ہے، پہلے ٹیوشن کے لیے ماری، ماری پھرتی تھی۔ اب ملازمت ملی ہے تو صبح سویرے نکل جاتی ہے، دوپہر کے بعد کھکی ہاری آتی ہے، شام کو ٹیوشن سینٹر میں سر کھپانے بیٹھ جاتی ہے، اچھا..... میں جگاتی ہوں جا کر۔“ وہ کر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ قدموں سے باہر چلی گئیں۔ اس چھوٹے سے کتبے کی چٹان کر روٹی اور معصومہ کی چمکیں بھیک گئیں۔

انہیں یہاں کے کینوں سے بے حد اپنائیت اور ہمدردی کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں ملتی ہوئی شرمین اندر داخل ہوئی..... مگر ان دونوں کو پہچان کر جہاں کی تہاں تھم گئی اور آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر دیکھنے لگی جیسے زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ روٹی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ معصومہ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور محبت آمیز انداز میں بولی۔

”آپ کو معلوم بھی ہے، باہر بھائی جان کی

شادی ہو رہی ہے۔ پھر یہ سیری بھابی بن جائیں گی، ہم آپ کو بلانے آئے ہیں۔“ شرمین نے نظر اٹھا کر ان نند، بھابھ کو دیکھا۔۔۔ لیکن فوراً ہی انہیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ معصومہ کے دل پر ایک پرت سی لگی۔ اس کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر بولی۔

”اللہ..... آپ تو کچھ بولتی ہی نہیں ہیں، اتنی خفا ہیں ہم سے؟ خدا کی قسم، اماں جان نے جو کچھ آپ سے کہا ہو گا، ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم..... آپ نے ایک دم ہی آنا چھوڑ دیا۔ ایک دن انہوں نے خود ہی غصے میں سب بتا دیا تھا..... ایمان سے، خاور بھائی کا صدے سے اتنا برا حال ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا تک نہیں کھاتے، ہر وقت پریشان اور اداس رہتے ہیں..... سب کو بہت رنج ہے اماں جان کے سنوک کا.....“ معصومہ کی باتیں سن، سن کر شرمین کے دکھے ہوئے دل پر جانے کیا بیت رہتی تھی۔ چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سپید پڑ گیا تھا۔ ہاتھوں، پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی تھی مگر کیا مجال کہ زبان سے ایک لفظ بھی پرایا بھلا نکالا ہو۔ دونوں پر پٹھر کا کوئی تیر چلایا نہ اپنی نگلی ظاہر کی اور نہ ہی نامہ بیگم کے ناروا سنوک کا روٹا رویا۔

حالانکہ روٹی اور معصومہ کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ انہوں نے شرمین پر کیسے بے بنیاد الزامات لگائے اور طنز و تعارت کے زہریلے تیر چلائے تھے۔ انہیں صرف اندازہ تھا کہ بہت کچھ کہا ہو گا۔ اس لیے دونوں کو یقین تھا کہ شرمین جس بری طرح پیش آئے، کم تھا مگر یہاں معاملہ برعکس نکلا..... شرمین کے نارمل رویتے نے دونوں کے دل مزید مومہ لیے۔

”ہائے اللہ روٹی آیا! یہ تو ہم سے بات بھی نہیں کر رہیں۔ آپ ہی ان کو منائیں ورنہ یہ تو..... شادی میں بھی نہیں آئیں گی۔“ جب وہ خاموش ہی رہی تو معصومہ نے پریشان ہو کر روٹی سے کہا۔

روٹی نے چالاکی سے اسے سنانے کو کہا۔

”ارے یہ کیا بولیں گی؟ ہم تو خود ہی ان کو

شادی میں شامل نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ ایک دن خود اہنی کو دلہن بنا کر لے جائیں گے۔“ شرمین گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ بولنا چاہا مگر روٹی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قریب ہنسا کر سنجیدی سے بولی۔

”دیکھو..... تمہیں اس معاملے کے سچ بولنے کا حق نہیں ہے، میں خاور کے بھی ولی معاملات سے آگاہ ہوں۔ تمہیں تمہارا اصل مقام دلا کر رہوں گی۔ یقیناً ممانی جان نے غلیظ الزامات کی حد کر دی ہوگی جو کوئی شریف لڑکی برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر تم نے... بروقت صبر و تحمل کا مظاہرہ کر کے بہت اچھا کیا، ان باتوں کو ذہن سے جھٹک دو، ہول جاؤ، باقی رہا بھائیوں کی خاطر شادی نہ کرنے کا خیال تو ایک کو تم ڈاکٹر بناؤ گی دوسرے کو میں پروفیسر..... دادی اماں، ہم سب کی مشترکہ دادی اماں ہوں گی..... چلو مسئلہ ختم..... اب ذرا چل کر دروازے سے اپنے پیارے کھڑے کی جھٹک دکھلا دو، تمہارے ڈاکٹر صاحب غم سے آدمے ہو چکے ہیں، ان کی تسلی کرو۔“ شرمین تو جیسے خواب دیکھ رہی تھی، اسے کہاں بھلا ایسی اتو کمی واردات اور نرم و نازک باتوں کی توقع تھی۔ وہ روٹی کے گلے لگ کر رونے لگی۔

”اے بھئی تم ابھی تو وداع نہیں ہو رہیں۔ ذرا صبر سے راہ نکو۔“ روٹی اسے ہنسانے کے لیے بولی۔ شرمین جھینپ کر الگ ہو گئی۔ معصومہ ہنسنے لگی۔

دادی اماں نے چائے بھجوا دی تھی، دونوں پی کر خوشی، خوشی جانے کو کھڑی ہو گئیں۔

روٹی اس کے کان میں سرگوشی کر کے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر خاور اسٹیرنگ پر سنجیدہ صورت لیے خاموش بیٹھے تھے۔ روٹی کا کھلا کھلا چہرہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی پھر اس کے شہو کا دینے پر چونکے اور سامنے دیکھنے لگے۔ دروازے کی اوٹ میں شرمین کا صبح چہرہ نظر آیا۔ زرد سے پھولدار سوتی سوٹ میں وہ حسن و دلربائی اور معصومیت کا مرقع نظر آئی۔

ڈاکٹر خاور کا دایاں ہاتھ مدہوشی کے عالم



## جنگل کا بھول

دیر میں اس کی سانس پھول گئی۔ چھتری ایک دفعہ پھروہ اوپر ہی بھول آئی تھی۔ اپنی بدحواسی پر جی کھول کر ہنسی اور ہنستے، ہنستے ہی اس نے کیلے کپڑے تبدیل کیے اور پلنگ پر لیٹ رہی۔

باہر بارش مزید تیز ہو گئی تھی۔ ہادل رک، رک، رک کر گرج رہے تھے۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ گہرے ہادلوں کی وجہ سے کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ریشم نے آنکھیں بند کر لیں۔ دیر تک بھیجتے رہنے کے بعد اب اسے سردی لگنے لگی تھی۔ اسے غنودگی سی آئی۔ نے لگی تھی کہ ذرا دیر کے بعد دروازہ۔ چرچراتا ہوا کھلا۔ ریشم نے آنکھیں کھول دیں۔ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ دھندلی روشنی میں خرم دروازے کے پاس کھڑا دروازہ بند کر رہا تھا۔ اس کی پشت ریشم کی طرف تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ مڑا، وہ سر سے پاؤں تک بھیکے ہوئے کبوتر کی طرح لگ رہا تھا۔ ریشم کی نیند اور غنودگی ہو گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خرم کی حالت دیکھ کر ہنسا شروع ہو گئی۔

”کیا بد تیزی ہے۔“ اس نے منہ بنا کر کہا۔  
”جلدی سے دوسرے کپڑے نکال کر دو۔ سردی لگ رہی ہے۔“

”سردی.....“ کا سن کر وہ جلدی سے اٹھی اور جھٹ پٹ دوسرے کپڑے نکالنے لگی۔ خرم غسانے میں کس گیا تھا۔ ہادل ایک بار زور سے گرجے۔ بارش تیز ہو گئی۔

خرم نہا کر، تازہ دم ہو کر باہر نکلا تو وہ روٹی پکا چکی تھی۔ کلبجے اندھیرے کی وجہ سے ریشم نے یس روشن کر کے میز پر رکھ دیا تھا۔ یس کی روشن کرنوں نے چاروں طرف پھیل کر اندھیروں کو مار بھگایا تھا۔ اس وقت برستی شام کا سماں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب یہ دونوں کھانا کھا رہے تھے تو دفعتاً ریشم کو وہ سفید لٹافہ یاد آ گیا۔ اس نے پانی کا گلاس واپس دسترخوان پر رکھ دیا، تیزی سے دوڑ کر گئی اور الماری سے لٹافہ لا کر خرم کو دے دیا۔

167 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015

میں اٹھا اور انہوں نے بڑے اشائل سے اسے سلام کر ڈالا۔

☆☆☆

سفید لٹافہ ہاتھ میں تھا ہے، وہ گم مہم کھڑی رہ گئی۔ کئی منجھد لمبے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ اچانک بارش کی موٹی، موٹی بوندوں نے اس گہرے سکوت میں ہنچول مچا دی۔ ہر طرف سے شب، شب کی مخصوص سرسراہٹیں ابھرنے لگیں۔

ریشم نے لٹافہ جلدی سے اوڑھنی کے اندر چھپایا اور خود آپ ہی آپ ہنسی ہوئی تیزی سے اندر کمرے کی طرف بھاگی۔

اندھ بننے کر اس نے اوڑھنی سے ہاتھ نکال کر دیکھا۔ لٹافہ بیگنے سے بال، بال فٹ گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے لٹافے کو بڑی احتیاط سے الماری میں رکھا اور خود بالوں سے بوندیں جھاڑتی ہوئی چولھے کے پاس آئی، ہنڈیا دیکھی جو تیار ہو چکی تھی۔ روٹی عموماً وہ خرم کے آنے پر ہی پکایا کرتی تھی۔ معاً سے یاد آیا کہ چھتری وہ چھت پر چھوڑ آئی ہے، فوراً ہی اس نے اوپر جانے کا فیصلہ کیا اور آ بھی گئی۔ چھت پر آ کر وہ ایک بار پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ بارش سے گرد و غبار بیٹھ چکا تھا۔ فضا میں ٹکڑے ٹکڑے، اجلی، اجلی ہو گئی تھیں۔ ہوا خوشگوار اور بھیگی، بھیگی تھی۔ زمین سے سوندھی، سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی....

برکھا کے رنگ نیارے، وقت سہانا اور روح افزا ہو رہا تھا۔ وہ چھت کی منڈ پر سے چپکی تمام نظارے اپنے اندر اتار رہی تھی۔ بھیگی ہوئی چھتری لینے آئی تھی مگر اب خود ہر آن بھیکتی جا رہی تھی۔ اوڑھنی اور کپڑے بھیگ کر بدن سے چپک گئے تھے۔ چہرہ وحل و حلا کر ٹھانز ہو رہا تھا مگر اسے بڑا لطف آرہا تھا۔ اچھا لگ رہا تھا ہر منظر..... اچانک ہادل اتنے زور سے گرجے..... کہ ریشم کو لگا جیسے پوری چھت بل کر رہ گئی ہو۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر نیچے کی طرف بھاگی اور ایک وقت میں دو، دوڑتے پھلتی اپنے کمرے میں پہنچ کر دم لیا۔ ذرا سی

”کیا ہے یہ.....؟“ خرم نے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ایک آدمی دے کر گیا ہے باہر سے۔“ رشیم نے تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔

”ہرے رنگ کی جیب گاڑی میں آیا تھا۔ پہلے آپ کے متعلق پوچھا۔ پھر یو لولا..... ٹھیک ہے وہ آئیں تو ان کو دے دیتا۔“ اتنی دیر میں خرم لفافہ چاک کر چکا تھا۔ اندر کے پیپر برآمد ہوتے ہی اس کی رنگت متحیر ہو گئی۔ نوالہ اس نے اپنی پلیٹ میں رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک دم ہی پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔ اسے کھانے سے ہاتھ روکتے دیکھ کر رشیم بھی پریشان ہو گئی۔

”کیا ہو گیا؟ آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟“ لگرمندی سے پوچھنے لگی۔

”ہوں..... کچھ نہیں، کچھ نہیں، بس یونہی.....“ اس نے چونک کر جواب دیا۔

”خط میں..... کوئی ایسی ویسی خبر لکھی ہے؟“ وہ اس کے قریب چلی گئی اور شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”ارے نہیں بھئی..... اس نے قدرے عجیبلا کر کہا۔

”سب ٹھیک ہے بس کوئی دفتری معاملہ ہے۔“ رشیم قدرے مطمئن ہو کر برتن سیٹھے لگی۔

خرم وہاں سے اٹھ کر ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ وہ بہت خاموش اور متشکر سا ہو گیا تھا۔ باہر بارش پیٹ پیٹ کر برس رہی تھی۔ ہوا کے پھیکے ہوئے سے

جھونکے کمرے کے اندر آتے، لیپ کی لوہار، بار بھڑکتی، دونوں کے سائے دیوار پر لہرا کر گزرتے ہو جاتے۔

رشیم جب تک باورچی خانے کے کام سے نمٹ کر آئی۔ خرم کافی سنبھالا لے چکا تھا۔ اس سے ادھر ادھر کی روزمرہ کی باتیں کرنے لگا۔ رشیم نے لگرمندی اور لا چاری سے کہا۔

”برکھا اتنے زوروں سے برس رہی ہے، معلوم

نہیں باہا کا کیا حال ہو گا؟“ کیلے پڑے ہوں گے اس

میں پانی میں۔“ خرم نے اپنی پریشانی کے باوجود اس کی پریشانی کو محسوس کیا اور بولا۔

”ہاں سچ کہا تم نے..... آج ارادہ بھی تھا انہیں لانے کا مگر بارش نے راستہ روک لیا۔ انشاء اللہ صبح انہیں ضرور اٹھالاؤں گا یہاں۔“

بارش کا زور کافی ٹوٹ گیا تھا مگر آسمان بادلوں سے اسی طرح ڈھکا ہوا تھا۔ سلی، سلی ہوا میں سائیں، سائیں کی آوازوں کے ساتھ اونچے، اونچے درختوں سے سرگمراقتی پھر رہی تھیں۔ بادلوں بھری دوپہر پتا بھی نہیں چل سکا کہ کب شام میں تبدیل ہو گئی اور شام سے رات آگئی مگر آسمانوں سے برستے پانی کا تار نہ ٹوٹا۔

رات کے کھانے کے بعد ہاتھیں کرتی، کرتی رشیم جلد ہی نیند کی واد یوں میں اتر گئی۔ مگر خرم سے ایسا نہ ہوسکا۔ لیپ کی روشنی میں اس نے ایک دفعہ پھر لفافہ کھول کر تحریر کو بغور پڑھا۔ نہایت سادہ الفاظ میں یہ اس کا ٹرانسفر نامہ تھا۔

یہاں سے تپا دلے کے حکم نے اسے بہت ساری لگروں میں جتلا کر ڈالا تھا۔ مگر ایسا تو ہونا ہی تھا۔ وہ کئی سال سے ایک ہی مقام پر تعینات تھا۔ اسے اپنی نہیں بلکہ رشیم کی لگرمندی۔ اب موجودہ صورت حال میں وہ تنہا نہیں بلکہ ایک معصوم سی بے خبر بیوی کا شوہر ہو چکا تھا اور اپنی تمام ذمے داریوں سے آگاہ تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر اس نے جو کارنامہ سرانجام دیا اس کا ثبوت غیبازہ بھنگنے کا اندیشہ ہر آن بدحواس رکھنے لگا تھا اور

اب یہ تپا دلے کا حکم، اسی سوچ میں اسے دوپہر سے رات گزر گئی۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

ساری دنیا جیسے سو گئی۔ سنسان ہو گئی، ہواؤں میں مزید تیزی آگئی تھی۔ برستی بارش کی اندھیری رات ساکت کھڑی تھی۔ ہر طرف اک ہو کا عالم طاری تھا۔ خاموشی، تاریکی اور بارش..... ہر طرف بہت دیرانی سی تھی..... سناٹا بہت گہرا تھا مگر اب خرم پر بھی غنودگی کا غلبہ ہو چکا تھا۔

## جنگل کا بھول

سپر دکر کے چند دن کے لیے گھر چکر لگانے کے لیے آیا تھا۔ نپلے پہ دھلا یہ ہوا تھا کہ جادلے کے آرڈرز آگئے تھے۔ حالات بہت گھبر ہو چکے تھے۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماں جان اس کی شادی ٹھہرانے والی ہیں، جب سوچ، سوچ کر دماغ بیکار ہونے لگا تو جی میں آئی کہ گھر پہنچ کر باہر بھائی کے روبرو اعتراف گناہ کر لیا جائے پھر جو ہو، دیکھا جائے گا۔ اس کا دل و دماغ تو ہلکا ہو جائے گا۔ ممکن ہے باہر بھائی اس کے اچھے ہوئے مسئلے کا کوئی مناسب حل سوچ سکیں۔ یہ سب سوچ کر اس نے ریشم کے پاس بستی کو ٹھہرایا اور بابا کے سوئم کے بعد اپنے گھر کی راہ لی۔

ایک، ایک کر کے اس نے تمام گھر کے کمرے جھانک لیے اسے انگیسی میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا وہاں پہنچا تو اس کی نگاہیں حیرت سے بستی کی پستی رو نکلیں۔ زمین نے گویا اس کے چہرے پکڑ لیے۔ دو، دو درزی بیٹھے ہوئے دھڑا دھڑا ریشمی لمبوسات سی رہے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

”شادی کی..... تیاریاں ہو رہی ہیں صاحب۔“ جواب ملا..... خرم کے دیوتا کوچ کر گئے۔ واپسی پر وہ گرتے، گرتے بچا۔ جیسے تیسے باہر بھائی کے کمرے میں آیا۔ وہ بھی منہ پر کتاب اوندھائے سو رہے تھے۔ یہ بھی ایک کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ آتے اوسان خلا ہوئے جا رہے تھے۔

”گویا یہاں شادی کی تیاریاں جاری و ساری ہیں..... اب ہوگا کیا.....؟“ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کی جان لے رہا تھا۔ جی ہی جی میں ”جل تو جلال تو، آئی بلا کوٹال تو“ کا ورد کرتے ہوئے باہر بھائی کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ دل میں معمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان کے سامنے ابھی اور اسی وقت اپنی شادی کے راز پر سے پردہ اٹھا ڈالے گا۔ لیکن بہت

139 ماہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015

یہ ایک بادل زور سے گرے۔ ساتھ ہی کسی نے بیرونی گیٹ چھٹ ڈالا۔ پہلی ہی دھمک پر خرم اچھل کر بیٹھ گئے۔ کوئی چلا، چلا کر کہہ رہا تھا۔

”جنگل بابو، جلد آؤ، جلدی کرو..... تمہارا سہرا دب گیا۔ اس کی جمپوزی گر گئی ہے۔“ خرم نے دوانہ کھولا تو صحن میں مینہ کی ہلکی ہلکی بوندیں آہستہ آہستہ گر رہی تھیں۔ اور جب وہ آنے والوں کے ساتھ بابا رحمت کی جمپوزی کی طرف بھاگا جا رہا تھا تو ہارش کی بوندوں کی جھار ہوا کے تیز جھونکوں سے لہرا رہی تھی۔ اطلاع دینے والوں میں رام داس سب سے آگے تھا اور بتا جا رہا تھا۔

”میں کل ہارش سے پہلے ہی دسہرے کی چھٹیوں پر بچوں کے ساتھ یہاں بستی پہنچا ہوں، ابھی میری گہری باڑے سے نکل بھاگی تب ہی بابا کی جمپوزی گری ہے۔“

بالا خر قصہ مختصر..... ہوا یہ کہ مینہ کی یہ چھڑی ریشم کے بابا کو ہمیشہ کے لیے اس سے کوسوں دور لے گئی۔ وہ کھانٹے، کراہتے ایسے گئے کہ ریشم کی آہ وزاری اور اٹھکوں کی بارات انہیں واپس نہ لاسکی۔

اگر انہی دنوں بستی نہ آئی ہوتی تو جانے اس پر کیا گزرتی؟ بستی نے ہر ہر پہل اس کی خیر گیری رکھی اور تسلی بخشی دی۔ خرم کو بھی ڈھارس رہی۔ مینہ کی چھڑی ایسی لگی کہ کئی روز تک آسمان پر بادلوں کی سرسختی چادر پھیلی رہی۔ آسمان سے زمین تک ریشم کی آنکھوں کی طرح پانی کا تار بندھا رہا۔

☆☆☆

تقریباً سہ چہر چار بجے خرم کوٹھی پہنچا۔ اتفاق سے سب لوگ سو رہے تھے۔ نامہ بیگم کی طرف شانے کوچ رہے تھے۔ خنی کہ شرارتی بچے تک پڑے سو رہے تھے۔ خرم بہت حیران ہوا..... یوں بھی ریسٹ ہاؤس سے ہزار ٹکرات میں گھرا ہوا..... سفر کرتا آ رہا تھا۔ بستی اور اس کے گھر والوں کی وجہ سے بہت ڈھارس ہوئی تھی۔ غزوہ اور دلگیر ریشم کو ان کے

دیر ہوگئی وہ سو کر ہی نہ اٹھے حتیٰ کہ محصورہ کو بھائی کے آنے کی خبر ہوگئی اور وہ اسے یہ بتا کر اپنے کمرے میں لے آئی کہ: "باہر بھائی جان کو بیمار ہے وہ انجیکشن لگوا کر سو رہے ہیں۔" وہ دوڑ کر اس کے لیے پانی وغیرہ لائی پھر رازداری سے بتانے لگی۔

"خرم بھیا، آپ تو بہت دنوں بعد آئے ہیں، آپ کو معلوم نہیں ہے سیٹھ رستم علی کے ہاں جو آپ کی بات چلی رہی تھی، معلوم نہیں کس پنا پر اماں جان ان سے خفا ہو گئیں پھر اچانک ہی انہوں نے آپ کی شادی روک دی۔ اب صرف باہر بھائی جان کی شادی کر رہی ہیں، آپ کی بعد میں خاور بھائی کے ساتھ، ساتھ ہوگی۔"

"ایں....." خرم کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بے چینی سے پوچھا۔ "مصورہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ ذرا پھر سے کہنا۔" مصورہ نے اپنی بات دوبارہ دہرائی اور رونی صورت بنا کر بولی۔

"بھیا! ایک دن پھولی جان بھی کہہ رہی تھیں کہ تاہم کے فیصلے ناقابلِ فہم ہیں، ہم تو اتنے خوش ہو رہے تھے کہ ہماری دو، دو بھادھیں آئیں گی مگر اماں جان نے ہر ارمان مٹا ڈالا۔ آپ کو بھی افسوس ہوتا ناں بھیا؟" خرم نے سکھ کی ایک لمبی سانس لی اور وہیں اس کی مسہری پر لیٹ کر بولا۔

"چلو جاؤ بھاگ جاؤ اب تم..... مجھے سخت نیند آرہی ہے۔" مصورہ بیچاری مغموم، مغموم سے انداز میں بھائی کو نکلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کے خرم بھائی کو متوقع شادی کے رک جانے کا ملال ہوا ہے اس لیے اسے بھاگ دیا۔

مصورہ کے کمرے میں لیٹ کر خرم سچ سچ سو گیا اور ایسی گہری پتھر سکون اور میٹھی نیند سویا کہ باہر اٹھ بیٹھے، سارا گھر جاگ گیا مگر وہ اطمینان سے سوتا رہا۔ اور جب سو کر اٹھا تو بالکل تازہ دم اور بے فکر سا ہو رہا تھا۔ جیسے بہت دنوں کی فکرات سے آزادی ملی ہو۔ باہر بھائی جان سے اپنا راز نہ کہنے کا ارادہ کر لیا

تھا۔ فی الحال خطرہ ٹل گیا تھا۔ اس نے سوچا۔ "بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ ابھی تو جان بچی سو لاکھوں پائے۔" ایک قایت درجے کا اطمینان اتر آیا تھا اس کے رگ و پے میں..... ہلکا ہلکا ہو گیا تھا۔

دو دن تک وہ بھی دیگر معاملات کو بھلائے بہن، بھائیوں کے درمیان خوب لطف زندگانی اٹھاتا رہا۔ روپی سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ دار بنا رہا تھا اور ہلا گلا کرتا رہا۔ پھر واپس شادی سے قبل آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

بچوں کی سرگرمیوں سے بے پروا تاہم بیگم بیٹے کی شادی کی تیاریوں میں پوری طرح منہمک تھیں۔ کون کیا کر رہا ہے یا کہہ رہا ہے، انہیں معلوم تھا اور نہ وہ معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے اپنی ہی انگ نوعیت کے مطلق العنان حکمران کے سے مزاج کے طور طریقے سب سے جدا گانہ تھے۔ کسی کو خاطر میں کب لاتی تھیں۔ دونوں لڑکیاں جس روز سے شرمین کے ہاں ہو کر آئی تھیں، اندر ہی اندر اس کے گن گاتے نہ تھک رہی تھیں۔ شرمین کی شرافت اور ٹیکہ نفسی کی تو دل سے معترف ہو چکی تھیں مگر دادی اماں کی کمی ہوئی باتیں بھی انہیں بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔ روپی کو جب بھی ان کی کسپہری کا خیال آتا، اس کے دل کو اندر ہی اندر کچھ ہونے لگا۔ ایک دن اس سے رہا نہیں گیا تو وہ شرم بیگم کے سامنے سب حال کہہ بیٹھی۔ مصورہ بھی موجود تھی۔

یہ سن کر کہ یہ دونوں خاور کے ساتھ چھپ کر شرمین کے گھر گئی تھیں، شرم بیگم رنگ رہ گئیں۔ ملامت آمیز لہجے میں بولیں۔

"ارے بیٹی! صدر رحمت ہو تم پر، بلا ہمارے علم میں لائے تم اس گھوڑی ٹیوٹر کے گھر تک ہو آئیں؟ ایسی کیا مار پڑی تھی تم پر؟ اور خاور کو دیکھو! سوچے سمجھے بغیر بہنوں کو لے کر کھینچ بھی گئے۔ بجائے اس کے کہ سمجھاتے، منع کرتے..... اب جو تاہم نہیں گی تو کیا سمجھتی ہو فضیحہ کیے بغیر رہیں گی؟" ان کی

”کاش! آپ اس کی ان زخمی نگاہوں کو دیکھ سکتیں جو ہم وکھ کر آ رہے ہیں..... سچ کہتی ہوں امی جان! یوں لگتا تھا گویا آنسو بھی ان آنکھوں میں پتھر کے بن گئے ہوں۔“ روہنی نے رنجیدہ ہو کر جواب دیا۔

”ارے تو ایسا کیوں تمہیں لگا بیٹی.....؟“ شمسہ بیگم نے متاثر ہو کر پوچھا۔

”وہ اس لیے امی جان کہ جب معصومہ نے اس سے ممانی جان کا حوالہ دے کر کہا کہ آپ نے اچانک، آنا چھوڑ دیا تو ایک دن اچانک اماں جان نے خود ہی بتایا کہ میں نے اسے آنے سے منع کیا ہے، بس اس غیرت مند لڑکی کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ رنگت تو اس کی سفید پڑ چکی تھی مگر زبان بند تھی۔“ اب معصومہ نے بھی زبان کھولی اور کچھ یاد کر کے کہنے لگی۔

”پھوپھی جان! ہم لوگ یہ سوچتے ہوئے گئے تھے کہ اماں جان نے اس کا ذکر جب ہم سب کے سامنے انتہائی گہرے ہوئے الفاظ میں کیا ہے تو اس وقت غصے کے عالم میں معلوم نہیں کہ کس قدر سخت الفاظ استعمال کیے ہوں گے۔ اس لیے ہم جب ان کے سامنے جائیں گے تو یقیناً وہ بھی ضرور برا بھلا کہیں گی مگر مجال ہے کہ انہوں نے ایک لفظ بھی کہا ہو.....! اتنا تحمل، اتنا ضبط اور اس قدر بردباری سننے میں تو آسکتی ہے مگر رو بردیکھنے میں کم ہی آتی ہوگی۔“

اس کے بعد روہنی نے شرمین کی دادی اماں کے کہے ہوئے الفاظ ماں کے سامنے ڈہرائے اور وضاحت کے ساتھ ان کے تاثرات سے آگاہ کیا کہ وہ شرمین کے مستقبل کے متعلق کس قدر فکر مند اور حواس باختہ تھیں۔ اب شمسہ بیگم کے تیور بالکل بدل چکے تھے۔ لڑکیوں نے اتنی تفصیل اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان لوگوں کا تذکرہ کیا تھا کہ ان کا دل بھی تڑپ اٹھا تھا۔

”بھئی میں بھی لڑکی والی ہوں، روہنی کی

طویل تقریر نے روہنی کو چڑا دیا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی امی جان ان کے اقدام کو سراہیں گی، بعد روہنی کریں گی، ہنر کر بولی۔

”مجھے تو آپ بھی ممانی جان کی سمجھتی ہیں امی جان۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ ہماری حوصلہ افزائی کریں گی۔ بات کا سچ رخ سمجھ کر اس مظلوم کی ضیاع دادی اماں کے لیے دلا سے کے چند بول بولنے خود چل کر ان کے پاس جائیں گی۔ معذرت کریں گی مگر آپ نے انصاف ہی کر ڈالا۔ واہ امی جان واہ.....“

”اے واہ لڑکی.....! میں نے انہیں کیا..... کہہ دیا بھلا۔“ شمسہ بیگم نے قدرے تنگ کر جواب دیا۔

”آپ نے نہیں تو۔“ روہنی کہتے، کہتے جھجکی پھر کہتی چلی گئی۔

”آپ کی جیتی بھادوچ نے تو کہہ ڈالا..... کون سا ایسا عیب ہے جو اس غریب لڑکی میں نہ نکالا ہوگا..... اور کون سی گالی باقی چھوڑ دی ہوگی جو اس کی ذات کو نہ دی ہوگی۔“

”تو کیا..... نامہ نے گالیاں دیں اس کو؟“

شمسہ بیگم نے حواس باختہ ہو کر پوچھا۔

”گالیوں سے بھی زیادہ بڑھ کر..... معلوم نہیں کون، کون سے الزامات دیے ہوں گے، دھمکیاں دی ہوں گی۔“ روہنی نے جملے کئے لہجے میں جواب دیا۔

”کیا اس لڑکی نے..... خود تم لوگوں کو یہ سب باتیں بتائی ہیں؟“ شمسہ بیگم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ہمارے لیے انتہائی دکھ اور شرمندگی کی بات یہ ہے کہ اس..... لڑکی..... یعنی شرمین نے تو اپنی زبان سے ایک حرف بھی شکایت کا نہیں کہا ہے۔“ روہنی نے دہکی ہو کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور تاسف سے بولی۔

شمسہ بیگم نے حیران ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔

”پھر..... تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ نامہ نے اسے گالیاں دیں..... دھمکیاں دیں..... اب بڑوں پر الزام بھی دھرنے لگیں تم؟“

شادی سے پہلے ضرور ان کے ہاں جا کر سلائی کرنے کی کوشش کروں گی۔“ بالآخر انہوں نے متاثر ہو کر کہہ ہی ڈالا۔

☆☆☆

بہنتی کی سیاہ بھونڑی آنکھوں میں آنسو برے تھے اور وہ گلوگیر آواز میں آہستہ، آہستہ بتا رہی تھی۔  
”جب ہم وہاں پہنچے تو جمونہڑی گر چکی تھی، جمونہڑی کی ہر چیز سچ اور ثابت تھی حتیٰ کہ چائے کا ایک پیالہ تک نہ ٹوٹا تھا مگر..... رحمت بابا مر چکے تھے..... ان کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔“ دادی اماں، ذکیہ خالہ اور پیاری بوجو سانس رو کے اس کا بیان سن رہی تھیں۔“ طویل سانس لے کر رہ گئیں۔ شرمین کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے تھے۔

شام کا وقت تھا، سب لوگ محن میں چار پائیوں پر بیٹھے تھے۔ ذکیہ خالہ بھی اپنی طرف سے آکر بیٹھیں بیٹھ گئی تھیں۔ بہنتی کئی دنوں کی غیر حاضری کے بعد آج دوپہر ہی گاؤں سے واپس آئی تھی۔ اس باتونی لڑکی نے اپنی گاؤں کی سبیلی ریشم کا تعارف عاتبانہ طور پر سارے گھر سے کروا رکھا تھا۔ اب جو اس کے گاؤں میں سانچہ پیش آیا تھا، اس کی تفصیل سب کے گوش گزار کر رہی تھی۔

”اصل میں چھت..... کمزور ہوگی جو ٹوٹ گری۔“ پیاری بوجو ٹھنڈانہ انداز سے گردن ہلا کر بولیں، بہنتی نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

”چھت کی سچ کی ملی ٹوٹ گئی تھی مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ جس جگہ رحمت بابا کی چار پائی پڑی تھی وہاں پہ چھت کا لمبہ ڈرا سا بھی نہیں گرا تھا۔ سارے گاؤں والوں نے دیکھا وہ آرام کے ساتھ سیدھے، سیدھے لیٹے ہوئے تھے جیسے سو رہے ہوں۔“

”اس..... اس کا کیا مطلب ہوا؟“ ذکیہ خالہ کے منہ سے کلمہ حیرت سے نکلا۔

”ہاں موسیٰ بڑی ا میں ہانکل سچ کہہ رہی ہوں۔“ بہنتی بڑی سچائی سے یقین دلانے والے

انداز میں بولی۔ ”ان کی چار پائی والے حصے پر چھت، لکڑیوں اور گھاس پھوس میں اٹکی رہ گئی تھی۔ اس لیے بابا کا بستر بالکل صاف ستھرا بڑا تھا۔ حد یہ ہے کہ چار پائی کے پاس رکھا ان کا حقہ بھی سلامت تھا۔ بس وہ بچارے خود ہی باقی نہیں رہے۔“ چاروں طرف گہرا ستانا چھا گیا۔ سب کے دل رنجیدہ ہو گئے تھے۔

”میرا خیال ہے وہ بچارے چھت کرنے سے شاید پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ چھت کے کرنے سے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی ورنہ ان کی ظاہری حالت کچھ دوسری ہی ہوتی۔“ تھوڑی دیر بعد دادی اماں بولیں۔

”بس بیگم..... یہ بھی قدرت کے انتظامات ہیں، مجھے تو اس لڑکی بھاری کا دکھ اور ہاپے۔ ایک باپ تھا وہ بھی نہ رہا۔ آخر وقت میں کچھ کہہ سن بھی نہ سکے۔ وہ دکھیا مل جائے مجھے تو کلبجے سے لگا لوں۔“ پیاری بوجو ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

”بڑی اماں..... گاؤں میں سبھی لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ رحمت بابا پہلے ختم ہوئے ہیں، جمونہڑی بعد میں گری ہے، ورنہ وہ لکڑیوں کے نیچے دبے ہوئے نہ ہونے کی وجہ سے صاف سچ جاتے۔“ بہنتی نے دادی اماں کی بات پر چونک کر کہا۔

”بس بیٹی جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے..... اگر ان کی زندگی ہوتی تو آنے بہانے ضرور زندہ رہ جاتے۔ رہ، رہ کر ان کی لڑکی کا خیال آ رہا ہے۔ بہت غمزہ ہوگی غریب.....“ ذکیہ خالہ نے ایک آہ بھر کر کہا۔ بہنتی نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

”ریشم کی بہت بری حالت ہے، روتے، روتے پیاری ادھ موٹی ہو چکی ہے، مجھے تو شہر آنے نہیں دے رہی تھی۔ اس کے جنگل بابو کی وہاں سے بدلی بھی ہو چکی ہے، میرے پتاجی نے تو ان کو صلاح دی تھی کہ یہاں ہمارے قریب شہر میں آبسوء ایک دو بچے کا سہارا رہے گا۔ وقت بہتر کٹ جائے گا۔“

## جنگل کا پھول

”ایک ریشمی پراندہ چوڑیاں، ایک ریشم چڑیا اور تھوڑا سا دنداسہ..... جنگل بابو کے لیے کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا لے کر جاؤں۔ بڑے آدمی ہیں بھئی۔“ بستی نے شرمیلے پن سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

”چلو ان کی تو خیر ہے، مرد آدمی ہیں مگر ریشم کے لیے تم اچھی سوغات لے کر گئیں۔ اب بعد میں دے دینا۔“

اس لاشکر کے کوئی بیٹے کے بعد ریشم ان سب کی زندگیوں میں ایک خراب صورت اضافہ بن کر وارد ہو گئی۔ سب نے اسے بڑے پریم اور کلمے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ خان صاحب کا کرائے کا چھوٹا سا صاف سترا گھرانہ دونوں میاں، بیوی کے لیے انتہائی موزوں اور مناسب تھا۔ خرم بھی اتنے سارے محبت کرنے والوں کو ارد گرد پا کر مطمئن ہو گیا تھا۔ رحمت بابا کی اچانک جدائی اور ساتھ ہی ٹرانسفر کے مسئلے نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ ریشم کی تنہائی اور اپنی مجبوری سے وہ اندر ہی اندر سہم گیا تھا مگر دوسری جگہ ملازمت اور ڈیوٹی اب خصوصاً بستی کے گھرانے کی موجودگی اور دوسرا ہٹ کی وجہ سے آسان ہو گئی تھی۔ وہ ہر شام پہ آسانی اپنے گھر آ جایا کرتا تھا۔

یوں تو ریشم سے مل کر کبھی خوش ہوئے تھے لیکن اسے دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی حقیقت میں ذکیہ خالہ کو ہوتی تھی۔

ایک ماہ کے اندر، اندر یہ ہوا کہ وہ گویا ریشم کو دیکھ، دیکھ کر چہینے لگیں۔ انہیں خوب اچھی طرح سے یقین ہو گیا کہ لڑکی بہت ہی معصوم اور انجان ہے بلکہ اپنی حالت سے بھی بے خبر ہے۔ لہذا انہوں نے رازداری سے دادی اماں سے تذکرہ کیا۔ اس دن کے بعد وہ دونوں ہی ریشم کا خصوصی خیال رکھنے لگیں۔ ذکیہ خالہ تو اس کی ناز برداری میں بچہ، بچہ جاتیں۔ خرم کے چلے جانے کے بعد گھر کے کام سے فراغت پا کر وہ ریشم کی طرف ہی آ بیٹھتیں۔

143 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

”پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟ مانے یا نہیں مانے؟“ ذکیہ خالہ نے دلچسپی لے کر پوچھا۔

”بات تو ان کی سمجھ میں آ گئی تھی کیونکہ ہاتھی ان کو آپ کے کرائے والے گھر کی بابت بتا رہے تھے۔“ بستی نے قدرے مسکرا کر جواب دیا۔

”گھر تو ابھی تک خالی ہے، میں تو دل سے چاہتی ہوں وہ آ جائے بلا سے روٹی ہی ہو جائے۔ جو ہم سے ہو سکا اس کے دکھ کا مدد او کریں گے۔ یہ تو ثواب کا کام ہے۔“ ذکیہ خالہ نے بڑے جوش ہو کر کہا۔

”بیچارے رحمت بابا کا گھر ہی ختم ہو جائے گا۔“ شرمین نے پہلی بار زبان کھولی اور انفسوس سے بولی۔

”ریشم اور جنگل بابو دونوں ہی بہت بڑے دل کے مالک ہیں، انہوں نے بابا کی جھونپڑی، باڑے، بیٹری بکریاں اور گھر گرجہستی کا سامان اس لڑکے کو دے دیے ہیں جس نے آخر میں بابا کی خدمت کی تھی اور ان کے ذمہ ڈنگر چرانے جنگل لے جایا کرتا تھا۔“ بستی نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

”اللہ تعالیٰ مرنے والے براہی رحمتیں برمائے گا۔ یہاں کے ایک وہاں کے ستر لگیں گے۔ بہت نیک دل معلوم ہوتے ہیں۔“ پیاری بوا خوش ہو کر دعا یہ انداز میں گویا ہوئیں۔

تھوڑی دیر اسی نوعیت کی باتیں رہیں پھر ذکیہ خالہ اپنی طرف چلی گئیں اور دادی اماں کو سیدھی کرنے کے لیے لیٹ رہیں۔

”تم گاؤں دسہرے کی چھٹیاں منانے گئی تھیں زیادہ مزہ تو نہیں آیا ہوگا؟“ شرمین نے بستی سے کہا۔

”سچ کہا شرمین دیدی تم نے..... خاک مزہ نہ آیا، ریشم کے دکھ نے جی کاٹ کر رکھ دیا۔ سوچا کیا تھا ہو گیا گیا۔ میں اس کے لیے شہر سے سوغات لے کر گئی تھی مگر دینے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔“ بستی نے دلگیر ہو کر جواب دیا۔

”کیا لے گئی تھیں؟“ شرمین نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

ان کی چٹ پٹی باتوں اور حکایتوں میں ریشم کا وقت چٹکیوں میں گزر جاتا۔ باتوں، باتوں میں اسے سو طرح کی نصیحتیں بھی کرتی جاتیں۔

یہی وجہ تھی کہ ریشم ان سے بہت مانوس ہوتی چلی گئی تھی۔ ان کی ہر بات کو دھیان دے، دے کر سنتی اور عمل کرنے کی کوشش کرتی۔ کبھی کبھی وہ دادی اماں کی طرف بھی آجاتی وہ اس سے بڑے پیار اور دنا سے پیش آتیں۔ ہنستی تو ہر روز ہی اس کے ہاں پکڑا جاتی۔

ایک شام..... جبکہ باؤل چھائے ہوئے تھے، اندر باہر خوشگوار ہواؤں کے جھونکے چھیڑ چھاڑ کرتے پھر رہے تھے، ریشم اور ہنستی، دادی اماں کی طرف آ بیٹھیں۔ آج اتوار ہونے کی وجہ سے شرمین بھی فارغ تھی، یہ سب مل کر باتیں کرنے لگیں۔ ایسے میں اچانک معصومہ اور شمسہ بیگم غیر متوقع طور پر ملاقات کے لیے چلی آئیں۔

شرمین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس سے تو کچھ بولا ہی نہیں جاسکا۔ معصومہ نے خود ہی تعارف کرایا۔

”دادی جان! یہ میری پھوپھی جان ہیں، روٹی آپا کی امی جان..... جب سے ہم آپ سے مل کر گئے تھے، آپ کی تعریفیں کر کے ہماری زبانیں نہیں تھک رہی تھیں۔ ہذا انہیں بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا۔“

”جیتی رہو، خوش رہو۔ میرا بھی دل بڑھ گیا تمہارے آنے سے جگ، جگ، آؤ، اللہ تمہارا آنا مبارک کرے۔“ دادی اماں نے بڑھ کر انہیں گلے سے لگالیا اور خوش ہو کر بولیں۔

”لڑکیوں سے آپ کی تعریف سن، سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ پھوپھی جان ان کے مخلصوں اخلاق سے متاثر ہو کر کہنے لگیں۔ انہوں نے انہیں چار سے اپنے قریب بٹھالیا اور اچھی، اچھی باتیں کرنے لگیں۔ پھوپھی جان اس گھر کا رکھ رکھاؤ، ماحول میں رچا ہوا بے لوث بے ریا دوستانہ خلوص اور سچائیوں سے زندگی

خوشبو محسوس کر کر کے حیران ہو رہی تھیں۔ شرمین کی جھنجھکی، جھنجھکی نگاہیں ان کے دل پر بار بار دستک دے رہی تھیں اور اپنی بھادج کی کم عقلی اور کم فہمی پر جی ہی جی میں کڑھ رہی تھیں۔ بہت متاسف تھیں۔

اس گھر میں آنے کا ان کا مقصد بھی شرمین کے دکھے دل پر پھار کھانا تھا۔ وہ خود بیٹی والی تھیں اپنی بیٹی کی وہ شادی کر رہی تھیں۔ ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ قدرت... کو کوئی بات بری لگ جائے خدا نخواستہ۔ دادی اماں نے ان کا تعارف ریشم اور ہنستی سے بھی کروایا۔ پھوپھی جان کو ریشم بلور خاص بہت بھائی۔

”یہ دونوں آپ کی کرائے دار ہیں؟“ انہوں نے اسے بتور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ ہنستی ہماری کرائے دار ہے۔ اپنے والدین کے ہمراہ رہتی ہے اور یہ ریشم..... پڑوس میں رہتی ہیں۔“ دادی اماں نے بتایا۔

”ان کے..... میاں کیا کام کرتے ہیں؟“ پھوپھی جان نے سادگی سے دریافت کیا۔

”وہ جنگل بابو ہیں جنگل بابو۔“ دادی اماں سے پہلے ہنستی بول پڑی۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پھوپھی جان نے اس کی طرف دیکھا۔ اب شرمین نے دل دینا ضروری سمجھا اور معصومہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

”قاریسٹ آفسر کو یہ جنگل بابو کہہ رہی ہے۔“

”اوہ..... اچھا، اچھا۔“ پھوپھی جان اس کا مطلب سمجھ کر مسکرائیں۔

”میرے بھی ایک بھائی..... قاریسٹ آفسر ہیں۔ بہت خوش ہوئی آپ سے مل کر۔“ معصومہ نے خوش ہو کر کہا۔

☆☆☆

نامہ بیگم کے ہاں کا دھوم دھڑکا دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ دولہا والی تھیں۔ ان کی گہما گہمی اور مصروفیات کا کچھ ٹھکانا نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا کسی ملک کی فتح کا سہرا دولہا کے سر بندھنے کو ہے۔ باہر سے اندر تک ہر بشرنی ہاتھیں خوشی سے کھلی جا رہی تھیں۔



گھر۔ اداس۔ ویران

جو اولاد نہیں

آج بھی ہزاروں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ اولاد نہ ہونے سے دوسری بنادی یا طلاق جیسے گھریلو جھگڑے، اداسیاں اور جدائیاں جنم لے رہی ہیں۔ آپ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں کیونکہ مایوسی تو گناہ ہے۔ ہم نے صرف دیسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں پر ریسرچ کر کے ایک ایسا خاص قسم کا بے اولادی کورس تیار کر لیا ہے جس کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کے ہاں بھی خوبصورت اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھل سکتے ہیں۔ آج ہی فون پر اپنی تمام علامات سے آگاہ کر کے ہر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی VP بے اولادی کورس منگوائیں۔ خدا کے لئے ہمارا بے اولادی کورس ایک دفعہ تو آزمائیں اور خدا را اپنے گھر کے ماحول کو توجنت بنائیں۔

المسلم دار الحکمت رجسٹرڈ

ضلع حافظ آباد۔ پاکستان

0301-6690383

0300-6526061

فون اوقات

صبح 10 بجے سے شام 4 بجے تک

خاندان اور دوست احباب میں کون تھا جسے نائتم بیگم نے اس یادگار موقع پر فراموش کیا ہو..... ماشاء اللہ سب کو بلایا تھا اور سبھی آئے تھے ان کے ہاں کی پہلی خوشی پر۔

تین احمد اور پھوپھی شمس بیگم اپنی فیملی کے ساتھ شہر کے دوسرے حصے میں اٹھ گئے تھے مگر مہمانوں کی افراتفری اور بارات کی تیاریوں میں ان لوگوں کی کمی زیادہ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اور یوں بھی یہ جدائی بالکل عارضی اور ایک بڑی خوشی کو منعقد کرنے کے لیے عائشہ کی گئی تھی اس لیے کوئی اس دوری کو خاطر میں لا رہا تھا نہ گھر و تردد کی کوئی بات تھی۔

جوں، جوں بارات کا دن آ رہا تھا، نائتم بیگم کے پاؤں زمین پر نہ لگ رہے تھے۔ وہ دل کھول کر اپنے ارمان پورے کر رہی تھیں۔ وہ فطری طور پر ایک آزاد اور خود مختار خاتون تھیں۔ حراج میں حاکمیت اور بڑائی کا غرور تھا۔ تمام انتظامات، خریداری اور تیاریاں اپنی حسب مرضی اور حسب خواہش رکھے تھے۔ مجال نہیں تھا کہ پرندہ پر مار سکتا۔ حتیٰ کہ زیورات اور کپڑوں کی کٹائی سلائی میں بھی کسی کی رائے یا مشورے لینے کے بجائے اپنی سوج بوج اور پسند ناپسند کو مد نظر رکھا تھا۔

بالآخر مقررہ وقت پر بارات چڑھی اور شاندار بارات چڑھی، باہر نہایت کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ روہینہ بنت تین احمد کو بیاہ لائے۔ رخصتی کا کام اور ہنگامہ ساتھ خیریت کے نٹنا۔

نائتم بیگم نے ہر جگہ اپنی پسند اور حراج کو فوقیت دی تھی۔ چنانچہ رخصتی کے بعد جب بارات ان کی کونھی کے بالکل قریب آ پہنچی تو دلہن کو گاڑی سے اتار کر پاکی پر سوار کر دیا گیا۔

دلہن کی پاکی گیٹ پر آگئی تو گھر میں ایک شور مچ گیا۔ ڈومینوں نے مبارک باد گانی شروع کر دی۔ دلہن کو پاکی سے اتارنے سے پہلے اس کے پیروں کے انگوٹھے دودھ سے دھلا کر چاندی کی پازیب پہنائی گئی۔ اگر جو باہر کے والد باقر علی صاحب حیات

کے ساتھ بلوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر خاور اور خرم دولہا کے دونوں بھائی موجود تھے۔

آرسی مصحف کی طرح اس وقت بھی دولہا دلہن کو آمنے سامنے بٹھایا گیا۔ درمیان میں بڑے اہتمام سے کھیر رکھ دی گئی۔ یہ رسم بھی اس وقت کے رواج کے مطابق ڈومنی کروائی تھی۔ ایک طرف لڑکے کھیر اُپکنے کے لیے تیار کھڑے ہوتے..... سب سے پہلے دولہا کے ہاتھ سے سات مرتبہ دلہن کو کھیر کھلائی جاتی، دلہن تو خیر اس وقت کیا کھاتی ہے، قریب بیٹھنے والیاں رومال میں... لے لیتی ہیں۔ رشتے کی ایک سمجھدار اور چیز طرار چچی دلہن کے قریب بیٹھی تھیں۔ دولہا باہر اس وقت خوب چمک رہے تھے۔ بھی خرم سے بولے۔

”یار چچے تو مگلواد، کھیر ہاتھ سے کیسے کھلائی جائے گی؟“

”میاں! یہ والی کھیر تو ہاتھ سے ہی کھلائی جاتی ہے۔“ ڈومنی نے صدا لگائی۔

”اچھا برائے مہربانی تم ذرا دور رہو، میں خود کھلا دوں گا۔“ باہر نے اطمینان سے جواب دیا۔

”اے میاں..... آپ کے صدقے داری جاؤں، کچھ دیر تو شرم کر لیجیے۔“ ڈومنی نے دوبارہ ان کی بلائیں لے کر کہا۔

”ارے بھی کھیر کیسے کھلائی جائے یہاں تو منہ رومال سے ڈھکا ہوا ہے۔“ باہر نے گھونگٹ میں جھانک کر دیکھا۔

”جلدی کرو جی، دلہن کو تنگ مت کرو پریشان ہو جائے گی۔“ رشتے کی ایک بہن مگلتا تھیں۔

”میرا کیا ہے، میں ایسے ہی کوشش کر ڈالتا ہوں مگر میرا ذمہ نہیں اگر منہ کے بجائے کھیر کان میں چلی جائے۔“ باہر نے مسکرا کر کہا۔

”لو..... اب کھلاؤ۔“ رشتے کی ایک بھانجی نے دلہن کا گھونگٹ درست کرتے ہوئے اس کے منہ سے ہٹا کر ہنستے ہوئے ترغیب دی۔

دلہن نے دوبارہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

ہوتے تو خاندانی رواج کے مطابق وہی بہو کو گود میں لے کر کمرے میں لے جا کر بیٹھنے کے مگر اب مجبوری تھی مگر پھر تاہم بیگم کے اصرار اور خرم پر خود باہر نے دلہن کو گود میں بھر اور کمرے میں جاتا رہا۔

لڑکیاں بالیاں پروانوں کے ماتھے دلہن کے گرد جمع ہو گئیں۔ مصومہ دلہن کے گھونگٹ میں منہ گھسائے بیٹھی تھی، آج مارے خوشی کے وہ کھلی جا رہی تھی۔ مدتوں پرانی آرزو پوری ہوئی تھی۔ مگر دلہن کے آنسو اب تک خشک نہیں ہوئے تھے۔ لڑکیاں اپنی، اپنی باتوں اور چکاروں میں مگن تھیں۔ کمرے میں اچھا خاصا شور اور مگلتا ہٹ چکی ہوئی تھی۔

”اے بھی تند کو تو دیکھو کیسے اپنے نمبر پر نمبر بڑھائے جا رہی ہے۔“ کسی نے باتوں کے دوران مصومہ کو چھیڑا۔ مگر مصومہ نے فقرہ کہنے والی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی کارروائی جاری رکھی اور رومال سے بھانجی کے آنسو خشک کر کے بولی۔

”اللہ رو بی بھابی! اب تو رونا ترک کر دیجیے۔ آپ کون سے کسی غیر ٹھکانے پر ہیں، اپنے ہی گھر میں تو ہیں۔“ مصومہ کی مصوم اور محبت بھری آواز سے اس کو تقویت ملی۔ اتنے میں کسی نے کسی سے پکار کر دریافت کیا۔

”اے بہن! دلہن کے ساتھ بہو ڈے کا کیا کیا کھانا آیا ہے؟“ کسی رشتے دار خاتون نے لہک کر جواب دیا۔

”ہاتر خوانیاں، فرنی، بریانی، تورمہ، گاجر کا حلوا، زردہ سادی روٹی اور شب دیگ۔“

ایسی ہی طرح، طرح کی بولیوں سے کمر گونج رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان بچھا دیے گئے، کھانے کی پکار پڑتی ہی کمرے میں رشتے کا عالم ٹوٹ گیا اور مصومہ نے کلا شکر ادا کیا۔

کھانے کے بعد زیادہ تر بھیاں اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ اب کھیر کھلائی کی رسم کے لیے دولہا کو گھر کے اندر بلایا گیا۔ اس وقت لڑکوں کو بھلو پر خاص دولہا

## جنگل کا بھول

جن کے باوجود ان کی دوسری کوشش بھی رائگاں گئی۔ ہر بار چچی کا داد کا میاب جا رہا تھا۔ جب تیسری بار باہر نے کھیر کھانے کے لیے منہ کھولا تو عین اسی وقت کسی لڑکی کا ہاتھ لپکا..... اور کھیر اچک لی گئی۔ اب تو لڑکیوں نے کراسر پر اٹھا لیا۔ وہ چڑا رہی تھیں اور لڑکے چڑ رہے تھے کھیار ہے تھے، باہر کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

کسی تر ہی عورت نے چچی جان کو شہو کا دیا اور جنگ کر کان میں کوئی سرگوشی کی..... اتنے غل میں بھی بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ اس کوشش میں کھیر سیر می باہر کے منہ میں اتر گئی۔ اگلی دو کوششوں میں بھی وہ کامیاب ہوتے چلے گئے۔ اب شور مچانے کی باری لڑکوں کی تھی۔ ان کی بے ڈھنگی آوازوں اور فخرے بازی سے کراسر کو بچنے لگا حتیٰ کہ کسی نے باہر سے آکر پھنکارا، تب کہیں جا کر یہ طوقان بدتمیزی دھما پڑا۔ لڑکے دولھا کو شہو پر شہو دے رہے تھے۔ کبھی دولھا دھوکا دے کر کھیر پر منہ مارتا چاہتا تو کوئی درمیان سے ہی جھپٹ لیتا۔ ہنسی کے فوارے چھوٹ پڑتے۔ بہت دیر تک یہی رنگ جمارہا۔ شور اور تعجب امنڈتے رہے، حتیٰ کہ سات مرتبہ کا شگون پورا ہوا۔

لڑکے لڑکیوں کی دھما چوڑی ختم ہوئی تو بڑے یوزھوں نے سکون کی سانس لی۔

☆☆☆

اب یہاں خان صاحب کے کرائے والے گھر کے کمرے میں پڑے، پڑے ریشم کا دماغ کہیں سے کہیں چھلانگیں لگاتا جا پہنچتا۔ کبھی وہ اپنی ہستی کے آس پاس بٹھرے پھیلے جنگل میں وحشی بھولی بھالی ہرنی کی طرح چوڑیاں لگاتی پھرتی، کبھی اپنی زندگی کے دیرینہ ساتھی جھونپڑے میں بیٹھی اپنے پیارے بابا سے بیٹھی باتیں کر رہی ہوتی یا ان کے لیے روٹی پکا رہی ہوتی۔

ایسے میں وہ بھول جاتی کہ اس کے بابا تو اس سے چھڑ چکے ہیں۔ اس کے خواب و خیال کی دنیا ماضی

لڑکوں نے زور سے شور مچایا، سب جھک، جھک کر دلہن کو دیکھ لینے کی کوشش میں تھے۔

”یہ سراسر دھاندلی ہے، ہم دولہن کی طرف سے پُر زور احتجاج کرتے ہیں۔“ خاور بہ آواز بلند چلائے۔

”بیجے جناب کھیر جاتی ہے ناک یا کان میں۔“ باہر نے کھیر والا ہاتھ دوبارہ بڑھاتے ہوئے وارننگ دی۔

”خبردار اگر کوئی بے ہودگی کرنے کی کوشش کی تو..... لو ہم رومال اور ہاتھ ہٹاتے ہیں، تم سیدھے سہاؤ کھیر کھلاؤ۔“ بیوی چچی نے زور سے ڈانٹا۔ اتنے میں کسی نے ہاتھ بڑھا کر کھیر جھپٹ لی۔

”ایسے نہیں بھئی، پہلے دولہا کو سات بار کھلا لینے دو، جب وہ دلہن کو کھلا چکے تو دولہا کی دفعہ میں جھینا جھپٹی کرنا۔“ چچی نے دوبارہ سرزنش کی۔

شورو غل میں قدرے کمی آگئی۔

خدا، خدا کر کے دلہن کی کھیر چٹائی سات بار پوری ہوئی اور روٹی نے دل ہی دل میں سکھ کی سانس لی۔

”دلہن بھابی کی طرف سے کھیر کھلوانے کے لیے کسی ہشیار سے بندے کو بٹھانا چاہیے تاکہ بھائی جان کو خوب تنگ کیا جائے۔“ معصومہ مگر مندی سے بولی۔

”تم فکر کیوں کرتی ہو، میں باہر کو کھیر کھانے ہی نہیں دوں گی۔ چچی جان نے بھی اطمینان دلایا۔ اب لڑکے سارے چاق و چوبند ہو کر کھڑے ہو گئے۔ چاروں طرف ایک محاذ آرائی کا سا ماحول بن گیا۔

چچی جان نے دلہن کا کھیر والا ہاتھ دولہا کو کھلانے کے لیے آگے بڑھایا۔ جیسے ہی دولہانے کھیر کھانے کے لیے منہ کھولا۔ چچی جان نے نہایت چابکدستی سے دلہن کا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

لڑکیوں کی طرف سے زبردست طغلا اٹھا۔ باہر کھیا گئے، ہنس دیے۔ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ ہزار

بعض مصروفیات کس قدر انمول ہو جاتی ہیں۔  
خرم سے ذکر کرنی تو وہ خوب دل کھول کر ہنستا، مذاق  
اڑاتا اور اسے احمق اور بے وقوف جیسے خطا ہات سے  
نوازتا اور اس کو چرانے کے لیے بار بار کہتا۔

”عورت کی کھوپڑی واقعی ایسی ہوتی ہے.....  
آرام اور سکون اسے اس نہیں آتا۔“ لیکن جب کبھی  
وہ سنجیدہ اور رنجیدہ ہو کر روٹھے لگتی تو اس کی جان پر  
بن جاتی اور اسے منانے کے لیے کہتا۔

”ارے بھئی..... میرا مطلب ہے کہ اتنی جلدی  
کیا ہے؟ عمر پڑی ہے ابھی ان ”لوازمات“ کے لیے“  
اور لفظ لوازمات سن کر وہ روٹھنا بھول کر ہنس پڑتی۔

یہاں شہر میں آ کر ایک دن جب ذکیہ خالہ نے  
اس سے دو تین سوالات کیے تو وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ بس  
اسی روز سے وہ اس کا بہت خیال رکھنے لگیں۔ دادی  
اماں بھی اس پر جان چھڑکتی تھیں۔

وہ آج کل خاصی دلی اور کمزوری ہو رہی تھی۔  
چہرہ پہلے سے بھی زیادہ مصوم اور بھولا نظر آتا تھا۔ اس  
کی صورت دیکھ کر خود بخود انسان کے دل میں اس کے  
ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی تھی۔ پھر ایک دن دادی  
اماں کے کہنے پر ذکیہ خالہ نے خرم سے اجازت لی اور  
ریشم کو لے کر اسپتال میں ڈاکٹر شاکرہ کے پاس جا  
پہنچیں۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر شاکرہ نے ذکیہ خالہ  
کے خیال کی تصدیق کر دی تھی اور کئی دوائیں بھی لکھ  
دی تھیں۔ ساتھ ہی ہر ماہ چیک اپ کراتے رہنے کی  
تاکید بھی کی تھی۔

ذکیہ خالہ تو اٹھتے بیٹھتے اللہ آمین کرنے لگی تھیں۔  
کیا کوئی ساس کرتی ہوگی۔

وہ بیچاری اولاد سے محرومی کا دکھ اٹھائے ہوئے  
تھیں۔ اب ریشم کی صورت میں انہیں ایک بہت بڑی  
دلہنسی کا سامان نظر آ گیا تھا۔ اسے دیکھ، دیکھ کر نہال  
ہوئی جاتی تھیں۔ اس کی متوقع زچگی کی تمام تر ذمے  
داری انہوں نے از خود اپنے سر لے لی تھی۔

کبھی ننھے، ننھے کرتے پاجاموں کی کتر پیونٹ

کی نثر کی پگڈنڈیوں سے شروع ہو کر جب حال کی  
شہری زندگی میں پہنچتی تو وہ بے اختیار آنکھیں ملتی ہوئی  
اٹھ بیٹھتی اور خود کو یقین دلانے لگتی کہ وہ سب کچھ جس  
کا تعلق ماضی سے تھا، ختم ہو چکا ہے۔ اب اس کی  
زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔

یہ تو اللہ رب العزت کے انتظامات تھے کہ  
یہاں شہر میں اسے اتنے چاہنے والوں کا ساتھ نصیب  
ہو گیا اور وقت کا ثنا آسان ہو گیا تھا۔ ورنہ خرم کے  
ڈیوٹی پر جانے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ جاتی۔ دوسرے  
بستی کی موجودگی نے اس کے تن مردہ میں گویا جان  
ڈال رکھی تھی۔

شہر آنے کے بعد جس دن ذکیہ خالہ نے پہلی بار  
اس سے چند ذاتی نوعیت کے نئے نئے سوالات  
پوچھے، اس دن سے اس کی زندگی میں عجیب سے رنگ  
بھر گئے تھے۔ وہ اپنی عمر میں پہلی دفعہ نئے، نئے  
احساسات سے آشنا ہوئی تھی۔ ذکیہ خالہ اور شرمین کی  
دادنکاماں نے اسے نئی طرح کی سمجھتیں کرنی شروع  
کر دی تھیں۔

اسے خوب اچھی طرح یاد تھا کہ مگر فریب سے  
پاک اس کی ہستی میں رہنے والے بھی اس کے سچے خیر  
خواہ اور ہمدرد تھے۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی،  
کئی عورتیں دس دفعہ اس سے خیر و عافیت معلوم کر چکی  
تھیں، کئی ایک نے تو کھلے، کھلے الفاظ میں پوچھ بھی لیا  
تھا مگر جب کوئی بات ہی نہیں تھی تو وہ ہنسی لہو کیا  
بتاتی..... دراصل بابا کے علاوہ اور سب کو بھی ان  
دونوں کے بچوں کا بہت ارمان تھا۔ مگر خدا کی مرضی  
کے آگے مجبور تھے۔

خرم نے تو کبھی بھولے سے بھی اس محرومی کا ذکر  
یا ٹکڑ نہیں کی تھی۔ گرمی کی طویل اور سنسان دوپہروں  
میں جب سو، سو کر بھی طبیعت اوب جاتی اور کرنے کو  
کوئی کام باقی نہیں رہتا تو بے اختیار اس کا جی چاہتا  
کہ..... کاش..... کوئی ننھا سا وجود اس کو ستانے اور  
ہل، ہل پریشان کرنے والا ہوتا۔

## جنگل کا بھول

بے خبر سے۔ ”وہ پریشانی کے لہجے میں بولیں۔ خالہ ذکیہ بھی پریشان ہو کر کہنے لگیں۔

”ہاں..... ابھی پچھلا مہینہ تو..... ان گنا مہینہ تھا۔“ دادی اماں سوچ میں پڑ گئیں، خالہ بولیں۔

”اب ماشاء اللہ نظر بھی زیادہ آنے لگی ہے، اسی لیے تو کل آپ کی مہمان نے پوچھا۔“ ان کے میاں کیا کرتے ہیں؟“ ورنہ ان کو کیا معلوم کہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ..... وہی پتلی سی تو ہے۔“

”میرا خیال۔ ہے تم ساری باتوں کو چھوڑو، لڑکی کو لے کر ڈاکٹر شا کرہ کے پاس ہو آؤ، ہم تم سے ڈاکٹر کی رائے کہیں بہتر رہے گی، لڑکی کم سن بھی ہے پہلے پہل کا موقع بھی ہے اور پھر کچھ بھی ہو ہے تو دوسرے گھر کی۔“ دادی اماں نے ان کی بات ان سنی کرتے ہوئے رائے دی۔

”اے ہاں..... سچ تو کہہ رہی آپ..... کھلائے گا نام نہیں ہوتا، نرلائے کا ہو جاتا ہے، دنیا واقعی بہت ظالم چیز ہے۔“ ذکیہ خالہ گھبرا کے بولیں۔

وہاں سے وہ برق کی طرح لہراتی ہوئی دوبارہ اپنے گھر آئیں، اپنا اجلا والا برقع سر پر ڈالا۔ دوپان لگا کر ڈیبا میں رکھے، ریشم کی طرف آئیں وہ پیٹ دبائے بیٹھی تھی۔ بستنی اس کے قریب بیٹھی کر سہلا رہی تھی۔

عجلت کے باوجود ان کا دل نہ مانا جلدی سے سات سرخ مرچیں، لہسن، پیاز کے چھلکے، ذرا سا نمک دلیز کی مٹی لے کر ریشم کی نظر اتار کر چولہے میں جھونکی، تانکا بلوایا پھر اسپتال کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے بھر کو چوان کو ہدایتیں دیتی ہوئی گئیں۔

”اے بھیا آہستہ..... ذرا اور آہستہ چلاؤ۔“ اسپتال پہنچ کر سیدی زچہ بچہ وارڈ میں جا داخل ہوئیں۔ اتفاق سے پہلی ملاقات ڈاکٹر شا کرہ سے ہی ہوئی۔ انہوں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے تسلی دی۔ ابتدائی کارروائی کے بعد ریشم کا تفصیلی معائنہ کیا۔ پھر ریشم کو ہا ہر بھیج کر انہوں نے ذکیہ خالہ کو اندر بلا کر کہا۔

میں معروف نظر آئیں، کبھی آنے والے بچے کے گدے نیچے سی رہی ہیں۔ گویا دادی، نانی کے فرائض بیک وقت ادا کرنا چاہ رہی تھیں۔ ان سارے کاموں میں دادی اماں کے مشورے مرفہرست ہوتے۔ جس دن شمسہ بیگم دادی اماں سے مل کر گر گئی تھیں۔ اس سے اگلے دن ریشم کی طبیعت کافی خراب ہوئی۔

رات اس نے کرم کلمہ اور آلو پٹائے تھے، صبح ناشتے میں بھی کھا لیے، خرم کے ڈیوٹی چلے جانے کے بعد گھر کا ایک آدھ کام نمٹایا، پہلے پہل تو منگنا سادرد ہوتا رہا پھر وقت کے ساتھ بڑھنے لگا۔

حسب معمول ذکیہ خالہ چکر لگانے آئیں تو وہ تین دفعہ واش روم ہو کر آچکی تھی اور کافی غڑھال دکھائی دینے لگی تھی۔

”کیوں..... خیریت.....؟“ انہوں نے گھبرا کر دریافت کیا۔

”پیٹ میں درد ہے۔“ اس نے سادگی سے بتایا۔

”درد ہے؟ رات کیا کھایا تھا؟“

”گو بھی اور آلو پٹائے تھے، وہی کھایا خالہ۔“ ”اچھا..... اسی سے درد ہوگا۔“ خالہ نے مطمئن ہو کر کہا۔ پھر وہیں برآمدے میں بیٹھ گئیں۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ آج وہ اس کے ہونے والے بچے کے لیے سلک کی پھندے والی ٹوپنی سی رہی تھیں۔ حرے کی بات یہ تھی کہ وہ سلائی نکالی کا سارا کام ہاتھ کی سوئی اور دھاگے سے ہی کرتی تھیں۔ وہ اپنی مصروفیت میں مشغول ہو گئیں مگر ان کی ایک آنکھ ریشم کی مگراں تھی۔

تھوڑی دیر میں انہوں نے ریشم کی بے چینی کو محسوس کر لیا۔ وہ اسے بغور دیکھتی ہوئی جلدی سے دادی اماں کی طرف آئیں۔ انہیں جلدی، جلدی ریشم کی کیفیت سے آگاہ کیا۔

”لیکن..... میرے خیال میں تو ابھی وقت باقی

”ابھی ڈیوری میں چند دن باقی ہیں، پیٹ میں درد کسی اور وجہ سے ہے، میں دو ادے رہی ہوں مگر ایک ہات سے آپ کو آگاہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ بچے کی پوزیشن قطعی آڑی ہے، دیکھتے ہیں الٹرا سائونڈ رپورٹ کیا بتاتی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال اور میری معائنہ رپورٹ کا تعلق ہے، اس کے مطابق یہ ایک آپریشن کیس ہے۔“

”آپریشن..... بڑا آپریشن.....؟“ ذکیہ خالد کی توجیح نکل گئی۔ ”ڈاکٹر صاحبہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ اتنی دھان پان کی تو ہے۔“

”اسی لیے تو یہ نوبت آئی ہے۔“ ڈاکٹر صاحبہ تسلی دینے والے انداز میں مسکرائیں۔ ”اگر چاہیں تو کسی دوسری جگہ معائنہ کروالیں۔ کچھ قدرتی طور پر ہڈی کا مسئلہ ہے جبکہ بے بی ماشاء اللہ خوب سدرست ہے اس لیے ڈیوری آپریشن سے ہی ممکن ہے۔“ ذکیہ خالد تو شانے میں رہ گئیں۔

دروازے کے قریب ہی کھڑی رشیم نے یہ گفتگو صاف، صاف سنی۔ وہ بے اختیار باہر بیچ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ ذرا اور خوف سے اس کی لٹھیں بندھ گئی۔ کاریڈور سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر خاور نے رک کر ہوردی سے پوچھا۔

”کیا ہو گیا لی بی آپ کو؟ کیوں اس قدر رو رہی ہیں؟“ رشیم نے سراٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ بیک وقت دونوں کی زبان سے نکلا۔

”ارے..... آپ؟“ فوراً ہی ڈاکٹر خاور نے سنبھل کر دریافت کیا۔

”آپ رحمت بابا کی بیٹی ہیں ناں...؟“ مگر..... یہاں کیسے؟“

آپ..... ”ان“ کے دوست ہیں ناں.....؟“ رشیم کے منہ سے بھی سرسراتی سی آواز نکلی۔ خاور نے لفظ ”ان“ پر غور کیے بغیر دوبارہ پوچھا۔ ”رحمت بابا کہاں ہیں؟ سب خیریت ہے

ناں؟“

”بابا.....“ رشیم کے دل سے ایک ہوک سی بھئی۔ ”وہ تو جنگل ہالو سے میرا بیاہ کر کے چل بے تھے.....“

”آپ کی شادی..... جنگل ہالو سے؟“ ڈاکٹر خاور نے لمحہ بھر غور کیا پھر بدحواس ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں.....“ اس نے معصومیت سے آنکھیں پونپھینچے ہوئے جواب دیا۔

”وہ آپ کے دوست تھے ناں جنگل ہالو..... ان سے۔“ اسی وقت ذکیہ خالد اندر سے برآمد ہوئیں، اس کا ہاتھ تمام کر بولیں۔

”چلو بیٹی گھر..... اب ان ڈاکٹر صاحب سے تو تمہارے میاں ہی آکر بات کریں گے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑے سیدھی باہر نکلتی چلی گئیں۔

ڈاکٹر خاور سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔ کچھ لمحوں کے بعد ان کو ہوش آیا تو وہ تیزی سے اندر کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ڈاکٹر شاکرہ چند کاغذات میں مستغرق بیٹھی تھیں۔

”خیریت.....؟“ انہوں نے سراٹھا کر پوچھا۔

”کس کی تلاش میں آئے ہو؟“ ڈاکٹر خاور نے لمحہ بھر غور کیا، کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

”ابھی میری ایک عزیزہ آپ کے روم سے باہر نکلی ہیں۔ بہت زیادہ پریشان لگ رہی تھیں۔ مجھے بھی نہیں پہچانا یا تو نہیں چلتی چلی گئیں۔ ان کے ساتھ کی لڑکی رو رہی تھی۔“

”اوہ.....“ ڈاکٹر شاکرہ نے ایک طویل سانس لی۔ ”ابھی عام نہیں ہوا۔ اس لیے لوگ آپریشن کو ایک بہت بڑا ہوا سمجھتے ہیں۔ لڑکی کا ڈیوری کیس ہے۔“

خاور سن تو رہے تھے کہ ان کی ساتھی ڈاکٹر کیا کہہ رہی ہے مگر ان کی نگاہیں ایک کاغذ پر جمی ہوئی تھیں جس پر لکھا تھا۔

”رشیم خرم.....“

(باقی آئندہ)

# چراغ تیلے اندھیرا

نظیر فاطمہ

تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے ٹی وی پر اس کا پسندیدہ پروگرام ”حقوق نسواں اور ہم“ ٹیلی کاسٹ ہوتا تھا اور کچھ بھی ہو جاتا بدھ کی رات ساڑھے سات بجے وہ ٹی وی

اس نے جلدی، جلدی روٹی توے پر ڈال کر کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے سات بج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔ اس کے پاس بیس منٹ تھے۔ جن میں اسے چاول ابلانے تھے اور دال کو بگھار لگانا



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)



کے سامنے برا بھلا ہوتی تھی۔ اب بھی وہ اپنا کام ختم کر کے سیدھی ٹی وی لائونج میں پہنچی جہاں امی کوئی ڈراما دیکھ رہی تھیں۔

”امی لائیں ریٹوٹ دیجیے۔ میرے ڈورٹ پروگرام کا وقت ہو گیا ہے۔“ وہ دھم سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ امی نے اسے قدرے ناگواری سے دیکھا مگر خاموشی سے ریٹوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

”واہ، واہ! آج فاروق صدیقی نے خواتین کے حقوق کے بارے میں کیا باتیں کی ہیں۔ تم سے دل خوش ہو گیا ان کی باتیں سن کر.....“ رات کو وہ اپنی بڑی بہن یعنی کو بتا رہی تھی۔ یعنی نے اسے مسکرا کر دیکھا اور سر ہلا کر دوبارہ اسے کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ ایک مشہور اخبار میں کام کرتی تھی۔ ابھی وہ ایک بہت اہم آرٹیکل فائل کر رہی تھی جو اسے کل ہر صورت جمع کروانا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ نہ دیکھ کر زیب منہ بسور کر رہ گئی۔ یعنی اپنا کام مکمل کر کے اٹھی تو زیب کو پنڈفری کانوں میں ٹھونسے گا نے سنتے پایا۔

”ہاں، اب بتاؤ، آج کے پروگرام میں فاروق صدیقی نے کیا کہا کیا ہے؟“ یعنی نے اس کے کانوں سے پنڈفری نکال دیا۔ زیب خوشی، خوشی اسے آج کے پروگرام کی روداد سنانے لگی۔

”ہائے کاش! میں بھی فاروق صدیقی سے مل سکتی۔“ زیب نے حسرت سے کہا۔ یعنی، فاروق صدیقی کو پسند کرنے کے حوالے سے اس کے جنون سے واقف تھی اور وہ اسے اکثر سمجھاتی تھی کہ کسی بھی معاملے میں حد سے بڑھنا نقصان دہ ہوتا ہے۔

”دیکھو زیب! یہ جو اس طرح کے مشہور و معروف لوگ ہوتے ہیں ناں ان کو پاگل پن کی حد تک آئیڈیالائز نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک فاروق صدیقی خواتین کے حقوق پر بہت بااثر طریقے سے بات کرتا

ہے اور خواتین کی بہبود کے لیے respect for women کے نام سے ایک این جی او بھی چلا رہا ہے۔ مگر ہے تو وہ بھی ایک انسان ہی اور ایک مرد بھی اور کوئی بھی انسان خامیوں سے مبرا نہیں ہوتا۔“ یعنی نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

”بس آپ کو تو فاروق صدیقی کے خلاف بولنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔“ اس نے سر جھٹک کر منہ پھلایا۔

”اچھا بابا! جیسے تم خوش، میں کچھ نہیں کہتی۔“ یعنی اپنی جگہ پر لٹ گئی۔

زیب، فاروق صدیقی کو اس لیے آئیڈیالائز کرتی تھی کہ وہ معاشرے کی مظلوم خواتین کے حقوق کی جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ ہر نئے اپنے پروگرام میں کسی خاتون کا مسئلہ سب کے سامنے لا کر اسے حل کرتا تھا۔ اس کا یہ پروگرام خواتین خصوصاً نوجوان لڑکیوں میں بہت مقبول تھا۔ کچھ بھی تھا، اس کے بولنے کا انداز واقعی سحر زدہ کر دیتا تھا۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والے افراد کو پسند کرنا یا سراہنا غلط نہیں ہے مگر مسئلہ تب پیدا ہوتا ہے جب آپ اپنی پسندیدگی میں اتنا آگے نکل جائیں کہ اپنے پسندیدہ شخص کو انسانیت کے دائرے سے نکال کر فرشتوں کی صف میں کھڑا کریں اور اس کے خلاف کوئی بات نہ سن سکیں۔ بلکہ اگر کوئی اس کی مخالفت میں کوئی بات کہہ دے تو آپ لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں۔ زیب بھی آج کل فاروق صدیقی کے حوالے سے انہی جذبات کا شکار تھی۔ سب گھروالوں کے سمجھانے پر بھی کوئی اثر نہ ہوا تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

☆☆☆

”زیب..... زیب!“ یعنی اسے پکارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

”جی.....“ زیب کتابیں سامنے پھیلانے

غزل

چاند رات میں سسکی چاند ہی چمکتا ہے  
زندگی کی دیوی پر خوب روپ چڑھتا ہے  
ساون میں بادل جب مست گیت گاتے ہیں  
دعوتِ پیاباں میں ایک پھول کھلتا ہے  
چوڑیاں ٹمکتی ہیں دل کے تار پلتے ہیں  
بدرہن کی خوشبو سے سارا گھر مہکتا ہے  
سنگ سنگ برکھا کے، بزمِ سخن مہکا کے  
تلخے سوپروں میں کون رنگ بھرتا ہے  
سرسئی شفق میں ہے خونِ دل کی آمیزش  
اس اداس منظر میں دنِ غریب ڈھلتا ہے  
شاعرہ: نیر رانی شفق، ڈی جی خان

”یہ کپڑے پہنوں یا یہ..... آف کچھ سمجھ  
نہیں آ رہا۔“ وہ وارڈروب کا حشر بگاڑ دیتی۔  
”میں اُن سے جو سوالات کرنا چاہتی ہوں  
انہیں لکھ لیتی ہوں۔ یعنی آپ اپنا انٹرویو جلدی ختم  
کر لینا تاکہ مجھے بھی ان سے بات کرنے کا موقع مل  
سکے۔“ وہ ہر روز یعنی کو یاد دہانی کرواتی۔

☆☆☆

ٹھیک پندرہویں روز وہ دونوں فاروق صدیقی  
کے گھر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ یعنی آج گھر  
سے سیدھے فاروق صدیقی کی طرف جانا تھا۔ پریس  
کے باقی عملے کو دفتر سے وہاں پہنچنا تھا۔ انٹرویو کا نام  
ساڑھے گیارہ بجے تھا۔ لیکن وہ دونوں گیارہ بجے  
فاروق پریس پہنچ چکی تھیں۔ باقی عملہ دس پندرہ منٹ  
تک پہنچنے والا تھا۔ چونکہ ار نے یعنی کا کارڈ وغیرہ  
دیکھ کر انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ یقیناً

153 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

بیٹھی تھی۔

”تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔“ یعنی  
نے اپنا لپ ٹاپ بیگ میز پر رکھا اور اپنا شوٹنگ بیگ  
الماری میں۔

”کیا؟“ زیب ذرا متاثر نہ ہوئی۔

”پہلے ایک کپ چائے پلاؤ پھر بتاؤں گی۔“

یعنی پھیل گئی۔

”چائے تو پلا دیتی ہوں لیکن میں جانتی ہوں  
آپ کی خوش خبری کو..... ابھی کہیں گی زیب میرا  
فلاں آرٹیکل بہت بہت گیا ہے۔ آج سرنے میری  
بہت تعریف کی..... ہوں“ زیب، یعنی کی نقل اتار کر  
چائے بنانے چلی گئی۔ یعنی اس کے انداز پر دل کھول  
کر مسکرا دی۔

”یہ لیں چائے۔“ زیب نے کپ یعنی کی

طرف بڑھایا۔ اُس نے سیدھے ہو کر کپ تھام لیا۔  
زیب دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

”زیب! اگر میں فاروق صدیقی سے تمہاری

ملاقات کروادوں تو.....؟“ یعنی نے چائے کا ایک  
گھونٹ حلق سے اتارا اور تصدبات ادھوری چھوڑ دی۔

”کیا..... آپ سچ کہہ رہی ہیں؟“ وہ کتابیں

سائڈ پر کر کے اس کے قریب آگئی پھر اسے دیکھتے  
ہوئے مزید بولی۔ ”آپ کہیں مجھے بے وقوف تو

نہیں بتا رہیں۔“ وہ مٹھوک تھی۔

”ارے نہیں بابا! پندرہ دن بعد مجھے اپنے

اخبار کے سنڈے میگزین کے لیے فاروق صدیقی کا  
انٹرویو کرنا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں ساتھ لے

جاؤں گی تاکہ تمہاری خواہش پوری ہو جائے۔  
ٹھیک.....!“ یعنی نے اس کا سر تھپکا تو وہ خوشی سے

بے قابو ہو کر ناچ اُٹھی۔

☆☆☆

اگلے روز سے ہی اس نے فاروق صدیقی سے

ملاقات کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اسے پہلے سے اطلاع تھی کہ آج پریس سے کچھ لوگ آئیں گے۔

گیت سے اندر داخل ہوتے ہی دونوں بہوت رہ گئیں۔ کیا شاندار اور وسیع لان تھا۔ یعنی نے تو جلد ہی خود پر قابو پالیا مگر زیب کو ہوش میں لانے کے لیے یعنی نے اس کا بازو زور سے ہلایا تھا۔

”جیسے خود شاندار ہیں ویسا ہی شاندار گھر ہے۔“  
یہیٹا ایسے ہی گھر فاروق صدیقی جیسے لوگوں کے رہنے کے قابل ہوتے ہیں۔“ زیب حسب سابق ان کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو چکی تھی۔

”آپ لوگ بیٹھیں، میں اندر اطلاع کرتا ہوں۔“ ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

ڈرائنگ روم کی آرائش قابل دید تھی اور زیب کا شوق حد سے سوا..... ڈرائنگ روم کا لاؤنج کی طرف کھلنے والا دروازہ آدھے سے زیادہ کھلا ہوا تھا۔ جہاں سے چلتے پھرتے لوگوں کی آوازیں صاف آرہی تھیں۔ ملازم اسی طرف سے اندر گیا تھا۔

”جابل عورت! کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ میرے کپڑوں سے دور رہا کرو۔ یہ یہ پہنوں گا میں اترو پودیتے وقت تمہاری عقل کیا گھاس چرنے لگی ہوئی ہے۔ جاؤ دفعہ ہو جاؤ اب..... اور اپنا تھوڑا ٹھیک کرو جا کر، ابھی پریس والے پہنچ جائیں گے ان کے سامنے کوئی گڑبڑ مت کروینا۔ نہ جانے

میرے نصیب میں تم جیسی پھوہڑ اور بد سلیقہ عورت ہی کیوں لکھی گئی.....“ فاروق صدیقی کی دہاڑتی ہوئی آواز ڈرائنگ روم تک آرہی تھی۔ انہیں شاید

پریس والوں کے پہنچنے کی اطلاع ابھی نہیں ملی تھی اس لیے وہ اپنی بیوی کو بے نقط سنا رہے تھے۔ زیب نے گھبرا کر یعنی کو دیکھا اس نے افسوس سے کندھے سے

اچکا دیے۔ یہ سب سن کر زیب کو تو جیسے صد سے صد سے سکتہ ہو گیا۔ وہ آواز پہچان کر بھی لٹی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”زیب.....!“ یعنی نے اس کا کندھا ہلایا۔

”آف، اتنا کھلا تضاد، یعنی میں نے اس شخص کو ہمیشہ فرشتہ سمجھا۔ میں سوچتی تھی کہ جو شخص دوسری عورتوں کے حقوق کی جنگ لڑتا ہے، ان کی تکلیفیں دور کرتا ہے، وہ شخص اپنے گھر کی عورتوں خصوصاً اپنی بیوی کے لیے کتنا کیئرنگ ہوگا۔ میں اس کی بیوی کو خوش قسمت ترین سمجھ کر ہمیشہ اس پر رشک کرتی رہی۔

مگر یہ کیا..... پرانی عورتوں سے عزت و احترام سے بات کرنے والا اس عورت کے حقوق سے کیوں نا بلند ہے جسے خود اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر اپنی ذمے داری بنایا..... میرے آئیڈیل کا بت تو چھوڑ چھوڑ گیا۔“ زیب کے چہرے پر دکھ رقم تھا۔

”زیب ڈیئر.....! بے شک بت تو ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔“ یعنی نے بہت گہری بات کی۔  
زیب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

”چراغ تلے اندھیرا سنا اور پڑھا تو تھا آج دیکھ بھی لیا۔“ زیب اپنا بیگ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ یعنی نے اس کا بازو پکڑا۔  
”میں باہر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اس دوغلے اور منافق شخص کی باتیں سننا آپ کی مجبوری ہوگی، مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں.....“ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

”مگر وہ تمہاری پسندیدگی.....“ یعنی نے ابرو اچکائی۔

”یہ اس صوفے پر چھوڑ کر جا رہی ہوں ناں.....“ اس نے آرام سے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ یعنی نے صوفے کی طرف یوں دیکھا جیسے واقعی وہاں کچھ رکھا ہو۔ زیب باہر نکل گئی اور یعنی صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر فاروق صدیقی کی جموٹی ہاتھیں سننے کے لیے اس کا انتظار کرنے لگی۔



بات ہی ایسی تھی بستر میں ادنیٰ حدینہ کے کان  
 کھڑے ہو گئے تھے اور سانس رک گئی تھی۔  
 ”کیا کہا تم نے..... تمہیں فون پہ کسی سے محبت  
 ہو گی.....؟“ رباب کی بات سن کر ایمان بھونچا ہی تو  
 رہ گئی تھی۔ رباب اس کی حیرانی سے نظر چرا کر حیز، حیز  
 اثبات میں سر ہلانے لگی تو ایمان کی حیرت اُٹھے میں  
 بدلنے لگی۔  
 ”تم پاگل تو نہیں ہو گئیں رباب۔“ بے حد

## اممّن کا پیرہ پیاچی

نلاب جہانگیر



Copied

غصے کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

”ہاں میں ہو گئی ہوں پاگل، عرفان نے کر دیا ہے مجھے پاگل.....“ زرباب اپنی جگہ بے بس تھی جیسی لہجہ لہو گیر ہو گیا، اپنے بستر پر بیٹھی عدینہ کا دل کسی نے منہنی میں لیا تھا۔

”عرفان.....!“ وہ چونکی..... ”تو اس کا نام عرفان ہے۔“

”ہاں.....“ وہ زور، زور سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔

”یقین مانو ایمان، عرفان بھی مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے، بہت چاہتا ہے وہ مجھے۔“ اس کے لہجے میں عرفان کی محبت اُٹلی پڑ رہی تھی۔

”اوہ..... یعنی کہ یہ معاملہ ایک طرف نہیں ہے۔“ اسے جیسے کچھ سمجھ آیا۔

”نہیں.....“ وہ زور، زور سے نفی میں گردن ہلانے لگی۔ ”وہ تو مجھ سے بھی زیادہ مجھے چاہتا ہے..... میرے لیے بے چین رہتا رہتا ہے۔“

”یعنی محبت میں شدت آ چکی ہے۔“

”تو اور کیا..... وہ میرے بتا رہے ہیں کہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ اس کے روم، روم سے عرفان کے لیے محبت چھلکی پڑ رہی تھی۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی

جبکہ عدینہ سن کر.....

”کہاں رہتا ہے وہ؟“ اب کی بار ایمان کا لہجہ ذرا کمزور تھا کہ مقابل کے لفظ، لفظ سے چھلکتی محبت کی شدت محسوس ہو رہی تھی۔

”میرے دل میں.....“ جواب برجستہ تھا۔

ایمان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی، جہاں عشق کا ٹھانسیں مارتا سمندر موجزن تھا۔ عدینہ کی مٹھیوں میں پینا آ گیا۔

”آئی میں وہ کس علاقے میں رہتا ہے؟“ اس کی سچیدگی زرباب کھل کر مسکرائی۔

”جہلم.....“

”جہلم.....؟“ ایمان کی حیرت کے مارے ججج تو نکلی ہی تھی، ساتھ آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ عدینہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ سر سے ڈرا سا کیل کھسکا کر زرباب کو دیکھا اس کا انگ، انگ خوشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

”ہاں، وہ جہلم میں رہتا ہے۔“ وہ بتاتے ہوئے بھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

”اتنی دور.....؟“

”تو کیا ہوا..... دل تو قریب ہیں ناں..... دلوں میں تو قاصد نہیں.....“ عدینہ اش اش کر رہی۔

”مگر زرباب تم کراہتی..... وہ جہلم.....؟“ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اس سے یہ بات ہضم نہیں ہو پارہی۔

”محبت میں یہ دوریاں، یہ قاصد کوئی اہمیت نہیں رکھتے ایمان..... محبت تو دلوں کو قریب لاتی ہے، قاصدے مٹاتی ہے، محبت کے راستے میں قاصدے آ جھی جائیں تو اس کی کسی کو پروا نہیں ہوتی۔“ زرباب کے اندر تو اس کا عرفان بول رہا تھا جو اس سے اس کے اندر کے جذبات، احساسات اگوار ہا تھا۔ عدینہ اس کی اس بہادری پہ دل ہی دل میں اسے داد دے بغیر نہیں رہ سکی۔

”تم کیسے اس راہ پر آن پڑیں زرباب؟ تم نے کیسے یہ راستہ چن لیا، کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ راہ کس قدر پُر خار ہے، اسے پار کرنا کتنا مشکل ہے، انسان اس پر چلنے لگے تو قاصدہ نٹا ہی نہیں..... منزل دور سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔“

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

”میں کیا کروں ایمان..... محبت نے مجھے پوری طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے..... وہ مجھ پر ہر طرح سے حاکم ہو گئی ہے، اب میں اس سے نکلنا بھی چاہوں تو ناممکن لگتا ہے، محبت نے میرے اندر تک پہنچنے کا ذہ لیے ہیں۔“ زرباب کا بیجا لہجاس کے اندر کا نماز تھا کہ واقعی محبت نے اس پر بہت کاری وار کر دیا تھا

دیگرہ..... اور اس کا تم سے کاٹکٹ ہوا کیسے؟“  
”یہی تو مسئلہ حل کرانے کے لیے میں تمہارے پاس مدد کے لیے آئی ہوں۔“

”مگر یار رباب تم سمجھنے کی کوشش کرو، یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔“

”جو بھی ہے..... میں نے عرفان سے شادی کرنی ہے اور بس.....“

”پانگل لڑکی..... یہ سب کچھ اتنی تیزی سے، یوں چٹکیوں میں تو نہیں ہو سکتا نا..... اس کے لیے تو وقت چاہیے۔“

”نہیں.....“ اس نے تیز، تیز نفی میں گردن ہلائی۔ ”وقت نہیں ہے ایمان..... میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی..... اس کے بنا رہنا میرے لیے دو بھر ہوتا جا رہا ہے..... میرے لیے تو یہ دن رات بھی گزارنا بہت مشکل ہو رہے ہیں..... ایمان اب میں نہیں رہ سکتی، عرفان کے بغیر.....“ اس کے لفظ، لفظ سے عرفان کے لیے بے قراری اور بے تابی جھٹک رہی تھی۔ ایمان اسے دیکھ کر رہ گئی، عدینہ کے ماتھے پر پانی چمکنے لگا۔

”کیا اس قدر محبت ہو گئی ہے تمہیں اس سے؟“

”بہت، بہت زیادہ..... ایمان تم نہیں جانتیں، میری نس، نس میں عرفان بس گیا ہے۔ میری ایک ایک دھڑکن میں عرفان دھڑکتا ہے۔“

”یار اتنی دوردل کیوں لگا لیا؟“ ایمان اس کی دوست تھی جیسی رو ہانسی ہو گئی۔

”دل کو ان قاصلوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی ایمان..... دل تو پانگل ہوتا ہے..... ہر لحظہ، ہر لمحہ اپنے عاشق، اپنے معشوق کا کلمہ پڑھتا رہتا ہے، اسے قاصلوں سے کیا لینا دینا.....“ رباب کا بیٹھا لہجہ محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

”مگر یار، خاندان میں یہ بات کسی سے بھی ہضم نہیں ہوگی کہ تم ایک انجان شہر کے انجان لڑکے

اور اسے ہر طرح سے بے بس کیے جا رہی تھی۔  
”مگر رباب محبت کی کوئی واضح شکل صورت بھی تو ہو، کوئی حقیقت بھی تو ہو۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم ایمان؟ محبت، محبت ہوتی ہے اس کی شکل صورت تو سوائے محبت کے اور مہلا کیا ہو سکتی ہے؟“ وہ ایمان کی بات پر جیسے ناراض ہوئی تھی۔ اس کے جواب پر عدینہ نے بھی زور، زور سے اثبات میں سر ہلایا تو ساتھ والے پلنگ پر ہلتا کھل محسوس کر کے ایمان چونک پڑی۔

”ہش..... آہستہ عدینہ جاگ نہ جائے۔“

”چھوڑو یار، تم ہمارا کچھ کرو، ہمارا ملن کیسے ہو، ہم کیسے ایک ہوں، یہ سوچو۔“ رباب کے انداز میں بے تحاشا بے تابی تھی۔ وہ صرف عرفان کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس سے اس قدر دور تھا کہ کراچی سے جہلم جاتے ہوئے بھی دن رات ایک کرو تو تب بھی سڑنٹم نہ ہو مگر جو محبت ہوتی ہے وہ یہ فاصلہ نہیں دیکھتی..... ابھی محسوس کیا اور معشوق سانسوں سے بھی قریب آ گیا۔ یوں آنکھیں موندیں اور وہ پاس آن بیٹھا..... محبت احساس ہی کا تو نام ہے، جیسی تو رباب بھی اس قدر غرور ہو رہی تھی۔ دنیاوی دوریوں اور قاصلوں سے قطع نظر..... وہ صرف اپنی محبت کو دیکھ رہی تھی۔

”فار گاڈ سیک رباب..... کچھ تو خیال کرو.....“

کہاں وہ..... کہاں تم؟“ ایمان کو کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

”وہ پاکستان سے باہر تو نہیں رہتا..... اور نہ اس دنیا سے دور کہ وہ نہ مل سکے۔“ ٹڈر بنی رباب کا سخت لہجہ اسے بوکھلا گیا۔

”م، میرا مطلب یہ نہیں ہے رباب..... میں تو۔“

”تم وہ کرو، جو میں نے کہا ہے۔“

”مگر کیسے..... چاچو، چاچی تو بات کی نہ تک جائیں گے کہ عرفان کون ہے، کیسے جانتی ہو، وغیرہ

سے شادی کرنا چاہتی ہو۔“ وہ اسے حقیقت دکھانا چاہ رہی تھی مگر وہ کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

”مجھے لوگوں کی کوئی پروا نہیں.....“

”مگر لوگوں کو تو تمہاری ہے۔“

”میں نے نہیں کہا کہ وہ میری پروا کریں۔“

”تم سمجھنے کی کوشش کرو رباب..... فون پر

ہونے والی محبت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی..... لوگ

اس محبت کو نہیں مانتے۔“ ایمان کی بات پر عدینہ کا

دل ڈوبنے لگا۔

”کیوں نہیں مانتے بھلا..... محبت صرف محبت

ہوتی ہے ایمان۔“ اس نے تیزی سے اسے ٹوکا تو وہ

بغور اسے دیکھنے لگی۔

”محبت صرف محبت نہیں ہوتی رباب..... فراڈ

بھی ہو سکتی ہے۔“

”مگر عرفان فراڈی نہیں ہے۔“

”تم یہ کس بل بوتے پر کہہ رہی ہو؟“

”کیا مطلب.....؟“

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ عرفان فراڈی نہیں ہے؟“

”کیسے..... کیسے کا کیا مطلب..... وہ مجھ سے

محبت کرتا ہے..... مجھے چاہتا ہے..... مجھ سے شادی

کرنا چاہتا ہے.....“ وہ اپنی جھون میں تیزی سے بول

رہی تھی مگر ایمان نے ٹوک دیا۔

”تمہیں اس کے گھر کا پتا معلوم ہے۔“

”گھر کا پتا.....“ وہ شپٹائی..... ”گھر کا پتا تو

نہیں ہے مگر عرفان کیوں مجھ سے فراڈ کرے گا۔ مجھے

دھوکا دے کر اسے کیا ملے گا؟“

”اس کے ماں، باپ حیات ہیں یا نہیں.....

کیا تمہیں چائی کا علم ہے.....؟ اس کے اور کتنے بہن

بھائی ہیں..... خاندان والے کیسے ہیں..... کون

ہیں..... کہاں رہتے ہیں..... وغیرہ وغیرہ تمہیں مکمل

معلومات ہیں؟“ ایمان سوال پر سوال کیے جا رہی تھی

اور رباب چپ کی چپ رہ گئی کہ ان سوالوں کا تو اس

کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

عرفان جب بھی کال کرتا تھا صرف اپنی کہتا

تھا۔ اپنی بے چینیاں، اپنی بے تمایاں اور بے

قراریاں بتائے جاتا تھا۔ کبھی یہ نہیں بتاتا تھا کہ میرا

بھائی یہ کر رہا ہے، میری بہن وہ کر رہی ہے، میرے

اتنے بھائی ہیں یا کتنی بہنیں ہیں، وہ صرف اپنی کہتا تھا

اور اپنی ہی سنا تا تھا۔ اور وہ اسے سننے کی ایسی عادی

تھی کہ بس اسے ہی سننے جاتی تھی۔

”اب چپ کیوں ہو گئیں..... بولو..... بتاؤ تم

اس کے بارے میں اور کتنا جانتی ہو؟“ ایمان یقیناً

بے حد حقیقت پسند تھی، جیسی تو اسے بھی حقیقت کا آئینہ

دکھانا چاہتی تھی مگر وہ اپنے پیار میں ایسی اندھی تھی کہ

سوائے عرفان کے کچھ بھی اور دیکھنے کو تیار نہیں تھی۔

”کچھ بھی نہیں پتا نا..... پھر تمہارا کہنا ہے کہ تم

اسے مکمل جانتی ہو؟“ ایمان تاسف سے مسکرائی۔ ”تو

پھر تمہیں اس کی محبت کیسے سچی محبت لگنے لگی..... اس

کے جذبات کیسے صادق لگنے لگے؟“

”ایمان تم تو.....“

”میں کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی رباب.....

صرف تمہیں حقیقی آئینہ دکھانا چاہ رہی ہوں، یہ جو فون

کی محبت ہوتی ہے ناں سوائے تباہی، گمراہی کے اور

کچھ نہیں..... نہ تو اس کی حقیقت ہے اور نہ ہی

وجود..... یہ سوائے انسان کو تباہ و برباد کرنے کے اور

کچھ بھی نہیں کرتی۔ صرف وقت گزاری..... محبت

کے جھانے دے کر لڑکیوں کو گھر والوں سے بدظن

کر دینا اور پھر انہیں بھاگنے پر مجبور کرنا..... فریب

ماں، باپ کی عزت کی پامالی کے ساتھ، ساتھ ان کی

ساری زندگی کی جمع پونجی بھی لے کر غائب ہو جانا۔

یہی اصل حقیقت ہے اس نام نہاد محبت کی.....“

ایمان سانس لینے کو لاک پل کور کی۔

”اور آخر میں کیا ہوتا ہے کہ عورت کے

پاس..... نہ ماں، باپ، بہن، بھائی اور سگے رشتے

## احق جڑیاں

”ہائے اسما جیل کتنی بار کہا ہے کہ رات کو کال مت کیا کرو، ایمان باجی پاس ہی ہوتی ہیں، کسی دن انہیں شک ہو گیا تاں تو شامت آ جاتی ہے میری.....“  
 دوسری طرف سے آواز سنتے ہی وہ دہاڑی تھی۔  
 ”اچھا، چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے سوات کا موسم کیسا ہے، یہاں کراچی میں تو سردی آتی ہی نہیں.....“ وہ باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر

رہتے ہیں اور نہ ہی وہ عزت جو عورت کا اصل زیور ہوتی ہے اور جب عورت اپنا سب کچھ کھودتی ہے تو مقام سوائے ٹھوکروں اور ٹھنڈوں کے اور کبھی نہیں ہوتا۔“ ایمان ایک دردناک حقیقت اٹل رہی تھی۔  
 رباب کا چہرہ زرد پڑ گیا..... جبکہ کھیل میں کتنی عادیہ کا بھی حال اس سے مختلف نہیں تھا۔  
 ”تم مجھے ڈرار ہی ہو؟“ لب و لہجے کے ساتھ انداز بھی سہا، سہا تھا۔

”جسہیں کیا لگتا ہے؟“

”مجھے تو عرفان میں کبھی کوئی خامی نظر نہیں آتی۔“

”ہج..... تم بھی ایک احمق چڑیا ہو رباب.....“

جسے اپنے بنائے گئے خوب صورت آشپاہ سے پیارا کوٹے کا گھونٹلا لگتا ہے، تمہارا کوئی حل یا علاج نہیں.....“ ایمان بجز افسوس کرنے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکی کہ اتنا سمجھانے کے بعد بھی رباب کا دل عرفان کی طرف مائل تھا۔

”مجھے لگتا ہے تم میرا یہ مسئلہ کبھی حل نہیں کرو گی۔“

مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“ رباب مایوس ہو کر وہاں سے اٹھ گئی تو ایمان کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آ کر معدوم ہو گئی تھی۔ جی حدینہ کے سیل فون کی رنگ ٹون بج اٹھی تھی۔ وہ ہزبڑا کر بستر سے نکلے۔

”ارے کیا ہوا.....؟“ ایمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

”وہ آمنہ کا فون ہے، ہسٹری کا صبح ٹیسٹ ہے اسی سلسلے میں بات کرنا ہوگی۔“ حدینہ نے گڑبڑا کر جھوٹی وضاحت کی۔

”تو تم یہیں بات کر لو، باہر جانے کی کیا ضرورت ہے اور ویسے بھی تم نیند میں ہو۔“

”آپ آرام کریں، مجھے آمنہ سے لمبی بات کرنی ہے۔ خواہ مخواہ آپ ڈسٹرب ہوں گی۔“ ٹون ایک بار بند ہو کے دوسری بار پھر بج اٹھی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور دروازے سے باہر نکلتے ہی گرین ہٹن پر لیس کیا۔

**کھانسن متوجھوں**

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو فون یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

- ☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پر چاڑھ پڑتا ہے۔
- ☆ شہر اور علاقے کا نام۔
- ☆ مگر ہونٹوں کا اسٹال PTCL یا سہا کال فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے

**نصر عباس**  
03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سٹریٹ، جاسوسی، پاکیزہ، ہسٹری گریٹ

63-C

**جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز**

35802552-35386783-35804200  
ای میل: jdpgroup@hotmail.com



فون پر اسماعیل سے سوات کے موسم کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے موسم کے بارے میں بھی سننے لگی تھی۔  
 ”ہائے کاش میں بھی اس وقت تمہارے ساتھ وہاں ہوتی۔۔۔“ اس نے بہت حسرت سے کہا پھر خود ہی قہقہہ لگا کر: ”س پڑی۔“ مگر تم مجھے سوات لے جانے کی کوشش کرو تب ناں۔۔۔“ کھکتے لہجے میں روہانسا پن بھی تھا۔

”ہاں یہ تو ہے اگر تم اجانک سے رشتہ سمجھو تو سب لوگ کھٹک جائیں گے کہ تم ہو کون۔۔۔ اور میرا ہی رشتہ کیوں مانگا۔۔۔ لیکن اسماعیل سچ تو یہ ہے کہ اب میں تمہارے بتا رہے کہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ہمیں ہر حال میں ایک ہونا ہے، کیا ہوا جو شہروں میں فاصلے ہیں۔۔۔ ہمارے دل تو قریب ہیں ناں۔۔۔“ عدینہ کے اندر۔۔۔ تپش دیتے جذبات ابل، ابل پڑ رہے تھے۔ وہ بہت بے تابی سے اپنے اندر کا حال دور سوات کے ایک ٹھڑے پہ بیٹھے اسماعیل کے گوش گزار رہی تھی جو آج ایک لمبی رقم لے کر جوا ہار گیا تھا اور آج پھر عدینہ سے دس ہزار کے ایڑی پیسہ کا کہنے لگا تھا۔ مگر ہر بار کی طرح ڈھیروں چکنی چٹری ہاتوں کے بعد۔۔۔

”میں جانتی ہوں، سب جانتی ہوں اسماعیل کہ تم مجھ سے زیادہ میرے لیے بے تاب ہو۔۔۔ تم نہ بھی کہو تو میں سمجھتی ہوں سب۔۔۔“ محبت سے لبریز آواز میں بولتی وہ یہ دیکھنا بھول گئی تھی کہ اس کے اجانک فون آنے پر دوڑ کے باہر آنے پہ ایمان کھٹک گئی تھی اور اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اپنی بہن کو یوں کسی کے ساتھ ہاتوں میں مصروف پا کر وہ اندر سے مل کر رہ گئی تھی بھی اس کے موبائل کی زور دار بیل بج اٹھی۔ اسماعیل سے باتوں میں تم عدینہ نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔۔۔ ایمان تاسف سے پہلے اسے اندر پھر فون پر چمکتے نمبر کو دیکھتی اندر آ گئی۔

”جی مسٹر میز، کیسے اپنی صفائی میں اب کیا کہنا

ہے۔۔۔ جس نے مجھ نے میری کال اٹھائی تھی وہ آپ کا بچہ نہیں تھا یا جس عورت نے رات مجھے گالیاں دے کر چھین دو بارہ فون نہ کرنے پر دمکایا ہے وہ آپ کی بیوی نہیں ہے؟“ بے حد ترشی سے اس نے کال ریسیو کرتے ہی کہا تو دوسری سائڈ پر ذرا سی دیر کو خاموشی چھا گئی۔

”آئی ایم سوری مسٹر میز۔۔۔ ہم بے وقوف لڑکیاں یہ بھول جاتی ہیں کہ ہم تو اپنے کمرے میں کنڈی لگائے اکیلے کسی لڑکے سے بات کر کے دل بہلا رہی ہوتی ہیں مگر اگلا لڑکا کتنے لوگوں میں، کتنے رش میں۔ کتنے عیاش دوستوں کے درمیان بیٹھا ہمارا مذاق اڑا رہا ہوتا ہے، ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا لیکن مجھے اب سمجھ آ گیا ہے کہ ہم اپنے، اپنے ماں، باپ اور بہن، بھائیوں کی عزت ہل میں خاک میں ملا کر چل پڑتی ہیں، یہ جانے بغیر کہ سامنے والا عزت دینے والا ہے یا عزت کو تار تار کرنے والا۔۔۔ آپ نے تین ماہ مجھ سے بات کی، مجھے اپنی باتوں میں پھنسا لیا۔ پھر اپنی محبت کا جھانسا دے کر مجھے اس حد تک اپنے قریب کر لیا کہ میں آپ کے بغیر رہنے کا سوچ کر ہی کاہنے لگتی، میرا دل بیٹھنے لگتا۔۔۔ مجھے ایسا لگتا جیسے آپ کے بیٹا میری جان نکل جائے گی۔۔۔ مگر پھر کیا ہوا، مجھے آپ کی حقیقت معلوم ہو گئی، میں نے آپ کے نمبر پر کال کی تو خوش قسمتی سے آپ کا بیٹا آپ کے موبائل پر کوئی گیم کھیل رہا تھا، اس نے فون ریسیو کر کے مجھے بتایا کہ آپ اس کے پاپا ہیں، ہو سکتا ہے میں جھوٹ سمجھتی مگر جب اگلے ہی روز آپ کی وائف نے مجھے فون کر کے گالیاں دیں، بری طرح انسلٹ کی اور آپ سے دور رہنے کا کہا تو میں جان گئی کہ حقیقت کیا ہے۔۔۔ اور میں اب شکر ادا کر رہی ہوں کہ وقت سے پہلے مجھے عقل آ گئی، ٹھوکر لگنے سے پہلے ہی میں سنبھل گئی۔ میں نے آپ کی باتوں میں آ کے شاید اپنے اور اپنے والدین کے ساتھ بہت برا کر جانا تھا مگر یہ میرے والدین کی دعائیں تھیں

1987 سے خدمت میں مشغول

LEUCODERMA-VITILIGO

پھلپیری  
قابل علاج مرض ہے

بڑا جلدی بیماریوں کا موثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

اجمل زیندی کیلئے ایوارڈ یافتہ  
کیلئے ایوارڈ یافتہ کیلئے ایوارڈ یافتہ



ASIAN EXCELLENCE PERFORMANCE AWARD



AWARD OF BEST ACHIEVEMENT

اسلام آباد

9- اپریل 30 بجے  
9- اگست 30 بجے  
9- دسمبر 30 بجے



AWARD PILLAR OF LEUCODERMA

گل ف سینٹر  
14- فروری 27 بجے  
14- اپریل 27 بجے  
14- اگست 27 بجے  
آفس نمبر 18  
محمد سعید شاہ جی  
فون: 0300-8588188

پتنگ لیسٹ  
11- فروری 11 بجے  
11- اگست 11 بجے  
11- دسمبر 11 بجے  
فون: 0521) 2218215-9  
0300-8588188

پتنگ لیسٹ  
28 مارچ 6 بجے  
28 اپریل 6 بجے  
28 نومبر 7 بجے  
فون: (081) 4518081-52  
4582803 (0300-8588188)

پتنگ لیسٹ  
13 مارچ 27 بجے  
13 اپریل 27 بجے  
13 نومبر 27 بجے  
فون: 021-7012088-8  
0300-8588188

لڑکیوں کو فون پر پھانسا ان سے کارڈ، مخلص کے علاوہ پیسے تک ہڈ لیتا اس کا شیوہ ہے، ہم جیسی احمق لڑکیاں جو فون پر مرٹنے کو تیار ہو جاتی ہیں، ایسے مردوں کی آواز اور لہجے پر قربان ہو جاتی ہیں، نہیں جانتیں کہ فون محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے کتنے گھر تباہ ہو سکتے ہیں، ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو رباب.....“

”ایمان میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں صرف عرفان کا نمبر سل۔ سے نہیں ڈیلیٹ کروں گی بلکہ میں اب موبائل کا استعمال ہی نہیں کروں گی..... ہم نے انتہائی ضرورت کی چیزوں کو بھی سستی اور گھٹیا تفریح کا ذریعہ بنا لیا ہے، میں اسے توڑ دوں گی۔“ وہ اگ عزم سے بولی تھی۔ ایمان نے سٹائش سے اسے دیکھا تو اس نے اپنا موبائل ایمان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”یہ لو، ایمان تم اسے اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالو.....“ ایمان نے سر ہلا کر اپنا اور اس کا موبائل اپنے سامنے کیا۔

”ان کا توڑ دینا ہی ہمارا مستقبل محفوظ کر سکتا ہے، چلو آؤ توڑ دیں۔“ وہ دونوں کسی بھاری چیز کی تلاش میں دائیں، بائیں دیکھنے لگیں۔

”یہ لیں باجی..... اس اینٹ سے توڑ ڈالیں ان کو،“ اچانک ہی پیچھے سے حدینہ آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھاری اینٹ تھی۔ ایمان نے سر ہلا کر اینٹ پکڑی تو حدینہ نے اپنا دوسرا ہاتھ ایمان کے سامنے کر دیا جس میں اس کا نازک سا موبائل تھا۔

”سب سے پہلے اسے توڑ دیں باجی..... میں بھی تباہ نہیں ہونا چاہتی۔“ اس نے آہستہ سے کہہ کر موبائل آگے بڑھا دیا تو ایمان اور رباب کے ہونٹوں پر ایک ساتھ مسکراہٹ ابھری جس میں حدینہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

جنہوں نے مجھے بھگنے سے بچا لیا اور ایسے میں، میں اپنے رب کی بہت شکر گزار ہوں جس نے مجھے اپنی ہی نظروں میں کرنے سے بچا لیا۔“ اس نے اگ گہری سانس لے کر تشکر سے اوپر دیکھا۔

”میں آج سے آپ کا نمبر ڈیلیٹ کر رہی ہوں..... اور میں چاہوں گی کہ آئندہ آپ بھی میرا نمبر ٹرائی نہ کیجیے گا۔ خدا حافظ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے.....“ کہنے کے ساتھ ہی اس نے فون آف کر دیا۔

”ایمان.....“ جیسے ہی اس نے ریمز کا نمبر کاٹا پیچھے سے رباب کی آواز نے اسے چونکا ڈالا۔ اس نے سرعت سے گردن پیچھے موڑی تھی۔

”جس طرح تم نے ریمز کا نمبر ڈیلیٹ کیا ہے میں بھی اسی طرح سے عرفان کا نمبر ڈیلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو وہ حیران رہ گئی۔

”کیا.....؟“

”ایمان ہم واقعی احمق چیزاں ہیں، جنہیں اپنے آشیانوں سے زیادہ کوئے کا گھونسا اچھا لگتا ہے، یہ جانے بغیر کہ کوئی بھی چیز یا کو اپنا گھونسا نہیں دیتا۔ عرفان اور ریمز بھی وہی کوئے ہیں جو صرف دوسروں کے گھونسلے تھماتا جانتے ہیں.....“

”یہ تو بہت اچھا ہوا رباب جو بروقت تمہارے قدم بھی ڈنگا گئے سے رک گئے۔ تم بھی سنبھل گئیں۔“ ایمان نے ڈرا سا مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگی۔

”اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ایمان، تم جو اگر مجھے حقیقت کا آئینہ نہ دکھاتی، یہ نہ سمجھاتیں کہ عرفان کو میں ہی کیوں اچھی لگی، اس نے مجھے ہی شادی کے لیے کیوں چنا۔ اسے رشتے داروں میں اور اپنے علاقے میں اسے کیوں کوئی اور لڑکی اچھی نہیں لگی جس سے وہ شادی کرتا..... اصل میں ایمان عرفان بھی ایک جہانسا دینے والا ہوشیار، چالاک مخلص ہے،



## چادر اور چار دیواری

بشری باجوه

موسم نے ایک دم ہی اپنا رنگ بدل لیا تھا۔ دن کو دھوپ کی تمازت میں اضافہ ہو چکا تھا جبکہ راتیں ابھی تک کچھ، کچھ ٹھنڈی تھیں۔ کھیتوں میں گندم کے بزر خوشے سنہری ہو چکے تھے کٹائی شروع ہو چکی تھی۔ نیم کے گھنے سایہ دار درخت پر مختلف پرندوں نے شور مچایا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اس نے امرود، انار اور لیموں کے بیڑوں کو پانی دیا تھا اور پائپ سے انہیں دھو دیا تھا۔ بزر چوں سے نپکتا پانی مٹی میں جذب

163 ماہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015ء

Copied From Web

”کیا حال ہیں میری جان کدھر تھیں میم صاحبہ؟“  
 ”ابا گھر پر تھے ابھی گئے ہیں۔“ کھل نے  
 جواب دیا۔

”تجھیں پتا ہے جو میں ہر وقت تمہارے بلے میں  
 سوچتا رہتا ہوں۔ ہر آن، ہر گھڑی تمہاری یاد میرے  
 ہمراہ ہوتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ہر وقت تمہارے ہوں  
 تاکہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے اور میں صرف تمہیں  
 ہی سوچتا رہوں۔ میری زندگی میں بس دو ہی عورتیں  
 اہم ہیں جو مجھے پیاری ہیں..... پتا ہے وہ کون  
 ہیں؟“ کھل جو اس کے مسور کن اور خوب صورت لہجے  
 میں کھوئی ہوئی تھی چونک کر پوچھنے لگی۔

”کون ہیں؟“

”اک تم اور ایک میری ماں۔“

”اچھا۔“ فخر و انبساط سے اس کی گردن تن  
 گئی۔ دل مغرور ہوئے جا رہا تھا کہ اتنا شاندار اور  
 مال دار شخص اس پر مرثا ہے۔ وہ اس کی خوب  
 صورت اور دلکش باتوں میں کھوئی جاتی۔ ایسی ایسی کالز  
 کرنے کے باوجود وہ سیر نہ ہوتی۔ محبت جیسے خوب  
 صورت جذبے نے اسے اپنا سیر کر لیا تھا۔

☆☆☆

اسے آج بھی یاد تھا۔ وہ ایک عام سا دن تھا  
 جب وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر پرندوں کے  
 پتھرے میں انہیں دانہ ڈال رہی تھی۔ اماں ساتھ  
 والے گھر سیلا دس گئی ہوئی تھیں۔ یک دم اس کا فون  
 بج اٹھا۔ اس نے جلدی سے بھایا دانہ پتھرے میں  
 ڈال کر اسکرین پر نظر ڈالی کسی اجنبی نمبر سے کال  
 آرہی تھی۔

”کون ہو سکتا ہے؟“ دل میں سوچتے ہوئے  
 اس نے فون کانوں سے لگا لیا۔

”ہیلو السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔“ دوسری جانب سے مہذب  
 انداز میں جواب آیا۔

ہور ہاتھا۔ گیلی مٹی اور پردوں کی ملی جلی ہاس مین میں  
 چکر رہی تھی۔ گھنے نیم کے نیچے چار پائی پر عبدالرحیم  
 لیٹا ہوا تھا وہ ان کا سر ہلکے، ہلکے دبا رہی تھی۔

”پتر اپنے دوپٹے کا دھیان کیا کر۔“ رحیم نے  
 گود میں پڑے دوپٹے کی جانب اس کی توجہ دلائی۔  
 ”اچھا بابا۔“ خوب صورت اور سنہری رنگت  
 والی کھل نے جلدی سے دوپٹا سر پر ڈال لیا۔ اس کا  
 دھیان تو اندر پڑے سیل فون پر تھا۔ سائل کی کال  
 آنے والی تھی۔

”پتا نہیں ابا کب جائیں گے کبھی تو میں؟“ وہ  
 دل میں سوچتے ہوئے فکرمند ہو رہی تھی۔

ابا ادھر ادھر کی باتیں سنا رہے تھے بظاہر دھیان  
 سے سنتی ہوئی اس کا ذہن بار بار بھگ رہا تھا۔ دوپٹا  
 پھر سے ڈھلک کر گود میں آن گرا۔ دھیان دوپٹے کی  
 طرف ہوا تو اس نے جلدی سے سر پر بجالایا۔ بابا  
 رحیم یہ دیکھ کر شفقت سے مسکرا دیے۔

”کھل دمی ایک بات یاد رکھنا ہمیشہ چادر اور  
 چار دیواری میں ہی عورت محفوظ ہوتی ہے اور اس کی  
 عزت ہوتی ہے۔ جب وہ بے پردہ ہو کر چار دیواری  
 سے باہر نکلتی ہے تو طرح، طرح کی نظروں اور جملوں کا  
 سامنا کرنا پڑتا ہے اور چادر ہی تو عورت کی محافظ ہوتی  
 ہے۔ پردہ تحفظ کا احساس دلاتا ہے اور رب سونے کا  
 بھی یہی حکم ہے اور رب سونے کے ہر حکم میں حکمت  
 اور دانائی ہوتی ہے۔“ عبدالرحیم نے پیار سے بیٹی کو  
 سمجھایا۔ ”اچھا پتر چتا ہوں دروازے کی کنڈی لگائینا  
 شام تک تیری ماں بھی واپس آجائے گی۔“

”اچھا بابا۔“ دل ہی دل میں شکر ادا کرتے  
 ہوئے کھل نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ جلدی  
 سے اندر جاتے ہی فون اٹھا کر چیک کیا۔ پانچ مسڈ  
 کالز آچکی تھیں سائل کی۔ اس نے جلدی سے مس  
 کال دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی سیل گنگنا اٹھا۔ اس نے  
 جلدی سے آن کیا۔

### غزل

مل ہی جائے گا کہیں دل کو یقین رہتا ہے  
وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے  
اک زمانہ تھا کہ سب ایک جگہ رہتے تھے  
اب یہاں کوئی کہیں کوئی کہیں رہتا ہے  
جس کی سانسوں سے مہلے تھے درو دیوار تیرے  
انے مکاں بول کہاں اب وہ کہیں رہتا ہے  
روز بننے پہ بھی لگتا ہے برس بیت گئے  
عشق میں وقت کا کیا ساتھ کہیں رہتا ہے  
دل فرودہ تو ہوا دیکھ کر اس کو محسن  
عمر بھر کون جواں کون حسین رہتا ہے  
پسند: مہوش جواں لیلہ

سوچتی رہتی تھی پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ محبت کا بیج جو اس نے اپنے دل کی سرزمین پر بویا تھا وہ ایک تادور درخت بن چکا تھا جس کی جڑیں اس کے اندر پھیل چکی تھیں۔ شازلی کی خوب صورت دل نشیں باتیں اسے اپنا اسیر کر چکی تھیں۔ وہ بے تحاشا اپنی محبتوں کا اظہار کرتا اور وہ تو بن چے ہی بد ہوش سی ہو جاتی۔ ڈھیروں باتیں کر کے بھی ایک لنگھی سی رہ جاتی جس دن بات نہ ہوتی وہ سارا دن بولائی، بولائی سی پھرتی۔ شازلی کے اصرار پر وہ ایک دوسرے کو دور سے دیکھ بھی چکے تھے۔ شازلی اس کے خوابوں کے شہزادے جیسا تھا۔ قد آور، ہینڈسم..... شازلی نے کئی بار اکیلے ملنے کے لیے بھی اصرار کیا لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی مال جاتی۔

☆☆☆

”آپا نعناب اپنے بیٹے شاہ زمان کے لیے گل کارشتہ مانگنا چاہتی ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے حقہ پیتے

165 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

”جی کس سے بات کرنی ہے؟“ ڈرتے ڈرتے گل نے پوچھا۔

”آپ سے۔“ دلربا انداز میں جواب موصول ہوا۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی فوراً میسج آ گیا۔ ”پلیز میم صاحبہ بات کر لیں۔ مجھ سے۔“ میسج ڈیلیٹ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کل دو بارہ گنلتا نے لگا اس نے جلدی سے سامکنے پر لگا دیا۔ کئی کالز آئیں اور ایس ایم ایس بھی۔ تین چار دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ محبت بھرے میسج پڑھ کر اب وہ لطف اندوز ہونے لگی۔ لاشعوری طور پر وہ ایس ایم ایس کا انتظار کرنے لگی۔ ایک دن جی کڑا کر کے اس نے کال بھی اٹینڈ کر لی۔

”شکر ہے کفر تو با خدا خدا کر کے میم صاحبہ۔ نمبر ملائے، ملائے میری تو انگلیاں بھی گل ہو گئیں ہیں۔“ دوسری جانب سے خوشی اور شکوے کا اظہار ایک ساتھ ہوا۔

”آپ کون ہیں اور مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں؟“ گل نے بیزاری سے پوچھا۔

”میں تمہارا دیوانہ ہوں گل۔ میرا نام شازلی ملک ہے، تمہارے ہی قبضے میں رہتا ہوں تمہارا نمبر بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔ ایک دن بازار میں تمہیں دیکھا تھا تب سے آج تک تمہارا اسیر ہوں۔ تمہیں بے پناہ چاہتا ہوں۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے صرف تمہیں سوچا ہے..... پلیز میرا دل مت توڑنا ورنہ شاید میری سانس ٹوٹ جائے۔“

”اللہ نہ کرے۔“ بے ساختہ اس کے لب سے یہ الفاظ ادا ہو گئے بعد میں وہ فوراً شرمندہ ہو گئی۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے..... شکر یہ گل مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ تم نے میرے جذبوں کو پزیرائی بخشی ہے۔“ شازلی نے خوشی سے چپکتے ہوئے کہا۔

”نہیں وہ..... دراصل.....“ گل کو کوئی بہانہ نہیں سوچ رہا تھا۔ دل ہی دل میں تو اس کے متعلق وہ

ہوئے رحیم کو خوشی و مسرت سے بتایا۔

”بھل کی ماں ایہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ شاہ زمان پڑھا لکھا مہذب اور برسر روزگار ہے اور کیا چاہیے ہمیں..... پھر بنی اپنوں میں جائے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کی بات ہے ہمارے لیے۔“ عبدالرحیم تکیہ سیدھا کرتے ہوئے چارپائی پر لیٹ گیا۔

”شکر اے رب سوہنے وا..... پہلے بھی عائشہ اور لیلیٰ بڑی دو بیٹیاں اپنوں میں گئی ہیں اور سکھ سکون سے اپنے گھر آباد ہیں۔“ خدیجہ نے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پرندوں کو ڈالے اور ہاتھ دھونے کے لیے نکلنے کی طرف چل دی۔ آنا گوندھتی نکل جیسے سن ہو کر رہ گئی۔

”مجھے جلد ہی شازل سے بات کرنی ہوگی ورنہ یہ نہ ہو کہ شاہ زمان میرا مقدر بن جائے اور میں شازل کو ہمیشہ کے لیے کھودوں۔“ وہ جلدی، جلدی آئے میں نکلیاں مارنے لگی۔

☆☆☆

ساری بات سن کر شازل جیسے کسی سوچ میں پڑ گیا۔

”کیا ہوا..... خاموش کیوں ہو گئے؟“ اس نے پریشان سے لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں میری جان! ادھر میری ماں میری شادی اپنی بھانجی سے کرنا چاہتی ہیں ادھر تمہاری امی تمہاری شادی اپنے بھانجے سے کرنا چاہتی ہیں۔ ہمارا کیا ہوگا..... میرے والدین بہت ضدی ہیں وہ کبھی رشتے کے لیے غیر برادری میں نہیں جائیں گے۔“

”اب کیا ہوگا شازل ہمارا؟“ وہ ٹکڑھندی سے گویا ہوئی۔

”میری بات غور سے سنو اور ٹھنڈے دل سے اس بات کو سوچنا۔ اس مسئلے کا ایک ہی حل ہے میرے پاس۔ ہم مل بھی جائیں گے اور ہمارے گھر والے بھی

166 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

رضامند ہو جائیں گے۔“

”کیا ہے گل جلدی بتاؤ۔“ وہ بے تاب سے بولی۔

”ہم دونوں خفیہ نکاح کر لیتے ہیں۔ جب مناسب وقت آیا تو ظاہر کر دیں گے..... مطلب جب تمہارا رشتہ ہونے لگے تم بتا دینا۔ وقتی طور پر وہ ہم سے ناراض ہوں گے لیکن آخر ہمارے والدین ہیں ماں ہی جائیں گے اور میرے گھر والے بھی کب تک ناراض رہیں گے بیٹا ہوں آخر میں ان کا۔“

”نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی..... یہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔“

”رہ لوگی میرے بغیر تم؟ لیکن تم یہ سوچ لو بھل میں نہیں جی پاؤں گا تمہارے بغیر..... تم میری یہ بات یاد رکھنا ایک دن تم اپنے فیصلے پر بہت پچھتاؤ گی، جان دے دوں گا میں اپنی ماں۔“ وہ فوراً جذباتی ہوا۔

”پلیز شازل ایسی باتیں مت کرو، میرے دل کی دھڑکن رک جائے گی تمہاری ایسی باتوں سے۔“ بھل نے بے اختیار ٹوکا۔

”تم اچھی طرح سوچ لو میں پھر بات کروں گا تم سے۔“ شازل نے گیند اس کے کورٹ میں پھینک دی۔

وہ محبت میں جس راستے پر قدم رکھ چکی تھی نہایت کٹھن اور دشوار تھا مگر پلٹنا ناممکن تھا..... پلٹ جاتی تو اپنی محبت ہار جاتی اور محبت ہارتی تو شاید اپنی جان بھی ہار جاتی۔ دل و دماغ میں جنگ جاری تھی لیکن کب تک شازل نے اسے اپنی محبت کے واسطے دے کر قائل کر ہی لیا۔

☆☆☆

شام ڈھل رہی تھی عجب جس سا چھایا ہوا تھا دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر گھنے بادل چھا گئے اور ہوا چلنے لگی۔ رات ہونے تک موسم مزید خراب ہو چکا تھا۔ بادلوں کی گھن گرج سے اس کا دل سہا جا رہا تھا لیکن آج کی رات کٹھن فیصلے کی رات تھی۔ آج رات

تھی۔ یک دم گیٹ کھلا اور سائرن بجانی پولیس وین برآمد ہوئی۔ وہ جلدی سے دیوار کی اوٹ میں ہو گئی پھر اس کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا اس نے اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی۔ وین میں سائزل اور اس کے دو دوست جھکڑیاں پہنے بیٹھے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ گاڑی کے اندر جلتی لائٹ میں وہ انہیں دیکھ چکی تھی۔ گاڑی سائرن بجانی اس کے پاس سے گزر گئی۔ بادل یک دم زور سے گر جا رہا ہے زمین بوس ہو گئی۔

”یا اللہ! مجھے معاف کر دے، یہ میں نے کیا کر دیا۔“ آف اللہ اب کیا کروں۔ ”خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مشکل تمام حوصلوں کو اکٹھا کر کے وہ جلدی سے اٹھی اور واپسی کے راستے پر دوڑتی چلی گئی..... بارش تیز تر ہو چکی تھی مگر اس کی آنکھوں سے برسنے والی بارش اس سے بھی زیادہ تیز تھی۔

☆☆☆

”اللہ معاف کرے اور سب کی اولاد کو نیک بنائے، ہدایت دے۔“ خدیجہ بیگم اخبار پڑھتے شوہر کی طرف دیکھ کر بولیں جس نے ابھی ابھی یہ خبر سنائی تھی کہ ”شہباز ملک کا بیٹا سائزل اور اس کے ساتھی نشے کی حالت میں گرفتار ہوئے ہیں۔ سنا ہے وہ غلط سرگرمیوں میں ملوث تھے اور لڑکیوں کو بہانے سے اپنے ڈیرے پر بلاتے تھے۔“ سب کی آنکھوں میں گویا مریچیں بھر گئی تھیں۔ اس کا سر بری طرح گھوم رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر آ رہی تھی کہ ماں کی آواز آئی۔ وہ برآمدے میں رکھے بیڑے پر ڈھکی گئی۔

”اس واقعہ فصل اچھی ہوئی ہے۔ خدیجہ تو زینب کو بلا لے اپنی امانت کو آ کر لے جائے بس ایک دو ماہ تک..... میری نیک اور خدمت گزار دمی اب اپنے گھر جا کر آرام کرے۔“ عبدالرحیم خوشی، خوشی اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا اور وہ اثبات میں سر ہل رہی تھی۔



ہی وہ ہمیشہ کے لیے سائزل کی ہونے جا رہی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق رات گیارہ بجے اسے لال چوک میں سائزل کے پاس پہنچنا تھا۔ وہاں سے سائزل اسے اپنے ڈیرے پر لے جاتا جہاں نکاح کا سارا انتظام ہو چکا تھا۔ نکاح کے بعد وہ اسے دوبارہ گھر چھوڑ جاتا۔ اماں، ابا کب کے اپنے کمرے میں سو چکے تھے۔ ہر طرف ٹھوکا عالم تھا۔ چادر کو اپنے ارد گرد لپیٹتے ہوئے وہ کمرے کی پچھلی کھڑکی سے باہر کے صحن میں اتر گئی اور وہاں لگے چھوٹے دروازے کو آہستگی سے کھول کر باہر گئی۔ بڑے گیٹ پر تالا تھا اور چابیاں عبدالرحیم کے پاس تھیں۔ اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ یک دم بجلی چمکی اس کے منہ سے حج نکلتے، نکلتے رہ گئی۔ تیز، تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ گلی عبور کر کے چوک میں آ گئی۔ مطلوبہ جگہ پر سائزل کو موجود نہ پا کر اس کے حواس جاتے رہے۔ ہوا میں بھی یک دم تیزی آ گئی تھی۔ رات کالی سیاہ اور وقتے وقتے سے گرجتے بادل، سیاہ اندھیری رات جو اپنی تاریکی میں بہت سے گناہوں کو چھپاتی ہے۔ اب اسے ہولناکی تھی مگر محبت کے حسین خوابوں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ نادانی میں وہ گھر کی دلہیز پار کر چکی تھی۔ وہ بار بار سائزل کو کال ملاتی رہی مگر کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

”اب کیا کروں، کیا واپس چلی جاؤں پروہ آیا کیوں نہیں..... فون بھی آف ہے۔“ طرح طرح کے دوسوے اس کے ذہن میں سر اہمارنے لگے۔ ”مجھے خود جانا چاہیے اس کے پاس..... اللہ کرے وہ شہریت سے ہو۔“ اس کی حویلی چند منٹ کی مسافت پر تھی۔ اس نے اپنے قدموں کو اسی راستے پر ڈال دیا۔ بادلوں نے برساتا شروع کر دیا تھا۔ مشکل پندرہ منٹ کا فاصلہ طے کر کے وہ حویلی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ باہر گیٹ پر ٹوب لائٹ روشن





قطعہ 6  
**رنگِ خلیج**

مقام جاوید

کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری زندگی کے حسین لمحے  
 بھی غلش کی نذر ہو جاتے ہیں اور ہم جوں جوں اس احساس کو من کے  
 اندر گہرائیوں میں دفن کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو غلش کے بے حساب رنگوں  
 کی پردہ کشائی ہمیں مضطرب کرنے لگتی ہے اور سکافاتِ عمل کا کبھی نہ ختم ہونے والا  
 سلسلہ شروع ہو جاتا ہے... گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا... سزا تو لازم و ملزوم ہے۔ اس  
 کے باوجود ایسا شجر سے گہرا ربط و تعلق رکھنا دوا بھی ہے اور عذاب  
 و ریاضت بھی ہے، نشا ابوسل بھی اور وجدان بھی ہے۔

مکن ہے ایسا وقت ہو ترتیبِ وقت میں  
 دنگ کو تیسرا ہاتھ بڑھے میرا درد نہ ہو

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء 168

Copied From Web:



Copied



”عالیہ! تم وہی ماور پر نارمل نہیں لگ رہی ہو۔ خدا کی بندی عقل سے کام لو۔ بیٹی کی زندگی کا معاملہ ہے، تم نے تو تمام مراحل آن کی آن میں ہی طے کر ڈالے۔ میری بات پہلے ہاندھ لو۔ نمر اچھی شریف، پاکیزہ اور نیک خصلت بیٹی والدین کے لیے کبھی ہمارا نیا نہیں ہوتی۔ میں تمام عمر اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھ سکتا ہوں لیکن رشتے میں جلد بازی نہیں کروں گا۔ چھٹی میں چھاں لوں گا اسے پھر فیصلہ ہوگا۔“

”میں بھی تو کسی کی بیٹی ہی تھی۔ مجھے کیسے تکہ یا کر کوکوں پر الٹ پلٹ کیا ہے آپ نے۔ نہ حق مہر رکھا، نہ ڈھنگ کی بری تھی۔ اور ذرا اپنے ذہن پر زور ڈالیں کہ میرا رشتہ حاصل کرنے میں کیسی ہٹ دھرمی دکھائی تھی۔ دعائے خیر کہنے کی دیر تھی کہ بیاہ رچانے کی جلدی پڑ گئی تھی۔ اب اپنی بیٹی کے لیے دل میں کیسا درد اٹھا ہے۔“ وہ درشت لہجے میں بولی۔

”بیگم ہر وقت تمہیں کسی سانپ یا بچھو نے کاٹ کر بری طرح زہر بنا کیا ہوتا ہے اور وہ بھی فقط میرے لیے..... آج تک کوئی شوہر، بیوی کو خوش بھی رکھ سکا ہے، ناممکن..... ہم نے بھی شادی کر کے کیا حاصل کیا۔ اپنی آزادی بھی گئی اور دنیا جہاں کی ڈتے داریوں نے کمر بھی خوب دوہری کر ڈالی۔ نہ سانس اپنی اصفہانی جیب اپنی..... تم پھر بھی خوش نہ ہوئیں۔ اگر حرام کے رزق سے محل خریدو یا میسوں کو کرتھارے آگے پیچھے بیگم صاحب، بیگم صاحبہ پکارتے نہ جھکتے تم پھر بھی راضی اور خوش نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب عورت ذات کو بنانے کے لیے مٹی کی پتلی بنائی تو اس میں یقیناً ناخوشی، بے چینی اور حسد و عناد، ناشکری اور بے صبری کی آمیزش کر ڈالی تھی اب جو حقہ تمہیں اس پاک ذات کی طرف سے سونپا گیا ہے میں اسے تمہارے وجود سے کیسے نکال سکتا ہوں؟ اس لیے میرا رزق حلال کمانے کا فیصلہ درست تھا۔ تمہارے لیے آسانکشات کا سامان کرنا اور اپنا بستر انگاروں سے بھر لینا، تم پھر بھی خوش نہ ہوتیں۔ سننے کو بھی ملتا کہ یوں کر لیتے تو بہتر ہوتا، ووں کر لیتے تو بہتر ہوتا۔“ وہ جل بھن کر بولے۔ ”اسی لیے تو ہمارے پیارے بیٹے نے دوزخ میں عورت کی موجودگی بے حساب دیکھی تھی۔ انہیں کسی قدر دکھ ہوا تھا یہ کہتے ہوئے۔

”بہت اچھے اور بولیں..... اور زور شور سے بولیں۔ گلے کو بھی سنائیں کہ نا اہلوں کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بیٹی کا رشتہ کیا آیا آپ کو تو پتہ لگ گئے ہیں۔ ہاتھ ہی نہیں آرہے آپ۔ نہ کچھ سننا چاہتے ہیں نہ کچھ ماننے کا ارادہ ہے۔“ وہ بھی تنگ کر بولی۔

”عالیہ! کیا ہم گلند لوگوں کی طرح تسلی و تسلی سے ایک دوسرے سے مشورہ نہیں کر سکتے؟ تم بالکل سچ کہہ رہی ہو، بیٹی کا رشتہ آنا دراصل تمہیں انہونا لگ رہا ہے۔ میرے لیے تو نارمل ہے۔ گڑ پر کیا نہیں سمجھنا میں گی تو کیا ہر پر آئیں گی۔ بس ذرا اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ اس رشتے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ مانا کہ رشتہ ہماری حیثیت سے بڑھ کر ہے پھر بھی احتیاط اور انوکھی کیشن لازم ہے۔ اگر میں دولت کا پھاری ہوتا تو آج دولت میرے گھر کی لوٹتی ہوتی اور میں بھی ٹریگولائز لے کر سوتا۔ یہ گہری اور چینی نیند مجھ سے خفا ہو گئی ہوتی۔ اس لیے میں ان کی دولت کو خاص الخاص اہمیت دے کر اپنے اصولوں کو قربان نہیں کروں گا۔“ وہ دھیمے پڑ گئے اور نرمی سے اسے سمجھانے لگے۔

”مجھے کب انکار ہے آپ کی باتوں کا۔ آپ کا فیصلہ درست ہی ہوگا۔ ذرا نمر کی ہر بات مان کر چلنے سے پرہیز کیجیے گا۔“ وہ بھی دھیمے لہجے میں بولی۔ ”وہ کچھ نہیں جانتی۔“

”رشتے والدین کی رضامندی سے طے ہوتے ہیں لیکن میں اولاد کی پسندیدگی اور رضامندی کے حق میں بھی ہوں۔ نمر بہت کچھ ارے، باشعور ہے، عادل کی اسٹوڈنٹ ہے، جتنا وہ اسے جانتی ہوگی ہم کوشش کے باوجود وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں اس کی بات کو اولیت دوں گا۔“ وہ سچیدگی سے بولے۔

”اس سے میں نے منع کب کیا ہے جی..... میں بھی نمر کی رضامندی کو اولیت دیتی ہوں لیکن بعض اوقات

## ونگِ ظن

بچیاں کم عمری ہونے پر تجربہ کاری کی وجہ سے گہرائی میں نہیں جاتیں۔ بہت سطحی سوچ ہوتی ہے ان کی..... اور دل بس ایک آئیڈیل کا متلاشی رہنے لگتا ہے۔ رحمان جی! بھلا کبھی آئیڈیل بھی ملتے ہیں؟“

”تم یا نکل صحیح کہہ رہی ہو۔ بعض خامیاں درگزر کرنے کے قابل ہوتی ہیں اور کچھ ایسی جہاں تک خوفناک اور جان لیوا ہوتی ہیں کہ ان سے چشم پوشی کرنا شکل ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ اس بچے میں ایسی کوئی برائی نہیں ہو کہ ہنرمند نہ ہو سکے۔ مجھے بھی اپنی بیٹی کو کسی بڑے گمراہ کی بیوی بنانے کی آرزو ہے..... مگر اس کے ساتھ شرط ہے کہ اخلاقیات بھی اعلیٰ درجے کی ہوں۔“ وہ ایک لمبی آنسو بھر کر بولے۔

”نی زمانہ اعلیٰ اخلاقیات تو مفقود ہو چکی ہیں۔ جب آپ ڈھونڈنے نکلیں گے تو ہو سکتا ہے کہ کامیابی آپ کو خوش آمدید کہے۔ ڈھونڈنے سے خدا مل سکتا ہے جو یکساں ہے، واحد ہے تو ان بے حساب انسانوں میں کوئی تو آپ کو اپنا من پسند لڑکا بھی مل ہی جائے گا۔ ہاں تلاش جاری رکھنا پڑے گی۔“ وہ امید و بیم سے بھرے لہجے میں بولی۔

”ایک بار آپ عادل سے بھی مل لیجئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل کو وہ بھنا جائے۔“

”کیوں نہیں، میں انکاری نہیں..... مگر اقرار بھی نہیں..... اس لیے تم بھی اپنے ذہن کو کھلا رکھو۔ تصور کے دونوں رخ پر نظر رکھ کر سوچو۔“ وہ نصیحت آمیز لہجے میں بولے۔

”آپ کی نصیحت سرائگھوں پر..... میں آپ کے فیصلے کے خلاف ہرگز اپنی رائے نہیں دوں گی۔ سوچو کوئی سچے کا فیصلہ میرا ہی تو تھا۔ آپ کا ہار دھروڑ کر بات منوانے کا انجام دیکھ لیا ہے۔ اتنی ہی دوراندیش ہوتی تو اس کی خوشی کے بجائے اس کی بھنگی کی بہتری کو فوریّت دیتی۔ ماما کے پیار نے مجھے تو چند ہی بنا ڈالا۔ اپنی نظروں میں ہی زیر ہو گئی ہوں۔“ وہ رو ہنسی ہو کر خود پر قابو پانے لگی۔

”قصور تمہارا نہیں..... تم ماما کے ہاتھوں مجبور تھیں۔ اس نے ضد اور دھمکیوں سے تمہیں جیت لیا۔ سوچو تمہاری کمزوریوں کو خوب جانتا تھا، قائمہ اٹھانے میں کامیاب ہو گیا..... مگر ہا خسارے میں ہی..... ایسے ہی ہوتا ہے خود کو ہر وقت لعنت ملامت کرنا چھوڑو۔ اب ہمیں نمرائے کے لیے مل جل کر فیصلہ کرنا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو پریشاں نہیں کریں گے۔“ وہ اسے تسلی دینے لگے۔

”آپ مطمئن رہیں..... ایسے ہی ہوگا۔ بیٹی کی خوشحال زندگی کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار رہو..... کاش آج سوچو بھی آپ کے شانہ بٹانہ کھڑا ہوتا تو.....“ وہ آنسو بہتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ رحمان کا دل بھی جیسے کٹ کر رہ گیا۔ جوان بیٹے کا خٹکی میں غائب ہو جانے کا دکھ..... کرب و اذیت، ہر خوشی اور کمی میں ان کے ہوش و خرد پر چھا جایا کرتا تھا اور وہ پٹری سے اتر کر کسی اور طرف نکل جایا کرتے۔ اس پر ان کا اختیار تھا، نہ کوئی بس تھا، اصل گفتگو کا مقصد بس پردہ چلا جاتا۔

☆☆☆

”بیٹا تم کہاں جا رہی ہو؟“ نمرائے ہار کر اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو عالیہ نے ڈسٹنک چھوڑ کر اسے حیرت سے دیکھا اور بے اختیار ہو کر پوچھا۔

”امی.....! آپ کو بتایا تو تھا۔ شاید آپ نے سنا نہیں..... آج گروپ اسٹڈی کے لیے سب حیرا کے گھر جمع ہو رہے ہیں۔ وہ مجھے لینے آرہی ہے۔“ ایک دم سے مارن کی آواز پر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ”وہ تو پانچ بھی گئی۔ وقت کی پابندی تو کوئی اس سے کئے۔ امی جی میں چلتی ہوں۔ اگر ابو جی کا اس طرف چکر لگا تو مجھے پک کر لیں۔ نہیں تو حیرا ہی ڈراپ کر دے گی۔“

”تم بھول گئی ہو..... آج شام کی چائے پر عادل اور اس کی مٹی تشریف لا رہے ہیں۔ تمہارا گھر پر رہنا بہت ضروری

ہے۔ اس کی ماں نے تو تمہیں دیکھا بھی نہیں..... بہت ہی عجیب لگے گا اگر تم چلی گئیں۔“ وہ اچنبھے سے بولی۔  
 ”اوہ..... آئی ایم سوری امی..... یہ بات بھولنے والی تو نہیں تھی۔ خوب یاد ہے کہ سر عادل آپ سے ملنے  
 آرہے ہیں۔ امی اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا.....“ اس نے افسردہ اور ندامت سے بھرپور نگاہ سے ماں  
 کی طرف دیکھ کر کہا جو ڈسٹرکواٹ پلٹ کرتے ہوئے رنجیدہ و پڑمردہ کھڑی تھی۔ نمرانے ماں کے گلے میں ہاتھیں  
 حائل کر کے پیار کیا۔

”امی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... تمام قسمت کی باتیں ہیں، ویسے بھی میں نے اپنے خیالات  
 اور سر عادل کی پرستاشی و خصلتوں کے بارے میں آپ کو بتایا تھا دیا ہے۔ اب فیصلہ آپ کا اور ابو جی کا ہے۔ اس کی  
 اماں سے بھی ملاقات ہو ہی جائے گی۔ آج نہ سبکی توکل سہی.....“ وہ بے بسی سے بولی۔  
 وہ ماں سے لپٹی منو بانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اور عالیہ تو بیسے، خبر کا بت بن گئی ہو۔  
 ”میری اتنی تابعدار بنی کے لیے تو آکاش سے فرشتہ اتر کر اس کی ماں کے ستاروں سے سجاد دیتا۔ عادل تو زمینی  
 مخلوق ہے۔ بہتیوں اور گہرائیوں کا باشندہ.....“ عالیہ نے اسے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔  
 ”اگر اجازت ہو تو جاؤں؟“ وہ ماں کے سینے سے لگی ملاحت سے بولی۔

”ہاں سرے بیٹے تم جاؤ، جمیر اکب سے باہر کھڑی ہے۔ اپنا دھیان رکھنا اور نام سے واپس آ جانا۔“ عالیہ  
 نے آہستگی سے کہا تو نمرانے دل کی گہرائیوں میں اضطرابی کیفیت نمودار ہوئی اور بے چینی و بے سکونی ہلکورے لینے  
 لگی۔ اسی اثنا جمیرا گاڑی کی جانی گھماتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ ماحول میں ایک عجیب سی اداسی کو محسوس کرتے  
 ہوئے وہ دونوں کی طرف دیکھنے لگی تو عالیہ مسکرائی۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے بولی۔

”بیٹھو بیٹا..... تمہیں اپنے ہاتھ کے تیار کردہ گلاب جامن کھلاتی ہوں۔ بہت خستہ بنے ہیں۔“  
 ”آئی.....! ہمیں جلدی لگانا چاہیے۔“ وہ عالیہ کے پیچھے چلتی ہوئی کچن میں پہنچ گئی۔ عالیہ نے ڈونگے سے  
 گلاب جامن نکال کر پیالے میں ڈال کر جمیرا کی طرف بڑھایا تو اس نے آدھا گلاب جامن نمرانے کے منہ میں ڈالا اور  
 آدھا اپنے منہ میں ڈال کر ہوں، ہوں کرتی سر ہلاتی رہ گئی۔ اور پُرسٹائش تھی۔

”آئی آج کوئی خاص بات ہے؟ جو کچن مزے دار لوازمات سے بھرا ہوا ہے۔“ وہ نمرانے کی طرف دیکھ کر  
 بولی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ ایک طویل آنے لے لی..... ”تم کچھ کھوئی، کھوئی ہی لگ رہی ہو۔ کیا بات  
 ہے، کون آرہا ہے؟“ جمیرانے اشتیاق سے بے قراری سے پوچھا۔

”بات تو خاص سے، تمہارے سر عادل چائے پر مدعو ہیں..... تمہیں نمرانے نہیں بتایا؟ حیرت کی بات ہے کہ  
 بہن جیسی دوست ہے، خبر کیوں ہے؟“ عالیہ حیرت و تجسس سے بولی اور دونوں کو دیکھنے لگی۔

”اچھا تو یہ بات ہے..... اب کبھی۔ نمرانے کی بچی..... تم نے اتنی بڑی خبر ہضم کیسے کر لی؟“ وہ نمرانے کی طرف دیکھ کر  
 حقیقت سے چیخنے لگی۔ ”حد کردی تم نے تو کم از کم بتا ہی دیا ہوتا۔ آج کی روپ اسٹڈی کا نام آگے پیچھے ایڈجسٹ کر لیتے۔“  
 ”میرے لیے یہ خبر نہ تو بڑی تھی نہ ہی اہم..... تو کیا بتاتی؟“ وہ آہستگی سے بولی۔

”یہ خوب رہی..... دو لکھا میاں تشریف لارہے ہیں اور دلہنیا کو ان کا آنا عام لگ رہا ہے۔ ویسے تم جیسی بونگی  
 اور احمق لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ تم بس گھر میں تک کر بیٹھو۔“ جمیرانے ناگواری سے کہا تو وہ خاموشی سے  
 اپنے لب دانتوں سے دبائے گئی۔

عالیہ انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔  
 ”نمرانے جس کام کی شروعات خوشی اور مثبت طریقے سے کی جائے، اس کا انجام بہت خوش آمد ہوتا ہے۔ وہ

## رنگِ ظن

سادہ مزاج اور مصومیت سے بھرپور طبیعت کا مالک ہے۔ تم سے والہانہ محبت اس کے سادہ بین کی دلیل ہے۔ ایسے مرد شوہر کے رشتے میں بے مثال ثابت ہوتے ہیں۔ اپنے چہرے کی بچاؤ کی، گریہ و زاری، ماتمی اور مریضانہ کیفیت پر شائستگی اور لطافت کی مہر ثبت کر کے دیکھو..... دل اور دماغ کی تمام سوچیں مثبت ہو جائیں گی۔ اور سرعادل کی تمام خوبیاں ابھر کر تمہارے روبرو دکھڑی اوجائیں گی۔ کوشش کر کے تو دیکھو..... ہمارے ہر ایکشن کا بہت گہرا رشتہ قلب و ذہن سے ہوتا ہے۔" وہ اسے آج بڑا قائل نہیں بنجیدگی سے سمجھا رہی تھی۔

"یعنی چہرے پر منافقت کا رنگ چڑھاؤں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ اس لیے تو تمہارے گھر جانا چاہ رہی ہوں۔ میرے نصیب میں جو بھی لکھا ہے، وہ تو آن مٹ ہے۔ اس لیے فیصلہ ابو اور امی پر چھوڑ کر خود بری الذمہ رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ انکار کی صورت میں بھی سرعادل کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گی اور یونہی سے نکالنے کا پروگرام کینسل ہو جائے۔ بی....." اس وقت نمرائی حالت واقعی قابلِ رحم تھی۔ بے بسی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ حیرانے اسے مزید سمجھانا مناسب نہ سمجھا۔

"حیران! یہ سوچ کر خستے اور افسوس میں کھول کر رہ گئی ہوں کہ سرعادل ہی غیر مناسب انسان نہیں..... میرے اپنے اس سے چار ہاتھ آگے نکلے..... میں جان ہلکان کروں یا شور مچا کر دوں۔ کچھ فائدہ ہونے والا نہیں..... میں نے تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ جو بھی کرے گا اس میں میرے لیے ضرور بہتری ہوگی۔" وہ بے دم سی ہو کر بولی۔

"یعنی بے بسی کو صبر کا نام دینا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگنے کے بجائے راضی برضا ہو جانا۔ سخت بزدلی ہے۔ بے وقوف اگر تمہارا دل نہیں ٹھک رہا تو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرو..... واویلہ کرو تا کہ تمہاری اس پر پوچھ سکتے سے جاں خلاصی ہو جائے۔ اس وقت میرے گھر جانے سے تمہارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ بہادر اور ولیر خواہ اس مسئلے کو فیس کرنے کی کوشش کرو۔ پھر بھی نہ آنے کے امکان ہیں۔ ورنہ عمر بھر ٹوٹ کر بکھرنا اور بکھرنے کے بعد پھر جڑنا..... یہی عمل تمہارے لیے عذاب الہی ہوگا۔" حیران تو پیش بھرے انداز میں بولی۔ اور اس کے حق اور بے رونق چہرے پر اچھتی نگاہ ڈال کر باہر نکل گئی۔ وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ پاؤں منوں ہماری ہو گئے تھے۔ حالات سے فرار مسئلے کا حل نہیں تھا۔ وہ سوچتی ہوئی کچن سے باہر نکلے تو حیران جا چکی تھی اور عالیہ ابھی تک ڈسٹنگ کرنے میں مصروف تھی۔ نمرانجویت سے ماں کو دیکھے چلی گئی۔

☆☆☆

مین ڈور کی بیل پر دونوں چونک کر کھڑے ہو گئے۔ عالیہ نے آج ماسی صنرا کو دو گھنٹے کے لیے گھر بلا لیا تھا۔ تاکہ وہ خود عادل کی می کو کھینی دے سکے۔ دوسرے لاشعوری طور پر اپنا امپریشن بھی بہتر رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ "صنرا..... دروازہ کھولو۔ مہمان آگئے ہیں..... انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ بس ہم بھی آتے ہیں۔" عالیہ نے کچن میں کام کرتی ہوئی ماسی صنرا کو نہایت نرمی سے کہا تو وہ مسکراتی ہوئی مین ڈور کی طرف چل دی۔ تھوڑے وقفے کے بعد رحمان اور عالیہ ڈرائنگ روم کی طرف چل دیے۔

عادل اکیلا ہی سامنے صوفے پر بیٹھا چھوٹے سے ڈرائنگ روم کا انتہاک سے جائزہ لے رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر فوراً احترا ماً کھڑا ہو گیا۔ رسماً علیک سلیک کے بعد تینوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ صنرا ماسی فوراً کولڈ ڈرنک لے کر حاضر ہوئی تو عادل نے گلاس اٹھا کر رحمان کی جانب بڑھایا۔

"آپ لیس پلیز.....!" رحمان نے مردانہ شکر یہ کہا اور گلاس اس کے ہاتھ سے پکڑ لیا جبکہ دوسرا گلاس عادل کو بڑھایا۔ "آپ غالباً اپنی می کے ہمراہ آنے والے تھے؟" رحمان نے ذرا سا مسکرا کر کہا تو وہ قدرے جھینپ سا گیا۔

173 مہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015

گھاس پھوس ہوئے ہاتھوں میں لرزش ہوئی۔

”وہ..... وہ..... دراصل شہ سے باہر گئی ہوئی ہیں۔“ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

”نیور مائنڈ..... پھر کبھی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔“ رحمان نے بے پروائی سے کہا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں چل نکلیں۔ عادل کی نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے رک جاتیں۔ عالیہ نے اس کی نگاہوں کے اشتیاق کا بخوبی مطالعہ کر لیا تھا۔ اگر اس کی ماں اس کے ساتھ موجود ہوتی تو نرا کو اس کا سامنا کرنے میں قطعاً اعتراض نہیں ہوتا مگر اس سٹیٹن میں یہ ممکن تھا اور عادل کیا جانے کہ ٹڈل کلاس میں رشتے کیسے طے کیے جاتے ہیں۔ ان کی ویلیوز کیا ہیں؟ ان کے رکھ رکھاؤ اور نیا داری کے اصول کیا ہیں؟ اس کی مثال تو ایسی تھی جیسے مرغی کے پروں تلے محفوظ چوزہ ابھی ابھی باہر نکل کر ہر اسماں پریشاں ادھر ادھر بھاگ رہا ہو..... بہترین چائے اور گھر کے بنے ہوئے مزیدار لوازمات کھا کر اسے اپنے گھر کے کھانے نے یاد آ گئے۔ جن میں ایسی لذت نہ تھی۔ خانساں جو بھی جیسا بھی پکا دیتا تھا سب اسی پر اکتفا کر کے شکر ادا کیا کرتے تھے۔ پہلے تو می نے اسی پر اپنا کالٹی... ٹائم لگایا تھا پھر وہ اپنی جاب اور اپنی سہیلیوں میں مصروف پائی گئیں۔ اس لیے لیکن ان کی فرسٹ چوائس نہیں بن پایا۔ حسنا بھی کھانے پینے کے زیادہ شوقین نہیں تھے۔ گوشت ان کی کمزوری تھا جو بلا نا نہ پکنا لازمی تھا۔ اس لیے لیکن کا مالک ایک چھوڑا دو خانساں سے تھے۔

”آئی بہت مزہ آیا چائے کا اور خاص کر چیز سمو سے اور گلاب جامن کا۔ کیا پوچھنے کی گستاخی کر سکتا ہوں کہ یہ

سب ملازمہ نے بنایا ہے کہ آپ نے؟“ وہ ہنکپاتے ہوئے بولا۔

”سب کچھ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے بنایا ہے۔“ عالیہ مسکرا کر بولی تو وہ تشکرانہ انداز سے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”نرا بھی یہ سب کچھ بنا لیتی ہو گی؟“

”کہاں بیٹا؟ اسے پڑھائی سے فرصت ملے تو کچھ گھر داری، سلیقہ شعاری، کوکنگ وغیرہ سکھایاؤں۔“ عالیہ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ”ہمارے وقتوں میں پڑھائی کا پریشور تو تھا نہیں..... الف، اے، بی اے کی ڈگری کو بہت سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے کھانا پکانا تو ہر لڑکی کو ہی سیکھنا پڑتا تھا۔ وقت کی کمی جو نہیں تھی۔ اب بچیاں صبح نو بجے گھر سے نکلتی ہیں۔ گھر واپس پہنچنے شام ہو چکی ہوتی ہے۔ ٹھکی مامدی آئے گی تو لیکن کا کام کیسے سیکھ پائے گی؟ مائیں بھی ان سے کام کرانا نہیں چاہتیں۔ یہ بات بھی سچ ہے۔“ وہ عالیہ کی بات پر بے وجہی ہنسنے لگا اور جلد ہی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بھی ساتھ ہی کھڑے ہو گئے اور چند الوداعی جملے کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔ اس کی کالے رنگ کی بیش قیمت کار کو دور تک جاتے ہوئے دیکھ کر ایک نادیدہ سی خوشی عالیہ کے من میں سرایت کر گئی جبکہ رحمان کو ایک عجیب سی بے سکونی اور بے قراری نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ عادل کی کچھ باتیں دل کو ٹھاکر کے لگی تھیں۔ بعض میں پر لے درجے کی اپنا رٹنی تھی۔ اس کی طبیعت میں اضطراب تھا۔ اس کے ہاتھوں کو چین نہیں تھا۔ وہ ہر بات شروع کرنے سے پہلے آنکھوں کو میچ لیتا تھا۔ مدعا سمجھنے میں اسے دیر لگتی تھی۔ اپنی ہر بات کو بار بار دہراتا تھا اور پھر اپنے جن خیالات پر آڑ جاتا اس سے ایک انج آگے پیچھے نہ کھسکتا..... ان حرکات و سکنات کا عالیہ نے نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔ اس لیے وہ خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ رحمان کا رد عمل اس کے برعکس تھا۔ وہ خاموش تھے۔ عالیہ میں بھی اپنی خوشی و طمانیت کا اظہار کرنے کی جرأت نہ تھی۔ وہ بھی خاموشی سے رحمان کے فیصلے کی منتظر تھی۔

نمرانے ڈنر پر دونوں کو خاموش دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید وہ عادل کے پنجرے میں تاحیات قید ہونے سے بچ گئی ہے۔ یہی سچائی اور حقیقت وہ ماں کی زبان سے سننے کے لیے بے تاب تھی۔ ذہن میں ہر طرح کی متنی اور مثبت

سوچوں نے اپنے ڈیرے جمالیے تھے اور وہ رات بھر اپنے کمرے میں تھکے ہوئے ذہن اور ناتواں دل کی قربت میں آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ جب نائٹس بھی تھکن کا اعلان کرنے لگیں تو اس نے کمرے کی لائٹ آف کی اور بستر پر آڑی ترچھی لیٹ کر بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی نہ جانے کب گہری نیند میں چلی گئی۔

☆☆☆

”حسنا! میں نے یونیورسٹی سے اینوز لیو لے لی ہے۔ اس وقت میرا آپ کے پاس موجود رہنا بہت ضروری ہے۔“ سائرہ نے اسٹڈی میں سیریل کا پیالہ پیش پر رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”آج کے بعد دو ابھی میں خود اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گی۔ اللہ نہ کرے ایسی جان لیوا بیماری تو ہے نہیں کہ آپ ٹھیک ہی نہیں ہو رہے۔“

”میں ٹھیک تھا کہ ہوں..... خدا کے لیے مجھے مریض مت سمجھو..... میں تمہارے اس رویے سے کبھی صحت یاب نہیں ہوں گا۔ تم یونیورسٹی جاؤ..... اپنا کام کرو، پلیز لیوی الون.....“ وہ مشتعل ہو کر بولے۔  
 ”اسکی دل جلانے والی باتیں کرنا تو آپ کی عادت ہے۔ اب مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں..... اس وقت مجھے آپ کی صحت کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ آپ عمر سے دس سال بڑے لگتے لگے ہیں۔ آپ کو توجہ..... کئی اور آرام کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کے لیے دوپہر کو ایک گھنٹے کا نپ لینا شروع کر دیں۔ آپ کی طبیعت کبھی ہلکی ہو جائے گی۔ پلیز اپنی نیند کو توڑا بدھائیں اور کھانا وقت پر لیں اور کچھ مہینوں کے لیے گوشت کو خیر باد کہہ دیں۔ آپ کا معدہ گوشت قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے مگر آپ کچھ سنتے ہی نہیں۔“ سائرہ ان کے قریب بیٹھ کر ہمدردانہ لہجے میں بولی۔  
 ”میں جب سے بیمار ہوا ہوں، تم کچھ زیادہ ہی باتیں کرنے لگی ہو..... ہمدردی جتا کر عجب جماڑنے کی کوشش کرتی ہو اور پیار کی مار دے کر خوب ڈانٹ ڈپٹ کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہو..... پلیز سائرہ..... مجھے معاف کر دو اور یہاں سے جاؤ۔ مجھے کھن ہوتی ہے، تمہاری موجودگی میں۔“ وہ زہرا آلود لہجے میں بولے۔ ”مجھے کسی کا ساتھ نہیں چاہیے۔ تم مجھے اپنا احسان مند کیوں کرنا چاہتی ہو۔“

”اومائی گاڈ.....!“ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ”جوانی کا پرائم ٹائم میں نے آپ کے بغیر گزار لیا۔ راتوں کی تاریکی اور تنہائی کو اپنا ہم سفر بنا لیا۔ دن کے اجالوں میں ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ سجا کر اپنی ازدواجی زندگی کے بیچ در بیچ حالات کی پردہ داری رکھی، نہ تو آپ سے گلہ کیا نہ ہی اپنے حقوق کے حصول کی خاطر واویلا کیا..... عادل سے ہی دل بہلانے لگی۔ جس کے لیے میں ماں بھی تھی اور باپ بھی..... پھر بھی آپ کے ظلم کی شرکت کر کے اس وقت بھی آپ کا ساتھ دیا۔ میں نے آپ کی خاطر اپنا نختہ جگر چھوڑ دیا۔ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ دگی اور رنجیدہ ہو چکا ہے، میں تو آپ کی ان وائٹڈ بیوی نہیں تھی..... ہاں عادل آپ کا آن وائٹڈ چائلڈ تھا پھر ہم دونوں سے دوری رکھنے کا مقصد کیا تھا؟ گلو خلاصی یا آپ فطرتاً ہی خود غرض انسان ہیں؟ میں تو آپ کو درگزر کر سکتی ہوں مگر عادل..... اس لیے کو ہر قدم پر دہراتا ہے، روتا ہے، بلکتا ہے۔ میں اسے سہارا دے کر..... بہلا پھسلا لیا کرتی تھی۔ اب وہ اکیلا کیا کرتا ہوگا۔ اسے تمہا سانس لینا نہیں آتی۔ میں ہی اس کی کل کائنات تھی، اپنی زندگی کے الجھاؤ کو سلجھانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی میں نے اسے اس گھر سے جانے دیا..... اور آپ کس قدر کٹھوردل باپ ہیں کیا مجال کہ ایک بار اس کا نام آپ کی زبان پر آیا ہو۔“ وہ رو..... دینے لگی۔ ”آج مجھے دھتکار رہے ہیں، میں اپنے بیٹے کے پاس جا سکتی ہوں۔ وہ میرا منتظر ہوگا..... میں جانتی ہوں لیکن میں نہیں جاؤں گی، میں ایک مشرقی عورت ہوں۔ مشرق کی بیٹی اور مشرق کی قدر دان ہوں، آپ کے پاس رہنا میری مجبوری ہے، شوق نہیں..... میں نے یہ فیصلہ بغیر سوچے سمجھے نہیں کیا تھا۔ ہوشمندی سے کیا تھا۔“ وہ خود اعتمادی سے بولی۔



”تم نے کبھی یہ سچا کہ تم اپنے بچے کے ساتھ مجھ پر مسلط ہو کر مجھے ہر پل اذیت پہنچاتی رہی ہو۔ تم میری زندگی سے نکل جاتیں تو یہ احساس اسیری تمہارے ساتھ ہی رخصت ہو گیا ہوتا۔ میری زندگی بھی بہترین ہوتی اور تم بھی کسی اور کے ساتھ ایڈجسٹ ہو گئی ہوتیں۔“ وہ عجیب نفرت آگئیں لہجے میں بولے۔

”میرے پاس ان بے تکی باتوں کا جواب نہیں ہے پر یہ ضرور کہوں گی کہ شوہر بدلنے سے کبھی قسمیں نہیں بدلتیں۔ وہ اپنی جگہ براجمان رہتی ہیں۔ میرے رب نے میرے لیے آپ کو بچا..... میں اسی قابل تھی، یہی سوچ کر راضی بہ رضار ہی کہ اسی پاک ذات نے میری تقدیر میں بھلا ضرور لکھا ہوگا۔ وہ مجھے آزما رہا ہے، شاید میں ابھی تک اس کی آزمائش پر پوری نہیں اتر پائی۔“ وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں لال ڈورے پھیل گئے تھے اور وہ عمر کے اس حصے میں تھی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ حسنا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتا چلا گیا۔

☆☆☆

”عادل کا فون آیا ہے۔ وہ ہمیں اپنے گھر کھانے پر بلانا چاہ رہا ہے۔“ عالیہ بیڈ شیٹ بدلتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ جواب نہ پا کر اس نے کرسی پر پیٹھے ہوئے شوہر کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات، تیوروں میں نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ ایک دم سے زبان کو بریک لگی اور ہاتھ بھی کام سے رک گئے۔

”رشتے طے کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ تم جانتی ہو میں اصولوں پر کپڑا مارتا کرنے والا انسان نہیں ہوں۔ اسے بولو کہ اپنے ماں، باپ کو لے کر آئے۔ ان کی موجودگی کے بغیر بات آگے نہیں بڑھے گی۔ کیونکہ عادل حد درجے کا شریف انفس سہمی لیکن پرورش میں کچھ گڑبڑ ہے، ہی انٹناٹ آٹارل پرمن.....“ وہ سنجیدگی اور سختی سے بولے۔

”اب بھی کہ آپ دو دن سے خاموش کیوں ہیں۔ میں نے آپ کی خاموشی کو رضامندی جانا..... کتنی نا فہم عورت ہوں، اتنے سال آپ کے ساتھ گزارنے کے باوجود آپ کو سمجھ نہ سکی۔“ وہ افسوس ناک لہجے میں بولی۔

”ابھی تو پسندیدگی اور رضامندی کی اسٹیج سے ہم بہت دور ہیں، ذرا ماضی میں جھانکو کہ جب میں تمہارے گھر گیا تھا تو اس کے بعد تمہارے ابا نے اتنے چکر لگوائے تھے کہ تلوے کس گئے تھے۔ پھر ہمیں چکی میں پیسنے کے بعد چھتئی میں ڈال کر خوب چھان کر بھی اٹار کر گئے تھے۔ اسی لیے تو دعائے خیر کے ساتھ ہی رخصتی کی ڈیٹ فکس کرنا پڑی کہ کہیں آپ کے بزرگوار ہینتر اسی نہ بدل لیں۔“ وہ تنگ کر بولے۔

”اتنی مین میخ نکالنے کے باوجود بھی آپ کیا نکلے؟ ذرا ملاحظہ فرمائیں۔ رحمان جی.....! انسان خود کو بہت دانا اور کامل سمجھتا ہے، اوپر والا خوب ہنستا ہوگا ہم پر۔ اپنے معاملات اس کے حوالے کر کے پرسکون ہو جانا عظیم انعام ہے۔ آپ میرے ابا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش مت کریں۔ ان کی چاروں بیٹیوں کی زندگی کا تجزیہ کریں۔ ایک کا شوہر دولت مند ہے لیکن بیوی کی اس کی نظروں میں عزت نام کی کوئی چیز نہیں..... ہر طرف منہ ماری کرتا ہے میری بہن کے سامنے۔ وہ ایک لفظ بول نہیں سکتی، دوسری بہن کا میاں گورنمنٹ مرنٹ تھا۔ بیوی پر جان چھڑکتا تھا۔ چار بچوں کا ہتھ دے کر خود ہارٹ ایک کا شکار ہو گیا۔ تیسری کا شوہر دیکھنے میں کیا بھلا مانس اور اپنے کام سے مطلب رکھنے والا اور گھریا رہانے والا معلوم ہوتا تھا۔ پرلے درجے کا نانا کارہ نکلا۔ میری بہن کے تمام زیورات جوئے میں ہار آیا۔ گھر گروی رکھ کر قرض لیا بزنس کے لیے..... وہ پیسہ بھی نشے کی نذر ہو گیا۔ اور میری زندگی آپ کے سامنے ہے، کون سی ڈھکی چھپی ہے۔“ وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

”تم درست کہہ رہی ہو مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کو نظر انداز کرنا بھی تو گناہ ہے، اللہ تعالیٰ یہ ہرگز نہیں فرماتا کہ سامنے کتواں نظر آ رہا ہو اور اس میں کود جاؤ۔ اس نے ہمیں شعور دے کر ہم پر غور و خوض کرنے کی ذمہ داری ڈالی

## رنگِ خلش

ہے۔ ورنہ ہمیں جو ابدہ ہونا پڑے گا۔ آگے تقدیر کے کیا فیصلے ہیں، یہ بھی تو وہی جانتا ہے۔ انسانی عقل اور سمجھ کے مطابق ہماری کوشش جاری و ساری رہنے کا عمل فرانسس کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی سے ہمارا ذہنی سکون اور دلی اطمینان وابستہ ہے۔ ”وہ قدرے نری سے بولے۔

”رحمان جی.....! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ میری بیٹی کی زندگی آسان اور سہل ہو، میری جیسی تک و دو سے اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے..... کاش میں اپنی زندگی میں ہی اولاد کی طرف سے خوشخبریاں سنوں اور ان کا ہر لمحہ کامرائوں سے منسلک ہو۔“ وہ میرا کی ہولی آواز میں بولی۔

”انشاء اللہ ایسے ہی ہوگا۔ تم ذرا اپنی فکرات کو کم اور دعاؤں کی کثرت کرو۔ سب ٹھیک ٹھاک ہی ہوگا۔“ وہ زبردستی مسکرا کر بولے..... کیونکہ باتیں تو وہ درست کر رہی تھی۔

”میں آج ہی عادل کو کہے دیتی ہوں کہ پہلے اپنے پیرش کو تو ہمارے غریب خانے پر لائے۔ بھلا ہم لڑکے کے کہنے پر اس کے گھر منہ اٹھائے کیوں چل پڑیں؟ آپ نے اصول کی بات کی ہے۔ اس لیے انکار اور اعتراض نہیں کروں گی۔“ شوہر کو مسکراتا دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولی۔ ”اور نر امرامیری بیٹی ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے پیاری نہیں کہ جیٹ پٹ فیصلہ کر لوں گی؟“

”بس اتنی سی بات تو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔“ وہ پھر مسکرائے تھے۔ اور عالیہ نے اگلے دن عادل کا فون آنے پر اسے باور کرا دیا تھا کہ تمہارے پیرش گھر آنے کا عندیہ خود ہمیں دیں گے تو پھر ہم آگے بڑھیں گے اور وہ جی اچھا کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

**سفرِ سفر**

جیسے تو زندگی ایک سفر ہے لیکن ہمیں کب تک پڑاؤ بھی آتے ہیں۔ آخری صفحات پر ایک عجیب و غریب پڑاؤ کی داستان **منظرِ امام** کے قلم کی روانی

**درماندہ عشق**

تاریخ کے اوراق سے ایک اور یادگار داستان ...  
**الیاس سیتا پوری** کا سحر انگیز انداز

**سودانے جنوں**

**ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم سے  
ملت اسلامیہ کے مہم ارادوں کا عبرت اثر خواں

**ماروی**

آجی بادیجی جیت، زندگی کے تین تین نخت پر مشتمل  
روزانہ۔ **مہسی الدین نواب** کا دلچسپ شاہکار

مارچ 2015ء کے صفحات کی بہت

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

**سپنس ڈائجسٹ**

ماہنامہ

**مزید**

خطوطِ نازک و محفل  
محفلِ شہرِ سخن اور  
مرزا امجد بیگ کا مدلل انداز

ڈاکٹر شہر شاہ سید، کاشفِ ذہن، سلمہ انور  
تصویر و ناض اور ڈاکٹر ساجد امجد کی دلرب کہانیاں

ساترہ نے میہاں کی رنگ پر فوراً فون اٹھالیا۔ اس کی چھٹی حس نے عادل کا ہی نام پکارا تھا۔ اور فون بھی عادل کا ہی تھا۔ شاید ماں اور... اولاد میں ٹیلی فون کی حس ایک عام رشتے سے بڑھ کر ہوتی ہے کہ کوسوں دور بیٹھے ہوئے بھی نزدیکی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ خوشی سے عادل کی آواز سن کر چپکنے لگی۔

”بہت دنوں بعد ماں کا خیال کیسے آگیا؟ بہت انتظار کرایا تم نے بیٹا۔“ وہ بے اختیار ہی سے بولی۔  
 ”مئی میں بہت مصروف رہا..... اس لیے فون نہ کر سکا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”یعنی مطلب پر یاد آئی ہوں..... بولو کیا کام ہے، جس میں میری ضرورت محسوس ہوئی۔ تم تو اپنا ہر کام بذات خود کرنا چاہتے ہو، آج چکر کیا ہے؟“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

”مئی! وہی رشتے کا مسئلہ ہے، میں نے آپ کو بتایا تو تھا اور ٹی کی بھی آپ نے میرے آفس میں دیکھ ہی لی تھی۔“ وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”ہاں بیٹا! تمہارا فیصلہ ہے تو بہترین ہی ہوگا۔“ وہ اسے ہلکی دینے کے انداز میں بولی۔  
 ”آپ کو میرے ساتھ ان کے گھر جانا ہوگا۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”جب لوگ ہیں آپ کے بغیر نہ تو اپنے گھر

آنے دیتے ہیں، نہ میرے گھر آنا چاہتے ہیں۔“  
 ”ضرور، ضرور کیوں نہیں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔“ وہ گفتگو لہجے میں بولی۔ ”لڑکی والے بزرگوں کی

گارانٹی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ یہ تو سب نارمل ہے۔“  
 ”مئی پو آرتو گریٹ..... میری مئی جیسی ماں اس دنیا میں کوئی نہیں اور نہ ہی آئندہ ہوگی۔“ وہ خوشامدی لہجے میں بولا۔

”مئی میں آپ کو بھولا نہیں..... آپ کو ایسا خیال فینڈ میں بھی نہیں آنا چاہیے۔“  
 ”مسکات لگاؤ، پکڑے جاتے ہو صاف بھلی کہیں کے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”اتنے دن تو یہ پیاری اور

اکلوتی ماں یاد نہ آئی۔ ویسے میں نے نوٹ کیا ہے جب سے یہاں سے گئے ہو چالاکیاں اور ہوشیاریاں سکھ گئے ہو، رشتہ بھی ڈھونڈ لیا اور بات بھی ہو گئی گڈ شو۔“ تو عادل نے بچوں کی طرح تہہ لگایا۔

”یولو کب بیٹے کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں؟“ وہ مسرت آگئیں لہجے میں بولی۔ ”مجھے اسی مبارک دن کا کس شدت سے انتظار تھا۔ دیکھو خدا کتنا مہربان ہے ہم پر۔“

”کل سے دیکھ اینڈ شروع ہے، آپ کی مئی یونیورسٹی سے چھٹی ہے۔“ وہ بھی خوش ہوتے ہوئے بولا۔  
 ”آپ پروگرام بنا لیں۔ بندہ تیار ملے گا۔“

”میں تو آج کل گھر پر ہی ہوں، تمہارے ڈیڑی کے پاس..... بد پرہیزی اور بے پروائی کی وجہ سے ان کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا ویل ایجوکیٹڈ بندہ ذہنی طور پر اتنا جاہل، ان پڑھ اور

اجت نہیں دیکھا۔ نہ اپنی پروانہ ہی دوسروں سے کسی قسم کی غرض اور مطلب ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنی صحت کا بیڑا فرق کر لیا ہے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ تمہارا دل تو ایسا پتھر بھی نہیں تھا۔ جو یوں خونی رشتے سے کنارہ کشی اختیار کر کے خوش و خرم بیٹھے ہو۔“ لہجے میں ہلکے سے ہلکے کی رمت نہ چاہتے ہوئے بھی آگئی تھی۔

حالانکہ بچھتاؤ اور اسی ہونے لگا تھا۔  
 ”کن خونی رشتوں کی بات کرتی ہیں آپ؟ اس ضمن میں پہل کس کی طرف سے ہونی چاہیے تھی۔ کیا میں ان کا خون نہیں تھا؟ جو آپ کی غلطی کی سزا مجھے سنا ڈالی۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ وہ زہر آگئیں لہجے میں بولا۔

”تم بھی حق بجانب ہو بیٹا..... لیکن غنودر گزر کا مقام بہت اونچا ہے۔ اس کا فائدہ معاف کرنے والے کو ہوتا

## ونگِ ظن

ہے کیونکہ اس عظیم ردعمل سے اس کی روح پر تسکین اور دل و دماغ میں سوائے طمانیت کے کسی کرب و اذیت، غمے اور نگرانی کا گزری نہیں ہوتا۔ اور یہی اصل خوشی اور کامیابی ہے انسان کی..... میں حسرت کو پہلے دن سے معاف نہ کرتی تو یقین جانو آج میں ڈپریشن کا بیمار ہو چکی ہوتی اور میری زندگی اور تمہارا جلوہ کس قدر عبرت ناک ہوتا..... یہ انہیں معاف کرنے کے ہی رزلٹ ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔“ وہ سنجیدہ سی ہو گئی۔

”مہمی.....! اب میں آپ کی کسی نصیحت کو اہمیت دینے والا نہیں۔ آئی ایم ایکسٹریملی سوری..... کسی باطرف انسان کے لیے اپنی انا، غیرت اور خودداری کا قتل کرنا دل کو برا نہیں لگتا ہے۔ میں نے زندگی کے بے شمار سال آپ کی ہر بات پر سربسکیم خم کرنے کا ایسا کون سا ایوارڈ حاصل کر لیا ہے جو اب انکار کرنے پر مجھ سے چھین جائے گا۔ مہمی آج کے بعد ہماری گفتگو میں ڈیڑی کا ذکر نہیں آنا چاہیے۔ اچھا بھلا موڈ خراب کر دیا آپ نے۔“ وہ ناگواری سے بولا۔

”تھینک ہے مہمی..... بیٹا جوان ہو کر زور آور نہیں ہوگا..... اپنی طاقتوری، ہٹ دھرمی اور ضدی پن نہیں دکھائے گا تو کیا بوڑھے والدین دکھانے کی جرأت کریں گے؟“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ ”سب وقت، وقت کی بات ہے، آج تم بہت اسٹراٹجک ہونا.....“

”مہمی.....! مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔ کہ کل آپ اپنے شوہر نامہ دار کو چند آئٹمز کے لیے اکیلا چھوڑ سکتی ہیں کہ نہیں؟“ وہ بھی طنزیہ انداز میں بولا۔

”چھوڑ سکتی ہوں مہمی۔“ اس نے زور دار لہجے میں کہا۔ ”کتنی دفعہ کہوں..... بولو! خدا کے لیے ایک ہی بات پر گزامت ڈالا کرو، سن لیا کرو کہ دوسرا کیا کہہ رہا ہے۔“

”تھینک یو..... میں کل چار بجے آپ کو لینے پہنچ جاؤں گا۔“ اس نے بھی لفظوں کو چپا کر کہا۔ ”آپ کی نصیحتوں کی عادت نہ گئی۔ مہمی پلیز..... نمرائے کے سامنے نصیحتوں کی فہرست مت کھولے گا۔ دودھ پیتے بچے کو کوئی بھی بنی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ آپ تو جانتی ہیں ناں.....“ فون بند ہو گیا تو دکھا کرادی۔

”مائی گاڈ..... مقابلہ کرنا اور فیصلہ کرنا تو سیکھا..... باتوں میں خود اعتمادی ہے، لہجے میں ڈر اور خوف بھی نہیں..... اللہ تبارک و تعالیٰ، لاکھ شکر ہے۔“ وہ خود گلایہ کرتی ہوئی حسرت کی اسٹڈی کی طرف چل دی۔ جو کاؤچ پر لیٹنے مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔ جبکہ تھوڑی دیر پہلے بخار 101 ڈگری تھا۔

☆☆☆

ہارن کی آواز پر سائرہ نے ملازم کو مٹھائی کا سجا ہوا ٹوکرا اٹھانے کو کہا اور خود گلاب کے پھولوں کا مگے اٹھا کر سرحت سے مین ڈور کھولنے لگی۔ گیٹ سے باہر ہی عادل کی گاڑی کھڑی تھی۔ گارڈ نے اسے دیکھ کر گیٹ کھولا اور سائرہ باہر نکل گئی۔ عادل گاڑی سے باہر نکل کر ماں سے بخٹگیر ہوا۔ اس نے دعا دینے کے بعد ڈی کی کھولنے کا کہا اور جبکہ پچھلی سیٹ پر احتیاط سے رکھ کر عادل کے بائیں طرف بیٹھ گئی۔

ملازم نے ڈی کی میں مٹھائی کا ٹوکرا رکھتے ہوئے عادل کو مبارکبادی تو وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”چاچا دعا کرنا۔“

”مہمی مٹھائی اور پھولوں کی کیا ضرورت تھی بھلا؟“ وہ ماں کی طرف حیرت سے دیکھ کر بولا تو وہ اس کی مصیبت اور بھولے پن پر ہنس دی۔

”کسی کے گھر فرسٹ ٹائم رشتے کے لیے جارہے ہو، خالی ہاتھ جاؤ گے کیا؟“

”مہمی میں خالی ہاتھ تو پکرن لگا چکا ہوں۔ اب سمجھ آیا کہ مجھے ان کی جانب سے لٹ کیوں نہیں کرائی گئی؟“ وہ گاڑی رپورس کرتے ہوئے بولا۔

”وہ لوگ کہتے ہیں گے کیسا ہونق اور یونکا لڑکا ہے، جو دنیا داری کے کسی اصول سے آسنا نہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ لڑکے اسی طرح کے ہوتے ہیں، بے پروا اور لا اہالی سے۔“ وہ اس کی شرمندگی کو مٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ کیونکہ اسٹیئرنگ تھماتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں خاصی لرزش تھی اور جڑے سختی مائل تھے۔

”اس لیے تو عموماً لڑکے اے ساتھ والدین کا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے، خیر پریشانی یا فکر مندی کی کوئی بات نہیں..... آج کل ماڈرن دور ہے، سب کچھ چمٹا ہے۔“ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی لیکن اس کی ٹینشن میں کمی واقع نہ ہوئی۔ مسلسل پریشان رہا۔

نمرائے گھر پہنچ کر سائرہ نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ بالشت بھران کو جس خوب صورتی سے پودوں سے مزین کیا گیا تھا، اس میں خاتون خانہ کی دلچسپی جھلک رہی تھی۔ پورچ میں منی پلائس کی بلیس نہایت قرینے سے چھلی ہوئی تھیں۔ اسے ایسے گمان ہوا جیسے انگلینڈ کے چھوٹے سے ڈیٹل اسٹوری گھر کے سامنے کھڑی ہو۔

ایک بڑے بینک میں وائس پریزیڈنٹ ہونے کے ناتے حمایت کی ہوئی نئے ماڈل کی سلور کلر میں ٹیوٹا کرولا پورچ میں کھڑی تھی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سلیقہ مندی نے انہیں خوش آمدید کہا۔ گوکہ سامان ان کی حیثیت کے مطابق تھا۔ لیکن انتخاب بہترین تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اسپرٹس ہوئے بغیر نہیں رہی۔ نالیہ اور رحمان نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ سائرہ نے پاس کھڑی صفراماسی کو گاڑی سے مٹھائی ٹکائے کا آہستگی سے کہا اور بیکے عالیہ کی طرف بڑھا دیا۔

”آپ نے تکلف کیوں کیا.....؟“ عالیہ نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔

”بہن کے گھر خالی ہاتھ کون آتا ہے؟“ وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔ ”شیرینی سے اس نیک کام کو شروع کریں گے تو انجام بھی مٹھاس سے لبریز ہوگا۔“

”سب اوپر والے کے فیصلے ہیں، ہم تو ناتواں اور بے دم لوگ ہیں۔“ کاریڈور سے ملحقہ ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے عالیہ نے انکساری سے کہا۔

”اللہ تعالیٰ بہتری کرے گا۔“ سائرہ نے بھی دعائیہ انداز میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

”ہمیں بھائی صاحب کا بھی انتظار تھا۔“ رحمان نے کھڑے، کھڑے کہا۔

”وہ بھی آپ سے ملنا چاہ رہے تھے لیکن پچھلے دو مہینوں سے ان کی طبیعت خاصی خراب ہے، جو نمی صحت یاب ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔“ سائرہ نے سوچتے ہوئے معقول اور سچا بہانہ فٹ کر دیا۔ عادل نے ماں کی طرف برساتش نگاہوں سے دیکھا اور دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی رحمان بھی بیٹھ گئے۔ دو گھنٹوں کی طویل گفتگو کے بعد بھی انہیں عادل کے گھریلو حالات کا علم نہ ہو سکا۔ لیکن عادل کی اہنار مٹی ان سے نہ چھپ سکی۔ جس کا رحمان کو پہلی ملاقات میں ہی شک ہوا تھا۔ آج یقین ہو چلا..... مگر پھر بھی سائرہ کی باتوں کا ایسا فسوں تھا کہ وہ حذبذب ہو کر بھی سائرہ کو بغور دیکھتے تو کبھی عالیہ کا جائزہ لینے لگتے۔ سائرہ کی خواہش کو تہ نظر رکھتے ہوئے عالیہ اسے لاؤنج میں لے آئی۔ سائرہ فوراً نمرائے کو پہچان گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے اسے محبت سے مظلوم ہو کر گلے لگایا۔ حسن و جمال میں وہ سائرہ سے کم نہ تھی بلکہ دو ہاتھ آگے ہی تھی۔ بیٹے کی پسند کی دل ہی دل میں داد دیتے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ نمرائے بھی سائرہ کی باتوں میں خاصی بچھوڑی محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

”ان خاتون کی گود میں پل کر جوان ہونے والا بچہ عادل جیسا نہیں ہو سکتا۔ اس کی پر سنائی میں اس ماں کی تربیت کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ شادی تو عادل سے ہوگی نہ کہ اس کی ماں سے.....“ وہ حذبذب نظروں سے سائرہ کو دیکھنے لگی۔ ”ماں تو دل کی گہرائیوں سے قابل قبول ہے مگر جینا سگی اور عارضی طور پر ایک لمحے کے لیے

## انگِ خلش

بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ نہ ہانے ابوجی اسے کتنا سمجھ پائے ہیں۔ کیا فیصلہ کرنے والے ہیں، ای تو بن سوچے سمجھے ہی آسمان کی وسعتوں میں اپنے پنوں کے گھوڑے دوڑا رہی ہوں گی۔“ وہ سوچتی رہی۔

☆☆☆

لینڈ لائن پر مسلسل بتل رہی تھی۔ رحمان بیچ کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے۔ عالیہ بیچ کے بعد چھوٹی بہن کے گھر اس کے بیٹے کی اے لیول میں کامیابی پر مبارک باد دے چکی تھی اور ساتھ ہی سعود کی مداح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا بھی مقصود تھا۔ وہ کسی سے مقابلے میں کم کیوں رہتی! پھر بیٹی کے رشتے کی خبر بھی گوش گزارنا اور مشورہ لینا بھی ضروری تھا۔ وہ اسی خوشی اور غمی کے عالم میں باتوں میں مصروف تھی۔ بتل پر اس نے رحمان کا نمبر دیکھ کر فون آن کیا۔ رحمان کی آواز غنودگی اور فکر مندی کی آمیزش میں جب سی لگ رہی تھی۔ وہ ایک دم پریشان کن لہجے میں بولی۔

”رحمان جی سب خیریت تو ہے ناں..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے، نر! کہاں ہے؟ سعود کی طرف سے کوئی اطلاع ہے کیا؟ جلدی سے بولیں، ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔“

”بھئی کیا تمہیں فون سوائے پریشانی کے نہیں کر سکتا۔ حد کرتی ہو، میں پوچھتا چاہ رہا تھا کہ واپس کب آرہی ہو؟ نر اپنے کمرے میں بند ایگزام کی تیاری میں مصروف ہے، گھر میں اتنی خاموشی ہے کہ کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے، بس تم جلدی سے گھر آ جاؤ، چائے کی بھی حاجت ہو رہی ہے۔“ وہ اپنی فکر مندی پر قابو پاتے ہوئے بولے۔

”آپ نے تو مجھے دہلا کر رکھ دیا۔ آپ کی آواز درست نہیں تھی۔ رحمان جی.....! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو ڈنر کے بعد آ جاؤں۔ آج بڑے دنوں بعد چاروں بہنوں کا ایک گھر میں جمع ہونا خوب مزہ دے رہا ہے۔ کچھ دکھ سکھ ایک دوسرے سے صبر کرنا اچھا لگ رہا ہے۔ لاؤنج میں کونے والی ٹیبل پر الیکٹریک کیکل مع پانی کے رکھی ہے، تہی چینی دودھ کے جارج بھی ٹرے میں رکھے ہیں، آج چائے دم کرنے میں آپ کو خوب لگے گا کہ یہ کام کتنا آسان کر دیا ہے میں نے۔“ وہ گلقت لہجے میں بولی۔

”اوکے، ڈنر کے بعد آ جاؤ، اس میں اجازت نامے کی ضرورت نہیں یا..... خوب انجوائے کرو۔ ہم باپ بیٹی بھی ڈنر کافت سا پرہ گرام بتاتے ہیں۔“ وہ بناوٹی خوش دلی سے بولے۔

”تو پھر یوں کیجیے گا کہ مجھے یہاں سے پک کر لیجیے گا۔ اپنی فیملی کے ساتھ تو مزہ ہی اور ہے۔“ اس نے فوراً اپنا پروگرام بدل ڈالا تو رحمان نے آہ کو دباتے ہوئے ایک مردہ سا قہقہہ لگایا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

”تم کیا جانو کہ سعود کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ بڑے کاموں کے نتائج بھی عبرت اور کریناک ہی ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ جان لینا خیر ستانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہنوں میں خوش بیٹھی ہو، یہ سن کر مجھے سہارا یا تسلی دینے سے پہلے ہی تم مر جاؤ گی۔ میں تمہیں مزید دکھ نہیں دینا چاہتا۔ اس تمام پھوٹیشن کو خود ہی پنڈل کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرا خیال ہے یہی بہتر ہے۔ مجھے ابھی صرف سعود کا غم مارے جا رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ تمہیں اور نر کو سنبھالنا میرے بس میں نہ رہے۔“ وہ دیر تک بیٹھ پر ٹائیس لٹکائے سرد دنوں ہاتھوں میں تھا سے سوچتے رہے۔ چاروں طرف سوچ کے

گھوڑے دوڑانے کے بعد اپنے کو لیگ مختار راجا کا خیال آ گیا۔ جو چند سال قبل گولڈن فیک پنڈ لینے کے بعد اپنی فیملی کو لے کر لندن چلے گئے تھے۔ ان کے ساتھ وقتاً فوقتاً رابطہ رہتا تھا۔ اس وقت وہ انہیں کسی فرشتے سے نہیں لے۔

”مختار راجا کو اپنے بیٹے کے حالات بتاتے ہوئے سکی تو محسوس ہوگی۔ مگر کیا، کیا جائے؟ مجبوری ہے ورنہ وہ نامر اوٹیل میں ہی گل سڑ جائے گا۔ اور اس کی لاش سے بھی محروم ہی رہیں گے۔“ وہ بو بڑاتے ہوئے بیٹھ سے اٹھے اور اپنی ٹیلیفون ڈائری لے کر لاؤنج میں آ گئے۔ مختار راجا کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ کئی بار ر کے..... اور آخر طوعا و

کر ہایز ہر کا چالہ منہ کوٹکا نے میں ہی مصلحت سمجھی۔

دوسری طرف سے فون فوراً اٹھالیا گیا۔ رحمان نے ایک، ایک کر تمام حالات اسے سنا دیے اور سردی کے باوجود وہ مرق نہامت سے سر تاپا پوجا گئے تھے۔

”رحمان! فکر کیوں کرتے ہو یا..... کسی کو کیونکر بتاؤں گا۔ میں بھی اولاد والا ہوں، تو بہ استغفار پڑھنی چاہیے۔ ایسے حالات کا شکار ہو جانا یہاں عام سی بات ہے۔ بس دل مضبوط رکھو، انشاء اللہ بہت جلد تمہارا بیٹا تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔“ وہ تسلی دیتے ہوئے بولے۔

”ٹھیک پوچھا، مجھے ایسا گمان ہونے لگا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے نیک کام لینا تھا جو تم اس وقت وہاں موجود ہو، ورنہ ہمارے لیے بہت مشکل ہو جاتی۔“ وہ تشکرانہ لہجے میں بولے اور آنکھوں میں نمی آگئی۔ خدا حافظ کہنے کے بعد وہ خمر کے کمرے میں آگئے۔ وہ ابھی تک کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ انہیں دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”ابو جی..... جب بھی آپ کا امی سے جھگڑا ہوتا ہے تو میرے کمرے کو عزت افزائی بخشی جاتی ہے، آج لڑائی کی وجہ کیا تھی؟“ وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔

”بیٹا تمہیں کیا بتاؤں؟ جب دل پریشان ہوتا ہے تو سہارے کا محتلاشی ہو کر بچنے کزور، مجبور اور بے بس ہونے کا احساس دلاتا ہے پھر مجھے تم سے بہتر ہمدرد اور گلےس کوئی اور نظر نہیں آتا تو سیدھا تمہارے پاس چلا آتا ہوں۔“ وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر پڑ مردہ لہجے میں بولے۔

”ابو جی! آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں، کیا آج امی سے پٹائی ہو گئی ہے اگر زخم یا چوٹ آگئی ہے تو مرہم پٹی میں کیے دیتی ہوں۔“ وہ ہتھ لگا کر مذاق میں بولی۔

”وہ پتھاری میری پٹائی کیوں کرے گی؟ بذات خود ہی ہر وقت دکھوں اور غموں میں گھری رہتی ہے، افسوس کہ میں اسے آرام دہ اور نکل زندگی نہ دے سکا۔ جبکہ میرے ہی کولیکز کی جیگمات کی شان و شوکت دیکھو..... عالیہ سچ ہی تو پتی رہتی ہے مجھ پر.....“ لہجہ بجھا ہوا تھا۔ خمر ان کے قریب قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

”امی پر آج بے تحاشا رحم و ترس بھی آ رہا ہے، پیار بھی اٹھے جا رہا ہے، ابو جی بات کیا ہے؟ ہوں لگتا ہے می گھر پر موجود نہیں..... میرا اندازہ درست ہے ناں.....؟ جو ان کی غیر موجودگی میں ان پر پیار آنے لگا ہے۔“ وہ محبت آکھیں لہجے میں بولی۔

”بالکل درست ہے۔“ وہ اپنی پریشانی اسے بتانا نہیں چاہتے تھے فوراً پنہنے لگے۔ ”بیٹا جب انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو پھر اس کی قدر و قیمت کا، حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے، شکر ہے مجھے تمہاری ماں کی ضرورت کا احساس اس کی زندگی میں ہی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔“ وہ آہ کو دباتے ہوئے بولے۔

”آپ کی جوڑی بے مثال ہے ابو جی..... جس گھر میں میاں، بیوی کی ٹوک جھونک نہ ہو وہاں رونق، گہما گہمی کیسے آسکتی ہے؟ جامد ہوتے ہیں وہ گھر جہاں ہر وقت آپ جناب کو تکیہ کلام بتالیا جائے۔“ وہ حلقہ لہجے میں بولی۔

”چلو اٹھو تیار ہو جاؤ، آج ڈنر کے لیے باہر چلتے ہیں۔ فرمائش کرو، چائیز کھانا پسند کرو گی کہ دیکھی؟“ وہ مسکرا کر بولے۔

”ابو جی! اس کی ضرورت نہیں، خواہ خواہ آپ کی جیب پر زیادتی ہو جائے گی۔ امی کے ہاتھ کا کھانا فائبر اسٹار ہوٹلوں کے کھانے کو بھی مات دیتا ہے۔“ وہ پُرسٹائش لہجے میں بولی۔ ”میری امی کا جواب نہیں۔“

”جانتا ہوں تمہاری امی کو..... جلد بازی اور بے صبری میں بے مثال ہے، ہل بھر میں بھیل بھر ڈالتی ہے اور یہی خوبی بعض اوقات خامی بن جاتی ہے۔“ وہ مسخرانہ انداز میں بولے۔

## انگِ خلش

”ایک دم سے جذباتی اور جھٹ پٹ فیصلہ کرنے والی..... مجھے آپ کی حج منٹ سے اتفاق ہے۔“ وہ جنتے ہوئے بولی۔ ”ابوہمی ہو سکتا ہے، نئے ہم خامی سمجھ رہے ہیں وہی ان کے لیے ڈھال ہو، ان کے بچاؤ کا سامان ہو؟“

”تم نے کروڑوں کی بات کی ہے۔“ وہ اسے بوسہ دے کر بولے اور باہر نکل گئے۔ وہ بھی وہاں سے اٹھی اور وارڈروب میں ڈنگرز کو آگے پیچھے کر کے ڈربلیں کا انتخاب کرنے لگی۔

☆☆☆

”انگل.....! میں پاکستان واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے کسی اور ملک بھیج دیں۔ جہاں ویزے کی ڈیمانڈ نہیں کی جاتی۔ میں والدین کو اپنی منحوس شکل نہیں دکھانا چاہتا۔ انہیں مجھ سے شدید نفرت ہے۔“ سعود نے التجائیہ لہجے میں مختار را جا سے کہا۔

”بیٹا ارحمان بہت پریشان ہے، تم ان سے فون پر بات ہی کر لیجئے۔ انہیں قدرے تسلی ہو جاتی۔“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولے اور گہری سوچ میں کھو گئے۔ ”ایک زندگی تباہ ہونے سے کیسے بچائی جائے؟“

”انگل! آپ میری بات کا جواب دیں۔“ وہ بے قراری سے بولا۔ ”آپ چپ کیوں ہیں؟“

”ہوں.....“ وہ سر ہلا کر بولے۔ ”ویسے میں نے محسوس کیا ہے کہ تم برے قسم، ہو، یہاں کے ماحول کے اثرات تم پر چسپاں ہوئے ہیں مگر جب تم اپنی اندرونی جہالت پر حاوی ہو جاؤ گے تو پھر خود کو بدلنا قطعاً مشکل نہیں لگے گا۔ بنیادی طور پر تم ایک شریف اور محنتی باپ کی اولاد ہو، یہی فرق تم نہیں ہونا چاہیے۔“

”انگل، آپ میرا مذاق تو نہ اڑائیں، آئی ایم ناٹ آگڈ گائے۔“ لہجے میں پشیمانی تھی۔

”یہ تم کہہ رہے ہونا..... تمہاری آٹلی بھی تو تمہیں پسند کرتی ہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولے۔

”انگل مجھے یقین نہیں آ رہا، یہ کیسے ممکن ہے؟ جس بچے کو والدین نے دھکار دیا ہو، وہ قابلِ حسین کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس کی آنکھیں جھگی ہوئی تھیں۔

”تمہارا حلیہ ذرا سادہ درست ہو جائے تو کیا ہی بات ہے تمہاری؟“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولے۔ ”ظاہر ہے کہ بن نیکو کاروں کو عیاش اور گناہ گار کے پاکہاز ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔ بس تم یہاں مار کھا گئے۔ اپنا تجربہ کرو..... اور میری بات پر غور و فکر کرو..... اصل رستہ پالو گے۔“

”تو مجھے کیا کرنا چاہیے انگل..... کہ میں اپنے والدین کے لیے قابلِ فخر اور قابلِ آفرین بن جاؤں۔ آئی ڈونٹ نو انگل..... پلیز ہیلمپ می.....“ وہ ان کے قریب ہو کر بیٹھ گیا اور وہ اسے تسلی دینے کے سے انداز میں تھپکنے لگے۔

”دیکھو بیٹا یہ جو ہمارا پہناوا ہوتا ہے انسانی فطرت، مذہب، خاندان اور ملک کی شناخت ہوتا ہے اگر اپنی شخصیت پر لیبل ہی بیسی یا کاؤ بوائے کا لگا لیا تو اپنی پہچان تو ختم ہو گئی ناں۔“ وہ ذرا جھجک کر بولے تو اس کا ہاتھ بے اختیار کانوں کی ہالیوں کو چھونے لگا اور پھر انگلیاں لیے الجھے ہوئے ہالوں کو سلجھانے میں الجھتی چلی گئیں۔ اپنے لباس پر نظر دوڑائی تو پھر اس کی نظریں ایسی زمین بوس ہوئیں کہ اٹھ نہ سکیں۔ زبان پر جیسے تالے پڑ گئے اور ذہن جو سالوں سے خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا آنا فانا بیدار ہو اور روح بے قرار ہو کر تڑپی..... دل پہلے ہی پشیمان، حسرت زدہ اور التناک تھا۔ اب خون کے آنسو بہانے لگا۔ مختار را جانے اس کے ماتھے پر ابھرتی لکیروں اور پلکوں کے جھکاؤں میں ایک داستان پڑھ لی تھی۔ نہایت اپنائیت سے بولے۔

”بیٹا ابھی جا کر آرام کرو پھر تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہوگا۔“ اس وقت لوہا گرم تھا، وہ ان تپتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا..... چاہتے تھے کیونکہ ایسے لمحات زندگی میں فقط ایک بار ہی آتے ہیں۔ دانشمند لوگ پہچان کر قاعدہ اٹھا جاتے ہیں۔



”کیا فیصلہ نکل؟“

”میں کل سے تمہیں اپنے ہوٹل میں میرا گیری کی چاب دے کر تمہارے ویزے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں، اگر تمہیں میری یہ آفر منظور ہوئی تو سچ مجھے انعام کر دینا۔ میں تم پر اپنا حکم صادر نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی اپنے اصول لاگو کرنے کا ارادہ ہے، نہ ہی تم پر کسی قسم کا جبر اور زبردستی ہے، نہ ہی میرا تم پر زور ہے نہ ہی کوئی اختیار..... اپنی زندگی کے فیصلوں کے صرف حقدار تم ہو، کوئی دوسرا، تیسرا نہیں۔ اب چلو بیٹا جا کر سو جاؤ اور میری صرف ایک خواہش اگر تمہارا دل اجازت دے تو پوری کرنے کی کوشش ضرور کرنا..... دو نفل حاجت کے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے راہِ مستقیم کی بھیک ضرور مانگ لینا۔ وہ تمہاری خالی اور تار، تار جمہولی کو اپنی رحمتوں اور نوازشات سے لبریز کر دے گا۔ بس میری فقط ایک ہی التجا ہے، عرض ہے..... اگر تم غور و فکر کرو تو راہِ بھائی دے جائے گی۔“ وہ دھیسے اور نرم لہجے میں بول رہے تھے اور وہ نظریں اور سر جھکائے ان کے ایک، ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ مانتے ہی ان ہی کا اپنا بیٹا مشرقی لباس پہنے کیسا مہذب اور باعزت لگ رہا تھا۔ اذان کی آواز پر وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ سعود بھی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ دیوار پر آویزاں قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لے کر نظرت و کھن سے خود پر ہی تھوک دیا۔

”میں ایک مسلم خاندان کا پروردہ ہوں، اپنے پہتا دوسے، اپنی خصلتوں اپنے کردار اور اپنے رہن سہن سے نہ مسلمان دکھتا ہوں نہ ہی پاکستانی لگتا ہوں۔ حیف ہے مجھ پر، میرے امی، ابو کی پریشانی، ناراضی اور غصہ بجا تھا۔ اگر ان کی جگہ پر میں ہوتا تو اپنے مرتد بیٹے کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے آخرت کے دن سرخرو ہو کر جنت کے اعلیٰ درجے کو حاصل کر چکا ہوتا۔ انہوں نے میری جان بخشی کر کے ایک دفعہ پھر سے تمام تکالیف سہہ کر مجھے دوسرا جہنم دیا تھا۔ میں ان کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا اور ان کے تمام خواب پاپائیکل تک پہنچانے کی ضرور کوشش کروں گا۔ چاہے مجھے میرا گیری کے بجائے ہاتھ روم صاف کرنے کی نوکری ہی کیوں نہیں کرنی پڑے۔“ وہ خود کلامی کرتے ہوئے زار و قطار رو رہا تھا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی، تہجد کی اذان کی آواز پر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور چپکے سے آواز کا پچھا کرتا ہوا مسجد تک جا پہنچا۔ جو گھر کے بہت قریب ہی تھی۔ مسجد خالی تھی، مولانا صاحب اذان سے فارغ ہو کر جانماز پر بیٹھ گئے تھے۔ سعود آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک دم..... اچنبھے سے اسے دیکھنے لگے۔

”ادھر بیٹھو، عیسائی ہو، یہودی ہو یا ہندو، مذہب کون سا ہے؟“ انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر نرمی سے پوچھا کیونکہ اس کا حلیہ کسی بھی مذہب کی نشاندہی نہیں کر رہا تھا۔

”مسلمان..... لا اِلهَ اِلاَّ اللہ محمد رسول اللہ“ سعود نے خود اعتمادی سے بلند آواز میں کلمہ پڑھا اور ان کے قدموں پر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

”یہاں ماں، باپ کے ساتھ رہتے ہو کہ پڑھنے آئے ہو، یعنی دنیاوی اعلیٰ تعلیم سے فیض یاب ہونے آئے ہو؟“ لہجے میں بلا کی نرمی تھی۔

”تعلیم کے لیے آیا تھا..... لیکن وہ زیادہ دن جاری نہ رکھ سکا۔“ وہ ہنکپاتے ہوئے بولا۔

”اگر تمہیں مناسب لگے تو وجہ بتا دو۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ بھرتے ہوئے بولے تو وہ آنسوؤں کے سیلاب پر بند نہ بنا مدھ سکا اور تمام روتا روتا ڈالی۔

”اب میرا بچہ کیا چاہتا ہے؟“ وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بولے۔

”مجھ تا پاک گناہ گار رکھا ک کر دیجیے۔“ وہ گڑبڑا کر بولا۔

”تم نے یہ سوچ لیا تو سمجھو کہ تم مجھ سے بھی اونچے اور اعلیٰ مقام پر کھڑے ہو، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اپنے پرہیزگاروں سے زیادہ پسند کرتا ہے، تم تو اس مالک کی پسندیدہ ہستی بن گئے ہو۔“ وہ خوش الحانی سے بولے۔

### دوٹاپا کم کرنے کی مشقیں

کچھ پولیس والوں نے گاڑ ساری سے پیٹ کم کرنے کی کوششیں کی ہیں جن سے پیٹ کم ہونا شروع ہوا ہے مگر گھوڑے کا..... پولیس والے دو تین بار سلنگ سینٹر چلے جائیں تو کئی پونڈ وزن کم ہو جاتا ہے۔ جی ہاں سلنگ سینٹر کے مالک کا..... سونا یا ایک بیماری ہے، جس میں تھانیدار جھلا نہیں ہوتے بلکہ بیماری ان میں جھلا ہوتی ہے۔ ہمارے ایک ڈائریکٹ حوالدار دوست کہتے ہیں رزقِ حلال کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا حالانکہ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ رزقِ حلال کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ ہمارے یہ دوست کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ رزقِ حلال کھاتا ہوں مگر کبھی، کبھی اپنے گھر سے بھی کھانا منگوا لیتا ہوں۔ وہ کھانا کھا کر انھیں تو کبھی یہ نہیں کہتے۔ ”بس پیٹ بھر گیا۔“ یہی کہیں گے۔ ”بس اب میں تھک گیا۔“ ویسے پولیس والوں کو پیٹ کم کرنے کا ایک نسخہ ہم بھی بتا دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب بھی مرغی کھانا کھائیں مل اپنی جیب سے دیں۔

اقتباس: از مراحیات، تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ، پندرہویں ظہورِ خلیج ایک

”یہ کیسے ممکن ہے؟ میرا کردار ناقابلِ معافی ہے، میرے اعمال قابلِ سزا ہیں، میرا یہ حلیہ قابلِ نفرت ہے مولانا صاحب۔“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”سوچ لو میرے بچے..... اپنا حلیہ بدل کر واپسی کے تمام رستے بند ہو جائیں گے۔ توبہ کرنے کے بعد پھر سے گناہ اور غلطی کا سرزد ہو جانا سراسر تباہی ہے، عذابِ الہی ہے اور جہنم کی آگ ہے۔“ وہ اپنا عیت سے بولے۔

”تباہی کے وہ تمام رستے، تمام تعلق، تمام رشتے ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہوں جو مجھے دوزخ کی جانب دھکیل رہے ہیں۔“ وہ مستحکم لہجے میں بولا تو مولانا صاحب نے اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆

”ادمانی گاڑ..... واٹ آفس پر انز..... حمیرا میرا جی پی اے ہے، 4.1 یعنی کلاس میں ٹاپ..... پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا، پھر اتنی طور پر یہ کیسے ہو گیا۔“ نمرانے خوشی سے مفلوب ہو کر کہا۔

”تمہاری طرف سے کی جانے والی مہربانیوں کے نتائج ہیں بھئی، اس میں ذہانت و لیاقت کا کوئی کمال نہیں۔“ حمیرا نے جل بھن کر کہا۔ ”یہ سخت نا انصافی ہے، ویسے سر عادل بہت عجیب انسان ہیں۔“

”میری طرف سے مہربانیاں؟ کسی گھٹیا سوچ ہے تمہاری..... میرا اس سے سامنا ہی نہیں ہوا۔ نہ گھر میں نہ ہی یہاں..... جھینک گاڑ کہ وہ مجھے کچھ گیا ہے اور اب رابطہ ہی سے ہی ہے۔“ وہ پرتسکین سانس لے کر بولی۔

”میرا خیال ہے تم نے جی پی اے کی اپر و منٹ کا گریڈ ہی لیا ہے۔ ویری گڈ..... یونورٹھی سے نکلتے ہی اسے ایسی رنگ لگانا کہ عمر بھر اٹھ نہ سکے۔ کیوں نمرانے؟ تم نے یہی پلان بنا رکھا ہے نا؟“ حمیرا نے آہستگی سے کہا۔

”تم مجھے اتنے سالوں میں کچھ ہی نہیں سکھیں، کتنے افسوس کی بات ہے، میں ایسی چالباز لڑکی نہیں ہوں، اسے دھوکے میں نہیں رکھوں گی، تمام معاملہ اپنے امی، ابو پر چھوڑ دیا ہے۔“ وہ تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”اچھا تو بتاؤ کہ بات کہاں تک پہنچی؟“ وہ کریڈنے کے انداز میں بولی۔

”بات وہیں رکی ہوئی ہے جبکہ سر عادل کی مٹی ہمارے گھر کے تین چکر لگا چکی ہیں اور ہر روز امی سے فون پر بات بھی کرتی ہیں۔“ وہ شجیدگی سے بولی۔

”تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ فیصلہ تو ہو جانا چاہیے تھا۔“ حمیرا نے حیرت سے کہا۔  
 ”میں کچھ نہیں جانتی کیونکہ ابھی تک ابو نے مجھ سے کچھ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی البتہ امی میرے خیالات جان چکی ہیں۔ وہ بھی فی الحال خاموش ہیں۔“ وہ سوچتے ہوئے بولی۔  
 ”تم بہت صابر بلکہ نہایت سست اور کامل لڑکی ہو، میں تمہاری جگہ ہوتی تو پتا ہے کیا کرتی..... قسم سے ماما اور پاپا کو اپنا فیصلہ سناتی اور ایک دن میں معاملہ آریا پار ہو جاتا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا چہنچہا ہے، دولت بھی نسلوں سے چلی آ رہی ہے، فیصلہ کرنا میرے لیے مشکل نہ ہوتا کیونکہ ایسے رشتے ہی تو لا جواب سمجھے جاتے ہیں۔“ وہ اسے رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”یہ تمہارے گھر کے اصول ہیں، میرا خاندان ابھی تک پرانے خیالات اور اخلاقیات میں متحید ہے، ہمارے گھروں میں ابھی تک لڑکی کی رضامندی نہیں لی جاتی۔ بس خانہ پری کے لیے صرف بتا دیا جاتا ہے۔ رشتہ والدین کی پسند کو نظر رکھ کر طے کیا جاتا ہے، میری بات پر غور ضرور کرنا اس وقت تو نعم اتفاق نہیں کرو گی، دولت اور وہ بھی وافر مقدار میں حاصل کردہ انسان کے مزاج کو بدلنے میں بہترین رول ادا کرتی ہے۔ حالات بدلتے ہیں تو خیالات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس کے بعد اخلاقیات و کردار میں اس کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ انسان اپنی سوچ کے مطابق خود کو بہت طاقتور سمجھتا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے، اس کی حیثیت ایک تنگ سے بڑھ کر نہیں، بہت کمزور ہے، فطرتاً بہت بے صبر، جلد باز اور طاقتور اندیشہ واقع ہوا ہے۔ تجوری بھرتے ہی ماضی کو بھلا دیتا ہے، پیسے کی جھنگار میں بہرہ اور اس کی چمک دکھ میں اپنی بیٹائی کھو کر آسائشات کا غلام، اہمیت کا محتاج اور بڑے پن کے نشے میں سرشار رہتا فطرت میں سما جاتا ہے۔ نامعلوم اور ان دیکھی خوشی، کامیابی اور فتح مندی کے احساس کو بھٹکی کاروبار دے کر بتدریج کبر و پندار کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس بات سے بے خبر کہ دولت، شان و شوکت، جاہ جلال کی معیاد بہت کم ہوتی ہے، یہ آج تمہاری لوٹنی توکل کسی اور کی خدمتگار اس پر بھلا کیا مان کرنا۔ اس لیے میں سرعادل کی دولت سے تو کم از کم بالکل امیریس نہیں ہوں، مجھے اپنے جیسا ایک مدلل کلاس کا حسین اخلاق و بلند کرداری سے بھرپور لڑکے کی تلاش ہے، جس کی سوچ میری سوچ سے مشابہت رکھتی ہے، اس لیے آج کے بعد چالبازی کے گروں کا طعنہ مت دینا۔“ وہ لمبی چوڑی تمہید کے بعد ذرا سا مسکرا کر بولی۔

”ٹھیک ہے، کچھ بھی، کل ہی اخبار میں ضرورت رشتہ کا اشتہار دینا لازم ہو گیا ہے۔ مگر ایک بات ضرور سمجھاؤں گی تمہیں..... دیکھو نمرا! پیسے کے بغیر زندگی میں بہت اسٹرگل ہے، تم اپنے ان خیالات کے تصور سے باہر نکل کر دیکھو، ایک خوش آئند، آسان و سہل اور کل درویش مستقبل تمہیں دیکھنے کو تیار کرنا ہے، اس وقت کو اپنی گرفت میں مضبوطی سے پکڑو، میری بات مان جاؤ، ورنہ عمر بھر پچھتاؤ گی۔“ حمیرا نے اسے سمجھاتے ہوئے تشبیہی نظروں سے دیکھا۔  
 ”مجھے ایسی نظروں سے مت دیکھو حمیرا، اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت فضل ہے کہ مجھے حرص و لالچ سے محفوظ رکھا ہے۔“ وہ پرسکون لہجے میں بولی۔ اور مجھے سرعادل کی یہ حرکت قابل مذمت لگی ہے..... اخلاقیات سے بے بہرہ کہ میں 4.1 جی پی اے والی اسٹوڈنٹ نہیں ہوں، مجھ پر یہ فحور کرنے کا مقصد؟“

”تمہیں احسان مند کرنا، تمہاری نظروں کو نیچا کرنا، تمہاری زبان کو متقل کرنا اور تمہاری سوچ پر پھرے بٹھا دینا اور تمہارے خیالات کا سودا کر ڈالنا، مقصد تو واضح ہے، تم ہی نہ سمجھو اور قائدہ اٹھانے کا نہ سوچو تو اس بیچارے بچوں کا کیا بنے گا؟“ وہ الفاظ چبا، چبا کر بولی۔ نمر کی طرف سے رسپانس نہ ملنے پر وہ بیٹج سے اٹھ گئی۔ ”سخت پورا اور ہونق دوست سے پالا پڑا ہے، چلو خیر جو بھی ہو جیسی بھی ہو، تو میری دوست ہی ناں اور بہت اچھی۔ بہن بھی ہو۔“  
 ”مگر ہوں ایک ابھی ہوئی سبیلی ہی۔“ وہ بھی مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔

## انگِ خلش

”جیسے میرا چہرہ ہڈی کے سوا کوئی بھی بوجھ نہیں سکا..... سر عادل پھارے نے کس گھن چکر کا انجانے میں سودا کر ڈالا ہے، ویری سیڈ.....“ تمیرا ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کیٹے ٹیریا کی طرف چل دی اور نہایت اپنائیت سے بولی۔ ”کافی پکڑتے ہیں اور کلاس روم کی طرف چلتے ہیں۔“

”تم جانتی ہو، کافی مجھے کڑوی لگتی ہے، مجھے قطعاً پسند نہیں۔“ نمرالہ بولی۔

”قسم سے زری پیٹڈ ہو، نہ تمہیں کافی پسند ہے نہ چاکلیٹ..... یولو کیا پسند ہے، بدھونہ ہو تو، نئے ڈانکے کے لیے آہستہ آہستہ ٹیسٹ ڈیولپ کرنا پڑتا ہے، محبت و عشق میں یکساں رول ایلانی کرنا ضروری ہے۔“ وہ اسے پھینٹتے ہوئے بولی۔

”بہت بے ہودہ ہو..... تمہارا تو اللہ ہی تمہارا ہے ورنہ تو کوئی حال نہیں تمہارا، ویسے سر عادل کی طرح کافی چھوڑی واقع ہوئی ہو اور تھوڑی سی کھسکی ہوئی بھی۔“ نمرانے اسے پیار سے ہلکی سی چپٹ لگائی اور دونوں ہنستی ہوئی قہقہے بھرتی کیٹے ٹیریا پہنچ گئیں۔ سامنے کی ٹیبل پر سر عادل کو دیکھ کر نمرالہ تعجب سی گئی۔ لیکن تمیرا اسی موڈ میں ہنستے ہوئے بولی۔

”چلو بھی، تمہیں تو گوتم بدھ بن کر بیٹنے کا سنہری موقع مل گیا۔ ہاتھ سے جانے بہت دینا یہ گولڈن چانس۔“

نمرانے اسے بیزارگی و کوفت بھری نظروں سے دیکھا اور سائڈ پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پشت سر عادل کی طرف تھی۔ وہ تمیرا کی طرف متنی خیر مسکراہٹ سے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

عادل ایک مرتبہ پھر گھر سے نکل آنے والے واقعے کے بارے میں سوچنے لگا..... اس روز جب وہ باپ کے بلانے پر ان کے پاس گیا تھا۔

”ٹیمبو.....“ لہجہ حکیمانہ اور روکھا تھا۔

وہ صوفے کے کنارے پر معمولی سا تک کر بیٹھ گیا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ حسنا نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہی ماضی میں کہے گئے الفاظ دہرائے تھے۔

”تمہری زندگی کے تجربات و مشاہدات کا تجربہ اس میں موجود ہے، تم تک پہنچانا میرے فرائض کے زمرے میں آتا ہے، اسے ہائے ہارٹ یاد کر لینا۔“

اس نے کھڑے ہو کر تخت سے بھرپور نظر باپ پر ڈالی اور لفافے کو پکڑے بغیر واپس مڑا ہی تھا کہ گرجدار آواز پر رک گیا۔

”اسے پڑھ لیتے تو اس میں تمہارا ہی قاعدہ تھا۔ خیر جاؤ اور ماں کو میری طرف بھیجو۔ جس نے تمہاری یہ ٹریننگ کی ہے، اولاد کو پروان چڑھانا فل کٹ منٹ ہے اس نے جیسے مذاق سمجھ لیا تھا۔“ عادل نے آگے بڑھ کر لفافہ پکڑ لیا اور سرعت سے باہر نکل گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے لفافہ کھولا اور پہلا فقرہ پڑھ کر دہل گیا۔

”کل یعنی بروز جمعہ تمہارا نکاح عصمت پیمو کے گھر ورودہ سے کرنے کا پروگرام اور اس کے فوراً بعد رخصتی ہے۔ اگر اس پر عمل کرنے سے قاصر ہو تو اسی وقت یہ گھر چھوڑ دو۔“ اس سے آگے پڑھنے کی اس میں بہت نہیں تھی۔ ”ایسی بے انصافی اور دھاندلی تو زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی کسی اولاد پر نہیں ہوتی ہوگی۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا لاؤنج میں ماں کے پاس آکھڑا ہوا۔ بے بس، لاچار اور بالکل بے دم..... تھوڑے توقف کے بعد اس نے لفافہ ماں کی طرف پھینکا۔

”مہی یہ پڑھیں..... اور میں ابھی اور اسی لمحے یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ یہ جہنم آپ کو ہی مبارک ہو۔ آج سے آپ کا بیٹا ایک کمزور، ڈر پوک اور بد نصیب ماں کے لیے مر گیا۔“ وہ نخت سے بولا اور کمرے کی طرف چلا گیا۔ ساڑھے لگاتار ہاتھ میں پکڑے خالی الدھنی سے وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

عادل نے نوکر کو آواز دی تو ساڑھے۔ نہ جنس کی۔ اس سے پہلے کہ وہ سننے کی کوشش کرتی۔ عادل نے ملازم کے ساتھ مل کر اپنا تمام ذاتی سامان اٹھایا اور اپنی گاڑی کے ہر کونے میں ٹھونسا اور آٹا فانا قاب ہو گیا۔ ساڑھے سکتے کے عالم میں وہیں صوفے پر ڈھے گئی۔ ملازم نے اسے آواز دے کر جوں کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو وہ چکراتے ہوئے سر اور دھڑکتے ہوئے دل کی شوریدگی میں اٹھ کر بیٹھ گئی..... پر جوں کا گلاس پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

”عظیم صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو کل سے اپنی بیوی کو آپ کے چھوٹے موٹے کاموں کے لیے لے آؤں۔ آپ کے سونے تک وہ آپ کے ساتھ ہی رہے گی۔“ ملازم نے ہمدردانہ لہجے میں کہا جسے سن کر ساڑھے نے اثبات میں سر ہلایا اور جوں پینے لگی۔

”حسنت..... حسنت!“ جسمانی قوت کو بحال کرتے ہوئے وہ صوفے سے اٹھی۔ اس وقت وہ اپنے حواسوں میں واپس آ چکی تھی۔ بھانگے کے انداز میں حسنت کو پکارتی ہوئی اسٹڈی کی جانب بڑھ گئی۔

”کیا ہوا؟“ حسنت نے استحقاق سے دروازہ کھلنے پر مصالحتانہ انداز میں کہا تو وہ ان کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی اور سر جھکا کر آنسوؤں پر ضبط کرنے لگی۔

”پریشانی کس بات کی ہے؟ کچھ بولو تو معلوم بھی ہو۔“ لہجے میں پھر سے درشتگی عود کر آئی تھی۔ وہ فوراً قالین سے اٹھ کر صوفے پر مریانا انداز میں بیٹھ کر بولی۔

”آپ کو بتانے آئی ہوں، آپ کا بیٹا گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اسے واپس لانے کا سوچیں۔“

”اپنی مرضی سے گیا ہے تو جانے دو.....“ وہ بے پروائی سے بولے۔

”جوان بچہ..... پلا پلا یا بچہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے..... آپ کون کر دکھ نہیں ہوا؟“ وہ حیران و پریشان ہو کر بولی۔

”حیرت کس بات کی اور دکھ کس لیے.....؟ دو دن میں واپس آ جائے گا۔ کیا تم نے اسے اکیلے رہنے کا اور اک دیا تھا۔ آج تک تمہاری آغوش میں سوتا آیا ہے۔ بھلا اس سے دور کیسے رہ سکتا ہے؟“ وہ ہندیانی انداز میں بولے تو وہ حق و حق انہیں دیکھنے لگی۔

”گھر کی کوئی بات نہیں، جوانی میں ایسی نازیبا حرکتیں اور فیصلے نہ ہوں تو وہ جوانی تو نہ ہوئی ناں..... مجھے آج یقین ہو چلا ہے کہ تمہارا بیٹا آخر کار جوان ہو ہی گیا۔“ وہ طنز یہ انداز میں بولے تو اسے ان کی یہ بات گھنیا اور ادب سے بے بہرہ لگی۔

”آپ سے بات کرنا فضول ہے..... سراسر نادانی اور احمقانہ پن ہے۔“ وہ اپنی قوت ارادی کو جمع کرتے ہوئے بولی۔ ”سوری.....! آئندہ ایسی غلطی سرزد نہیں ہوگی۔ اپنی بد نصیبی کو کبھی کبھار فراموش کر دیتی ہوں اور آپ کے پاس چلی آتی ہوں۔ یاد دہانی کا شکر یہ حسنت.....!“ وہ اپنے اندر بر پا حلاطم پر قابو پا کر وہاں سے اٹھ گئی۔

حسنت نے اسی شعور پن سے اپنی نظریں سامنے کھلی کتاب پر گاڑ دیں۔

وہ عادل کے کمرے میں اس کے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ بیڈ شیٹ کے نیچے سے اس کی مخصوص خوشبو سے چونک کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”میرے بچے تم نے اس جہنم کو بردت الوداع کہہ کر بہت ٹھنڈی کی ہے، میں بہت لیٹ ہو گئی ہوں، تم نے مجھے بالکل درست طعن دیا ہے کہ میں ایک ڈر پوک، کمزور اور تمہاری بد نصیب ماں ہوں۔ بھلا تمہارے نصیب کو کیسے چنکا سکتی تھی؟ میرے بچے مجھے معاف کر دینا۔ تم تو میرے جسم کے انگ، انگ میں بیٹے ہو، میری بد نصیبی کی چھاپ

## انگِ خلش

سے تم کیسے محفوظ رہ سکتے تھے؟ میرے بچے میں تمہاری تقدیر کو کسی تدبیر سے نہ بدل سکی۔ آئی ایم رتلی سوری! عادل میری جان اس گھر میں میرا قیام ہی بیکار لگنے لگا ہے۔“ وہ سسک اٹھی تھی۔

☆☆☆

”نمر! تم بہت چھپی رستم نکلیں۔۔۔۔۔ بار کوئی لبا چوڑا چکر ہے، جو سر تم پر روز بروز مہربان ہوتے جا رہے ہیں۔ بات کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ؟“ عمیرہ اسخرا نے لہجے میں بولی۔

”کوئی خاص بات ہو تو بتاؤں۔۔۔۔۔“ وہ لان میں آگئی گھاس کو آہستہ آہستہ توڑتے ہوئے بولی۔

”کچھ چھپایا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ یاد رکھو جب آگ جلائی جاتی ہے تو اس سے پہلے ہی دھواں چار سو پھیل جایا کرتا ہے۔ مجھے تو وال میں کالا بے حساب لگ رہا ہے۔ یار بتاؤ نا۔۔۔۔۔ کچھ ہماری بھی حوصلہ افزائی ہو۔“ وہ اس کے قریب ہو کر رازداری سے بولی۔ ”اپنی بہن عمیرہ کو خود سے الگ سمجھتی ہو، دمیری سیڈ۔۔۔۔۔!“

”میں نے کہا ناں کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔۔۔۔۔ معاف کر دو یار۔“ وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

”وہ تو بہت مشکل ہے، کبھی لاہریری میں جلوہ گری تو کبھی کینے ٹیریا میں۔۔۔۔۔ عنایات نچھاور کرتے ہوئے سر عادل کسی کی نظروں سے کبھی چھپ سکتے ہیں۔ اب آفس میں بلاوا۔۔۔۔۔ فٹاسٹک!“ عمیرہ نے خوش دلی سے کہا۔ ”بتا دو یار۔۔۔۔۔ فری مشورے کی کوئی تدبیر تو نہیں ہوتی پھر بھی مخلصانہ دوسریا نہ مشورہ دوں گی۔ وہ بھی کروڑوں کا۔“

”اگر میں سیریس ہوتی تو پھر مشورے کی نوبت ضرور آتی۔ وہ کم بخت نامراد ہے ہی سرے سے نفسیاتی مریض اور سر پھرا۔“ وہ زہر خند سے بولی۔

”کہتا کیا ہے؟ یار کچھ تو بتاؤ۔“ عمیرہ نے رازداری سے کہا۔

”وہی گھسے پٹے ڈائلاگ۔۔۔۔۔ یا گل کہیں کا۔“ وہ نخوت سے بولی۔ ”خوب جملے رنے ہیں مجھے اپر سیرس کرنے کے لیے۔۔۔۔۔ ادھر بھی نمر ہے، کوئی اونہیں۔“

”تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جانا مانگتا ہے، تو یار جاؤ۔ فائن اسٹار ہوٹل میں ڈنر کے لیے جانا، کہیں کسی ڈھابے پر نہ چل پڑنا۔۔۔۔۔ اس کے بعد اسے دکھانا ٹھیک اور قابو ہو جانا۔ ایسے پاگلوں کا یہی علاج ہے، آئندہ قریب نہیں پھنگے گا۔“ عمیرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ موہائل کی سیپ پر وہ دونوں چنگلیں۔

”عمیرہ اسر کا فون ہے، نہ جانے پھر کیا اول فول کے گا۔“ نمر نے نمبر دیکھا تو اسے ایسے لگا جیسے دل میں پھانس چھو گئی ہو۔ وہ ہکلائی۔

”چلو اینڈ کرو۔“ عمیرہ اسخرا کی سے بولی۔

”میں کیوں اینڈ کروں؟ تمہیں شوق ہے تو یہ لو بات کرو۔“ نمر نے موہائل اس کی طرف بڑھایا تو عمیرہ ایسے اچھلی جیسے کسی بچھونے کاٹ لیا ہو۔

”کیوں بھئی، میں دور ہی بھلی۔۔۔۔۔“ تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایس ایم ایس آ گیا۔ پر آشوب تحریر پڑھ کر وہ شیخ سے اٹھی اور آفس کی طرف چل دی۔ اسے ایسے گمان ہوا جیسے یونیورسٹی کا ہراسٹوڈنٹ اس پر تہقیر لگا رہا ہے اور وہ شرمندگی و خجالت سے پانی، پانی ہو کر زمین پر بہ جائے گی۔ اس نے پورے استحقاق کے ساتھ آفس کا دروازہ کھولا تو عادل فوراً کھڑا ہو گیا۔ نمر نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی مگر اس کے چہرے سے اس کی نظروں نے ہنسنے سے انکار کر دیا۔ عادل کی غلامی آنکھیں انکارہ ہو رہی تھیں۔ ہونٹوں پر چڑی جی ہوئی تھی۔ پیشانی کی لکیروں میں کرب ہو رہا تھا۔ ہال قدرے الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔

”ٹائکس ٹوی ہو، ہیر ہو آئیٹ۔۔۔۔۔“ اس نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔

”ٹھینک پوسر۔“ وہ کہتا ہے اس انداز میں ہنسی تھی جیسے ابھی بھاگنے کے لیے تیار ہو۔  
 نمر اس دن کو کوس رہی تھی جب عادل کے بلانے پر وہ اس کے آفس گئی تھی۔  
 ”نمر! بسا اوقات دل کی بات زبان پر آنا مشکل ہو جاتی ہے۔“ وہ تمہید باندھنے لگا تھا۔  
 ”سربات کیجیے اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کریں۔ میری کلاس فیلوز باہر میرا انتظار کر رہی ہیں۔“ وہ برہمی سے بولی۔

”آئی ایم ایک سٹریٹجی سوری نمر!.....! تمہیں پریشاں کرنا میرا منصب ہرگز نہیں ہے۔“ وہ کھڑکی سے باہر گھورتے ہوئے بولا۔ ”ہمیں گوشہ عافیت چاہیے، یہاں تم کچھ نہیں سمجھو گی، تمہی سلجھنے کے بجائے ابھی چلی جائے گی۔“  
 ”سرا یہ تو ناممکن ہے، آپ خود مرکزیت کا شکار ہو چکے ہیں، میری نسوانی عزت و وقار کی آپ کو کوئی بھر بھی پروا نہیں۔ کس قدر بے حس اور خود غرض انسان ہیں آپ۔ میرا خیال ہے آپ کے گھر میں بہن نہیں..... ورنہ آپ کو ایک لڑکی کی عزت و تحريم کی نزاکت کا احساس ضرور ہوتا۔ شاید ایلینٹ کلاس کے لوگ آپ جیسے ہی ہوتے ہوں گے۔ میں آپ کو ماننا چاہتی ہوں کہ میں عدل کلاس فیلو کی لڑکی ہوں۔ جسے اپنی روایات کی حفاظت کرنے کی ٹریننگ میں کبھی بے پروا کی نہیں ہوتی جاتی۔“ وہ لڑزیدہ آواز میں بولی۔

”تم میرے پروپوزل پر غور و خوض کرنے کا عہد کرو، بی لیوی، تمہیں اپنے آفس میں کبھی نہیں بلاؤں گا۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں، آئی ایم سیریس..... جیسے زندگی میں شادی کو خاصی اہمیت حاصل ہے، پسندیدگی کی بھی اپنی ہی وقعت ہے۔“ عادل کے لہجے میں اضطراب کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے نمر اقدارے مدھم پڑھنی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

”آپ نے درست فرمایا ہے، انگریز..... سر شادی تو آپ کسی بھی لڑکی سے کر سکتے ہیں، یہ اتنا بڑا مسئلہ تو ہے نہیں۔ ہمارے معاشرے میں من پسند لڑکیوں کی کمی نہیں..... پہلی شادی تو والدین کے ہنسی مذاق میں ہی ہو جاتی ہے۔ دوسری شوقیہ طور پر اور تیسری ایک اہم ضرورت کے تحت، چوتھی شریعت کے قوانین کو پورا کرنے کے لیے بغیر کسی حیل و حجت کے ہو جاتی ہے۔ پھر پریشانی کیسی؟ چار شادیاں شرمی طور پر آپ کے حقوق میں شامل ہیں، آپ کو کون روک سکتا ہے؟“ وہ عجیب انداز میں کہہ رہی تھی۔

”اور جب چار کپیٹ ہو جائیں تو پھر یہ ناچیز آپ کو مبارک باد دینے آئے گی ویسے ایک عرض کرنے کی جسارت کرتی ہوں، معاف کیجیے گا۔ سر! اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی تو پسندیدگی اور رضامندی کا حق سونپا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ وہ طنز پر مگر دھم سے لہجے میں بول رہی تھی۔

”مجھے کیا کسی کو بھی رنج و کجکٹ کرنے کا تمہیں حق حاصل ہے لیکن یہ سوچ لو تمہارا انکار میری موت ہے، تمہارا اقرار میری حیات ہے۔“ اس کے لہجے میں بے بسی عود آئی تھی۔

”سرا میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔ اس میں سوائے پریشانیوں کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ چند لمحوں کی خوشیاں کھینچنے کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنا مجھے احمقانہ پن لگتا ہے۔ پلیز سرگستاخی معاف.....! میرے خیال کو ذہن سے کھرچ کر نکال بھیجیں۔“ اس نے معذرت طلب انداز میں ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔ نمر! میں نے زندگی میں ہر کام دوسروں کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے۔ اس بار اپنی خوشی کی خاطر تمہیں حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جیسے خالعتا خدائی فیصلے نہیں ملتے..... سورج کا طلوع ہونا اور مقررہ وقت پر غروب ہونا آگے پیچھے نہیں ہو سکتا..... یوں سمجھو کہ واقعاً اسی طرح میرا فیصلہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اسے مذاق مت سمجھو، میں ٹھن اچھڑ پچ نہیں کہ تمہارے حسن پر فدا ہو گیا ہوں۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد کیا

## رنگِ خلش

ہے۔" وہ اسے منانے پر تیار رہا۔..... وہ خاموش ہو گئی تھی۔ اس کے لفتکوں میں سو فیصدی صداقت تھی مگر وہ اس دل کا کیا کرتی؟ جس نے اس کی خواہش کو رد کر دیا، اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ کوئی جواب نہ تھا۔ پسندیدگی ہوتی تو ہر خامی پس پر وہ جا چکتی۔ اس نے اپنے دل کو پھر ٹھنڈا بدستی سے عادل کے نام کی ہادگشت نہ ہوئی تھی۔

"کیا تمہاری خاموشی کو رضامندی کا نام دے سکتا ہوں؟" وہ اس کے قریب ہو کر خوشی اور سرشاری سے بولا۔ تو اس کے منہ کی عجیب سی سڑاند نے اسے چمکایا۔ یہی سڑاند اس نے پہلی بار اپنے ہی بھائی سعید کے منہ سے سونگھی تھی۔ اس نے سراسیمگی میں اس کی طرف دیکھا۔ چوکی کا اپنا ہی تھیر تھیر جذبہ اس کے چہرے پر عیاں تھا۔

"ہرگز نہیں....." وہ بے اختیار بولی۔ "آپ اور میں ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے ہیں سراسر اپنی مطابقت کے بغیر تو زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ آپ اچھے بھلے بھگداز مرد ہیں، یہ نہیں ہو سکتا، یہ میرا فیصلہ ہے۔ آخری اور حتمی..... فیصلے کرنے کا اختیار صرف آپ کو ہی حاصل نہیں..... با اختیار اور حقدار میں بھی ہوں۔ میں بھی آخر ایک جیتی، چلتی، چلنے و شور رکھنے والی انسان ہوں۔"

"کچھ بھی ہو اپنی ذاتی خوشی کی خاطر تمہیں حاصل کر کے رہوں گا..... ہر قیمت اور ہر صورت میں۔" اس نے دل میں جارحانہ اور طفلانہ سرگوشی کی۔

اسی اثنا آفس کا دروازہ کھلا اور سائزہ اندر داخل ہوئی۔ نمر کو سر سے پاؤں تک ایک ہی نظر میں دیکھ کر معاملہ بھانپ گئی۔ اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکان پھیل گئی تھی۔

"مئی! یہ نمر....." وہ ہکلاتے ہوئے اتنا ہی کہہ پایا۔ اس سے پہلے کہ نمر کسی اور مصیبت میں گرفتار ہوتی وہ سرعت سے باہر نکل گئی۔ اس نکل افشانی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ مریمانہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں علم ہے کہ میں رات بھر سو نہیں پائی۔" سائزہ شکایتی انداز میں بولی۔

"سب جانتا ہوں..... مگر میں آپ کی خوشی کی خاطر آپ کے ساتھ جانے سے تو رہا۔ مئی آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟ میں نے کل آپ کو کیا کہا تھا یاد ہے نا۔ میں آپ کے لیے مر گیا ہوں، مئی پلیز یہاں سے چلی جائیں۔ مردے بے زبان ہوتے ہیں اگر وہ بول پڑیں تو کفن پھاڑتے ہیں، مجھے گناہ گار مت کریں۔" وہ ماں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر بولا۔

"مئی مجھے اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی ہمت چاہیے، آپ میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ ماں ہیں، ہر رشتے پر حاوی۔" اس نے نرم لہجے میں احتجاج کیا اور ماں کو سینے سے لگا لیا۔ ماں دیر تک آنسو بہاتی رہی۔ اسے بیٹے کی جدائی، دوری اور غمگینی کا دکھ، ہر دکھ، درد اور اذیت سے اتنا بھاری لگا تھا کہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"مئی! خدا کے لیے میرا حوصلہ بڑھائیں۔ مجھے اپنے قدموں پر چلنے کی تلقین کریں۔ مجھے اپنے ارادوں میں ثابت قدم رہنے کی دعادیں۔" عادل نے مؤدبانہ انداز میں التجا کی تو سائزہ کے آنسو ایک دم رک گئے تھے۔

"تم ٹھیک رہتے پر ہو، درست سوچ ہے تمہاری..... کیا کروں؟ کمر اٹھانے کو دوڑتا ہے، تمہیں پکارتا ہے، میری جان مجھے بھول تو نہ جاؤ گے۔ تمہاری ماں تمہارے بن زندہ نہیں رہے گی۔"

عادل آج بھی وہی کچھ سوچے جا رہا تھا۔

☆☆☆

"نہ جانے پی ایچ ڈی کیسے کر گیا؟ کم بخت پاگل کہیں کا۔" نمر نے سہیلیوں سے حیرت و تجسس میں کہا۔ "آئی کیو لیول زیرو ہے، وہ ایک سہیل اور معمولی سی بات سمجھنے سے قاصر ہے، بھی میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی اور اگر اتنی



بڑی فلسفی سرزد ہو بھی گئی تو کیا یہی شرابی میرے لیے رہ گیا ہے۔ ایسے رشتے سے تو عمر بھر کنواری رہنا بہتر ہے۔“ وہ جڑبڑ ہونے لگی۔

”یار پنڈم تو بہت ہے، جس جاگہ کھڑا ہو وہ جگہ بھی بولنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ تم خواہ مخواہ ہی زیادہ بن رہی ہو، میرا اس سے تعارف کرا دو۔ پچارہ مسکین شادی کی ڈیمانڈ کر رہا ہے۔ کون سا تم سے فلرٹ کرنے کے چکروں میں ہے، یقین مانو یہ سب مجھ جاتی عمل ہے، اس کے بارے میں صدقِ دل سے سوچو..... ایسا رشتہ پھر نہیں آئے گا۔“

میرا نے رحمہ لانا انداز میں کہا۔

”ہاں، ہاں جاؤ کرو اس سے شادی۔ اس روپے کے پس پردہ کتنی عتسیں چھپی ہوئی ہیں، کیا جانتی ہو تم؟ بس میں نے اسے ایکسکوپز کر دیا ہے۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”تم بھی کچھ نہیں جانتیں۔ اس میں برائی ہی کیا ہے؟ آج کل اس سے کلاس کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ مجھ سے پوچھو اور کون سی انفارمیشن چاہیے۔“ میرا نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس رشتے کو ذہنیٹ کر کے تم بہت بچھتاؤ گی۔ نرا اچھا عالیہ آئی کیا کہتی ہیں، وہ بہت عقلمند خاتون ہیں۔ ان کا فیصلہ سراسر کے حق میں ہی ہوگا۔ پھر تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ والدین سے بڑھ کر نہ تو کوئی ہمارا اہم رو ہے نہ سبھا۔ ان کا مشورہ بہترین اور فیصلہ بے مثال ہوتا ہے۔“

”بھئی یہ بندہ جب مجھے ہی پسند نہیں تو وہ لوگ کیونکر مانیں گے؟“ وہ اسے تنبیہی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

”تمہاری آئندہ زندگی میں وہ تمہارا بہترین بچا اور وقادار ساتھی ہوگا۔ میرا اندازہ غلط نہیں۔“ میرا نے اس کی طرف مضطربانہ طور پر دیکھ کر کہا۔ ”نرا، جذباتی مت بنو، غور و فکر کرو..... ویسے میں تمہیں خاصا عقلمند سمجھتی تھی مگر تم تو کم عقل نکلیں..... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔“

”تو پھر ایسا کرو، محترمہ کہ تم خوش تدبیری سے کام لو اور اس پاگل اور سائیکو انسان کے ساتھ ایک مثالی زندگی گزارو، تم نے اسے قریب سے نہیں دیکھا۔ اس کے ہر ایکشن میں ایونٹارٹی ہے لیک آف کا فیڈنس ہے، وہ میرا محافظ اور پاسبان کیسے بن سکتا ہے؟ جو ذہنی طور پر ہی اس قدر ویک ہے۔“ وہ معاندانہ انداز میں بھویں چڑھا کر بولی۔ ”شراب انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی..... نہ جانے یہ کب سے اس عادتِ خبیثہ میں ملوث ہے۔“

”ایلیٹ کلاس میں یہ سب جائز اور لازم ہے..... ٹڈل کلاس مورٹٹی کے یہ تمام قصبے ہیں جو تم سوچ رہی ہو، تم ان بکھیڑوں کو خیر باد کہہ کر ماڈرن دور کی ری کوانٹمنس کو پورا کرو۔ مجھے تو اس پر وہ پوزل میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ تم سنجیدگی سے سوچو تو اس کے بارے میں۔“ میرا نے طویل تمہید بانٹھنی چاہی۔

”کیسی عجیب، ناقابل فہم باتیں کر رہی ہو، اک انجان، اجنبی، ناشناس امر فقط میری صورت دیکھ کر مجھے پسند کرنے لگا ہے۔ پسندیدگی کے بعد دل کی گہرائیوں سے مجھے پیار کرنے لگا ہے۔ اٹ از آ بگ جوک..... میں سولہ سال کی نادان اور احمق لڑکی ہرگز نہیں کہ ان کسی پٹی فضول اور فرسودہ باتوں پر بھروسہ کر کے ہواؤں کے سنگ اڑنے لگوں اور بہت جلد اپنے پر کٹوا کر منہ کے بل زمین پر آگروں اور یہ دنیا والے مجھے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ آئی ایم سوری، مجھے ہیروئن بننے کا قطعاً شوق نہیں۔“ نرا نے تبصرہ کرتے ہوئے موبائل پر وقت دیکھا اور شیخ سے اٹھتے ہوئے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔

”ایڈ ونچر ہو اٹھ..... اب چلتے ہیں کلاس روم میں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا اور دونوں سہیلیاں تھپتھپے لگاتیں وہاں سے چل پڑیں۔ عادل آفس کی گلاس وینڈو سے انہیں شوخیوں اور شرارتوں سے محفوظ ہوتے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

جاری ہے



## ہر دن نیا دن

بنت حوا

پھلی گھر میں ایک ہلی سنہری پھلی باقی تھی۔  
 باقی کہاں چلی گئی تھیں ظاہر ہے ان کو اس پھلی کے  
 ساتھ لایا گیا تھا کیونکہ کوئی بھی ایک پھلی  
 نہیں خریدتا..... کم از کم ایک جوڑا تو ضرور خریدتا  
 ہے۔ میں نے بھی پھلیوں کے جوڑے خریدے  
 تھے۔ ایک نارنجی پھلی ہوئی دم والی سنہری پھلی تھی  
 جس کی دم سنہرا دی کے لباس کی طرح پیچھے سے بہت  
 پھلی ہوئی تھی۔ تیرتے ہوئے وہ اس کے بالکل

ایسے ہی پیچھے آتی تھی جیسے شہزادی کا لباس اس کے پیچھے گھسٹتا رہتا ہے۔ چہرے کے بارے میں تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ اسے بھی کسی شہزادی کی شکل صورت سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ لیکن میرے خیال میں یہ بھی ایک بڑی بات ہے کہ کم از کم کسی ایک چیز کی تشبیہ تو دی جاسکتی ہے۔ انسان ہوتی تو باقی ظاہری حالت کو بھی کسی شہزادی کی شکل میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگ جاتی۔ بچوانے، کھنچوانے اور چھدوانے کے علاوہ بھی بہت سے باریک بین کاموں کے لیے خوب صورتی کی دکانوں کے چکر پر چکر لگانے کے لیے بے تاب و بے قرار رہتی۔ انسان نہیں تھی ناں..... لہذا مطمئن تھی۔

دوسری فیروز کی چمکدار لڑا کا مچھلی تھی۔ دکاندار نے اس کا جوڑا نہیں دیا تھا۔ کہتا تھا ایک مچھلی گھر میں یہ ایک ہی رکھی جاتی ہے اگر دوسری ڈال دیں تو آپس میں لڑ بڑ کر مر جاتی ہیں، پتا نہیں ان کی افزائش نسل کیسے ہوتی ہوگی اب یہ سوال دکان دار سے تو پوچھا نہیں جاسکتا تھا بس سوچا جاسکتا تھا۔ لہذا بس سوچ کر ہی رہ گئی۔ معلومات نڈل سکی۔

سوال آدھا علم صحیح لیکن ہر سوال کرنے کا تو نہیں ہوتا ناں بلکہ یہ بھی کہ ہر سوال ہر کسی سے کرنے کا تو نہیں ہوتا ناں..... چلیں رہنے دیں اس بات کو..... میں تو آپ کو اپنے مچھلی گھر کی مچھلیوں کے بارے میں معلومات دے رہی تھی..... چلیں قصہ مختصر کرتے ہیں کہ بہت سے جوڑے لانے کے باوجود اب مچھلی گھر میں ایک مچھلی بچی تھی۔ ہلکے سنہرے رنگ کی..... جس کے ننھے، ننھے نلے یوں چمکتے جیسے مون لائٹ جرسی کا کپڑا لائٹ کا رخ پڑتے ہی چمکتا ہے۔ دیکھنے والے کو مچھلی کی گول آنکھیں شفاف شیشے سے اپنے اوپر گڑھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، وہ اپنا رخ تبدیل بھی کرتی تو آنکھوں کا محض زاویہ ہی تبدیل ہوتا..... بغیر جھپکے اس کی آنکھیں سامنے والے کو اسی

طرح گھور رہی ہوتی۔

ہے ناں کتنی عجیب بات مچھلی کبھی اپنی آنکھیں ہی بند نہیں کرتی کیونکہ اس کی آنکھوں پر اللہ مہاں نے پونے ہی نہیں بتائے ہیں وہ تو سوتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھتی ہے..... ہے ناں عجیب..... ویسے یہ دنیا عجائبات سے بھری پڑی ہے بلکہ ہر دن ایک نئے اور عجیب طریقے سے کائنات پر ظفر ہوتا ہے..... اس دن کتنے عجائبات نئے ظہور پذیر ہوتے ہیں..... انسان کبھی نہیں سمجھ سکتا..... ہر صبح ایک نئے انداز سے سانس لیتی ہے اور ہر دن ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔

سو جس گھر میں، میں رہتی ہوں اس کا حال بھی ماضی سے مختلف ہی ہوتا ہے، مثلاً کل کی بات تھی کہ میں اس گھر میں بہو بن کر آئی تھی۔ بہو بھی اکلوتی اور لاڈلی..... دو تندرست شادی شدہ شخص اپنے، اپنے گھر کی..... ایک بوڑھی ساس تھیں جن کی سانسیں اپنے پوتا، پوتی کھلانے کے لیے اٹھی ہوئی تھیں۔ بس ادھر میرا بیٹا پیدا ہوا ادھر ان کی بیماری اس قدر بوڑھی کہ جان لے کر ہی گئی۔

بس اب گھر میں ایک سناٹا سا چھایا رہتا۔ دل اداس رہتا..... امی جان سے کس قدر رونق تھی، ان کے بعد اس بات کا احساس ہوا۔ سلمان بھی ماں کی جدائی سے انتہائی افسردہ تھے۔ امی جان کا انتقال ہوا تو غفران چھ مہینے کا تھا۔ اس کا نام بھی انہوں نے ہی رکھا تھا۔ غفران ہی تھا جس کی وجہ سے سلمان جلد بہل گئے۔ غفران ڈیڑھ سال کا ہوا تو طوبی آگئی پھر سارہ اور نعمان بچوں کی آمد سے زندگی ان کے ہی گرد گھومنے لگتی ہے۔ میرے ساتھ یہ سب نیا تو نہیں تھا۔ صبح ہوتی اور شام ہوتی..... ہفتے گزرتے اور مہینے سالوں میں بدلتے..... لو بچوں کو اسکول میں داخل کرانے کا وقت آگیا۔ سلمان کا شروع سے ارادہ تھا اچھے انگلش میڈیم اسکول میں بچوں کو داخل کرانا ہے

جہاں میٹرک نہیں: ولیوں کو۔

### اس برس

اس برس کچھ کہہ دو تم بھی  
اس برس کچھ سوچو تم بھی  
جیون کی تجارت میں  
کیا اور خسار ابھی دو گے  
تم لفظوں کے سوداگر تھے  
بیتے ہندبوں کے پیامبر تھے  
کچھ لفظ اب ہم کو دان کرو  
اس بھر سے اب آزاد کرو

شاعرہ: گل شاہین رحیم یار خان

خانے صاف کر لو..... ہمیں دیکھو ہر کام خود کرنا پڑتا ہے۔ میں ان کی اس بات پر مسکرا کر رہ جاتی..... اگر انہیں یہ زندگی شاہانہ لگتی ہے تو کیوں نہیں واپس آجاتیں..... ظاہر ہے وہاں کی آسائشات تو یہاں میسر نہیں..... اور نہ ہی پھر وہ اس طرح سوٹ کیس بھر، بھر کر خریداری کر سکتیں..... خیر..... وہ میرے میاں کی بہنیں تھیں۔ مجھے ان کی آمد پر ہائش پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ میں حتی الامکان کوشش کرتی کہ ان کی مہمانداری میں کوئی کسر نہیں رہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے اثرات ہمارے بچٹ پر پڑتے تھے۔ بعد میں، میں دل ہی دل میں شکر کرتی تھی کہ وہ لوگ ہر سال نہیں آتے۔

جاتے ہوئے دونوں بہنیں آبدیدہ ہو جاتیں اور مسلمان سے کہتیں کہ وہ بھی باہر ہی منتقل ہو جائے، کئی دفعہ اس معاملے میں ہماری طویل گفتگو ہوتی تھی لیکن آخر میں ہم دونوں ہی اس بات پر اتفاق کرتے کہ بچوں کی ہی وجہ سے ہم باہر نہیں جائیں گے۔

”کتنا مشکل ہے انہیں تربیت دینا..... باہر کا ماحول جس قدر کھلا ڈالا ہے صیغہ باجی اور صباحت کے

”شانی مجھے شروع سے ارمان ہے میرے بچے خوب اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کریں، تمہیں تو پتا ہے ناں آج کل نوکری بھی اسی بنیاد پر پتی۔ ہے، رنہ تو بس میری طرح قابلیت ہوتے ہوئے بھی ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں۔“ نام تو میرا شاہانہ تھا لیکن سلمان جب شانی کہتے تو ان کے منہ سے بہت اچھا لگتا تھا۔ سلمان کے شانی کہنے سے بچے بھی شانی کہنے لگے تھے بڑی مشکل سے انہیں تیار کیا کہ می کہو..... مجھے امی اور امی جان پسند نہیں تھامی میں جو زبردست بات ہے وہ امی میں کہاں؟

اچھا تو سلمان کی آرزو اور ارمان کے مطابق ہم نے بچوں کو باری، باری انگلش میڈیم اسکول میں داخل کر دیا۔ ہر چیز میں کبھی کر، کر کے ہم نے بچوں کی تعلیم پر خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مسلمان کی دونوں بہنیں باہر ہوتی تھیں، فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ تین چار سالوں میں ایک دفعہ چکر لگتی تھیں۔ بڑی والی صیغہ باجی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی اور چھوٹی صباحت کی تین بیٹیاں..... جب بھی آتی تھیں یہاں کے امن و امان کی صورت حال کی وجہ سے گھبرائی، گھبرائی رہتیں..... مگر پھر ہفتہ دس دن بعد کیا ہوتا..... ذرا دل ٹھہرتا..... اور پھر بازار اور بازار..... بڑی کی چپل سے لے کر چادریں، تو لیے تک گھر کی پوری خریداری کی جاتی۔

”وہاں تو ہر چیز بہت مہنگی ہے۔ یہ تو لیا دیکھو وہاں اس قیمت میں ایک ملتا اور یہاں چار آگئے۔“ واقعی ڈالر اور روپے کا مقابلہ تھا۔

باجی صیغہ سب سے زیادہ پریشان وہاں کی اس بات سے تھیں کہ سارے کام خود کرنے پڑتے تھے، ماسی رکھنا آسان نہیں..... کہتی تھیں۔

”شاہانہ تم تو واقعی شاہانہ انداز میں بس حکم چلاتی رہتی ہو ماسی پر..... ماسی برتن دھولو، ماسی غسل

بچوں کو دیکھ کر اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔ لہذا ہم دونوں کی رائے اس بارے میں ایک ہی ہوتی..... البتہ تعلیمی اخراجات اب بہت بڑھ گئے تھے اولیوں کی فیس پھر دو سال بعد جب فاضل امتحان ہوں گے تو ہر پرچے کی علیحدہ، علیحدہ فیس دینا ہوگی۔ کل ملا کر اس ماہ ہمیں فیسوں کی مد میں ایک لاکھ تک ادا کرنے تھے..... میں بہت فکر مند تھی۔ یہ ادائیگی کیسے اور کیوں کر ہوگی؟ میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا تھا۔ ابھی ایک مہینہ باقی تھا..... شاید سلمان کے ذہن میں کوئی راستہ ہو..... لیکن میں دیکھ رہی تھی کہ ان کے چہرے سے بھی فکر مندی جھلک رہی تھی۔

ابھی ہماری اس سلسلے میں باقاعدہ بیٹھ کر سوچ بچار اور مشورے کی نشست ہوئی تھی..... اپنی، اپنی جگہ پر ہم دونوں ہی اس مسئلے کے لیے پریشان تھے۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس دفعہ فیس کی ادائیگی کے لیے مجھے اپنے کسی زیور کی قربانی دینی پڑے..... اُف کتنی مشکل سے اب تک اس کی نوبت نہ آنے دی تھی..... لیکن اب شاید یہ ہی کرنا پڑے..... ظاہر ہے ایک لاکھ کی رقم معمولی تو نہیں تھی..... لیکن دوسری طرف بچوں کا مستقبل کہ جس کے لیے سارے والدین خواب دیکھتے ہیں آخر ہم نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر بھی چاہی تو کون سا لو کھا کام کیا.....؟ میں گویا اپنے آپ کو ہی سمجھاتی رہتی تھی..... آپ کو تو پتا ہے عورت کے لیے زیورات کتنی اہمیت رکھتے ہیں..... لیکن بچے اور ان کا مستقبل تو ان سے بڑھ کر ہے..... میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو انہیں خرچ کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

آج سلمان آفس سے آٹھ بجے آگئے تھے ورنہ انہیں آتے آتے دس تو لازمی بچ آتے..... لہذا میں نے سوچا کہ رات کے کھانے کے بعد ان سے اس مسئلے کے حل پر بات کی جائے۔

”صبحہ ہاتھی اور صباحت آرہی ہیں اگلے

مہینے.....“ کھانے کے درمیان سلمان نے خبر سنائی۔  
 ”اچھا..... دونوں ساتھ آرہی ہیں؟“  
 ”ہاں..... دونوں ساتھ ہی آرہی ہیں..... ایک خاص مسئلے پر انہیں بات کرنی ہے۔“  
 ”آخر ایسا کون سا خاص مسئلہ ہے؟“ میں نے سلمان کو حیرانی سے دیکھا۔ کسی بھی مسئلے پر فون پر ہی بات کی جاسکتی تھی..... اتنا خرچ کر کے آنا ضروری تھا..... یہ بات میں نے دل ہی دل میں سوچی ان سے کہنا تو ظاہر ہے مناسب نہیں تھا۔  
 ”ان دونوں کا کہنا ہے کہ انہیں رقم کی ضرورت ہے..... کاروبار میں نقصان ہو گیا ہے..... اور چاب بھی چھوٹ گئی ہے۔ دراصل انہیں اس گھر میں اپنا حصہ چاہیے۔“

”گھر میں سے حصہ.....؟“  
 ”ہاں یہ گھر صرف ہمارا تو نہیں ہے ناں..... امی جان کی وراثت ہے اب تک تو وہ لوگ باہر ہی تھے لہذا اس مسئلے کو اٹھایا نہیں گیا۔“ سلمان نے آہستہ، آہستہ بات واضح کی۔ میرا بڑھا ہوا ہاتھ میز پر ٹک گیا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی روٹی میں نے پلیٹ میں رکھ دی۔ مارے حیرانی کے منہ کے نوالے کو چبائے بغیر لگ گئی۔

”یا اللہ.....! اب کیا ہوگا؟ میں تو آپ سے بچوں کی فیس کے معاملے پر بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔ یہ تو ایک تباہی مسئلہ کھڑا ہو گیا۔“

”اچھا اب زیادہ پریشان نہ ہو اللہ ہے ناں سبب الاسباب..... وہ کوئی راستہ دکھائے گا۔“ انہوں نے میرے فح ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر تسلی دی۔ ورنہ وہ خود بے حد پریشان لگ رہے تھے۔ اس رات نہ انہیں ٹھیک سے نیند آئی نہ مجھے..... ہم دونوں ہی اس مسئلے پر فکر مند تھے۔

بالآخر میری آنکھ لگی تو خواب میں بھی میں پریشان ہی تھی۔ سلمان تہجہ کے لیے اٹھ کر جانماز پڑھتے..... فجر

رنگت نکھرے گی تو اب نکھری ہی رہے گی!

فیکس فیکس

ٹی ٹی کی فیکس فیکس کو لیں کی صورت میں کھالی جاتی ہے اور خون کو صاف کر کے جسم کے اندر سے رنگ کو نکھارتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سے رنگت نکھرتے ہوئے گہرے پیمانے پر جاتی ہے اور ساتھ ہی چہرے کے دائرے، آنکھوں کے گرد چمکے ہوئے اور گردن کی پھریاں گہری جاتی ہیں۔ خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کے لئے بھی کامیاب ہے۔ مردوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ باطن اور کھپس لئے پھریں لیکن فیکس فیکس کا ان کے لئے بہت آسان ہے۔

www.facebook.com/top.treatments

جھوٹے قد والے دل چھوٹا نہ کریں!!

گروٹال

ٹی ٹی کی گروٹال ایک ہومیو پیتھک دوا ہے جو ستر اثرات سے پاک ہے۔ اس میں شال اجڑا ہوا انسانی جسم میں، سوما ٹورون (شوٹو کا پلاسٹن) کی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں جس سے ہڈیوں اور ڈھانچے کو تقویت ملتی ہے اور ان کے بڑھنے کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے ہر وہ شخص جس کی عمر 30 سال سے کم ہے اپنے قد میں نمکناہ اضافہ کر سکتا ہے۔

اگر آپ کی عمر 30 سال سے کم ہے تو گروٹال آپ کا قد بڑھا سکتی ہے!



ہیلپ لائن: 042-35789145 & 6,0334-4266255

Email: toptreatments@gmail.com, Website: www.toptreatments.net

دیکھنے کی صورت میں یا مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے

II

اگلے صبح صیوہ باجی اور صباحت دونوں ساتھ آئیں چونکہ اسکول تبدیل کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا لہذا فیسوں کی مد میں رقم نہیں نکلی اور مہمان داری بہت اچھی طرح ہو گئی۔ سلمان نے ایک دن دونوں بہنوں کو بٹھا کر وارثت کا مسئلہ حل کرنے کا طریقہ سمجھا دیا۔ لیکن دونوں مسئلے کے اس حل سے مطمئن نہیں تھیں، بلکہ تھوڑا خاموش اور اداس تھیں۔ انہوں نے سلمان کی بات غور سے سنی اور اگلے دو، تین دن میں سوچ کر جواب دینے کو کہا۔

”بھلا اور کیا ہو سکتا ہے؟ سوچ کر کیا جواب دیں گی؟“ میں نے بعد میں سلمان سے حیرت سے پوچھا۔ سلمان نے کندھے اچکا کر لاطعی ظاہر کی۔ کہا تو دو تین دن کا تھا لیکن اگلے دن ہی صیوہ باجی نے گھر بیٹھے کا حل مسترد کر دیا۔

”بھائی ہمارا مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو ہی ہو جائے گا..... لیکن یہ گھر اور اس سے لٹی اٹی جان اور ابا جان کی خوشبو اور یادیں ہم کسی بھی طرح حاصل نہیں کر سکتے..... آپ اور شانی ہمارے لیے ہمارا میکا ہیں..... اور یہ گھر ہماری یادوں کا امین۔“ صیوہ باجی اور صباحت ایک ماہ رہ کر خوشی خوشی واپس چلی گئی تھیں۔ وہ اس بات پر بھی بڑی خوش تھیں کہ سلمان ان کا حق اتنی آسانی سے دینے پر رضامند ہو گئے تھے۔

سلمان کا کہنا ہے کہ حق تو دینا ہی ہے، لہذا اب اسکولوں کی ہماری فیسوں کے بجائے سلمان چھوٹے موٹے کاروبار کے لیے پیسے جمع کر رہے ہیں تاکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حق دار کے حق کی ادائیگی کے لیے جمع کی جاسکے..... اور میں اپنی پہلی بچت سے پھلی گھر کی شہزادی کے لیے چند سہلیاں لے آئی ہوں..... سچ ہے کائنات کا ہر دن اپنے پہلے دن سے مختلف ہوتا ہے، کیوں ٹھیک ہے ناں.....!

کی نماز کے لیے مجھے اور بچوں کو اٹھا کر وہ بستر پر لیٹے تو پھر سو گئے..... میں نے بھی انہیں نہیں اٹھایا۔ اگلے دن ہفتہ تھا بچوں کی تو چھٹی تھی۔ سلمان کو کبھی بتنے کو بھی آفس جانا ہوتا تھا..... لیکن آج انہیں بھی نہیں جانا تھا میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ ناشتے کی تیاری کر کے بچوں کو ناشتا کرایا اور شور نہ کرنے کی ہدایت کی اور اپنے کاموں میں لگ گئی۔

گیارہ بجے تک سلمان اٹھ گئے تھے۔ خوب تازہ دم سے تھے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا..... پریشانیوں کا حل نکالنے والا تو اللہ ہی ہے..... پھر بلا وجہ پریشان ہو کر کیوں چھٹی خراب کی جائے۔ یہ سلمان کا ہی فلسفہ تھا جسے میں نے بھی دل و جان سے قبول کر لیا۔

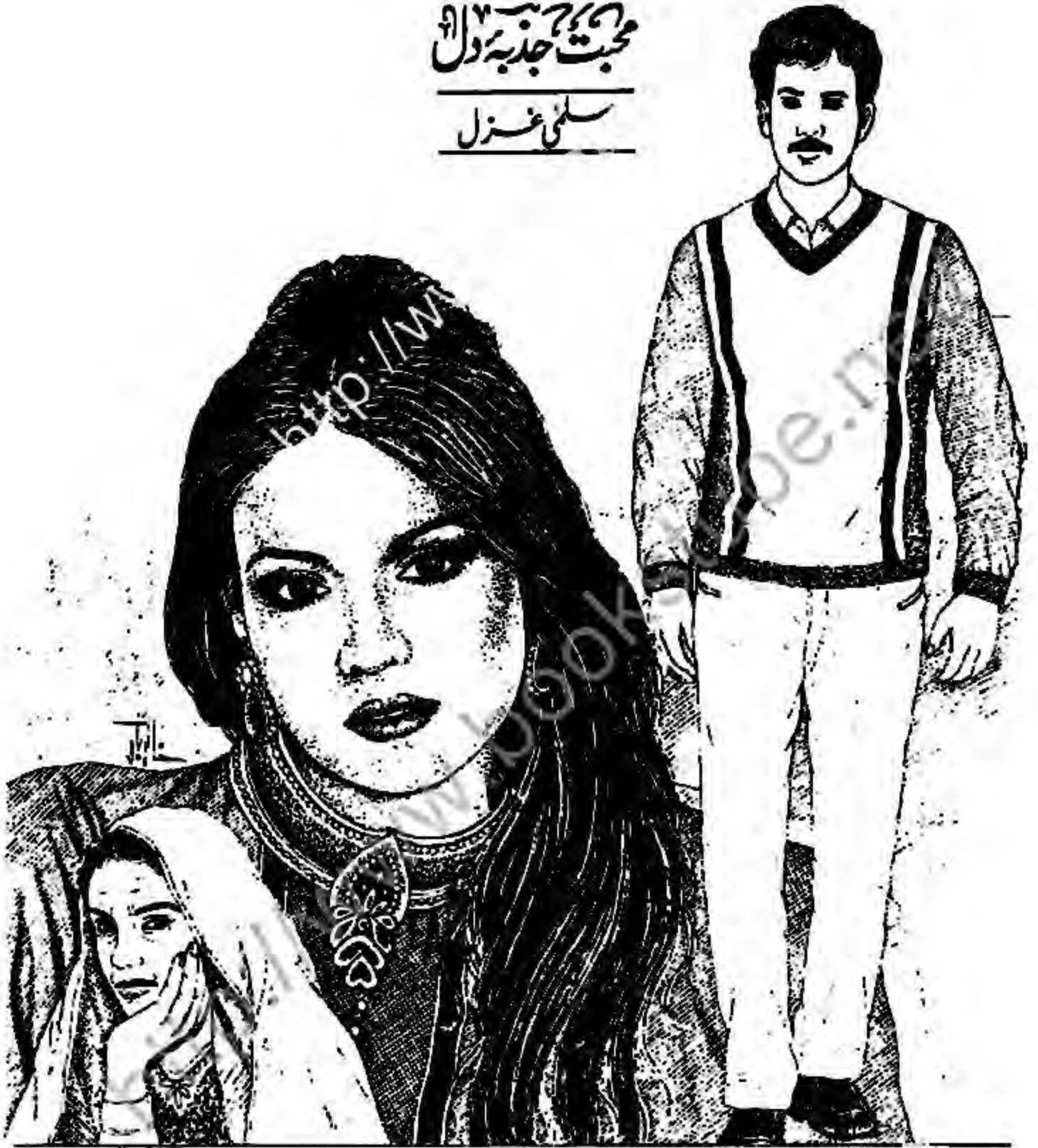
”شانی میں نے سوچ لیا ہے مسئلے کا حل.....“ سلمان ناشتے کے درمیان بولے۔

”اچھا کیا سوچا ہے؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”ہم دونوں بہنوں کو ان کا حق گھر فروخت کر کے دے دیں گے اور اتنے پیسوں سے کوئی چھوٹا گھر یا فلیٹ لے لیں گے۔ باقی رہا فیسوں کا مسئلہ تو اس کا بھی بہت آسان حل ہے، اب تک بچوں کے اسکول اور اس کی فیسیں ہم نے کئی ترشی سہہ کر ادا کی ہیں، یہ ہی سوچ کر کہ اچھی تعلیم، اچھے مستقبل کے لیے ضروری ہے لیکن اچھا مستقبل کیا ہے، کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے؟ اچھا مستقبل اچھی تربیت میں چھپا ہوتا ہے، اپنی روایات، اخلاق اور تہذیبی قدروں میں..... نصاب اگر غیروں کا ہوتا ہے تو روایات، رسوم اور تہذیب بھی ان کی ہی رچتی بستی ہے..... ہم اپنے بچوں کو اپنی چادر کے اندر رہ کر بھی اچھی تعلیم دلا سکتے ہیں۔ البتہ ایک کام اہم ہے..... ہم دونوں کو ان کی تعلیم اور تربیت کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی اور محنت کرنی ہوگی۔ پھر پور توجہ کے ساتھ.....“ سلمان کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ ضمانت دے رہی تھی کہ مسائل کے حل پر انہیں پکا یقین ہے۔

# محبت جذبہ دل

سلی غزل



ایک چکر لگایا۔ یہاں سے جاتے ہوئے وہ ہمیشہ اسی طرح غمگین ہو جاتا تھا۔ یہ تپسی ادارہ اس کے لیے ماں کی طرح تھا اس کا دل بھرا آیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے مڑ کر دیکھا تو سب لڑکے، لڑکیاں کھڑے

Lums یونیورسٹی میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں اور اپنی امی کے بے حد اصرار پر اسے گھر جانا پڑ رہا تھا۔ اس کا دل اداس تھا اس نے بے دلی اور بوجھل پن سے سامان پیک کیا اور یونیورسٹی کا

199 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web



ہاتھ ہلارے تھے اس کا دل اور بھی بوجھل ہو گیا اور آنسو باہر نکلنے کو بے تاب.....  
 ”بھلا کبھی مرد بھی روتے ہیں؟“ اس نے خود کو سرزنش کی۔

”ہونہہ!“ ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ ”کیا مردوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا یا چوٹ لگنے کی تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ چوٹ جو روح تک کو زخمی کر دے۔“ کار اوپنی چچی سڑکوں پر بھاگتی جا رہی تھی اور اس کا دل اسی تیزی سے ماضی کی طرف لوٹ رہا تھا اور کتنے ہی سالوں کا غبار پھیل کر سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆

شادی کے پانچ سال بعد جب بڑی منتوں مرادوں کے بعد شاہزیل نے اس دنیا میں قدم رکھا تو ماں باپ کے علاوہ نھیال میں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دوھیال میں تو کوئی تھا نہیں اور نھیال بھی صرف نانی، ماموں اور مامی پر مشتمل تھا۔ وہ اپنی ماں حصہ کی آنکھوں کا تارا تو باپ کے جینے کا سہارا تھا۔ وہ قدرتی حسن کا شاہکار تھا اور کیوں نہ ہوتا، بنانے والا جو عظیم تھا مگر خوشیوں کی زندگی بہت مختصر تھی جب باپ ایک ایکسڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا اور ماں بیوہ ہو کر کھلے آسمان تلے آ گئی۔

حصہ کی ماں کو کینسر تھا اسی لیے اس کے لیے بول کرتے ہی کم عمری میں ہی اس کی ماں نے شادی کر دی تھی اور اب جب شوہر کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تو مجبور اور بے بس ہو کر اسے بھائی، بھابی کے در پر آنا پڑا جو اپنے چار بچوں کے ساتھ اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھ رہے تھے۔ حصہ نے سب سے پہلے ہمت کر کے مومبھوری کی ٹریننگ لی اور پھر اسے ایک بہترین انگلش اسکول میں جاب مل گئی جہاں پرنسپل نے اس کے حالات دیکھتے ہوئے شاہزیل کی فیس بھی آدمی کر دی۔ حصہ کی پوری، پوری کوشش ہوتی کہ مالی

200 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

اور جسمانی طور پر بھابی پر ڈتے داریوں کا بوجھ کم سے کم ڈالے مگر ان کی تیوریوں کے بل کم ہی نہیں ہوتے تھے۔ مہنگائی کے عفریت نے خون کے رشتوں میں بھی دوریاں پیدا کر دی تھیں۔ شاہزیل اپنی عمر سے زیادہ کچھدار، حساس اور زودرنج تھا۔ اسے اپنی ماں کی بے بسی کا احساس تھا اس لیے جب ماموں کے بیچے ضدیں اور فرمائشیں کرتے تو وہ ٹکڑا ٹکڑا نہیں دیکھا کرتا تھا کبھی کبھار ماموں کو خیال آ جاتا تو وہ اسے بھی بلا لیتے۔

”آؤ بیٹا دور کیوں کھڑے ہو، تم بھی اپنی پسند کی چیز آ کر لے لو۔“ اور اس وقت ممانی چیل کی طرح جھپٹ کر اپنے دوپٹے میں سمیٹ لیتیں اور کمرے میں گم ہو جاتیں اور ماموں کھیانے ہو کر اسے پیار کرنے لگتے مگر جب ماں رات کو اس کے پاس لیٹ کر بے شمار باتیں کرتیں اور بانہوں میں لے کر خوب چومیں تو پیار کی نقشی کا احساس مندمل ہو جاتا کیونکہ ماں اس کو بے حد چاہتی تھی، یہی پیار اس کے جینے کا سہارا تھا۔

☆☆☆

جب وہ پانچویں جماعت میں تھا تو قسمت نے اسے ایک اور طوفان کے حوالے کر دیا۔ ماموں اور بچوں کا کینسر ڈائمیگریشن ہو گیا تھا اور انہیں باہر جانے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ مگر بیٹا تھا حصہ ہر اسان تھی کہ وہ ایک معصوم بیچے کے ساتھ کہاں جائے گی کبھی اس کا دل چاہتا کہ بھائی کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے اور پوچھے۔

”میں بھی تو تمہاری ماں جانی ہوں، کیا بیوی بچوں کے آگے سب رشتے ماند پڑ جاتے ہیں۔ خون سفید ہو جاتا ہے؟“ مگر وہ سوائے رونے کے کچھ نہ کہہ سکی کہ یہی اس کے بس میں تھا۔

اسکول میں اس کی واحد دوست دریشا اس کے حالات سے واقف تھی۔ اسے پریشان دیکھ کر بڑی

رہ گئے ہیں؟“

”سوچ لو..... ایسا نہ ہو بیوہ کو ایسے رشتے بھی نہ ملیں۔“ اس سے زیادہ سننے کی حصہ میں امت نہ تھی وہ کمرے میں آکر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

صبح اسکول میں اس کی اجزی شکل دیکھ کر وریشہ کے پوچھنے پر اس نے من و عن بھائی اور بھائی کی گفتگو سنا دی۔

”اسی لیے کہتی ہوں شادی کر لو تو بان بھائی سے۔ میرے شوہر کے دوست ہیں، بے حد نیک اور شریف انسان ہیں۔ شیخوپورہ میں گھر ہے اور لاہور میں بینک میں ملازمت کرتے ہیں۔ بچی کی پیدائش پر بیوی کی ذمہ داری بھی سنبھال کوئی ہے نہیں۔ اب بچی دوھیال میں پل رہی ہے۔ شاہزیل سے کچھ چھوٹی ہے۔ پچھیاں شادی شدہ اور دادا، دادی ضعیف۔ وہ بچی کی طرف سے سخت پریشان ہیں اور مجھے یقین ہے تمہارے لیے راضی ہو جائیں گے کیونکہ میں جانتی ہوں تم ماں تو بن سکتی ہو مگر سوتیلی ماں نہیں۔“ پھر وریشہ اور اس کے شوہر کی ٹرخلوں کو ششیں رنگ لائیں اور جٹ مگنی پٹ بیاہ کے تحت چند مہینوں میں سب کچھ ہو گیا۔ حمزہ نے بھی بہن کے ساتھ نا انصافی نہیں کی اور اس کے شرعی حق کے علاوہ ایک خلیفہ رقم اپنی طرف سے یہ کہہ کر دے دی کہ یہ شاہزیل کی تعلیم کے لیے ہے۔

حصہ کا خیال تھا کہ شادی کے بعد تو بان اپنی بیٹی بسمہ اور شاہزیل کے ساتھ لاہور میں رہیں گے لیکن انہوں نے اپنی پرانی روٹن برقرار رکھی صبح لاہور جانا اور رات گئے واپس آنا۔

☆☆☆

حصہ کے لیے آزمائشوں کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ملازمت تو وہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی اب اسے رشتوں میں توازن قائم کرنا تھا بسمہ ایک بگڑی ہوئی

201 ماہنامہ ہادیہ مارچ 2015

اپنائیت سے بولی۔

”دیکھو شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپانے سے طوفان تو نہیں ٹل جاتا، تم اس مسئلے کا کوئی حل سوچو۔“

”کیا سوچوں..... میری تو کچھ بچہ میں نہیں آ رہا؟“ حصہ بے بسی اور بے چارگی سے بولی۔

”ایک حل ہے میرے پاس اگر تم برانہ مانو۔“ وریشہ جھجکتے ہوئے بولی پھر اس کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں گویا ہوئی۔ ”شادی کر لو۔“

حصہ اس طرح اچھل پڑی جیسے پھونے ڈنک مار دیا ہو۔

”پاگل ہو گئی ہو، ایک بچے کی ماں سے کوئی پاگل ہی ہوگا جو شادی کرے گا۔ دوسرے میں اپنے بچے پر سوتیلا باپ مسلط نہیں کروں گی، کیا شادی کر کے اسے ماں سے بھی محروم کر دوں؟“ حصہ نے صاف منہ کر دیا۔

”تم پہلے سن تو لو پھر شور کرنا۔“ وریشہ نے سمجھانا چاہا مگر وہ سخت اور قطعی لہجے میں منہ کر تی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

رات کو اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بھیا، بھائی کے کمرے سے اپنا نام سن کر وہ لاشعوری طور پر رک گئی۔

”دیکھو حمزہ، میں تمہیں صاف بتا رہی ہوں کہ تمہاری بہن کی وجہ سے میں اپنے بچوں کا مستقبل تاریک نہیں کروں گی۔ ایک اچھا چانس مل رہا ہے تو تم بہن کے لیے جذباتی ہو رہے ہو۔ کیا ہم نے ان دونوں کا ساری زندگی کا ٹھیکالے رکھا ہے۔ میں نے تمہیں کئی رشتے بتائے ہیں مگر تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آ رہے۔“

”بس رہنے دو تمہارے رشتے؟“ حمزہ نے ڈر جھکی سے جواب دیا۔ ”جولا ہے، بچارے، قسائی..... کیا میری پڑھی لکھی بہن کے لیے یہی رشتے

اسے اپنے پاس بٹھا کر اس کی قلبی سرگرمیوں کے بارے پوچھتے رہتے تھے جس سے حصہ کو پہننے کا حوصلہ ملتا اور شاہزل کو آگے بڑھنے کی ہمت۔

☆☆☆

وہ چھٹی کا دن تھا شاہزل کسی کام سے کچن میں کھسا تو بسمہ پہلے سے موجود تھی۔ اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شرارت ناپنے لگی۔ جونہی اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے اس نے ٹانگ آگے کر دی اور وہ سنبھلتے، سنبھلتے بھی دھڑام سے نیچے گر گیا۔ میز سے سرنگرایا تو آنکھوں کے آنکے اندھیرا سا چھا گیا اس کا خون کھول اٹھا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ زور، زور سے ہنستی ہوئی بسمہ کی لمبی اور موٹی پٹیا کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور ساتھ ہی ہاتھ موڑ کر پشت سے لگا دیا اور پھر جو بسمہ نے ٹیل مچایا تو اس کی چیخوں سے سارا گھر گونج اٹھا۔ سب سے پہلے ٹوہان کچن میں داخل ہوئے اور بسمہ نے روتے ہوئے سہے ہوئے شاہزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”پاپا شاہزل نے بھرا ہاتھ موڑ دیا۔“ اور ٹوہان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ انہوں نے بغیر کچھ پوچھے شاہزل پر ہاتھ اٹھالیا۔

”تیری اتنی جرأت کہ میری بیٹی پر ہاتھ اٹھاتا ہے، تو زردوں کا تیرا ہاتھ۔ ہمارا ہی کھاتا ہے اور ہمیں پرغراتا ہے۔“ اگر حصہ بیچ میں نہ آجاتی تو شاید وہ اسے روٹی کی طرح ڈھنک دیتے۔ شور سن کر سب ہی آگے اور حقارت اور تمسخر سے تماشا دیکھنے لگے۔ داوی اور پھوپھوں نے بھی اپنا پورا، پورا حصہ ڈالا مگر شاہزل نے اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہا اور جب ماں نے پیار سے اسے گلے لگانا چاہا تو وہ ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ ماں کی تڑپ اور بے قراری اسے بناوٹی لگ رہی تھی اور اپنا وجود ایک کیڑے سے بھی بدتر۔

☆☆☆

بچی تھی۔ ماں کی کمی اور بے جالا ڈیوار نے اسے ضدی اور خود سر بنا دیا تھا۔ بھرا پرا خاندان اور لوگوں کی نظریہ اور چھپتی ہوئی نگاہیں۔ حصہ کی زندگی بنگی کے دوپاٹوں کے درمیان آگئی تھی اسے اس گھر میں اپنا ایک مقام بنانا تھا اور اپنے ماتھے سے سوتلی ماں کا کلنگ مٹانا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوگئی مگر شاہزل کو نظر انداز کر کے کیونکہ بسمہ اب اپنا ہر کام حصہ سے کرواتی تھی ورنہ زمین آسمان ایک کر دیتی پھر حصہ کو شاہزل کو سمجھانا پڑتا۔

”دیکھو بیٹا! بسمہ ابھی چھوٹی ہے، اسے میری زیادہ ضرورت ہے تم اپنا کام خود کر لیا کرو، آخر وہ بھی تمہاری بہن ہے۔“ تو شاہزل غصے میں چیخ پڑتا۔ ”نہیں ہے وہ میری چھوٹی بہن، وہ صرف ٹوہان انگل کی بیٹی ہے۔“ کیونکہ حصہ کے کہنے پر جب اس نے ٹوہان کو پاپا کہہ کر پکارا تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

”پاپا میں صرف اپنی بیٹی کا ہوں تم مجھے انگل کہا کرو۔“

☆☆☆

بسمہ بے حد ضدی، شوخ اور چنچل تھی۔ دادا کی وہ جان تھی اس لیے کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے آگے چوں بھی کر لے اور باوجود شاہزل کے دور بھاگنے کے وہ سب سے زیادہ اسی کو تنگ کرتی اور جھوٹی سچی شکایتیں لگا کر سب سے ڈانٹ پڑواتی۔ ٹوہان کا بھی بیشتر وقت اس کے نازخیرے اٹھانے میں گزرتا تھا گو انہوں نے شاہزل کو کبھی کچھ کہا نہیں تھا مگر اس کی اہمیت گاڑی کے ایک ناکارہ پرزے کی طرح تھی وہ اس گھر میں روٹی، کپڑے اور مکان کی بنیاد پر رہ رہا تھا۔ باقی اس کی تعلیم کا خرچہ اس رقم سے پورا ہو جاتا تھا جو ماں نے اس کے نام سے فکس ڈپازٹ کر دیا تھا۔ دادی، پھوپھیاں سب کی آنکھوں میں وہ خار کی طرح کھٹکتا تھا سوائے بسمہ کے دادا کے جو اس کے لیے سب سے بڑی ڈھال تھے وہ اکثر

اور بلند تھا۔ ماں کی خواہش تھی کہ وہ ایم بی اے بھی اسی یونیورسٹی سے کر لے مگر اس نے اپنے ارادوں کی بھنگ بھی نہ پڑنے دی اور ملازمت کے ساتھ ساتھ باہر ایم بی اے کے لیے اپلائی بھی کرتا رہا۔ اسے انتظار تھا کسی اچھی یونیورسٹی سے اسکا لرشپ کی آفر کا۔ ملازمت کو دوسرا سال چل رہا تھا جب شیخوپورہ سے ماں کا بلاوا آ گیا۔ بسمہ کے دادا کو ہارٹ ایک ہوا تھا اور وہ شاہزل کو یاد کر رہے تھے۔ یوں تو اس نے وہاں جانا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا مگر وہ دادا کی بات نہیں ٹال سکتا تھا جو ہمیشہ اس کے لیے مشعل راہ رہے۔ وہ آئی سی یو میں تھے۔ اس کو دیکھ کر سب کی تیوریوں پر عمل پڑ گئے۔

”منحوس یہاں بھی آپہنچا نحوست پھیلانے۔“ دادی نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورتے ہوئے زیر لب کہا لیکن وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے دادا کی طرف بڑھ گیا۔

”دادا! آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گے، میں آ گیا ہوں نا۔“ ان کی آنکھوں میں چمک سی آگئی اور ہونٹوں پر نحیف مسکراہٹ۔ تب اس کی نظر دادا کا ہاتھ پکڑے اس لڑکی پر پڑی جو لہینا بسمہ کی مگر یہ وہ لڑکی تو نہیں تھی نک چڑھی اور نٹ کٹ۔ یہ تو کوئی آسمان سے اتری ہوئی حور تھی۔ سنہری چمکی رنگت اور بڑی، بڑی سیاہ آنکھیں جو رونے سے اور بھی خوب صورت ہو گئی تھیں۔ اس کے بال پہلے سے بھی گھنے، دراز اور خوب صورت ہو گئے تھے۔

”ٹوبان بیٹا میرے پاس وقت کم ہے۔“ انہوں نے سب کو کمرے سے نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے ٹوبان سے کہا۔ سب منہ بناتے ہوئے باہر چلے گئے انہوں نے اشارے سے بسمہ اور شاہزل کو نزدیک بلایا پھر یہ مشکل گویا ہوئے۔ ”مجھے امید ہے تم بغیر جوں جہا میرے فیصلے کا احترام کرو گے جو میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو بسمہ

دادا نے گھر آ کر جب بسمہ سے حقیقت پوچھی تو وہ اپنی شرارت بتاتے ہوئے شرمندہ ہو گئی۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کی یہ حرکت شاہزل کے لیے ذلت اور شرمندگی کا باعث ہوگی۔ جب دادا نے شاہزل کو بلا کر بسمہ کو اس سے معافی مانگنے کو کہا۔

”مجھے بسمہ سے کوئی شکایت نہیں پھر معافی کس بات کی۔“ اس نے سرد اور کاٹ دار لہجے میں جواب دیا۔

”بیٹا میرے لیے تم بسمہ سے کم نہیں۔ شروع شروع میں ہم تمہاری ماں کی طرف سے مطمئن نہیں تھے مگر اس نے اپنے رویے سے ثابت کر دیا کہ وہ تمہاری ہی نہیں بسمہ کی بھی ماں ہے اور میں چاہتا ہوں اپنی صابرا اور حوصلہ مند ماں کی طرح تم بھی ہر چیز بھلا کر صرف اپنی تعلیم پر توجہ دو۔ معاشرے میں اپنا ایک مقام بناؤ تاکہ تمہارے مرحوم باپ کی روح کو بھی چین ملے۔ میری تمہیں صرف ایک ہی نصیحت ہے کہ ان چھوٹی بھئی دشواریوں کو راستے کا پتھر مت بنانا اور ہر مشکل اور رکاوٹ کو عزم و حزم سے کامیابی کی راہ دکھانا پھر یہ دنیا تمہیں جھک کر سلام کرے گی اور ہاں اپنی ماں سے بھی بدگمان مت ہونا بلکہ اس کے صبر، حوصلے، استقامت اور قربانیوں کی قدر کرنا۔“ دادا اسے پاس بٹھاتے ہوئے پیار سے بولے۔

اس دن شاہزل نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا۔ اس کے دن رات کی محنت رنگ لائی اور جب اس نے اے لیول میں پوری دنیا میں ریکارڈ بنایا تو Lums میں داخلے سے اسے کوئی نہ روک سکا۔ اب اسے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں تھا بلکہ اپنی دنیا خود بنانی تھی۔

☆☆☆

Lums میں چار سال پلک جھپکتے گزر گئے وہ عمر کے ساتھ ساتھ بے حد وجیہہ اور بلند قامت ہو گیا تھا۔ اس پر اس کی متانت اور سنجیدگی سونے پر سہاگا تھی۔ اس کی نظروں میں زندگی کا مقصد بہت واضح

نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”جسے ساری زندگی ہم نے منہ نہیں لگایا اور بھائی جان نے گھاس نہ ڈالی آج وہ اس گھر کا داماد بننے جا رہا ہے۔“

”تم جانتی ہو خدا ترسی مجھ میں کوٹ، کوٹ کر بھری ہے میں نے سوچا تھا کہ یتیم ہے لہذا ربیعہ اس سے بچاؤ دوں گی۔“ بڑی پھوپھو کم چالاک نہ تھیں۔

”ارے آپا ربیعہ سے تو وہ شاید چھوٹا ہی ہوگا لیکن میری شازبہ کے لیے بالکل مناسب تھا مگر اب نے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا مگر اب چلنے کڑھنے سے کیا فائدہ..... یقیناً ابانے کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا کہ شازبہ ساری زندگی غلام ابن غلام بن کر بسمہ کے آگے سر جھکائے کھڑا رہے گا۔ وہ تو ہمیشہ ہی اس کی پھینٹی لگواتی رہی ہے، کتنی کا ناچ نچا دے گی اسے اور یہ بے غیرت شازبہ کس قدر مینا ہے۔ ہاں نہیں کس بے غیرت باپ کی اولاد سے شرم تو جیسے نام کو نہیں۔ اس کی تو مانو لائبریری نکل آئی ہے پانچوں کئی میں..... وہ کیوں انکار کرے گا بھلا گھر آئی کشمی کو کوئی لات مارتا ہے اتنی بڑی جائداد کا مالک بن رہا ہے اور بسمہ مفت میں۔“ دونوں بہنوں کی آواز میں نفرت کا زہر گھلا ہوا تھا اس سے زیادہ سننے کی شازبہ میں تاب نہیں تھی۔ باپ کی شفقت سے محروم بہن بھائیوں کی رفاقت سے بے بہرہ اور رشتے داروں کی ہمدردیوں سے نا آشنا لہذا چوڑا شازبہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ خاموشی سے لاہور آ گیا۔ امریکا روانگی کے لیے اس کا ہر کام مکمل تھا وہ چپ چاپ بغیر کسی کو بتائے امریکا پہنچ گیا اور خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا۔ وہ اپنے اذیت ناک ماضی کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن رات کی تہائیوں میں ماں کی یاد آتی تو اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ ایم بی اے کے دوران ہی اسے جا ب کی... آفر آگئی تھی اور وہ اپنی

کا نکاح شازبہ سے کر دو۔ رخصتی بسمہ کی تعلیم مکمل ہونے پر کر دینا، مجھے یقین ہے مرنے نہ ہوئے باپ کی یہ آخری خواہش تم ضرور پوری کرو گے۔“ یہ کہتے ہوئے ان کی سانس اکٹرنے لگی اور ڈاکٹر نے سب کو کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر چند لمحوں بعد ڈاکٹر نے ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے کی امدودہ ناک خبر سنا دی اور بسمہ کی چیخوں سے کاریڈور گونج اٹھا۔

☆☆☆

دو چار دن تو تجھیز و تکھیز کے بعد آنے جانے والوں کے ساتھ گزر گئے جو تعزیت کے لیے آرہے تھے پھر شازبہ نے سوچنا شروع کیا کہ کسی بھی لمحے بسمہ آئے گی اس پر چلے گی، چلائے گی، اس کو آئینہ دکھائے گی اور اس کو دل بھر کے بے عزت کرے گی پھر ٹوبان انگل آئیں گے اسے اس کی اوقات یاد دلائیں گے اور ٹھڈے مار کر گھر سے نکال دیں گے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور چالیسوں کے بعد نکاح کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ماں بے حد خوش تھی، بسمہ صدمے سے چور اور ٹوبان انگل مصروف اور خوش، شازبہ اپنی فیلنگ سمجھنے سے قاصر تھا۔ دو دن میں دل ایک تھی دھڑکن سے آشنا ہوا تھا۔ ان گنت خوشیوں کے دیپ جل اٹھے تھے۔ اس کی نس، نس میں بسمہ کی محبت انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی اور نفرت کی آگ جانے کس طرح محبت کی پھوار میں بجھ چکی تھی۔

☆☆☆

اس دن وہ کچن میں پانی پینے جا رہا تھا تو پھوپھوں کی آواز سن کر رک گیا۔

”حد کر دی اب مرحوم نے مرتے، مرتے بھی اس شازبہ منحوس کو ہمارے سینے پر مونگ دلنے کے لیے چھوڑ گئے، سمجھو اس کی تو لائبریری نکل آئی، کیا میرے اور تمہارے بیٹوں میں سے کوئی بھی بسمہ کے قابل نہیں تھا۔“ بڑی پھوپھو کی آواز میں غم اور غصہ تھا۔

”آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔“ چھوٹی پھوپھو

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

## مصبت جذبہ دل

سے ماں کی صدائیں آرہی تھیں اور بس نہیں تھا کہ اڑ کر ماں تک پہنچ جائے۔ ایمر جنسی میں اس نے جانے کا انتظام کیا اور اس سے پہلے وہ وریثہ آنتی کو اطلاع دینے سے منع کر چکا تھا وہ اپنی ماں کو سر پر اتار دے کر ان کے چہرے پر وہ عجیبی خوشی دیکھنا چاہتا تھا جس سے وہ کئی سال سے محروم تھا۔

☆☆☆

ایک تھکا دینے والے لمبے سفر کے بعد جب وہ اتر پورٹ پر اترا تو اسے معلوم تھا اس کا کوئی مختصر نہیں ہوگا ابھی وہ کب لینے کا ارادہ کرتی رہا تھا کہ آواز آئی۔

”شاہزل بیٹا!“ اس کے سامنے ثوبان انکل کھڑے تھے۔ اتنے سالوں بعد انہیں دیکھ کر شاہزل کا دل گداز ہو گیا انہوں نے بڑھ کر خود ہی اسے گلے لگالیا۔

”میرا بیٹا، میری جان۔“ کتنی ہی دیر وہ اسے لپٹائے رہے تب ڈرائیور کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔

”صاحب گاڑی میں سامان رکھ دوں؟“ گاڑی لاہور کی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔

”انکل امی کیسی ہیں؟“ اس نے بے تابی سے پوچھا۔

”انکل نہیں بیٹا، پاپا کہو تمہاری امی کافی بہتر ہیں۔“ اور اس نے کچھ نہیں سنا اس کا دل تو ابھی تک پاپا کی گردان کر رہا تھا۔ جونہی گاڑی ڈیفنس کی طرف مڑی وہ حیران ہو گیا یہاں کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا تھا۔ کس یونیورسٹی نے اس کو جینے کا حوصلہ دیا تھا اسے اس مقام تک پہنچایا تھا اس کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ ڈیفنس شفٹ ہو گئے ہیں۔ جونہی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی وہ چھلانگ مار کر اتر آس کی جنت اس کے سامنے تھی۔ یقیناً وریثہ آنتی نے اس کے آنے کی اطلاع دے دی تھی مگر یہ

205 ماہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015ء

زندگی سے کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

ایک دن وہ مارکیٹ سے گروسری خرید رہا تھا جب اس کی نظر وریثہ آنتی پر پڑی جو اسے دیکھ کر تیر کی طرح اس کی طرف دوڑی آئیں۔

”اے کیسے ہو، کہاں ہو کتنے چھوٹے تھے جب میں نے تمہیں دیکھا تھا پھر تو تصویریں ہی دیکھتی رہی؟ وہ ہمیشہ کی طرح نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھیں۔“

”آپ اور یہاں؟“

”بھئی ہاں، میں تو دو تین سال سے یہیں ہوں لیکن تم کہاں ہو مجھے تمہاری گوشالی کرنی ہے بغیر بتائے پاکستان سے آگئے یہ بھی نہ سوچا کہ ماں پر کیا گزرے گی؟ حصہ سے میرا رابطہ مستقل ہے۔“

”ان کے نام خط چھوڑ کر آیا تھا۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”ہاں تو کون سا احسان کیا تھا صرف اطلاع دی تھی؟ نہ پتا نہ خبر..... بھلا جس کا ایک ہی ایک بیٹا ہو اور وہ یوں لاپتا ہو جائے تو ماں کے دل پر کیا گزرے گی۔“ وریثہ بگڑ کر چینی۔

”آپ کچھ نہیں جانتیں آنتی۔“ شاہزل کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی وریثہ نے بات کاٹ دی۔

”میں سب کچھ جانتی ہوں، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا سن لو حصہ سخت بیمار ہے ایسا نہ ہو معافی ملانی کا موقع نہ ملے اور تم تمام عمر پچھتاؤں کی آگ میں جلتے رہو۔ اس لیے میری مانو تو جتنی جلدی ممکن ہو ماں کے پاس چلے جاؤ۔“

اور شاہزل کو لگا اسے کسی کے کہنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ وریثہ آنتی سے ماں کا سن کر اسے کچھ ہوا تھا۔ ایک کک اور غلش ہمیشہ اس کا احاطہ کیے رہتی تھی۔ بسہ کل بھی اس کے دل و دماغ میں تھی اور آج بھی اس کے خوابوں، خیالوں میں اس کی حکومت تھی اور آج وریثہ آنتی نے اس دہلی ہوئی چنگاری کو بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے روم روم

شکل اس کی ماں کی تو نہیں تھی، وہ تو انہیں ایک تروتازہ پھول کی طرح زندگی سے بھرپور چھوڑ کر گیا تھا مگر اب یہ پھول مرجھا گیا تھا..... شہنائی اور بدن کی عمارت کھنڈر بن چکی تھی۔ چہرے سے خون و ملاں چپک رہا تھا وہ بے قراری سے ان کی کھلی بانہوں میں سا گیا اب وہ بے آواز بچکیوں سے رو رہی تھی۔ تب ثوبان انکل نے آکر دونوں کو جدا کیا اور انہیں اپنی بانہوں میں لے کر اندر آگئے۔

”ایک تو ویسے ہی لمبے سفر سے تھکا ہوا ہے اور تم مزید تھکا رہی ہو۔ یہ خوش ہونے کا وقت ہے کہ ہمارا بیٹا اپنے گھر پلٹ آیا ہے۔“ وہ قدم، قدم پر چونک رہا تھا یہ وہ ثوبان انکل تو نہ تھے جو اس پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

”اب تم دونوں ماں بیٹا باتیں کر دو میں ابھی آتا ہوں۔“ تنہائی میسر آئی تو ماں نے ایک مرتبہ پھر گلے لگا کر رونا شروع کر دیا۔

”اماں اب بس بھی کریں آپ جانتی ہیں میں کس مجبوری سے گیا تھا۔“ وہ ان کو چپ کروانے لگا۔

”جو بھی مجبوری تھی تم نے مجھے سب کے سامنے شرمندہ کیا اپنے دادا کی روح کو تکلیف پہنچائی۔ اس میں بیچاری بسمہ کا کیا قصور تھا تمہارے پاپا خاندان والوں کے سامنے کتنے شرمندہ ہوئے۔“

”خاندان والے؟ آپ کو پتا نہیں انہوں نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟“ شہنائی کا لہجہ خود بخود سخت ہو گیا۔

”مجھے معلوم ہے جو کچھ بچپن میں نے کہا وہ لفظ بہ لفظ بسمہ نے مجھے صبح بتا دیا تھا مگر بہت دیر ہو گئی تھی اور تم جا چکے تھے۔“

”اماں ویسے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا اس شادی کا۔ بسمہ مجھے حقیر سمجھتی، نفرت کرتی تھی مجھ سے اور میں ساری زندگی اس کی نفرت سہہ کر زندہ نہیں رہ سکتا

تھا۔“ شہنائی نے مایوسی سے کہا۔  
 ”نفرت کرتی تھی تم سے؟“ اب حیران ہونے کی باری حصہ کی تھی۔ ”یہ تم کس نے کہا؟ پھر بتانا شروع کیا۔“ میں حسب معمول کاموں میں مصروف تھی جب ثوبان کے پاپا نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔ میں پریشان ہو گئی میں اس گھر میں سب سے زیادہ تمہارے، دادا کی عزت کرتی تھی بے حد حلیم الطبع، شفیق اور انصاف پسند۔ اس گھر میں مجھے اور میرے بیٹے کو عزت و مان انہی سے ملا اور میں اس کے لیے ان کی ممنون و مشکور تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر شگفتہ سے بولے۔

”بیٹی آج میں نے تمہیں ایک خاص مقصد سے بلایا ہے امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔“  
 ”پاپا آپ حکم کریں۔“ میں نے ادب سے جواب دیا۔

”بیٹی تم جانتی ہو ہمیں اپنی پوتی جی جان سے عزیز ہے۔ ہمیں اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور ہم اس کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں، ہم اپنے بیٹے ثوبان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیٹی سے لاکھ محبت کرنے کے باوجود اس کی اندرونی آنکھیں بند ہیں۔ ظاہری چیز بھی دیکھنے کی صلاحیت نہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم دونوں اولاد کی دوری کا دکھ سہو اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ بسمہ اور شہنائی کی شادی کر دی جائے، اس طرح دونوں تمہاری نظروں کے سامنے بھی رہیں گے اور ہمیں بھی اطمینان رہے گا کیونکہ شہنائی سے اچھا بسمہ کے لیے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟“ انہوں نے میری خاموشی سے کوئی اور ہی مطلب اخذ کیا۔

”نہیں پاپا۔“ خوشی سے مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ”آپ نے جو مجھے اور میرے بیٹے کو اتنی محبت اور عزت دی اس کے لیے میرے پاس شکر پے کے الفاظ تو بہت معمولی ہیں لیکن



چھوٹا منہ بڑی بات..... معاف کیجیے گا میری خوشیوں کو آگ لگانے میں سراسر آپ کا ہاتھ ہے۔ آپ میری خوشیوں کے قائل ہیں۔ آپ باپ ہو کر مجھے سمجھ نہ سکے اور دادا نے جانا کہ شاہزل کی میری نظر میں کتنی اہمیت تھی۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو، میں نے اس کا خیال رکھا۔ سر چھپانے کے لیے محبت دی۔ اچھا کھلایا اچھا پہنایا، یہ کیا تم احسان تھا جس کا اس نے مجھے یہ صلہ دیا۔“ ٹوبان بی بی طرح چیخ پڑے۔ ”اس کو اس گھر سے محبت ملی حالانکہ وہ تو نفرت کے بھی قائل نہ تھا۔“ ٹوبان کے لہجے میں عداوت تھی۔

”محبت.....!“ بسمہ دیوانوں کی طرح ہنسنے لگی۔ ”آپ جانتے ہیں محبت کسے کہتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟ باپا آپ تو میرے سگے باپ تھے میری سوتیلی ماں کے شوہر جس نے آپ کی بیٹی کو سگی ماں کی طرح چاہا اور اپنے بیٹے کو بھی نظر انداز کر دیا اور جواب میں آپ نے اس کے بیٹے کے ساتھ کیا کیا؟ وہ عورت جو آپ کی بیوی تھی، باپا آپ پر تو دوہری ڈتے داری تھی کیونکہ شاہزل یتیم تھے، آپ کو تو یہ سوچ کر ان کے سر پر دستِ شفقت رکھنا چاہیے تھا کہ قرآن میں بار بار یتیموں کی سرپرستی اور ان سے بہتر سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور آپ نے اول دن سے اس یتیم سے محاسمت باندھ لی تھی..... وہ یتیم جسے نہ آپ نے اپنا بیٹا سمجھا نہ اپنی بیوی کا۔ کیا یہ تھی آپ کی محبت؟ کتنا فرق ہے ایک عورت اور مرد کی فطرت میں۔ اس عورت نے جتنا آپ کی بیٹی کے لیے کیا آپ تو اس سے آدھا بھی اس کے بیٹے کے ساتھ نہ کر سکے۔ دل سے نہ ہی اپنی بیوی کی بے لوث خدمت، اطاعت اور فرمانبرداری کے بدلے ہی دان کر دیتے اس یتیم کو محبت۔“

”باشت بھری چھوڑ کر کس قدر بڑھ، بڑھ کر بول رہی ہے باپ کے آگے، چپ کر جا۔“ دادی

پاپا مجھے ڈر ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ ٹوبان اور بسمہ کو شاید پسند نہ آئے۔“ میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

”ارے اس اُلو کے چرے ٹوبان کی تو بات ہی مت کرو۔“ تمہارے دادا کو جوش آ گیا۔ ”عائش، بے وقوف، جاہل اور کم تو تم بھی نہیں ہو بسمہ کو بیٹی سمجھتی ہو اور کسی ماں ہو اس کی مزاج آشنا نہیں۔ ہم سے زیادہ کون اپنی پوتی کو سمجھے گا، وہ کیا چاہتی ہے اس کی خواہش کیا ہے، ہم جانتے ہیں۔ بس شاہزل کی ڈتے داری تم پر ہے۔“ پھر وہ دوبارہ گویا ہوئے۔ ”دراصل ہماری دونوں بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لیے بسمہ کے رشتے کی طلب گار ہیں اور ہم کسی ایک کے حق میں فیصلہ کر کے خون نے رشتوں میں دراز نہیں ڈالنا چاہتے۔ اللہ نے اولاد اور مال کو قنہ قرار دیا ہے میں بسمہ کو تمہارے اور شاہزل کے سپرد کر کے اپنے بچوں کو آزمائش سے بچانا چاہتا ہوں۔“

ابھی یہ بات ہم دونوں تک ہی محدود ہی تھی کہ پاپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا پھر تم چلے گئے یہ سوچے بغیر کہ ہم سب پر کیا گزرے گی۔ بسمہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا جو پھوپھو یوں نے تمہارے خلاف زہرا گلا تھا۔ گھر میں پورا خاندان جمع تھا میرا بس نہیں تھا کہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ نکاح میں چند دن رہ گئے تھے اور تم غائب ہو گئے۔ ٹوبان کا غصے سے برا حال تھا۔

”کہاں ہے وہ نمک حرام جس تعالیٰ میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ اس کی اوقات تھی کہ وہ میرا دادا بنے۔ نالی کا کیزا نالی میں ہی خوش رہتا ہے عزت اس کو اس نہ آئی اور اس میں سارا قصور حصہ کا ہے۔“ وہ غصے سے میری طرف بڑھے تو بسمہ بیچ میں آگئی۔

”بس پاپا بس، آپ نے کہہ دیا اور میں نے سن لیا مگر اب اور نہیں۔ شاہزل کے بارے میں کچھ بھی کہنے سے پہلے آپ خود اپنا جائزہ تو لیں۔ پاپا

زور سے چلاتیں مگر ثوبان نے رک دیا۔

”اماں اسے بولنے دیں، بیٹی ہے میری اس کا مجھ پر حق ہے۔“

”پاپا سب یہ سمجھتے رہے کہ میں شاہزہل سے نفرت کرتی ہوں جالانکہ میں تو اسے اس کے خوں سے باہر لانا چاہتی تھی۔ اسے اس گھر میں اس کا حق دلوانا چاہتی تھی کیونکہ مجھے میری ماں مل گئی تھی مگر اسے کیا ملا..... باپ کے ساتھ ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا، سب سے زیادہ نقصان تو اسی کا ہوا نا۔ آخر آزمائش کی بجھتی میں ہمیشہ عورت کو ہی کیوں ڈالا جاتا ہے۔ مرد کیوں اس آزمائش سے نہیں گزرتے۔ ماما کا بھائی اس وقت چھوڑ گیا جب انہیں ایک چھت کی ضرورت تھی اور اپنا گھر بچانے کے لیے انہوں نے اپنا بیٹا بھی گنوا دیا پاپا.....!“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”آپ محبت کا دعویٰ تو کرتے رہے لیکن دادا نے مجھے اور شاہزہل کو بچانا اگر وہ آج زندہ ہوتے تو شاہزہل کبھی گھر چھوڑ کر نہ جاتا اور اس کی ذمے دار صرف آپ کی بہنیں ہیں۔“ اس نے نفرت سے دونوں پھوپھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”شاہزہل میرے لائق نہیں تھا مگر آپ دونوں اسے اپنی بیٹیاں دینے کو تیار تھیں۔ وہ نالی کا کیزا بے غیرت باپ کی اولاد..... تو پھر آپ کی بیٹیوں کے لیے اس میں چار چاند کیسے لگ گئے؟“ سب دم بخود تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو ثوبان اپنی جگہ تادم اور بسمہ کو جیسے اس دن سے چپ سی لگ گئی ہو ثوبان شرمندہ تھے مجھ سے، بسمہ سے اور خود سے پھر دادی کے انتقال کے بعد ثوبان، بسمہ کی خاطر لاہور شفٹ ہو گئے کیونکہ بسمہ کا بھی داخلہ لس یونیورسٹی میں ہو گیا تھا اور شادی کے لیے کوشش کے باوجود اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی اور نہ تمہاری خبر ملی، تم نے پھوپھیوں کے کیے کی سزا بسمہ کو کیوں دی؟“ شاہزہل کے پاس اس کا کوئی جواب

نہیں تھا۔

”اماں آخر بسمہ ہے کہاں؟“ اس نے بے

تابلی سے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں ہوگی۔“

”اماں وہ مجھ سے ناراض ہوگی؟“ شاہزہل

نے ڈرتے، ڈرتے سوال کیا اور حفسہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”ڈرتے ہو اس سے اب تک؟“ انہوں نے

شرارت سے پوچھا۔

”خونخوار ملی سے کون نہیں ڈرتا۔ پتا نہیں کب

بچے نکال کر منہ نوح لے۔“ وہ شوخی سے مسکرایا اور

بسمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر ہمت کر کے

دستک دیتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا جو اسے

دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور کمرے سے نکلنا چاہا مگر

دروازے میں شاہزہل چٹان کی طرح استادہ تھا۔ اس

نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں

لے لیا جو ہولے، ہولے کانپ رہے تھے اور آنکھوں

سے آنسو واں تھے۔

”میری طرف دیکھو۔“ بسمہ نے نظر اٹھائی تو

محبت کا ٹھٹھیس مارتا سمندر شاہزہل کی آنکھوں میں

ہلکورے لے رہا تھا۔

”بسمہ آخری مرتبہ اتنے آنسو بہاؤ کہ ساری

تکھیاں، سارا دل کا غبار اور شکوے، شکایتیں ان میں

بہہ جائیں اور کان کھول کر سن لو اب اگر تمہاری

آنکھوں میں آنسو آئے تو.....“ اس نے بسمہ کا ہاتھ

موڑ کر کمرے سے لگایا اور موٹی سی چٹیا ہاتھ میں لے کر

پیار سے بولا۔ ”اب کس کو بلاؤ گی..... اب تو وہ

میرے بھی پاپا ہیں۔“ بسمہ کو ہنسی آگئی اور بے ساختہ

اس کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں،

دونوں کی دھڑکنیں ایک مدھرتال پر ان کی کہانیاں

کہہ رہی تھیں۔



## اسیری

سیاحتِ عمام



محلے کی مسجد سے جس وقت اللہ والی مائی کے انتقال کی خبر نشر کی گئی علاقے بھر میں کھلبلی مچ گئی۔ ماحول پر اداسی و سوگواری کی دیہیز چادر تن گئی۔ اللہ والی مائی کو کون نہیں جانتا تھا۔ ان کے اصل نام سے دنیا نا واقف تھی۔ ان کی صفت ہی ان کی پہچان بن گئی تھی۔ درویش صفت، عبادت گزار اور اعلیٰ مرتبت اللہ والی مائی کی روحانیت کے قصے دور، دور تک پہلے ہوئے تھے۔ جنہیں سن کر حاجت مند دور، دور کے علاقوں سے بھی آتے اور فیض یاب ہو کر جاتے۔ شفا کے طالب مریض کسمپرسی اور قرض داری کے شکار لوگ بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتوں کے طلبگار غرضیکہ سب غرض مند شامل ہوتے۔ ان کی دعا میں بڑی برکت تھی۔ جس کے اکثر لوگ معترف تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ عبادت میں صرف کیا۔ حاجت مند عورتیں ان کی خدمت میں حاضری دیتیں، وہ آنکھیں بند کیے عبادت میں ہی مشغول نظر آتیں۔ ان کا نظر اٹھا کر دیکھنا بھی ضرورت مندوں کو ڈھارس بخش دیا کرتا تھا۔ دعائیں..... و طائف، روحانی علاج، ان کی کرامت کے قصے زبان زد عام تھے۔ ان کی وفات کی خبر پل بھر میں جنگل کی آگ کے مانند پھیلی تھی۔

رشیدہ نے ڈیوڑھی سے پردہ سر کا کر پڑوسن کو پکارنا چاہا تو وہ پہلے ہی دروازے میں کھڑی ادھر ادھر جھانک رہی تھی۔

”ارے صغیرہ بہن کچھ سنا تم نے.....؟“ اس نے

پڑوس کو پکارا۔

”بالکل سنا..... بڑی بھاگوں، تمہیں اللہ والی مائی۔ دن بھی کیا خوب پایا..... جمعہ المبارک اور وہ بھی ریح الاول کا مہینہ۔“

”سچ ہے ان کے درجے، مرتبے سے کس کا نفر کو انکار ہے۔ دور، دور تک مشہور تھیں۔ جانے کہاں، کہاں سے عورتیں آتی تھیں ان کے پاس..... اللہ پاک ان کی دعاؤں کے وسیلے سے سن لیا کرتا تھا۔ مگر اللہ نے مشکل آسان کر دی اللہ والی مائی کی..... آخر میں بڑی ہی اذیت میں دن گزارے۔ مسجدوں تک میں ان کی مشکل آسان ہو جانے کی دعا نہیں کروائی گئی تھیں۔ تو بہ، تو بہ ایسا مرض نہ دیکھا نہ سنا۔“ صنفیہ نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”کب تک چلنے کا ارادہ ہے؟ سب ساتھ ہی چلیں گے۔ رضیہ اور نکمت کو بھی کہہ دیتی ہوں۔“

”سنا نہیں کیا..... نماز جنازہ بعد نماز جمعہ پڑھائی جائے گی۔ میں تو سمجھو بس قاری ہی ہوں۔“

”گڈ آنے والا ہے اسکول سے، چلتے وقت مجھے آواز دے لیتا۔“ رشیدہ کہہ کر واپس گھر میں آئی اور معمول کے کام تیزی سے نمٹانے لگی۔

بڑی ہی کرامت والی تھیں اللہ والی مائی۔ خود کو انسانیت کی بھلائی اور خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ سنا تھا گاؤں میں بڑی زمینیں تھیں اسی کی آمدنی آتی تو غریب غربا میں تقسیم کر دیتیں۔ علاقے کا کوئی گمراہ یا نہ تھا جس نے ان کی ذات سے نفی نہ پایا ہو، عبادت، خدمت اور دعا..... خود رشیدہ کا حمل دو بار ضائع ہوا۔ اگلی بار اللہ والی مائی سے دم درود کروایا۔ انہوں نے قمیص کے واہن پر آیت لکھ کر دی۔ تعویذ بھی دیا سر ہانے رکھنے کے لیے اور اللہ کے فضل و کرم اور اللہ والی مائی کی دعاؤں کی برکت سے ہنستا کھیلتا گڈ واڈاس کے بعد منا، آج رشیدہ کی گود میں ہمک رہا تھا۔

اس کے گھر بڑے کام نمٹانے تک گڈ واڈاسکول سے آچکا تھا۔ رشیدہ اس کے کپڑے بدلوا کر کھانا کھلانے کے بعد سائیکل مرمت کی دکان پر اس کے باپ کے پاس، بٹھا کر صنفیہ کے گھر پہنچی تو محلے کی اور بہت سی عورتیں بھی صنفیہ کے گھر موجود تھیں۔ اللہ والی مائی کی کرامت کے قصے بیان کیے جا رہے تھے۔ ان کی بیٹی، یا کھازی، تقویٰ و فلاح..... بالآخر وہ سب قافلے کی صورت اللہ والی مائی کے مکان کی جانب چلیں..... مکان کا بیرونی حصہ آستانے کے لیے وقف تھا۔ جبکہ اندرونی حصے کی جانب جانے کی نوبت بیشتر لوگوں کے لیے پہلی بار آئی تھی۔ سیکڑہ کوشش پر فرش آرہے تھے۔ ولا سے، صبر، ہمت کی تلقین کچھ کام نہیں آ رہا تھا۔ اس کی آہ و بکا آسمان کو چھو کر لوٹ رہی تھی۔ اللہ والی مائی کے معتقدین عورتوں و مردوں کا ٹھنڈا لگا ہوا تھا۔ میت کی تجھیز و تمخیز کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ گھر کے باہر شامیانے میں مردوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ اندر کمرے میں عورتوں کے لیے سفید چاندنی کا فرش بچھایا گیا تھا جس پر بیشتر عورتیں تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھیں۔ ماحولی پر سوز تھا جو عورتیں قرآن پاک کی تعلیم سے بے بہرہ تھیں وہ تسبیح لے کر کلمہ پڑھنے لگیں یا پھر دالوں پر ورد کرنے لگیں۔ صنفیہ بھی تسبیح لے کر رشیدہ کے پاس آ بیٹھی۔

”آہ بیچاری سیکینہ، صبر ہی نہیں آ رہا غریب کو۔“

”خدمت بھی تو بہت کی اس نے اللہ والی مائی کی۔ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ دونوں کے درمیان تندر بہاوج کا رشتہ تھا۔ اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا سیکینہ نے اللہ والی مائی اور ان کی معتقدین عورتوں کی خدمت گزاری کے لیے۔ خود مائی کی بھی آخر تک پٹی نہ چھوڑی۔“ رشیدہ کے جواب پر صنفیہ نے آہ بھری۔

”سچ ہے اللہ والی بے اولاد تھیں، نند کو اولاد ہی

”بھابی..... اے بھابی..... ہائے میں لٹ گئی۔“ صنفیہ نے آگے بڑھ کر سیکینہ کو قابو کیا۔ دو چار مرد میت اٹھانے کے لیے اندر آئے۔ عورتوں نے آنکلوں سے منہ ڈھانپ لیے۔ کلمہ شہادت بلند ہوا۔ معتقدین عورتیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ سیکینہ ایک بیچ مار کر صنفیہ کی ہانپوں سے لٹی۔ دو چار عورتوں نے آگے بڑھ کر اسے تھاما۔ وہ مزاحمت کرتے ہوئے سر پینٹنے لگی۔

”بھابی..... اے بھابی، مجھے کس کے سہارے چھوڑ گئیں۔ میں تو کہیں کی نہیں رہی.....“ وہ آہ و بکا کرتی بے ہوش ہو گئی۔ اس کا سر صنفیہ کی گود میں لڑھک گیا۔ سر سے آچھل ڈھلا اور اس ڈھلکے ہوئے آچھل نے بہت سے راز افشاں کر دیے۔ بالوں میں چمکتے چاندی کے تاروں نے ڈھلتی عمر کا مجید کھول دیا۔ آج تک کوئی... نہیں جان پایا تھا کہ سیکینہ کس عمر کی ہے۔ سیکینہ کے تین بے سبب نہ تھے۔ وہ بیچ بیچ بے سہارا رہ گئی تھی۔

”اب بھاری سیکینہ کا کیا بنے گا؟“ یہ سوال ایک ساتھ کئی لوگوں کے ذہنوں میں ابھرا تھا۔ ”مگر یہ فکر اللہ والی مائی نے کیوں نہیں کی؟“ وہ تو ہر حاجت مند کو حاجت پوری کرنے کے وظائف اور ورد بتاتی تھیں لیکن سیکینہ اب تک کنواری کیوں.....؟ یہ کوتاہی تھی یا چشم پوشی..... بے شک سزا و جزا..... نیکی و بدی کا معاملہ اللہ اور بندے کے مابین ہے۔“

”مگر کہیں.....؟“ ایک ساتھ کئی نگاہیں آپس میں ٹکرائی تھیں۔

”اللہ ہی جانے.....“ نگاہیں واپس پٹی تھیں۔ بے شک سزا و جزا کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ معمولی سی کوتاہی کی پکڑ..... یا عظیم تر گناہ کی معافی..... بھلا انسان کیا کہہ سکتا ہے.....؟



کی طرح رکھا مگر آخر وقت بہت ہی کرب و اذیت میں گزارا۔ سارا دھڑ بیکار ہو گیا تھا۔ زبان تک گنگ ہو گئی تھی۔ پھر سارے جسم پر پھوڑے نکس آئے۔ جو ہر وقت رستے ہی رستے تھے۔ ان کے چہرے..... ہی تکلیف و اذیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اکثر آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔ ”ایک اور عورت نے ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

”چار روز بخار ہو جائے تو انسان کے گناہ وصل جاتے ہیں۔ ایسی تکلیف کرب و اذیت میں آخری وقت گزارنا بھی جنتی ہونے کی نشانی ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اللہ والی مائی تو یوں بھی اعلیٰ مرتبت تھیں۔ جس کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتیں، سمجھو اللہ کی رحمت کے در اس پر کھل گئے۔ برسوں سے گوشہ نشین تھیں..... کسی سے کلام بھی کم ہی کیا کرتی تھیں۔ دنیا سے گویا ان کا واسطہ ہی نہیں تھا۔ شوہر کے انتقال کے بعد گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ تند کو بھی لوگوں کے سامنے نہیں آنے دیتی تھیں، اس کی حفاظت کرتی تھیں ایسے میں ان کے لیے برا سوچنا بھی گناہ ہے۔“ صنفیہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”مگر اللہ بڑا ہی نکتہ نواز ہے، کبھی معمولی سی غلطی، کوتاہی یا زیادتی بھی پکڑ میں آ جاتی ہے۔ اور کبھی چھوٹی سی نیکی پر خوش ہو کر بڑے سے بڑے گناہ گار کو بھی بخش دیا کرتا ہے۔“ ایک اور عورت نے کہا۔

”اللہ تعالیٰ سب کے گناہ کبیرہ و صغیرہ معاف فرمائے۔“ رشیدہ کہہ کر پھر تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو گئی۔ بالآخر مسجد سے جمعہ المبارک کا خطبہ شروع ہوا اور پھر جنازہ اٹھنے کا وقت آ گیا۔ سیکینہ پھل، چل کر ایک عورت کی ہانپوں سے لٹی جا رہی تھی۔ اللہ والی مائی کی چار پائی کی پٹی سے سر بیخ رہی تھی۔

مضمون ناول

اسیرِ وفا

زمسیر



گھر میں گھستے ہی بھری چیزوں نے اس ہ  
استقبال کیا تھا۔ صبح آفس جاتے وقت بھی گھر کی حالت  
کچھ ایسی ہی تھی مگر اب مزید اتر دکھائی دے رہی  
تھی۔ سنی، گولڈی کے کھلونے پورچ تک آوارہ گردی  
کرتے پھر رہے تھے، ڈاننگ ٹیبل اور بچن کی تھی  
چیزیں اور برتن ٹی وی لائونج میں پڑے منہ چڑا رہے  
تھے، حصے کی ایک لہر اس کے تن بدن میں پھیل گئی۔ دن  
بھر آفس میں دماغ خرچ کرنے کے بعد گھر آ کر اس کی

212 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

Copied From Web

WWW.PAKSOCIETY.COM  
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY



213 ماہنامہ پاکیزہ مارج 2015ء

Copied From Web



بے ترتیبی دیکھنے کے بعد اس کا بے ساختہ غصے میں آنا  
 بننا تھا۔ وہ دندنا تا ہوا بریف۔ کس ایک طرف بیٹھ کر نانو  
 جان کے کمرے میں گھستا چلا گیا۔ نانو جان بھی اپنی  
 وہیل چیئر کے پیچھے گھماتے ہوئے باہر آ رہی تھیں۔  
 ”حصصی..... حصصی۔“ وہ ایک دم رگ کر چھوٹی  
 بہن کو زور زور سے پکارنے لگا۔

”کیوں چلا رہے ہو؟ کیا ہو گیا ہے آخر؟“ نانو  
 جان نے اپنی سنہری فریم والی عینک کو درست کرتے  
 ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

”کہاں ہیں سب..... یہ، یہ دیکھ رہی ہیں آپ  
 ..... حصصی..... سنی۔“ وہ انہی چیزوں اور پھیلاوے کی  
 طرف اشارے سے بتانے کے بعد پھر سے بہن کو  
 پکارنے لگا تو حصصی، سنی، گولڈی بھی آگے پیچھے سب  
 ہوئے سے سامنے آگئے۔ چار سالہ سنی اور تین سالہ  
 گولڈی کو اپنے چاچے کا چلانا حیران کر رہا تھا۔

”یہ..... یہ سب کیا ہے؟ گھر سے یا کباڑ خانہ، کوئی  
 چیز بھی اپنی جگہ پر نہیں، ہر روز بھی منتظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ تم  
 کیا کرتی رہتی ہو سارا دن، یہ چیزیں سیٹ کر نہیں رکھ  
 سکتیں۔“ آج جیسے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔  
 اس کا رخ حصصی کی طرف تھا۔ بچے اسے دیکھے جا رہے  
 تھے۔ نانو نے محسوس کر کے جواباً سے ڈبٹا۔

”ثعلب..... بچی کو کیوں ڈانٹ رہے ہو، کیسے  
 سنبھال سکتی ہے اکیلی وہ گھر کا نظام اور تم بھول رہے  
 ہو، آج حصصی کا کالج میں پہلا دن تھا۔“  
 ”اے آئی سی.....“ وہ ایک دم شرمندہ سا ہو گیا۔

”کالج سے آتے ہی بچوں کے ساتھ جان ہلکان  
 کر رہی ہے میری بچی..... یہ تمہاری سرچہ حائی آفٹ  
 کی پرکالہ کی کارستانی ہے ساری..... میرے قابو میں  
 آتے ہیں بھلا بیچے.....“ نانو نے مزید وضاحت دی تو  
 وہ بالکل ہی شغفنا ہو گیا۔

”نانو ملازم تو ہیں ناں گھر پر، آپ ان سے یہ  
 کام کیوں نہیں کروا تیں۔ آخر انہیں کس لیے رکھا ہوا  
 ہے، دیکھیں ناں کتنا برا لگ رہا ہے گھر کا حال۔“ اس

کی نگاہ میں ادھر ادھر بکھرے کٹھن تھے۔  
 ”مجھ میں اتنا دم غم کہاں کہ ان سے کام لے  
 سکوں۔ اور پھر میری سستا کون ہے تم سے کتنی بار کہہ چکی  
 ہوں کہ شادی کر لو۔ آخر کب تک.....؟“

”پلیز نانو جان، میں ابھی بے حد تھکا ہوا ہوں،  
 آپ کی بات فریش ہو کر سنوں گا۔“ وہ بیزاری دکھاتا  
 انہیں ٹالنا وہاں سے نکل گیا۔

”نہیں سستا ہماری بات، روگ لگا لیا ہے خود کو۔“  
 نانو جان بھی وہیل چیئر کے پیچھے گھمائی لاؤنج  
 میں آئیں۔

☆☆☆

فریش ہو کر وہ خود چائے کی طلب میں کچن میں  
 چلا آیا تھا۔ فہمی بوا، حصصی کے کہنے پر پہلے ہی چائے تیار  
 کر چکی تھیں۔ اسے چائے کا گگ چھاتے ہوئے بولیں۔  
 ”بیٹا! بڑی بی بی ٹھیک ہی تو کہتی ہیں، اس گھر کا  
 گھر والی کی ضرورت ہے۔“ بوانے جھکتے ہوئے مشور  
 دیا تو وہ خلاف توقع مسکرا دیا۔

”اچھا! کبھی کو لگتا ہے، میری شادی ہر مسئلے کا حل  
 ہے۔ ایک اور عورت یہاں آ کر کیا تیر مار لے گی جبکہ  
 آپ اور نانو کچھ نہیں کر سکتیں۔ مجھے مت  
 چسنا میں۔“ وہ چائے کا گگ لے کر لاؤنج میں آ گیا۔  
 جہاں نانو کے ساتھ بیٹے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے  
 دیکھتے ہی دونوں اس کی طرف لپکے۔

”چاچو، آپ کو اپنا پراسا یاد ہے ناں..... آپ نے  
 کہا تھا آج ہمیں آکس کریم کھلانے لے جائیں گے۔“  
 سنی نے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھے ہوئے یاد دلایا۔

”یاد ہے، یاد ہے میری جان..... بس ریڈی  
 ہو جاؤ، ابھی چلتے ہیں، بعد میں مجھے کچھ کام ہے۔“ وہ  
 چائے کا گگنٹ بھرتے، بھرتے سر ہلا کر بولا۔ سنی اور  
 گولڈی جانے کا سنتے ہی کمرے کی طرف بھاگے اور حصصی  
 کو آوازیں دینے لگے۔ حصصی، نانو کے لیے چائے لے کر  
 آئی تھی۔ ثعلب نے اسے دیکھتے ہی چلنے کے لیے کہا۔

”حصصی تم بھی جلدی سے آ جاؤ، پلیز آکس کریم



لپے ورنہ ہماری اداسیاں مستقل ہونے والی ہیں۔“ وہ آزر دگی سے بولے گئی۔ ثعلب نے اسے اس احساس سے لکانے کے لیے چنگی بجا کر مذاق سے چھیڑا۔

”واؤ..... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ میری چھوٹی سی بہن عصمت ہے، کالج میں جاتے ہی اتنی بڑی، بڑی باتیں..... ایک دن میں اتنی ترقی..... خدا خیر کرے.....“ عصمت ذرا سا جھینپ کر مسکرائی تو سنی نے بھی آنکس کریم سے توجہ ہٹائے بغیر بڑے پن سے مشغول ہو دیا۔

”چاہو، آپ شادی کر لیں ناں..... میں آپ کا شہ بالا ہوں؟“ پار سالہ سنی کی بات اسے حیران بھی کر گئی اور محظوظ بھی..... اس نے بڑھ کر اسے چپت لگائی۔

”بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ..... کس نے سکھائی یہ بات؟“

”مجھے کیا ضرورت ہے انہیں سکھانے کی، سارا دن تو گھر میں ناٹو بھی تڑ کر رہتی ہیں سو۔“ عصمت نے فوراً پیش بندی کی۔

”باز آ جاؤ عصمتی، تم لوگوں کو اپنے پیش پارے نہیں ہیں کیا.....؟ آنے والی نے سب سے پہلے تمہیں تڑی پار کرنا ہے پھر روتی رہ جاؤ گی۔“ ثعلب نے اسے ڈراتا چاہا۔

”یہ صرف آپ کے وہم ہیں۔ میں اپنی بھائی کو اپنا دوست بنا لوں گی، بڑی بھائی نے بھی تو ہمیں کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔ ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیے بھائی۔“

عصمتی یک دم سنجیدگی سے بولی تو ثعلب بھی فراراً سنجیدہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”ممکنین بھابی جیسا نہ تو کوئی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان کی جگہ لے سکتا ہے۔ کسی اور سے ایسی امید مت رکھنا..... چلو بھئی۔“ اس نے گولڈی سے کپ لے کر میز پر رکھا اور اسے زبردستی گود میں لے کر بل ادا کرتا پارلر سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”بھئی بھائی، آپ کو ایک اطلاع دینی ہے.....“

215 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

کے علاوہ کوئی فرمائش مت کرنا۔ اور ان دونوں شیطانوں کو بھی سنبھال لینا، اذکے.....“ وہ جلدی، جلدی چائے پینے لگا۔

”اس کا مطلب ہے اب تم فرمائش ہو۔ پھر تو مجھے میری بات کا جواب ملنا چاہیے، کیا سونچا ہے؟“ ناٹو نے اسے سنجیدگی سے گھورا تو وہ چونک کر بولا۔

”ابھی..... میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتوں گا ناٹو..... پھر سہی پلیز..... چلو، چلو بچو! آ جاؤ ورنہ ناٹو پھر اپنا مشن شروع کر دیں گی۔ ڈھنگ سا ڈھنگیٹیل پر رکھتا ایک دم اٹھا اور بچوں کو پکارتا وہاں سے نکل گیا۔ بچے اور عصمتی اس کے پیچھے، پیچھے لپکے..... ناٹو نے چشمہ درست کرتے ہوئے انہیں جاتے دیکھا..... ان کے چہرے پر..... بڑی گہری سنجیدگی تھی۔

آنکس کریم پارلر میں بیٹھے وہ چاروں اپنے اپنے پسندیدہ فلیور کھاتے ایک دوسرے سے جھین جھپٹ کرتے مستیاں بھی کر رہے تھے۔ آخر ثعلب نے اپنا آنکس کریم کپ گولڈی اور سنی کے حوالے کر کے اپنی جان چھڑائی۔

”بھائی! ایک بات کہوں؟“ عصمت نے کچھ توقف سے بھائی کو مخاطب کیا۔

”کیا بات.....؟ کالج میں تو کوئی پرابلم نہیں ہے؟“ بہن کی جھجک محسوس کر کے ثعلب نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے پوری توجہ اس کی طرف مبذول کی۔

”نہیں، وہاں کوئی پرابلم نہیں ہے۔ میں کہہ رہی تھی آپ آخر ناٹو جان اور آپنی کی بات مان کیوں نہیں لیتے۔ بڑی بھابی تھیں تو ہمارے گھر میں کتنی رونق ہوتی تھی، ہر ایک خوش رہتا تھا مگر اب.....“ وہ بولتے، بولتے اداس ہو گئی۔

”مگر اب کیا.....؟ ڈونٹ وری میری بہن، آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا۔“

”خود سے کیسے نارمل ہوگا بھائی! کوشش کرنی... بڑے گی آپ کو، کوئی تبدیلی ضروری ہے ہمارے گھر کے

اگر آپ سنتا چاہیں تو!“ مصحفی پیچھے نہیں ہوئی تھی، گولڈی اور سنی فرنٹ سیٹ پر وہ مصحفی کو کالج اور سنی کو اسکول چھوڑنے جا رہا تھا کیونکہ آج دونوں کی وین نہیں آئی تھی۔

”اب صبح، صبح کوئی ایسی خبر مت سنا دیتا جو میرا موڈ خراب کر دے۔۔۔۔۔ ویسے ہی کچھ دنوں سے ایک بات سن، سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔“ ثعلب نے خاصی بیزارگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے، آپ نہیں سنتا چاہتے تو آپ کی مرضی۔۔۔۔۔ بعد میں مت کہیے گا کہ ہم نے آپ کو بے خبر رکھا۔“ اس نے مصحفی کو نظری سے سسپنس پیدا کیا تو ثعلب ایک دم چونک کر پوچھنے لگا۔

”کیا۔۔۔۔۔ مطلب۔۔۔۔۔؟ کیا خبر ہے، کیا بات ہے؟“

”ویک اینڈ پر آپ آ رہی ہیں۔“ وہ اس کے اصرار پر بتانے لگی

”آگ۔۔۔۔۔ آخر تم لوگ مجھ پر ترس کیوں نہیں کھاتے۔۔۔۔۔ کیوں، مجھے بکرا بنانے پر تلے ہو۔“

”بک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔“

”یہ تو آپ آپلی سے ہی پوچھیں۔ سنا ہے، اس بار وہ اپنے اہل ارادوں سمیت آ رہی ہیں۔“ وہ بھائی کی حالت زار سے مفلوظ ہوئی۔ ”بس آپ اپنی خیر منائیں۔“

”تم مذاق۔۔۔۔۔ تو نہیں کر رہی ہیں؟“ بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

”میں نے آپ سے پہلے کبھی مذاق کیا ہے، نہیں یقین تو نانو سے پوچھ لیجئے گا۔ اس بار آپ کی جان چھوٹی مشکل ہے، ہماری نہیں تو آپلی کی بات تو مانیں گے ناں آپ۔“ مصحفی واقعی سنجیدہ تھی۔

”ماننے والی بات ہو تو دل مانے بھی۔ خیر آنے دو نہیں۔“ وہ جیسے خود کو سمجھانے، بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہیں چھوڑ کر وہ گولڈی کے ہمراہ واپس آ کر آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ گولڈی ابھی اسکول نہیں جاتی تھی۔ تھلا کر باتیں کرتی تھی، ہر وقت اپنے چاچو کے گلے کا ہار بنی رہتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا

کہ چاچو کے ساتھ آفس بھی چلی جائے۔

☆☆☆

وہ تیار ہو کر ناشتا کرنے بیٹھا تو نانو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے سنانے کو تڑکرتا بولنے لگیں۔

”کل فون آیا تھا مصحفی کا۔۔۔۔۔ گھر کی حالت جان کر پریشان ہو گئی۔۔۔۔۔ آ رہی ہے پرسوں۔۔۔۔۔“

”کل گئی ہے خبر مجھے۔۔۔۔۔ آپس کی بات ہے نانو۔۔۔۔۔ ان کی سسرال والوں کو ہر دوسرے ہفتے ان کے یہاں آنے پر اعتراض نہیں ہوتا؟“ وہ غیر سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

”اچھا! انہیں کیوں اعتراض ہوگا، وہ ان سے اجازت لے کر آتی ہے اور اب وہ اس گھر۔۔۔۔۔ بسٹلے نہیں سمجھیں گے تو کون سمجھے گا۔“ نانو نے اسے گھور کر کہا۔

”انہ۔۔۔۔۔ آپ سبھی نے گھر کے مسائل کو ہوا بنا دیا ہے۔ میں اب خود پنڈل کر لوں گا۔“ وہ کچھ جھنجھلا کر بولا اور پھر چائے پیتے، پیتے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب تک تو تم ہمارا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اب پنڈل کر لو گے۔۔۔۔۔ سب کچھ تو مجھ بوڑھی جان کو سہنا بڑا ہے۔“ وہ خنکی و بیچارگی سے بولتی ہوئی وہیل چیئر موڑ کر کمرے کی طرف جانے لگیں تو وہ کپ میز پر رکھ کر انہیں منانے بڑھا۔

”نانو۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ آپ تو میرے جذبات سمجھیں۔ میرے لیے زندگی کا یہ فیصلہ ماننا اتنا آسان نہیں ہے۔“

”انسان اگر چاہے تو کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اپنے دل کو سمجھاؤ اور حقیقتوں کا سامنا کرو۔ پوری زندگی اس طرح نہیں گزرے گی۔“ نانو مزید سنجیدہ ہو گئیں۔

”نانو، آپ نے کیا فلسفہ زندگی پر پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ قسم سے بڑی مشکل باتیں کرتی ہیں آپ، سارا دن سوچتا رہوں گا۔“ اب بھی اس نے مذاق میں انہیں نالنے کی کوشش کی۔

”ہاں سوچو ضرور سوچو۔۔۔۔۔ سوچنے سے راہیں نکلتی ہیں۔“ نانو نے اس کا ہاتھ تھپکا جو کہ اُن کے کندھے پر

”بات تو صاف ہے پٹا! برانہ ماننا، عورت کی غیر موجودگی مرد کو بھی پریشان کرتی ہے اور بچوں کو بھی۔ کچھلی بار تم گئی تھیں تو بچوں نے بہت تنگ کیا تھا۔“ سعیدہ خانم نے بلا تھک اپنے رویے کا جواز دیا تو صہسہی کی الجھن بھی رفع ہو گئی پھر وہ اپنی مجبوری کے احساس میں یوں۔

”مجھے احساس ہے امی جان..... مگر کیا کروں؟ میرے بچے پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، ایسے میں صرف میں ہی ان کا بوجھ کم کر سکتی ہوں۔“

”تمہارا احساس اپنی جگہ پر..... مگر چٹا یہ بوجھ جس کے سنجوں کا ہے اسے ہی اٹھانا چاہیے نا۔“ سعیدہ خانم نے اپنے مخصوص بدبرانہ انداز میں کہا تو صہسہی سمجھ کر بھی نا گہنی سے پوچھنے لگی۔

”میں سمجھی نہیں امی جان؟“

”صہسہی اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کیا بات ہے، اللہ بخشنے تمہارے بڑے بھائی اور بھابھ کو..... انہوں نے ماں، باپ کی طرح تم سبھی کو سنبھال رکھا تھا۔ اب ثعلب اس کی جگہ پر ہے، اسے سمجھداری سے کام لے کر اپنی شادی کا فیصلہ کر لینا چاہیے، آخر تم بیٹھیں کب تک اپنا، اپنا گھر چھوڑ کر میسکے کے مسائل حل کرتی رہو گی۔“

”امی جان..... آپ درست فرما رہی ہیں۔ میں بھی ثعلب کو سمجھا رہی ہوں مگر وہ مان ہی نہیں رہا۔ اس بار تو میں اسے مٹا کر ہی آؤں گی۔“

”ہاں، اسے سمجھاؤ جو ہونا تھا ہو گیا..... اب زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے ماضی کو تو بھولنا پڑتا ہے۔“

”ہم سبھی اسے یہی سمجھاتے ہیں، خیر اس بار تو میرا ارادہ اٹل ہے، اسے مٹا کر دم لوں گی۔“ صہسہی نے بھی رسائیت سے تائید کی۔ ”امی..... آپ بھی دعا کیجیے گا..... وہ مان جائے۔“

”مان جائے گا بھئی..... پہلے تم اس کے لیے کوئی لڑکی تو دیکھو۔“ سعیدہ خانم نے خالی کپ ساٹنے پر رکھ دیا۔ صہسہی کچھ کہنا چاہتی تھی اسی لمحے سعیدہ خانم کی بیٹی وانیہ بھی وہاں چلی آئی۔

دھرا تھا۔

”چاچو..... میں ریانی (ریڈی) اوں آپ تے سات جاؤں دی.....“ (آپ کے ساتھ جاؤں گی) گولڈی رنگ برنگے طیسے میں پکارتی ہوئی ڈانٹنگ روم میں آئی تو ثعلب نے بے بسی سے پہلے نانو کو اور پھر اسے دیکھا۔

”my sweet heart آج تو میں آفس نہیں چارہا..... دیکھو ہم کل چلیں گے۔“ ثعلب نے بڑھ کر اسے گود میں لے کر بہلانے کی کوشش کی..... مگر اس کی سوئی ساتھ جانے پر ہی اگلی ہوئی تھی۔ ثعلب مجبوراً اسے ساتھ لے کر نکلا..... کچھ دیر ادھر ادھر لے کر گھومتا رہا..... وہ اپنی پسند کی چاکلیٹ، آکس کریم وغیرہ لے کر گھر جانے پر راضی ہوئی..... ثعلب کے لیے یہ روز کا مسئلہ تھا۔ سنی تو اسکول جانے سے پہلے گیا تھا پر گولڈی کو مٹانا مشکل ہوتا تھا۔ زندگی نے اچانک اسے غیر متوقع حالات میں لاپھونکا تھا۔

وہ بڑے بھائی عاقب اور ان کی بیوی تمکین کی اچانک حادثاتی موت کے بعد سے اپنا آپ بہلائے گھر کو بھی سنبھال رہا تھا اور رشتوں کو بھی..... بھلا ہر سبھی کچھ معمول پر تھا سوائے اس کے دل کے..... جو کسی طرح بھی زندگی کے سفر میں اپنے لیے نئے ہم سفر کو چھنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک کک اسے روکتی تھی۔

☆☆☆

”امی جی! میں دوپہر کی فلائٹ سے لاہور جا رہی ہوں۔ نانو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، پرسوں واپس آ جاؤں گی۔“ صہسہی لاؤنج میں بیٹھی اپنی ساس کے لیے چائے لے کر آئی تو پاس بیٹھ کر انکس اطلاع دی۔

”اچھا.....!“ شہو نے اجازت دے دی؟“ سعیدہ خانم نے کچھ تردد سے پوچھا تو اس کے چہرے پر الجھن نظر آنے لگی۔

”جی..... کی..... وہ مگر آپ.....! کوئی بات ہے امی جی؟“ ساس کی بات پر وہ ٹھنک گئی تھی۔

”پہچو جان..... بابا کا خون آیا ہے، وہ آج نہیں آئیں گے۔“ دلوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی پلکیں جھٹکی ہوئی تھیں۔

”ظاہرہ (بھابی) سے اجازت نہیں ملے گی، کریم سے مجھے یہ توقع نہیں تھی۔“ وہ انسوؤں سے بولتی، بولتی ایک دم خاموش ہو گئیں۔ ”صہن تم پھر جانے کی تیاری کرو۔ ابھی تو وانیہ ہے میرے پاس۔“

”ہاں..... ہاں بھابی، آپ بے فکر ہو کر جائیں۔“ وانیہ نے بھی اسے تسلی دی تو صہن پر سوچ انداز میں وہاں سے اٹھی۔

☆☆☆

صہن ادھر لاہور جانے کے لیے گھر سے نکلی، سعیدہ خانم نے ادھر اپنے چھوٹے بھائی کریم احمد کو فون کر کے خوب سنائیں۔ ”حد ہے کریم تمہاری بزدلی کی، تمہیں ظاہرہ کا پہلے خوف نہیں تھا۔ جب دوسری شادی چوری جیسے کر لی تھی۔“

”آپا..... ابس ایک غلطی ہوئی تھی، حالات سے تنگ آیا ہوا تھا۔ ظاہرہ کے رویوں نے عاجز کر دیا تھا تبھی.....“ دوسری طرف سے اپنے فضل پر نہایت ندامت کے ساتھ کہا گیا تو سعیدہ خانم حیرت سے چیخ ہی اٹھیں۔

”و غلطی.....؟ کریم تم جانتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟ اس کا مطلب ہے، وانیہ بیماری مچ سکی ہوئی ہے، اس کا باپ اسے اپنی غلطی سمجھ کر بوجھ کی طرح یہاں ڈال گیا ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے آپا..... میں کوشش کر رہا ہوں کہ ظاہرہ کا غصہ شخصاً ہو تو میں اسے مناؤں اور.....“ کریم احمد کی جھجکتی تھی کہ وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا ہے۔

”بس رہنے دو بھائی..... تم اور تمہاری کوششیں..... بین ماں کی بیٹی کو تم نے تماشاً بنا دیا۔ باپ کے گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں ہے۔ تاؤ بھلا وہ کب تک تیرے میرے آسرے پر رہے گی۔“

”بس کچھ دن آپا..... اور پھر آپ غیر تو نہیں ہیں، ہماری بڑی ہیں..... آپ میری مجبوری نہیں سمجھیں گی تو کون سمجھے گا۔“ سعیدہ کی خشکی کے جواب میں بڑی منت سے کہا گیا تو وہ بھی کچھ شخصاً ہو کر بولیں۔

”بے شک تم سبھی کے لیے میرے دل میں بڑی نجات ہے کریم..... پھر بھی حالات اور اپنی صحت سے گھبراہٹا ہوں..... ایک بیٹی کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ تم بس ظاہرہ کو کسی طرح راضی کرو..... لڑکیاں اپنے باپ کے گھر میں ہی بچتی ہیں یا پھر شوہر کے..... یہاں وہ اپنا جی مار کے رہ رہی ہے، ڈرتی ہے، جھجکتی ہے، حق سے ندرت ڈرتی ہے، نہ کچھ مانگتی ہے، بس اسی لیے میں کڑھتی ہوں۔“

”میں..... میں بات کروں گا ظاہرہ سے۔“ کریم احمد نے کمزور سے لہجے میں یقین دہانی کرائی تو سعیدہ خانم ہر جھٹک کر رہ گئیں۔

☆☆☆

سعیدہ خانم نماز ظہر پڑھ کر کھانے کے لیے بیٹھیں تو وانیہ نے ڈرتے، جھکتے انہیں مخاطب کیا۔

”پہچو، ایک بات کہوں.....“ نظریں میز کی سطح پر جمائے وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچی ہوئی تھی۔ سعیدہ خانم نے چونک کر اسے دیکھا۔ اکیس سالہ وانیہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے مقابلے میں بے حد سنجیدہ اور سمجھ دار تھی۔

”آپ بابا کو میرے حوالے سے مجبور مت کریں، میں زبردستی ان کے گھر میں اپنے لیے جگہ نہیں چاہتی۔“

”زبردستی کیوں.....؟ تم ان کی بیٹی ہو، حق ہے تمہارا..... اور پھر ظاہرہ کے خوف سے تو وہ تمہیں ہالکل ہی نظر انداز کرتا چلا جائے گا۔“ سعیدہ خانم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس کی پلکیں پھر بھیک گئیں۔ اپنے بھرم کو قائم رکھنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہے۔

”پہچو، میرا یقین کریں، مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، آپ مجھے یہیں رہنے دیں، میں کہیں جا ب کر لوں گی۔ آپ بس بابا کو باز پارت مت کہیں کہ مجھے اپنے گھر لے جائیں۔“

جھیلانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”نانو کیا یہ روز ہی دیر سے آتا ہے؟“  
”نہیں..... کبھی کبھی دیر سے آتا ہے، تاکر گیا  
تھا کہ دیر سے آئے گا۔“ نانو نے قدرے نرمی سے  
طرفداری کی۔

”آج تو میری وجہ سے دیر سے ہی آئے گا؟“  
”السلام علیکم.....! جیسی ثعلب اچانک ہی لاؤنج  
میں داخل ہوا تو مصحفی حریذ بولنے بولتے چپ کر گئی۔

”کیا ہوا.....؟ چپ کیوں ہیں آپ تینوں؟ یقیناً  
میری برائیاں ہو رہی ہوں گی۔“ وہ سامنے آکر پوچھنے لگا۔  
”ہاں، اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی کام ہی نہیں  
ہے۔“ مصحفی نے اسے جھگی سے گھورا۔

”آپ تو خاصی ناراض ہیں مجھ سے..... واقعی  
میں، میں مصروف تھا۔“ وہ وضاحت دیتا سامنے بیٹھ  
کر حریذ پوچھنے لگا۔ ”شہود بھائی اور بچے آئے نہیں  
آپ کے ساتھ؟“

”میرے علاوہ کوئی اتنا قانع نہیں ہے۔“ مصحفی  
نے ایک بار پھر جھگی سے جواب دیا۔

”اسی لیے آپ ہر دوسرے ہفتے ادھر نظر آتی  
ہیں۔“ وہ بے ساختہ بولا۔

”میں.....“ نانو نے فوراً اسے ٹوکا۔

”کہنے دیں نانو اسے..... میں ابھی طرح جانتی  
ہوں، یہ چاہتا ہے میں اس کی باتیں سن کر آنا چھوڑ دوں  
تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نانو کی  
طرف بڑھی۔ تو ثعلب محضرت کرنے لگا۔

”سوری آپ، میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔“  
”میں تمہارے سارے مطلب سمجھتی ہوں، تم ذرا

جلدی سے فریش ہو کر نانو کے کمرے میں آؤ۔“  
مصحفی، نانو کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے رعب سے کہہ کر  
چلی گئی تو وہ منہ بنا کر کھڑا رہ گیا۔

”بھائی کھانا؟“ مصحفی نے اسے متوجہ کر کے  
پوچھا تو نشی میں سر ہلانے کے بعد بولا۔

”نہیں..... بھوک نہیں ہے، شام کو کچھ کھالیا

”کیسی باتیں کر رہی ہو، وانیہ بچے تم ہم پر بوجھ  
نہیں ہو..... میں تو کریم کو اس کی ذمے داری کا  
احساس دلانے کے لیے ایسا کہتی ہوں..... تم نے سچ  
تو جواب کرنے کی بات کر لی آئندہ مت کہنا.....  
ورنہ۔“ سعیدہ خانم نے ایک دم تڑپ کر اسے دیکھا۔  
”پھوپھو..... میں تو.....“ پھوپھو کی جھگی پر وانیہ کی  
شرمندگی بڑھ گئی۔

”بس..... اب اور کچھ نہیں، آرام سے کھانا کھاؤ،  
تم یہاں بیٹی بن کر آئی ہو، بیٹی بن کر رہو۔ فضول کی  
سوچیں دماغ سے نکال دو..... رہا کریم اور میرا  
مقابلہ..... وہ میں جانوں اور وہ.....“ انہوں نے دو ٹوک  
انداز میں اسے سرزنش کر کے خاموش کر دیا۔ بظاہر تو وہ  
خاموش تھی مگر اس کے اندر عجیب سا طوفان اٹھ رہا تھا۔

☆☆☆

”شام کو جلدی گھر آ جانا..... مصحفی دوپہر تک  
آجائے گی۔“ ثعلب صبح گھر سے نکلنے لگا تو نانو نے  
اسے یاد دلایا۔

”اوہ..... واقعی آپی آرہی ہیں؟“ ثعلب نے  
مصحفی بے یقینی سے کہا تو نانو نے لہماسی نظروں سے  
اسے دیکھا۔

”تو کیا ہم تمہارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟“  
”میرے ساتھ تو مذاق ہی ہو رہا ہے شاید۔“ وہ

ہولے سے بڑبڑا کر پلٹا۔ ”آج میری اہم میٹنگ ہے،  
کوشش کروں گا کہ آجاؤں جلدی، پلیز بار، بار مجھے  
کال مت کروائے گا۔“ وہ جیسے حریذ سوالات سے بچ  
کر نکل بھاگا۔ نانو اس کے روتیوں سے آج کل  
پریشان ہی رہنے لگی تھیں۔ اس کی گہری سنجیدگی کبھی کے  
لیے تشویش ناک تھی۔ چھ ماہ پہلے تو وہ بہت ہنس کھ اور  
ہلا گلا کرنے والا تھا۔ ایک حادثے نے اسے اچانک  
بدل کر رکھ دیا تھا۔

مصحفی، نانو اور مصحفی بے چینی سے اس کے انتظار  
میں بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے ثعلب کے انتظار میں  
کھانا بھی دیر سے کھایا تھا۔ مصحفی کو انتظار کی کوفت نے

تھا۔ تم آرام کرو۔“ صحنی جانے لگی تو اسے ایک دم بچوں کا خیال آیا۔

”سنی، گولڈی تو سو گئے تھے آرام سے؟“

”کہاں بھائی! بڑی مشکل سے سلایا ہے، آپ نے انہیں اپنا عادی بنا کر اچھا نہیں کیا، گولڈی تو بہت تنگ کرتی ہے۔“

”آئندہ کوشش کروں گا کہ جلدی آ جاؤں..... اوکے تم جاؤ۔“ وہ بھی کچھ سوچتا ہوا پہلے بچوں کے کمرے میں چلا آیا جو اس کے کمرے سے ملحق تھا۔ دونوں بچے گہری نیند میں تھے۔ ثعلب نے جبک کیریاری... باری دونوں کو چومبا..... اس لیے اس کے دل میں صرف ان کے لیے محبت موجزن تھی۔ اس کا بس نہیں چنتا تھا کہ اپنا آپ ان پر غار کر دے..... وہ فریش ہو کر نانو کے کمرے میں آیا تو وہ دونوں اسے جاگتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ نانو اپنے بستر پر تنگیوں کے سہارے بیٹھی تھیں جبکہ صحنی انہی کے پاس تھی..... وہ آ کر ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی طالب علم اپنی سزا سننے کا منتظر ہو۔

”بیٹہ جاؤ، کیا کھڑے ہو کر میری بات سنو گے؟“

”صبح بات نہیں ہو سکتی۔ صبح میں بہت تھکا ہوا ہوں، بہت زور سے نیند آرہی ہے۔“ اس نے اداکاری کرتے ہوئے انہیوں سے آنکھیں مسلیں..... تو وہ اسے بھر گھور کر رہ گئیں۔

”مٹی آخر ایسا کب تک چلے گا؟“ نانو اس کی اداکاری پر مسکرائے بتا نہ رہ سکیں۔

”ک..... کیا مطلب.....؟ میں سمجھا نہیں۔“

”اس گھر کا نظام..... وہ زچ ہو انھی۔“ تم نے نانو جان کی صحت دیکھی ہے، یہ ان کے آرام کے دن ہیں اور یہ ہمارے لیے ہلکان ہوتی پھر رہی ہیں بلکہ تمہارے گھر کے لیے۔“

”جی.....؟“ وہ اب بھی غیر سنجیدہ ہو کر بولا تو صحنی جھنجھلا کر بولے لگی۔

”پلیز ثعلب..... ذرا سے باری چھوڑ دو، اتنے ننھے نہیں ہو کہ میری بات کا مطلب نہ سمجھ سکوں۔ بھابی یا عاقب بھائی زندہ ہوتے تو کیا گھر کا یہ حشر ہوتا؟ اور نانو اس طرح تو کروں کے پیچھے خوار ہوتیں؟“

”آئی..... کل ڈانٹا تو تھا سب کو..... آئی ہو پ وہ آئندہ کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔“ وہ اس بار کچھ سنجیدہ ہوا تو وہ نہ ماننے والے انداز میں کہنے لگی۔

”کوئی پڑتی نہیں ہے، ایک دن ڈانٹ کھا کر وہ ایک دن صحیح کام کر لیا گے پھر وہی روشن..... آخر تم نے سوچا کیا ہے۔“ آخر میں وہ اس سے پھر سوال کر رہی تھی۔ جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

”میں..... میں کیا سوچوں.....؟ میرا مطلب ہے ابھی ایک دم..... آہستہ، آہستہ ہی سب کچھ سہل ہو گا نا۔“ وہ گڑبڑا کر وضاحت دینے لگا۔

”تم کچھ مت سوچو..... لیکن جواب ہم سوچ رہے ہیں تمہیں اس پر عمل کرنا ہو گا۔“ صحنی کا رعب دیکھ کر وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔

”لیکن آئی.....! وہ..... اسے کوئی بات نہیں سوچ رہی تھی۔“

”تمہاری کوئی لیکن دیکھ نہیں چلے گی، بہت موقع دیا ہے تمہیں مگر تم سمجھتے ہی نہیں ہو۔“

”پلیز نانو..... ہیلپ می.....“ صحنی کے حتی انداز پر اس نے نانو کو بچوں کی طرح مدد کے لیے پکارا تو وہ بھی صحنی کی تائید میں بولیں۔

”بیٹا..... صحنی ٹھیک کہ رہی ہے۔“

”آپ بھی نانو..... آپ بھی؟“ وہ غیر یقینی تاثر کے ساتھ ہائی دیتا صحنی کو مزید زچ کر گیا۔

”بی سیریس..... ثعلب! تم اب پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ چکے ہو، کالج ٹائم کے کامیڈین نہیں کہ ہر بات مذاق میں اڑاؤ گے، تمہیں اب سنجیدگی سے شادی کے بارے میں فیصلہ کرنا ہو گا۔“ صحنی آئی کے حتی انداز اور سنجیدہ رویے پر وہ بھی ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

”میرے لیے یہ اتنا آسان نہیں ہے، سب کچھ







مقدم تھیں۔ بتا کہے وہ ان کے دل کی بات سمجھ جاتی تھیں۔ اسے یاد تھا۔ اس کے دل کی چوری بھی انہوں نے ہی پکڑی تھی۔ نہ صرف پکڑی تھی بلکہ اس کی تائید و حمایت بھی کی تھی۔ جلتے سگریٹ سے اس کی انگلیاں جلنے لگی تھیں۔ وہ ایک دم چونک کر سگریٹ راکھ دان میں مسل کر بیڈ سے اٹھا اور کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔ کھلی کھڑکی کے باہر تار کی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف سانا گونج رہا تھا مگر اس کے اندر تو شور ہی شور تھا۔ وہ کھڑکی کے کھلے پٹ سے لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ماضی اسے پھر اٹھا طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کی سوچیں متحرک تھیں اور وہ ساکت تھا۔

اسے ایک، ایک لمحہ یاد تھا۔ خصوصاً اپنی زندگی سے وابستہ وہ دلکش جذبہ اور اس کی بازیابی کے لیے کوشش..... یہ ان دنوں کی بات ہے جب اس کے دل میں صنف مخالف کی کشش نے الوہی جذبے کو جنم دیا تھا۔ شیریں پھوپھو کے مادی برتری سے چور رویتے کے باوجود اس کے دل میں ان کی اکلوتی بیٹی رومانہ کے لیے محبت پنپنے لگی تھی۔ اور ایسا رومانہ کی پیش قدمی پر ہی ہوا تھا۔ یونیورسٹی میں وہ اس سے جو تیز تھی۔ پھوپھو نے خصوصی طور پر اس کا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ وہ اتنی ہی اہمیت پر ہی نازاں ساروی پر نگاہ رکھتے، رکھتے اسے دل میں بسا گیا تھا۔ اس روز بھی یونیورسٹی سے آکر دوبارہ تیاری کے ساتھ گھر سے نکلنے لگا تو لاؤنج میں بیٹھی حمکین بھابی نے اسے خاص نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”خیریت ہے، آج کل تم شیریں پھوپھو کی طرف زیادہ ہی جانے لگے ہو؟“

”آپ سے کس نے کہا؟ میں تو کئی دن پہلے آپ ہی کے ساتھ گیا تھا۔“ اس کی غلط بیانی پر انہوں نے اسے سنجیدگی سے گھور کر ٹوکا۔

”جھوٹ مت بولو، اس طرح روز، روز جانا اچھی بات ہے کیا؟ تمہارے فائل سر پر ہیں، میں دیکھ رہی ہوں، تمہاری توجہ پڑھائی پر نہیں ہے۔“

”رات کو پڑھتا ہوں ناں..... اب آپ نیند میں

آغاز دوں..... مگر کیسے بھول جاؤں؟ وہ اذیت آمیز لمحے، جن کی جلن سے میری روح تک ٹکار ہو گئی ہے، جن کا کرب آج بھی میرے دل میں اسی شدت سے کروٹیں لیتا ہے، جس طرح بیڈ لیتا تھا۔“ سوچتے، سوچتے اس نے جلدی، جلدی سگریٹ کے سس لگا کر اس کا کثیف دھواں بھی اندر پھینچو دوں میں اتارا جیسے یہ دھواں اس کے درد کو کم کر دے گا۔

”میں بھول سکتا آپی..... میں کچھ بھی نہیں بھول سکتا۔“ اس نے سگریٹ کو راکھ دان میں بری طرح مسل کر نیا سگریٹ سلگا لیا۔ وہ خود بھی سر تاپا سا لگا رہا تھا۔ ماضی کی ریل اس کے ذہن میں چلنے لگی تھی۔

یہ مگر فاران ولا شروع سے تو ایسا نہیں تھا، یہاں تو خوشیاں مجسم صورت میں قائم تھیں۔ بہار کے سارے رنگ اس گھر کے آگن میں کھلتے تھے..... ان خوشیوں اور رنگوں کو برقرار رکھنے والی ایک ہی ہستی تھی۔

حمکین نیازی جو اس گھر میں عاقب بھابی کی نسبت سے آئی اور پھر پورے گھر کو جنت کا گہوارا بنا دیا..... جس نے اس گھر کے روتے، بکتے افراد کو اپنی مسکراہٹیں دے کر جینا سکھا دیا تھا۔ عاقب بھابی نے بھی اس گھر اور اپنی بہنوں اور بھائی کے لیے اپنی محبت سے آزمائش مانگی تھی۔ ان کی محبت آزمائش میں پوری اتری تھی۔ حمکین بھابی نے ان کی تعمیر و تربیت کے لیے اپنے دن رات وار دیے تھے۔ ماں کی جدائی سے ڈرے سبے صہنی، ثعلب اور صہنی ان کے محبت بھرے رویے سے جلد ہی سنبھل کر زندگی کو نعمت سمجھ کر بیٹے لگے تھے۔

حمکین بھابی نے اپنی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی صہنی آپی کی شادی جس ذمے داری سے کروائی تھی، وہ قابل رشک تھا۔ سبھی ان کے حسن سلوک سے متاثر تھے۔ ثعلب جو چھوٹا ہونے کی وجہ سے سبھی کالا ڈلا تھا اور لاڈ میں بگڑ چلا تھا۔ حمکین بھابی کی توجہ اور پیار نے اسے تراش خراش کر ہیرا بنا دیا تھا۔ انہوں نے تو جیسے اپنی زندگی ان ہی بہن، بھائیوں کے لیے وقف کر دی تھی۔ ان کی خوشیاں، ان کی ضروریات، ان کے لیے

تو مجھے پڑھتے نہیں دیکھ سکتیں۔“ وہ تقریباً کرتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے شیریں پھپھو کے گھر تم نہیں تمہارا بھوت جاتا ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ اس نے نہ مانتے ہوئے ڈھٹائی سے تردید کی تھی۔

”جو اس نہیں کرو، تم کہیں رومانہ کے پیچھے اس نے بھی تمہاری ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہے نا؟“ وہ جیسے اس سے اگھوانا چاہتی تھی۔

”تو..... کیا وہ چلی لڑکی ہے جس نے وہاں ایڈمیشن لیا ہے؟ آپ خواہ مخواہ مجھ پر شک کر رہی ہیں۔ سچ کہہ رہا ہوں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے انہیں تالنا چاہا۔

”تم مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو، مت بھولو، میں تمہیں پڑھا چکی ہوں۔“ حکیمین بھابی نے اس کا کان پکڑ کر ہنستے ہوئے مروڑا تو وہ کراہ اٹھا۔

”اور..... گزشتہ آٹھ سالوں سے میرے ہی کان کھینچ رہی ہیں۔ میں اب آٹھویں کلاس کا بچہ نہیں ہوں، یونیورسٹی جاتا ہوں، پلیز اپنا attitude بدلیں۔“ اس نے زبردستی اپنا کان چھڑاتے ہوئے وہائی دی تھی۔ حکیمین بھابی اس کی حالت زار پر ایک دم ہنس دی تھی۔ پھر دوستانہ انداز میں پوچھنے لگیں۔

”اچھا..... پھر سچ سچ بتاؤ..... شیریں پھپھو کے گھر روز بروز جانے کا معاملہ کیا ہے؟ ویسے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، اس سلسلے میں۔“

”ابو میں اتنی دیر سے رعب جماڑ رہی تھی، آرام سے پوچھتیں تو میں بتا دیتا، کم از کم میرے کانوں کی لمبائی میں تو مزید اضافہ ہوا ہوتا۔“

”اچھا! اب بات تمہارا نہیں، میرا اندازہ درست ہے ناں کہ تم رومانہ میں انٹرنل ہو؟“

”بات اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ رومانہ مجھ میں انٹرنل ہے۔“ وہ شوخی سے چپکا۔

”اچھا..... تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے۔ پھر

کیا ارادے ہیں..... جایا جائے پھپھو کے پاس، کوئی ہلکا گلا کیا جائے؟“ انہوں نے بھی خاصی دلچسپی سے پوچھا تھا۔ ثعلب کو یقین تھا اس کی خوشی سبھی کو عزیز ہوگی۔ وہ جب..... جس سے بھی شادی کرنا چاہے گا کوئی بھی اعتراض نہیں اٹھائے گا۔

”اتنی جلدی کیا ہے بھابی..... ابھی مجھے ذرا اپنی ویلیو بڑھانے دیں۔“ ذرا بے نیازی دکھاتا وہ اس وقت وہاں سے چلا گیا تھا۔

”بے وقوف.....“ بھابی کی ہنسی اسے اپنی پشت پر سنائی دی تھی۔

☆☆☆

”سنو روی..... بھابی جان کو ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔“ ثعلب نے فوراً ہی جا کر رومانہ کو اطلاع دی تھی۔

”تم نے خود بتایا نہیں..... تمہارے دل میں کوئی بات رہ سکتی ہے.....؟“ رومانہ بوکھلا کر پوچھنے لگی۔ وہ اس کی بوکھلاہٹ و جھنجلاہٹ سے محفوظ ہوا تھا۔ بولڈی رومانہ اس وقت اچھی لگ رہی تھی۔

”دل میں تو تم رہتی ہو۔ اس لیے وہاں کوئی اور کیسے تک سکتی ہے۔“ وہ بے ساختہ ہنسا۔

”اس کا مطلب ہے تم نے انہیں یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں..... میں نے تم سے خود..... اظہار کیا.....“

”ظاہر ہے، میں ان سے کچھ نہیں چھپا سکتا۔“

”انتہائی بے شرم انسان ہو تم..... کیا سوچا ہوگا انہوں نے میرے بارے میں.....؟“ رومانہ نے اپنی ہائی پونی کا کچر اتارا اور اس پر غصے میں اچھال دیا..... جسے اس نے خوب صورتی سے کھینچ کر لیا۔

”یہی سوچا ہے جو تم نے سوچا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ ثعلب کا بڑھایا ہوا کچر اس نے جھپٹ کر پکڑا۔

”وہ بھی تمہیں اپنی دیورانی بنانے کا سوچ رہی ہیں۔“ جواباً پہلے تو وہ اسے گھورے گئی۔

”رنگی..... تم سچ کہہ رہے ہو؟“ ایک دم ہنس کر

”کیا بات ہے۔ آج کل گھر پر نظر آرہے ہو.....  
رومی سے لڑائی چل رہی ہے؟“ بھابی کا انداز ایسا تھا  
کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔

”آپ کو تو پامسٹ بن جانا چاہیے۔ آج کل ہر  
چینل پر بڑی ویڈیو ہے ان لوگوں کی۔“

”بس تم تو شروع ہو جایا کرو..... مجھے سچ، سچ  
بتاؤ کیا بات ہے..... رومی بھی کئی دن سے نہیں آئی۔“

”مصرف ہو گئی ہے، آپ کو یاد آرہی ہے تو  
بلا لیں۔“ ثعلب نے فوراً ہی سیل فون اُن کی طرف

بڑھا دیا۔ سبزی بناتے ہوئے انہوں نے اسے جاہتی  
نظروں سے دیکھا۔

”مجھے یاد آ رہی ہے۔ یا..... تمہیں؟ کوئی جھگڑا ہے  
تو بتا دو..... ہم صلح صفائی کر دیتے ہیں۔ بلکہ میں تو

سوچ رہی ہوں کہ تمہارے دل کی مراد مانگنے پھو کے  
پاس چلی ہی جاؤں۔“

”آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کے دیور کو اپنی بیٹی  
دینے پر تیار ہو جائیں گی؟“ وہ قدرے سنجیدگی سے

پوچھنے لگا تھا جس پر بھابی نے فرط محبت سے جوش  
میں کہا۔

”سو بار..... میرا اتنا پیارا لائق، فائق ایک ہی تو  
بیٹا ہے یہ تو ان کی خوش نصیبی ہوگی کہ ان کی بیٹی کو ہم

تمہارے لیے مانگیں گے۔“

”اوسونٹ بھابی، اب مجھے اتنا بھی نہ چڑھائیں  
کہیں میری لائق، فائق ہی آڑے نہ آجائے۔“ ثعلب

نے ہنسی میں بات اڑائی تو وہ سنجیدہ ہو گئیں۔

”کیا مطلب..... تمہیں خود پر اعتماد نہیں ہے؟“

”اعتماد ہے..... لیکن ابھی رومانہ کے فائل تک  
ایسا کوئی سلسلہ نہیں چلے گا۔ وہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔

ابھی آپ چین کی بانسری بجانیں یا پھر اپنے پیارے،  
پیارے بچوں کو ٹائم دیں..... سنی کل مجھ سے شکایت

کر رہا تھا کہ اس کی ماما اس کے ساتھ نہیں کھیلتیں۔“

”تم بات گھمانے میں بہت ماہر ہو..... میں  
تمہاری شادی تو ابھی نہیں کر رہی..... صرف جاہتی

شرساری سے بولی۔

”ہنڈرڈ پرسنٹ۔“

”سنوٹھی..... میں نے بھی ماما کو بتا دیا ہے کہ  
تمہارا پروپوزل آئے تو وہ فوراً accept کر لیں۔“

”کچھ دن بعد رومانہ نے بھی اسے اپنی طرف سے یقین  
دلا کر اس کے خدشے دور کر دیے۔

”تو پھو نے کیا کہا..... وہ راضی ہیں؟“

”ظاہر ہے وہ میری خوشی کے لیے اپنے ارادوں  
کو بھی بدل سکتی ہیں۔“

”پھو کے ارادے کیا ہیں؟“ برگر کھاتے ہوئے  
ثعلب نے کچھ الجھن سے پوچھا۔

”کہ..... کچھ نہیں..... بس پاپا کو راضی کرنا ہے  
ناں..... تم تمکین بھابی کو بھی تیار رکھنا، میں جب کہوں تم

پروپوزل لے کر آ جانا..... اوکے.....“

”ہم تو صبح آنے کے لیے تیار ہیں۔“ ثعلب  
نے شریر نظروں سے دیکھ کر چھیڑا۔

”ابھی نہیں..... پہلے پاپا سے تو بات کرنے  
دو۔“ رومانہ نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔

”ڈرا جلدی بات کر لینا..... ایسا نہ ہو کہ مجھے کوئی  
اور لے اڑے اور تم دیکھتی رہ جاؤ۔“ ثعلب نے مذاق

سے چھیڑا تو اس نے بے اختیار ہی کولڈ ڈرنک کا گلاس  
اس پر اچھال دیا۔ ثعلب اس افتاد پر حیران پریشان سا

دیکھا رہ گیا۔

”خبردار جو تم نے کبھی ایسا سوچا بھی..... میں اس  
کے ساتھ، ساتھ تمہیں بھی مار دوں گی اور خود بھی

مر جاؤں گی، یاد رکھنا.....“ وہ غصے سے اٹھی اور کہنے  
پھریا سے باہر چلی گئی۔ ثعلب ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتا

فوراً اس کے پیچھے لپکا تھا۔

☆☆☆

کئی دن تک رومانہ اس سے ناراض رہی تھی۔  
ثعلب کو لگا تھا کہ اس سے ساری دنیا ناراض ہو گئی ہے۔

تمکین بھابی سے بھی اس کی بے ترتیبی چھپی نہیں رہ سکی  
تھی۔ اسے گھر میں گئے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگیں۔

ہوں کہ کوئی رسم ہو جائے..... ایسا نہ ہو کہ ہماری خاموشی ہمارے لیے ہی نقصان دہ بن جائے۔ اور پھر میرے بجائے تم جین کی بانسری بجاتے پھر.....“

بھابی نے رسائیت سے سمجھایا  
”واقعی، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں ہے۔“ وہ بے ساختہ بولا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

”اب کیا ارادہ ہے؟“ انہوں نے اسے چھیڑا تو وہ مصنوعی سنجیدگی سے سر جھکا کر بولا۔

”جو آپ کی مرضی..... میں تو آپ کا تابع و فرمانبردار ہوں۔“

”واہ، واہ جانتی ہوں تمہاری تابعداری.....“ اس کی اداکاری پر سبزی سینٹے ہوئے وہ ڈانگ ٹبل سے اٹھتے ہوئے بے ساختہ ہنستے ہوئے بولیں۔

”تو کیا آپ کو شک ہے کوئی..... آپ کہیں تو میں ابھی رومانہ کو بھلا دوں۔“

”نکو اس نہیں کرو، میں کیوں کہوں گی تمہیں۔ اللہ تمہیں سارے جہان کی خوشیاں دے۔ جاؤ تم اسے فون کرو اور پوچھو کہ ہم کس دن آئیں.....“

”تھکین بھابی نے بڑھ کر اسے ایک چپٹ لگائی تو وہ ہنستا چلا گیا۔ اسے اپنی قسمت پر ناز تھا۔ وہ جو چاہتا تھا پالیتا تھا۔“

☆☆☆

ثعلب اگلے دن ہی یونیورسٹی اسے منانے پہنچ گیا تھا۔ اس نے رومانہ کو کوئی کلاس نہیں لینے دی تھی۔

”تم خود تو فارغ ہو چکے ہو، مجھے تو جین سے اپنا فائل کاپیٹ کرنے دو۔“ وہ ناراضی ظاہر کرتی بے دلی سے اس کے سامنے کیسے ٹھیرا میں بیٹھی کہہ رہی تھی۔

”تمہارا فائل کاپیٹ ہونے سے پہلے میں اپنا مشن پورا کرنے جا رہا ہوں۔“

”کیہ... سا... مشن.....؟“ وہ اس کی سنجیدگی پر حیرانی ظاہر کیے ہٹانہ رہ سکی۔ مٹی نے کچھ عرصہ پہلے اس سے باہر جانے کا ذکر کیا تھا۔ وہ اپنے بزنس سے متعلق کوئی کورس کرنے باہر جانا چاہتا تھا۔

”میری رات کا تو اب ایک ہی مشن ہے۔“

ثعلب نے اس کا تجسس بڑھایا تھا۔

”ہاں..... جاؤ اپنے مشن پورے کرو، یہاں چاہے میں کسی اور کے لیے بندھ کر مرکب جاؤں۔“

رومانہ ایک دم چڑ کر اٹھنے لگی تھی تو مٹی نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر دو بارہ ہٹھالیا۔

”اسٹو پڈ..... اتنی بدگمان کیوں ہو رہی ہو مجھ سے..... میں ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گا.....! اور پھر کیا تم اتنی کمزور ہو جو آسانی سے کسی اور کے ساتھ بندھ جاؤ گی۔“

”تم کچھ نہیں کرو گے تو میں تو کمزور ہی پڑ جاؤں گی ناں.....“ وہ کچھ آرزوگی سے بولی۔

”تم نے خود ہی تو مجھے روکا ہوا تھا لیکن اب میں تمہاری نہیں مان رہا۔ بھابی جان اور آپی کچھ دنوں میں پھپھو کے پاس جا رہی ہیں۔ اپنے گھر میں سارا معاملہ تمہیں سنبھل کرنا ہے، اوکے.....! رومانہ تو سنتے ہی کھل اٹھی تھی۔ دونوں سارا دن ساتھ رہے.... اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔“

☆☆☆

سارا خاندان جانتا تھا کہ ثعلب اور رومانہ ایک دوسرے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی محبت شیریں پھپھو اور ایاز پھوپا سے بھی پوشیدہ نہیں تھی پر ایاز اکرم دل سے اس رشتے پر راضی نہیں تھے۔ وہ بیٹی کو اپنے سے بھی اونچے خاندان میں بیاہنے کے متمنی تھے مگر پھر بیٹی کی خواہش و ضد کے آگے مجبور ہو کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس طرح تھکین بھابی کی کوششوں سے ایک سادہ سی تقریب میں انہوں نے ثعلب کے نام کی انگوٹھی رومانہ کو پہنا کر جیسے ان کے رشتے کو ایک نام دے دیا تھا..... پھر تو جیسے دونوں کو ہی زندگی کی انمول خوشی مل گئی تھی۔ ثعلب نے عاقب بھابی کے ساتھ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ رومانہ کے بھی فائل سمسٹر ہو رہے تھے، بھابی جان اندر ہی اندر اس کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں، رومانہ کے فائل سمسٹر ہوئے ہی تھے کہ اس کی پھپھو پندرہ سال بعد اپنے بیٹے روہیل کے

خون کرنے کے ورے ہو جائیں گے۔ انہوں نے مٹی کے ساتھ اپنا رویہ بالکل بدل لیا تھا۔ وہ آتا تو اسے رومانہ سے ملنے نہ دیا تھا یا پھر بتایا جاتا.... کہ وہ اپنے کزن کے ساتھ گھومنے پھرنے گئی ہوئی ہے..... ثعلب کا رومانہ کے ساتھ رابطہ ہوتا تو وہ چند باتیں کر کے معذرت کرتی فون بند کر دیتی۔ ثعلب کی بے چینیوں بڑھنے لگی تھیں۔ اڑتی، اڑتی کئی باتیں اس کے بھی کانوں میں بڑھ رہی تھیں کہ شیریں پھوپھو اپنی طرف سے یہ رشتہ ختم کر چکی ہیں۔ ثعلب نے ایک دن رومانہ کو باہر لٹے پر زبردستی راہنی کیا تو وہ ریٹورنٹ میں اس کے سامنے بیٹھ کر رو پڑی مٹی۔

”مٹی..... میں تمہارے علاوہ کسی اور کا نہیں سوچ سکتی۔ مجھے نہیں معلوم ماما، پاپا اجا تک کیوں بدل گئے۔ انہیں میرا..... میری خوشیوں کا کوئی خیال نہیں ہے۔ میں نے اپنی پھوپھو کو اپنے اور تمہارے بارے میں بتا بھی دیا ہے۔ پھر بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے۔“

”کیوں فرق نہیں پڑ رہا..... ہماری اچھٹ ہو چکی ہے۔ تم ٹکرنہ کر رو مٹی..... میں پھوپھو سے جا کر خود بات کرتا ہوں۔“ ثعلب نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے جیسے خود کو بھی ہمت دلائی تھی اور پھر وہ رومی کو گھر چھوڑنے آیا تو پھوپھو گھر پر تھا تھیں اسے موقع مل گیا تھا۔

”پھوپھو آپ لوگ ہمارے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں کچھ احساس ہے آپ کو؟“ وہ ان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں ان کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی شیریں پھوپھو کے ماتھے پر ہل پڑ گئے تھے۔

”ہمیں احساس دلانے والے تم کون ہوتے ہو؟“ انہوں نے خاصی بدل لگائی سے اتنی اسی سے پوچھا تھا۔

”آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ آپ رومی اور میرے ساتھ جو کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں آپ کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔“ مٹی نے انہی کے انداز میں بات کی تو وہ مارے غصے کے چلا انہیں۔

ساتھ کینیڈا سے چلی آئیں۔ ایاز اکرم تو بہن کو دیکھتے ہی نہال ہو گئے۔ شیریں پھوپھو بھی ان کے ٹھاٹھ باٹ سے متاثر و مرعوب ان کے آگے بچھے بچھے گئیں۔ رومانہ کو پھوپھو کی وارنٹی اور روٹیل کی بے تکلفی ٹیکس تو اس نے ماں سے شکایت کر ڈالی۔

”ماما..... مجھے روٹیل بھائی کی بے تکلفی ابھی نہیں لگتی، آپ نے پھوپھو کو بتا دیا ہے ناں کہ میں انگلیجڈ ہوں مٹی کے ساتھ۔“

”نہیں..... اور تمہیں بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ انہوں نے خاصی سنجیدگی سے اسے ٹوکا تو وہ حیران رہ گئی۔

”کیا..... مطلب؟ آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟“

”تمہارے پاپا کا خیال ہے کہ ہم نے تمہاری اچھٹ کر کے جلد بازی سے کام لیا ہے۔“ ان کے تئیر بدلے ہوئے تھے۔

”کیا.....؟“ رومانہ کو دھچکا سا لگا تھا۔ ”میں غلط نہیں کہہ رہی مٹی کے پاس تمہارے لیے کیا ہے سوائے ڈتے دار یوں کے تم نے ساری زندگی اپنی مرضی سے گزاری ہے۔ وہاں جا کر حکمین کی جی حضوری کر سکو گی؟ اچھی طرح جانتی ہو وہاں اس کا ہولڈ ہے.....“

ماما نے اسے حیران کر دیا تھا۔

”ماما.....! آپ نے پہلے تو یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ مٹی کا پروپوزل accept کرتے وقت آپ کو ان باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا..... اب۔ لوں اچانک۔“ رومانہ سے بات کرنا مشکل ہو رہی تھی۔

”اس وقت ہمارے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔ اب زبیدہ آپا نے آ کر روٹیل کے لیے خود کہا ہے۔ تمہارے پاپا اپنی بہن کو مایوس نہیں کریں گے۔ بہتر ہے تم ثعلب کے بجائے روٹیل میں دلچسپی لو..... یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔“ شیریں دو ٹوک انداز میں فیصلہ سنا کر اسے لاؤنج میں تنہا چھوڑ گئیں۔ وہ حیران پریشان ہو کر رونے لگی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ماما، پاپا ہی اس کے ارمانوں کا

”ثعلب..... بھڑھوگا..... تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔“  
 کوئی حتمی فیصلہ کیے سے بغیر تو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ اچانک بلاوجہ اس طرح کا کوئی اسٹیپ کیسے لے سکتی ہیں۔“ اس بار وہ قدرے غل سے بولا تھا۔

”ہم نے بلاوجہ کوئی فیصلہ نہیں بدلا..... ایاز تو پہلے ہی بڑی مشکل سے اس بے جوڑ رشتے کے لیے مانے تھے۔ صرف رومی کی ضد پر..... اب روحیل تم سے لاکھ درجے بہتر اس کے لیے خود خواہش مند ہے تو ہم اپنی بیٹی کے ساتھ دشمنی کیوں کریں؟ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ بھائی کے دست نگر ہو..... اور گھر پر بھادج کا سکہ چلتا ہے۔ رومانہ تو تمہارے ساتھ اپنی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کو بھی ترس جائے گی۔ اس کے پوری دنیا گھومنے کے خواب کون پورے کرے گا۔ تمہاری اتنی چادر ہے کہ تم شاید اسے اسلام آباد تک ہی لے جاؤ۔“  
 شیریں پھپھو تاک تاک کر اس کی عزت نفس پر وار کر کے اس کی خود داری کی دیگیاں بکھیر رہی تھیں۔ انہیں ان کی حیثیت سے بھی کم تر ثابت کرنے کے لیے وہ کیسے، کیسے جواز دے رہی تھیں۔ وہ حیران ہو رہا تھا۔ یہ اس کی سگی بچھو تھیں۔

”یہ ساری خامیاں اور باتیں آپ کو اس وقت یاد کیوں نہیں آئی تھیں؟“ ثعلب نے بھی وہی بات وہی سوال کیا جو رومانہ نے بھی کیا تھا۔ انداز میں البتہ فرق تھا۔ ثعلب انہوں سے پوچھ رہا تھا۔

”سب کچھ یاد تھا..... مگر رومانہ کی ضد نے ہمیں مجبور کر دیا تھا۔ مگر اب ہم اس کی ضد پر اس کی زندگی برباد نہیں کریں گے۔ روحیل کے ساتھ اس کی زندگی آئیڈیل ہوگی۔ بس اب میرا دماغ مت چالو..... اور یہاں سے چلے جاؤ۔“

”بچھو..... آپ اچھا نہیں کر رہی ہیں۔ میں آپ کو صاف بتا رہا ہوں کہ اگر آپ نے اپنا فیصلہ نہ بدلاتو میں رومی کو زبردستی یہاں سے لے جاؤں گا۔“ ثعلب

جوش سے بولنا اٹھ کھڑا ہوا تو شیریں بچھو بھی اس کے مقابل آکر کافی غصے سے پھھر کر بولیں۔

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، تمہاری اتنی..... جرات!“ بولتے، بولتے انہوں نے اس کے گال پر طمانچہ بھی مار دیا۔ وہ ہٹکا بٹکا پہلے تو انہیں دیکھے گیا اور پھر پلٹ کر وہاں سے لکڑا چلا گیا۔ رومانہ بھی سی ورداز سے میں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ ثعلب کو روکتی یا پھر اپنی ماما سے جا لڑتی..... وہ جہاں کھڑی تھی وہیں غصتی چلی گئی۔

☆☆☆

ثعلب کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیسے اس معاملے کو سلجھائے۔ بچھو کے ارادے اٹل اور حتمی محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اپنی پریشانی میں آفس جانے کے بجائے سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ اسے بے وقت گھر آتے دیکھ کر حکیمین بھائی کو تشویش ہونا لازمی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آکر آنکھوں پر ہانڈو رکھے نیم دراز ہوا تھا کہ حکیمین بھائی اس کے پیچھے چلی آئیں۔

”کیا ہوا؟ خیریت ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اس وقت گھر چلے آئے ہو.....“ ان کی آواز سن کر اس نے فوراً آنکھوں سے ہانڈا ہٹایا اور پھر سیدھا ہو کر یولا۔  
 ”ڈونٹ وری..... میں ٹھیک ہوں، آج آفس میں بیٹھنے کا دل نہیں تھا..... سو جلدی آ گیا۔“ بچھو مسکراہٹ کے ساتھ اس نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”اچھا..... کیا کہنے تمہارے دل کے..... مجھ سے جھوٹ بولنے سے پہلے پریشانی تو کر لیتے..... سچی، سچی بتاؤ..... کیا پریشانی ہے، رومی کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟ وہ بھی کافی دنوں سے ادھر نہیں آئی۔“ حکیمین بھائی نے اس کی چوری پکڑتے ہوئے اگوانے کی کوشش کی تھی۔ جس پر وہ پھر مصنوعی طور پر مسکراتے ہوئے بہانہ بنا گیا۔

”آپ کو معلوم تو ہے کہ اس کی بچھو وغیرہ ان کے گھر آئے ہوئے ہیں۔ اس لیے اسے ادھر آنے کا

”مما، ماما پلیز ایسا قلم مت کریں..... آپ اچھی طرح جانتی ہیں..... میں مٹی سے محبت کرتی ہوں اگر..... وہ مجھے نہ ملا تو مر جاؤں گی۔“ رومی ذرا سنبھلی تو روتے ہوئے ماں کے قدموں میں آ بیٹھی تھی۔

”فضول کی باتیں مت کرو..... زندگی خالی، خوبی محبت کے سہارے نہیں گزارنی جاتی۔ کل کو ایک بھی ضرورت نہ پوری ہوئی تو تم ہمیں ہی الزام دو گی کہ ہم نے کیا سوچا تھا۔“ شیریں پھونکنے جی کو کافی غصے سے ڈپٹا۔

”مما..... ماما.....! میں آپ سے کبھی شکایت نہیں کروں گی، آپ پاپا کو سمجھائیں کہ میں صرف اور صرف مٹی کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔“

”ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ جاؤ اپنے کمرے میں، لو کروں کو تماشا مت دکھاؤ۔“ انہوں نے جس انداز میں اسے گھورا تھا اس پر رومانہ بھی حیران تھی، یہ اس کی وہی ماما تھیں جو اس کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ دلبرداشتہ سی ہو کر اٹھی، جی شیریں نے اسے سمجھنے کی۔

”خبردار جو تم نے زدنی آیا اور روٹیل کے سامنے اپنا رونا رونا دیا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ ٹھیک ہے پھر میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر یاد رکھیں میں زہر کھالوں کی مگر مٹی کے علاوہ کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔“ وہ انہیں دھمکاتی وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ شیریں پھونکنے کے بل اور غصہ بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

رومی نے رونے دھونے سے فارغ ہو کر کچھ سوچتے ہوئے تھلب کو فون کیا تو وہ بھی کافی حد تک خود کو سنبھال چکا تھا۔

”مٹی.....! آئی ایم سوری..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ماما تمہاری اس قدر اسلف کریں گی۔“ رومی کی معذرت مٹی کے دل کا مال قدرے کم کر گئی تھی۔

”کوئی بات نہیں..... میں ان کے روتے

موقع نہیں مل رہا، میں تو روز ہی اس سے مل لیتا ہوں۔“ اس کے مصنوعی پن پر جھکین بھابی کے چہرے کا رنگ یک دم اڑ گیا تھا۔

”مٹی..... تم کیا چھپا رہے ہو مجھ سے.....؟ مہمان تو اس گھر میں آتے ہی رہتے ہیں مگر رومی کی غیر حاضری پہلی بار ہوئی ہے..... اور پھر کچھ باتیں میرے کانوں میں بھی پڑ رہی ہیں..... کیا ہے وہ سب.....؟“ اس کے چہرے پر پھیلتا دھواں انہیں بہت کچھ سمجھا گیا۔

”ہاں..... وہ سب سچ ہے، پھونکنے کی نیت بدل گئی ہے اور ارادہ بھی.....“

”کیا مطلب.....؟ کون سا ارادہ.....؟“ وہ الجھ کر پوچھ رہی تھیں۔

”رومی اور میری شادی کا.....“

”کیا.....؟“ غیر متوقع بات سن کر وہ جیسے حج ہی اٹھیں۔ اس وقت مضمون اور بیچے اپنے، اپنے مشاغل میں مگن تھے۔ ورنہ بھابی کے اس ردِ عمل پر وہ بھی سہم جاتے۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں..... میں خود اپنے کانوں سے یہ سب سن کر آ رہا ہوں۔“ اس نے بھی اسی اذیت کو محسوس کر کے بات دہرائی تو وہ اب بھی بے چینی سے بولیں۔

”وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم دونوں کی باقاعدہ انجمنٹ ہوئی ہے، سارا خاندان جانتا ہے میں خود جاؤں گی عاقب کے ساتھ..... وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتیں..... تم فکر نہیں کرو..... ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کوئی کھیل تو نہیں ہے کہ جس کے اصول وہ اپنی مرضی سے بدل لیں گی..... تم ریٹیکس کرو..... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں نانو کو بھی بلوائی ہوں..... اوکے.....! جھکین بھابی نے اس کا سر سہلاتے ہوئے اسے کھل طور پر مایوسی سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر ایک خوف رومی کو کھودینے کا..... اس کے اندر کنڈلی مار کے بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

جس کی بازی آپ اپنی مرضی سے کھیلیں گے؟“ شیریں بھی ششدری کھڑی تھیں۔

”رومانہ..... نہ.....!“ وہ ایک دم آگے بڑھیں اور رومانہ کے منہ پر کس کے تھپڑ جڑو دیا۔ ”تمہیں ساری تیز بھول گئی ہے..... ہم نے اس دن کے لیے تمہیں بردان چڑھایا تھا؟“ رومی کو جیسے اس تو عمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

”کان کھول کر سن لو شیریں..... آج کے بعد یہ اس لڑکے سے نہیں ملے گی۔ اس کا سیل فون لے لو..... میں زوبلی آپی سے کہتا ہوں کہ وہ جلد از جلد نکاح کی تیاری کریں۔“ رومانہ کو اس اچانک فیصلے نے مزید دھچکا لگایا۔

”پاپا..... آپ ایسا نہیں کر سکتے..... میں مہی کے بغیر مہراجاؤں کی..... خود کو شوٹ کر لوں گی۔“ وہ پھر سے نرگھڑانے لگی۔ منہ کرنے لگی جیسے اسے یقین ہو کہ اس کے مہا، پاپا ہمیشہ کی طرح اس کی یہ خواہش مان لیں گے۔

”اگر تم نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو یاد رکھنا رومی..... تم سے پہلے میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔ میں اپنی بڑی بہن کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ سمجھاؤ، شیریں اپنی بیٹی کو۔“ وہ دم مکی دے کر وہاں سے نکلنے چلے گئے۔ ماں نے بیٹی کو ملاستی نظروں سے دیکھا۔

”سن لیا ہے ناں تم نے..... ثعلب تک جانے کے لیے تمہیں صرف اپنے باپ کی نہیں میری بھی لاش پر سے گزرنا ہوگا..... فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

شیریں نیگم رومی کا سیل فون لیے کمرے سے چلی گئیں۔ وہ پہلے تو وحشت بھری نظروں انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر بیڈ پر گر کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

ثعلب کی بے قراری مزید بڑھ گئی تھی۔ اس کا وجدان کہہ رہا تھا۔ رومانہ مشکل میں ہے، جس طرح کال منقطع ہوئی تھی اور پھر رابطہ بحال نہیں ہو پا رہا تھا صاف لگتا تھا۔ کسی نے اس سے سیل فون لے لیا ہے، وہ جوش جذبات میں رومی کی مدد کے لیے کمرے سے نکل کر لاؤنج سے باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھا تو

کا جواز جانتا ہوں..... انہیں صرف ڈالرز کی... کرکٹ اہٹ لہجہ ہی ہے، وہ بھول رہی ہیں پیسے سے خوشیاں حاصل نہیں ہوتیں۔“

”اور میری خوشیاں صرف تم سے وابستہ ہیں مہی..... تم بس میرا یقین رکھنا، تمہارے سوا میں کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔“ رومی پھر سے رونے لگی تو ثعلب اس کی دلجوئی کرنے لگا تھا۔

”بے وقوف..... مجھے یقین ہے اور تم بے فکر رہو حکمین بھابی نے نا تو کو بلایا ہے۔ وہ سب ہی پیپو کے پاس آ کر ہماری شادی کی بات کریں گے..... پھر ہمیں کوئی جد نہیں کر سکتا۔“

”مہا کے ارادے بہت خطرناک ہیں مہی..... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

”ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے..... ہمارے ساتھ سارا خاندان ہے..... پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو ہم بھاگ کر شادی کر لیں گے۔“ آخری بات مہی نے اسے چھیڑنے کے لیے کہی تھی مگر وہ سنجیدگی سے مشتق ہو گئی تھی۔

”ہاں..... ہم بھاگ کر شادی کر لیں گے، اسی طرح مہا، پاپا کو احساس ہوگا کہ انہوں نے..... بلاوجہ، اچانک ہی رومی کے ہاتھ سے کسی نے سیل فون چھینا تھا۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ وہ دونوں کب کمرے میں داخل ہوئے اس نے چونک کر سراٹھایا تو مہا اور پاپا اس کے سر پر کھڑے تھے۔

”تو تم اس خبیث کے ساتھ مل کر ہمارے منہ پر کالک لٹنے کا منصوبہ بنا رہی ہو؟“ ایاز اکرم ایک دم آگ بگولا ہو گئے۔ ”شیریں دیکھی تم نے اپنے بھتیجے کی جرات وہ ہماری بیٹی کو ہمارے خلاف ورغلا رہا ہے۔“

فصیحے میں وہ بیوی سے بھی کڑھکی سے مخاطب تھے۔ رومانہ پہلے تو سہم گئی تھی پھر نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آگئی تھی کہ وہ باپ کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

”مجھے کوئی نہیں ورغلا رہا پاپا..... یہ جرات آپ لوگوں نے مجھے دی ہے، میری زندگی کوئی کھیل ہے،



رومی کی شادی روجیل سے کر رہی ہیں اور.....“  
 ”وہ کچھ بھی نہیں کر سکتیں..... سارا خاندان جانتا ہے کہ رومی ہماری ہے، بس تم کوئی وہم مت پالو..... اور جا کر آرام کرو..... میں سب سنبھال لوں گی..... شاپاش جاؤ۔“  
 ”تمکین بھابی کا مشفق رویہ اس کے قدم بڑھنے سے روک گیا تھا۔ دل ڈہری کیفیت میں جھلا تھا۔ کسی انہونی کا خوف بھی تھا اور امید کی حوصلہ افزائی بھی اسے سنبھالے ہوئی تھی۔ شیریں پھپھو کا رویہ اسے کچھ نہ گزرنے پر مجبور کر رہا تھا جس کا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اگر بھابی اسے روک نہ لیتیں تو واقعی وہ کوئی انتہائی قدم اٹھا لیتا۔“

☆☆☆

اگلے دن وہ کمرے سے ہی نہیں نکلا۔ بچے، عصیٰ حتیٰ کہ تمکین بھابی نے بھی کئی بار آکر ناشتے اور کھانے کے لیے بلایا مگر وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے کسلندی سے لیٹا رہا۔ ننگ آکر تمکین بھابی نے بوا کے ہاتھ اس کا ناشتا کمرے میں ہی پہنچا دیا..... مگر اس نے صرف چائے پینے کے علاوہ کسی چیز کو چکھا تک نہیں۔ اس کا دل ایک نئی کنگش اور الجھن میں تھا۔ وہم، اعدیہ، خوف، سبکی نے اس کے اندر بے کلی بھردی تھی۔ سہ پہر کے بعد تمکین بھابی تیار ہو کر کمرے میں آئیں تو اسے دیکھ کر افسوس کرنے لگیں۔

”مھی..... ایک دن میں ہی کیا حالت کر لی ہے۔ مجھے تم سے ایسی کم ہمتی کی امید نہیں تھی۔ اٹھو..... اور میری بات سنو۔“ ناشتے اور پھر کھانے کی ٹرے جوں کی توں دیکھ کر ان کے تاثرات مزید آزرده ہوئے۔ وہ بے دلی سے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ ”شکل دیکھو ذرا، ایک دن میں مجھوں کے گرد نظر آنے لگے ہو..... بے فکر ہو، وہ لیلیٰ تمہاری ہی ہے، عاقب بھی تیار ہیں، ہم ابھی جا رہے ہیں۔ اٹھو فریش ہو کر کمرے سے نکلو اور بچوں کے پاس جا کر بیٹھو۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔“ تمکین بھابی نے دونوں ٹرے کی چیزیں ایک ہی جگہ سنبھالیں اور انہیں اٹھا کر

مجن سے آتے ہوئے تمکین بھابی نے اسے پکار لیا۔  
 ”مھی..... کہاں جا رہے ہو اس وقت؟“  
 ”وہ..... بس..... ابھی آتا ہوں، ابھی جیہ مت روکیں پلیز.....“ مھی نے عجلت دکھائی تھی۔ تمکین بھابی نے جیسے اس کا چہرہ پڑھا۔

”خبریت..... رومی کی طرف جا رہے ہو؟ کیا بات ہے؟“ وہ اس کی پریشانی بھانپ گئی تھیں۔ مھی نے نچلا لب بھینچا۔ ”مھی..... اب کیا ہوا ہے..... کچھ بتاؤ گے مجھے؟“ تمکین کو تشویش ہوئی تھی۔

”انہوں نے رومی پر پابندی لگا دی ہے۔ وہ مجھ سے بات کر رہی تھی مگر درمیان میں کال کسی نے کاٹ لی..... اور میں بتا رہا ہوں بھابی کہ وہ لوگ اچھا نہیں کر رہے..... میں اب رومی کو وہاں پر ایک منٹ نہیں رہنے دوں گا۔“ وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

”مھی..... تمہارا اس وقت وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔“ تمکین بھابی نے پہلے اسے مگر مندی سے دیکھا پھر رسائیت سے سمجھانے لگیں۔

”کیوں مناسب نہیں ہے؟“ ہماری معنی ہوئی ہے، انہوں نے خود یہ رشتہ قبول کیا تھا پھر اب یہ نیا ٹوشا.....؟“ وہ جیسے زچ ہوا تھا۔

”دیکھو! ہم کل جا رہے ہیں، میں نے عاقب سے بات کی ہے، ناٹو کی آمد پر ہم تاریخ طے کر آئیں گے ابھی ہم پھپھو سے ان کا عندیہ تو لے لیں کہ آخر ان کے ارادے کیا ہیں؟ وہ کیوں تم بچوں کو پریشان کر رہی ہیں۔“ تمکین بھابی نے اسے پھر سے سمجھایا۔

”ان کے ارادے بدل چکے ہیں، میں آپ کو بتاتا تو چکا ہوں۔“

”مگر ابھی انہوں نے ہمیں تو کچھ نہیں کہا نا..... ہمیں جانے دو..... انشاء اللہ وہ رومی کی رخصتی کے لیے مان جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں اگلے ماہ ہی تمہاری شادی کر دیں۔“

”آپ سمجھ نہیں رہیں بھابی..... کیا میں آپ سے مذاق کر رہا ہوں؟ پھپھو نے خود مجھ سے کہا ہے کہ وہ

دروازے کی طرف بڑھتے، بڑھتے اسے تاکید کر کے نکل گئیں۔ بھابی کا مثبت طرز عمل اس کے اندر پھر سے آس جگا گیا تھا۔ وہ اٹھا اور آہستہ سے کمرے سے باہر آ گیا۔ بچے فوراً اس کی طرف لپکتے تھے۔

☆☆☆

شیریں بیگم اور زوبی آپا زومانہ کے کمرے میں اسے سمجھانے آئی تھیں۔ گزشتہ رات سے اس نے بھی کچھ کھایا یا پیانہ نہیں تھا۔ زوبی آپا بھی سارے معاملے سے آگاہ تھیں۔ پھر بھی انہیں رومانہ کو اپنی بہو بنانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ تو اپنی ذاتی کشادگی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھیں۔

”سو نہ ہارٹ مرد بھی تو اپنی لائف کو انجوائے کرنے کے لیے کئی لڑکیوں سے اخیر زچلاتا ہے، تم بھی اگر اپنے کزن کے ساتھ ٹائم پاس کر لیتی تھیں تو چلو کوئی بات نہیں۔“ رومانہ نے روتے، روتے بہت چونک کر اپنی پھوپھی کو دیکھا پھر کچھ تکلیف سے بولی۔

”پھوپھی..... ہمارا ریلیشن ایسا نہیں ہے۔ میں دل کی گھرائیوں سے اسے چاہتی ہوں..... میں مٹی کے علاوہ کسی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ کوئی میری بات سمجھ کیوں نہیں رہا۔“

”نا سمجھ تو تم ہو رومی..... تمہیں کسی بات کا ہوش نہیں ہے۔“ شیریں بیگم نے فوراً ہی گھور کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

”بولنے دو..... شیریں..... بیگنی ہے دل کا غبار ہمارے سامنے ہی تو نکالے گی..... میری جان، اس عمر کی محبت، پیار و یار سب بکواس ہوتا ہے، تمہیں معلوم ہے شادی سے پہلے میں نے بھی روہیل کے قادر کو راجھیگٹ کر دیا تھا۔ کیونکہ میں بھی تمہاری طرح اپنے ایک کزن کو پسند کرتی تھی۔ لیکن اب یعنی تمہارے دادا کو وہ ناپسند تھا اور پھر انہوں نے آخر اپنی منوا کر میری شادی روہیل کے قادر سے کر دی۔ اور پھر میری لائف بہت اچھی گزری۔ مجھے اپنا وہ کزن یاد ہی نہیں رہا..... ہائی گاڈ.....“ زوبی پھوپھی بول رہی تھیں اور وہ حیرت

سے سن رہی تھی۔ اس کا دل و ذہن لٹی کی مگرار کر رہا تھا ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اور مٹی کو بھول جائے، ا مرنے کے بعد ہو سکتا تھا مرنے سے پہلے نہیں.....

”پھوپھی..... آپ کو اپنے کزن سے مٹی مجھ نہیں ہوگی مگر.....“ وہ خاصی لٹی سے بول رہی تھی شیریں نے اسے ٹوکا۔

”رومی..... تمہارے پاپا فیصلہ کر چکے ہیں اور چاہتی ہو کہ تمہارا کوئی قدم کیا جاتا ہی لائے گا، ہم تمہارا دین نہیں ہیں۔ ہم تمہیں آنے والی مشکلات سے بچا رہے ہیں۔“ شیریں نے نندگی موجودگی کا احساس کر کے اپنا لہجہ قدرے نرم رکھا..... رومانہ نے لبر آنکھوں سے انہیں دیکھ کر کچھ کہنا چاہا۔

”مما..... مشکل میں تو آپ لوگ مجھے.....“ کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ملازمہ دستک دے کر آ کر اطلاع دینے لگی۔

”بیگم صاحبہ..... عاقب صاحب اور ان کی بیوی آئی ہیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔“ شیریں نے کے ماتھے کے ساتھ لہجے میں بھی مل آ گیا۔

”آف..... اب یہ پھر وہی رونا رونے آ ہوں گے۔“ دروازے کی طرف بڑھتے، بڑھتے رومانہ کو تنبیہی انداز میں ڈپٹا..... ”خبردار جو تم کمرے سے باہر آئیں..... آج ان سے دو ٹوک بات ہو ہی چاہی گی..... آپا آپ بیٹیں رہیں اور ہاں.....“ وہ ایک دہ پلٹ کر آئیں۔

”یہ رنگ اتار کر مجھے دو.....“ ماں کے کرخنہ سپاٹ لہجے پر رومی نے پہلے انہیں دیکھا پھر اپنے ہاتھ کو..... ثعلب کی پہنائی انگوٹھی اس کی انگلی میں پھسکا تھی۔ رومانہ کا دم گھٹنے لگا۔ شیریں نے بیٹی کے احساسات کا کوئی خیال کیے بغیر زبردستی اس کی انگلی سے انگوٹھی کھینچی اور باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ زوبی آپا اسے چمکا رہی تھیں۔ ان کی محبت اسے زہر لگ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا ساری دنیا کو ہنس نہس کر دے۔ اس کے اپنے ماں،

”پہچو.....! وہ بھائی ہے میرا..... بیٹوں کی طرح میں نے اسے پالا ہے، آپ آج کیسی باتیں کر رہی ہیں۔“ عاقب کے تاثرات بھی یک دم بدل گئے تھے؟ حکمین کی باتیں ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

”ہاتیں تو میری سدا سے تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں۔ اس وقت بھی تم خاندان کے چند بڑے لے کر آ گئے تھے تو مجھے اور ایاز کو مجبوراً ٹھلب اور روی کی منگنی کی ہامی بھرنی پڑی تھی۔ حالانکہ میری بیٹی سے اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا تھا۔ اس لیے.....“ حکمین نے ششدر ہو کر انہیں ٹوکا تھا۔

”پہچو..... آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے آخر.....؟“  
”مطلب تو صاف ہے، ٹھلب کی جو پوزیشن ہے اسے دیکھتے ہوئے ایاز نے فیصلہ کر لیا ہے، ہم اپنی بیٹی کو ساری زندگی ترستے، سکتے نہیں دیکھ سکتے۔ آج سے یہ رشتہ ختم سمجھو.....“ شیریں بیگم نے جیسے ہر رشتہ ساری مروت ہالائے طاق رکھ چھوڑی تھی۔

”پہچو..... پہچو.....!“ دونوں کو ہی شدید دھچکا لگا تھا۔ بولنا دشوار ہو رہا تھا۔ حکمین نے ہی فوراً خود کو سنبھال کر انہیں احساس دلانے کی کوشش کی تھی۔

”پہچو.....! یہ رشتہ اتنی آسانی سے کیسے ختم سمجھیں۔ دونوں بچے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور کسی نے کوئی زبردستی تو نہیں کی تھی۔ آپ لوگوں کی رضامندی سے طے ہوا تھا یہ رشتہ..... آپ کیسے؟“

”دیکھو حکمین..... میں کسی بحث اور جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتی، عزت اسی میں ہے کہ یہ انگوٹھی لو اور خاموشی سے چلے جاؤ۔ ہم لوگ فیصلہ بدل چکے ہیں..... کل ایاز کے بھانجے سے روی کا نکاح ہے، تم لوگوں کو مٹھائی پہنچ جائے گی۔“ شیریں بیگم نے اٹھ کر ہاتھ میں پکڑی انگوٹھی عاقب اور حکمین کے سامنے تقریباً پھینچ کر رکھی۔ ”اور ہاں اپنے لاڈلے کو سمجھا دینا..... روی کو درغلانے یا اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ..... میں ہی اسے سمجھا لوں گی۔ ویسے تو وہ تمہاری بات بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔“

باپ اس کی خوشیوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ اس کے اندر بغاوت سرا بھارنے لگی تھی۔

☆☆☆

انہیں پیشے کافی دیر ہو گئی تھی۔ ملازمہ انہیں جو بھا کر گئی تو پھر کسی نے پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی۔ حکمین بھائی آخر جڑ بڑھو کر یوں تھے۔

”مٹی ٹھیک ہی پریشان ہے، یہاں تو آثار کچھ اچھے نہیں ہیں۔“

”اب تم بھی وہم میں پڑ جاؤ، پہچو کسی کام میں مصروف ہوں گی، آ جاتی ہیں، ڈراما سیر سے بیٹھو۔“ عاقب نے بیوی کو سنجیدگی سے ٹوکا۔ کچھ دیر بعد شیریں بیگم کافی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ..... ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ دونوں کے سلام کا جواب بھی بڑے نرمٹھے پن سے دیا تھا۔ حکمین نے جتنی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ عاقب نے فوراً نظریں چرائیں۔ ملازمہ مشروب سرو کر کے گئی تو شیریں بیگم نے اسی درشت لہجے کے ساتھ استفسار کیا تھا۔

”بھانجائے آئے ہو..... کوئی مسئلہ تھا؟“ اس بار عاقب کے چہرے پر بھی خجالت سی نظر آئی تھی۔

”مسئلہ..... مسئلہ کیا ہوگا پہچو، ہم دراصل چاہ رہے ہیں کہ مٹی کی اب شادی کرویں۔ وہ ماشاء اللہ اب آفس جا رہا ہے اب اور کیا انتظار کرنا کون سا کسی اور دفتر میں نوکری ڈھونڈتی ہے۔“ حکمین نے فوراً ہی مدعا بیان کیا۔

”خیر.....! کر تو وہ نوکری ہی رہا ہے عاقب کی..... عاقب نے یونیورسٹی سے نکلنے ہی اسے سب کچھ تو نہیں سوچ دیا ہوگا۔“ ان کا چہرہ لہجہ عیاں بھی تھا اور سہم بھی۔

”پہچو.....! آپ کہنا کیا چاہتی ہیں.....؟ سب کچھ دونوں بھانجیوں کا ہی تو ہے۔“ حکمین کو ان کی بات کا انداز کھٹک گیا تھا۔

”میں نے کیا کہا ہے..... یہ تم لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے، اسے نوکر بنا کر رکھو یا.....؟“

شیریں بیگم کا طرز یہ ہے، دونوں کے جگر کے آر پار ہو رہا تھا۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بچہ اس طرح بدل جائیں گی۔

”پھو، پھو! آپ ایسا نہیں کر سکتیں۔ کچھ تو بچوں کی خوشیوں کا خیال کریں..... وہ دونوں.....“

تھکن بھائی منت سماجت کرنے لگیں۔  
 ”اپنی بیٹی کی خوشیوں کا تو خیال ہے ہمیں..... تمہارے گھر میں تمہاری باعدی بنا کر نہیں بھیج سکتی میں اسے..... اپنے دیور کے لیے اپنے معیار کے مطابق لڑکی ڈھونڈو..... میں نے اپنا فیصلہ بنا دیا ہے۔“ وہ ان کے دل پر تیر بربسا کر جس نغوت سے امد ر آئی تھیں اسی نغوت سے چلی گئیں۔ عاقبت کتنی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ تھکن کی نگاہ اٹھتی پر گڑھی تھی..... بدقت اس نے میز سے اٹھتی اٹھائی اور مٹھی میں جکڑ لی پھر دلبرداشتہ ہو کر بولی۔

”چلیں عاقبت.....“ عاقبت بھی کسی معمول کی طرح اٹھا اور وہاں سے چلا آیا۔

☆☆☆

”مما! آپ نے یہ اچھا نہیں کیا..... میں مرجاؤں گی..... مگر.....“ شیریں بیگم ڈرانگ روم سے لاؤنج میں آئیں تو رومانہ روٹی گڑ گزاتی ان کے قدموں میں آ بیٹھی تھی۔ شیریں بیگم کا زمانے دار چھپر رومانہ کو یک دم خاموش کر گیا تھا۔

”بس بہت کر لیا تم نے تماشا..... کان کھول کر سن لو رومی..... تمہاری وجہ سے اگر تمہارے پاپا کو کچھ ہو گیا تو..... میں ہی تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔“ شیریں بیگم کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔ رومی پٹی، پٹی آنکھوں سے دیکھتی جاتی تھی۔ وہ پورے جلال سے بول رہی تھیں۔ ”تم جیسی لڑکیوں کے سر سے چاروں میں عشق کا بخار اتر جاتا ہے، ساری زندگی اپنی مرضی کی ہے تم نے..... کر سکتی ہو جیٹھانی کی جی حضور.....؟ مجھے پتا ہے دودن میں روتی ہوئی واپس آؤ گی، جب دیکھو گی کہ اس گھر پر اور تمہارے شوہر پر تمہاری جیٹھانی کا قبضہ

ہے اور تمہیں سانس بھی اسی کی اجازت سے لینی ہے۔ شکر ادا کرو اللہ نے بروقت تمہاری پھوپھو کو بھیج دیا، روحیل کے ذریعے تمہاری ساری خواہشات پوری ہوں گی۔ دیکھنا وہ تمہیں کتنا خوش رکھے گا..... اپنی جانماد اور کاروبار کا وہ اگلوٹا وارث ہے..... عیش کرو گی تم عیش.....“ وہ بول رہی تھیں اور رومی کا دل دہائیاں دے رہا تھا۔ وہاں سے بھاگ جانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ مگر تھکن سے رابطہ بھی تو نہیں ہو پارہا تھا۔

☆☆☆

سنی اور گولڈی کب سے اسے اپنے ساتھ کرکٹ کھیلنے کے لیے کہہ رہے تھے مگر وہ انہیں ٹال رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر آ تو گیا تھا مگر اس کی غیر حاضر دماغی اور بے دلی واضح تھی۔ عین بھی کافی ہمارا سے متوجہ کر چکی تھی۔ مگر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لاؤنج کے کاؤچ پر نیم دراز خود کو سوتا ظاہر کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اپنے موجودہ رویے پر پشیمان تھا لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتا جو انجانے خوف میں مبتلا اسے کسی انہونی سے ہراساں کیے دے رہا تھا۔ انتظار تھا کہ ختم ہی نہیں ہونے میں آ رہا تھا۔ عین ایک بار پھر وہانی دیتی امد ر آئی تھی۔

”بھائی! وہ دونوں مجھ سے نہیں سن سکتے رہے، سنی نے گولڈی سے بیٹھ چھین لیا ہے، وہ رو رہی ہے، آپ بس آ جائیں یا پھر بھائی کو فون کریں..... وہ لوگ ابھی تک آئے کیوں نہیں..... کتنی دیر ہو گئی ہے؟“ عین جیسے خود بھی رو دیتے کوٹھی۔ عی کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ اپنی پریشانی میں یہ بھول گیا تھا کہ عین تو خود کافی... ڈرپوک سی ہے، بے وقت جی تیل اسے ہراساں کر دیتی ہے، تنہا بچوں کو سنیا لانا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔

”ابھی آ جائیں گے بھائی اور بھائی..... تم دونوں کو بلا کر لاؤ۔“ عی نے پیسے خود کو بھی بھلایا۔ عین کے جانے کے بعد اس نے وقت کا تعین کیا، شام ڈھل چکی تھی۔ واقعی انہیں گئے ہوئے کافی گھنٹے گزر چکے تھے۔ عی اٹھا اور کمرے سے اپنا سیل فون لینے چل دیا۔

☆☆☆

بارگاہِ الہی میں جلد ہی مقبول ہو گئے تھے۔

☆☆☆

ثعلب کے دل کے ساتھ ہاتھ بھی لرز رہے تھے۔ وہ عاقب بھائی کا نمبر بار، بار ملتا رہا تھا مگر دوسری طرف سے رابطہ ہی بحال نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کسی انہونی کے ہونے کا خوف مزید بڑھتا ہو گیا تھا۔ شیریں پھو کے گھر میں بھی کئی دنوں سے اس کی کال ریسیڈ نہیں کی جا رہی تھی۔ بچے بھی عرصی کے ساتھ اس کے ارد گرد آ بیٹھے تھے اور اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی پر کچھ ہراساں دکھائی دے رہے تھے۔

”چا..... چو..... ماما بابا ابھی تک کیوں نہیں آئے، کتنی دیر ہو گئی ہے، انہیں فون کریں..... مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا.....“ سنی اس کا بازو ہلاتا متوجہ کر کے اپنے احساسات بتا رہا تھا۔ بھی مٹی کو گھر کے فون کی تھنٹی بچنے کا احساس ہوا۔ کبھی اس طرح چوکے تھے جیسے انہیں اسی تھنٹی کا انتظار ہو۔ مٹی فوراً اٹھ کر فون کی طرف لپکا..... ریسیور اٹھاتے ہی اس نے جو سنا وہ اس کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔

”اس نمبر کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ دونوں کی ڈیڈ ہاؤز اسپتال میں پڑی ہیں، ضروری کارروائی کے لیے آ جائیں اور ڈیڈ ہاؤز لے جائیں۔“ اسپتال کے محلے کی جانب سے فون تھا۔ یہ خبر کسی بڑے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ ثعلب دہرے صدمے سے دوچار تھا۔ عاقب بھائی جیسے ماہر و محتاط ڈرائیور کا ایکسیڈنٹ ہونا اس کی دانست میں شیریں پھو کا دیا کوئی ایسا ذہنی و جذباتی جھٹکا تھا جس نے انہیں اپنی ہی جان پر کھیلنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔ ان کے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ ثعلب بڑی مشکل سے اسپتال سے اپنے ان دو پیاروں کی مہتمیں اٹھا کر لایا تھا جن کے بغیر وہ بیٹے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ صبحی آبی بھی اطلاع ملتے ہی آگئی تھیں۔ جمکین بھائی کی میت کو غسل دیتے وقت ان کی بند شمشی سے برآمد ہونے والی مگنٹی کی انگوٹھی نے تو سب کچھ عیاں کر دیا تھا۔ گویا اسی صدمے نے انہیں

عاقب کے ذہن میں پھیل چکی ہوئی تھی۔ پھو کی باتیں گونج بن کر دل و جان کو دہکا رہی تھیں۔ جمکین تو کم صدمی مٹی میں انگوٹھی جکڑے بیٹھی تھی۔

”مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ بچو..... اس طرح بدل جائیں گی! انہیں روی کی خوشی کا خیال ہے نہ مٹی کا احساس..... ارے کیا کی ہو گئی ہے اب مٹی میں..... جو انہیں پہلے نظر نہیں آئی۔“ عاقب شدتِ غم سے چیخ ہی اٹھا تھا۔ جس پر جمکین بھی چونک اٹھی تھی۔ آج سے پہلے عاقب کو اتنے غم سے میں دیکھا جو نہیں تھا۔

”سنی تو ہیں آپ نے ان کی باتیں..... ان کا خیال ہے، روی ہمارے گھر میں اپنی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کو بھی ترسے گی یا خدا خواستہ ہم مٹی کا حق غصب کر لیں گے۔“

”استغفر اللہ..... ہم اپنے بھائی کا حق غصب کریں گے..... لعنت ہے ان کی سوچ اور خیال پر..... میں تو اپنا آپ قربان کر دوں اپنے بھائی بہنوں پر..... مٹی کو سمجھانا..... اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے، پھو کیا سمجھتی ہیں، مٹی کو رجمکٹ کر کے وہ خوش رہیں گی؟ میرے بھائی جیسا انہیں بھلا کہیں ملے گا؟... ہرگز نہیں.....“ عاقب کا غصہ اور لہجہ دونوں ہی اونچے ہو رہے تھے اور ساتھ ہی گاڑی کی رفتار بھی درجہ بدرجہ بڑھ رہی تھی۔ عاقب کا فشارِ خون بلند ہو رہا تھا۔ وہ بھائی کی محبت اور اس کے دکھ میں بولتا جا رہا تھا۔ اسی لیے اسے سامنے سے آ کر مڑنے والے ٹرک کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ گاڑی کسی کھلونے کی طرح ٹکرا کر الٹ گئی تھی کچھ لوگوں کی نظروں نے یہ حادثہ دیکھ کر نظریں چرائی تھیں کچھ نے فوراً مدد کے لیے دوڑ لگائی تھی۔ ٹرک ڈرائیور لوگوں سے پہلے ہی چھلانگ لگا کر کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ جب دل دہلانے والا منظر تھا۔ دونوں نفوس موقع پر ہی چل بسے تھے۔ ونڈ اسکرین کا کالنج ٹوٹ کر دونوں کے چہرے، نگلے اور سینے میں پھوست ہو گیا تھا۔ عاقب کے الفاظ..... ”میں اپنے بھائی، بہنوں پر اپنی جان قربان کر دوں۔“ نضادوں میں گردش کرتے

بے قابو کیا تھا۔ کہنے سننے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ شیریں پھوپھو اطلاع کے باوجود تدفین کے اگلے دن رگی انداز میں آئیں اور ان پر نئی قیامت ڈھائیں۔

”اطلاع تو مجھے مل گئی تھی مگر کل میری بیٹی رومی کا نکاح تھا۔ میں کیسے آتی.....“ نانو کے آبدیدہ شلوے پر انہوں نے جو بابا جو پھر مارا تھا وہ سیدھا حطب کے دل کو لہو لہان کرنا اس کے جسم سے روح کھینچ کر لے گیا تھا۔ اس کی محبت اس طرح اس کے عظیم دکھ کی آڑ میں قربان ہو جائے گی وہ سوچتا رہ گیا۔ کیا وہ اس کی سگی پھوپھو جسے جو اپنے سگے بھتیجے کی تدفین پر نہ آسکیں۔ وہ دُہرے غم سے بڑھ کر حال چور، چور دل کی کک لیے بالکل خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔ بچے اپنے ماں، باپ کے بعد اسی سے مانوس تھے۔ اس کی توجہ نہ پا کر وہ بھی بلک، بلک کر رو پڑے تھے۔ اپنے ماما، بابا کو پکارتے..... ایسے میں صہن آپی اسے سمجھائیں کہ وہ اپنے ساتھ بچوں کو بھی سنبھالے..... مگر وہ خود کو سمجھانے کی کوشش میں مزید بکھر جاتا۔

شیریں پھوپھو سوچ سے اس طرح فائدہ اٹھائیں گی، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ شیریں پھوپھو بھی رومانہ اور اپنی منہ کے ساتھ کینیڈا جانے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ کئی بار رابطے کی کوشش کے باوجود رومی سے بات نہیں ہو سکی تھی۔ اسے دکھ تو رومی کے بدل جانے کا بھی تھا۔ جس نے کبھی ساتھ بیٹنے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ وہ دو لفظی معذرت بھی نہیں کر کے گئی تھی۔ اس نے بھی خاموشی سے سارے وعدے بھلا دیے تھے۔ پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ وہ جو اس سے بات کیے بنا مگر سے نہیں لکھتا تھا۔ وہ اسے بتائے بغیر ملک ہی چھوڑ گئی تھی۔ اپنے غم کی شدتوں کے باوجود وہ رومی کی محبت کی کک کو کسی صورت بھلا نہیں پارہا تھا۔ ادھر صہن آپی اسے مگر اور بچوں کا احساس دلا کر اپنے مگر رخصت ہو چکی تھیں۔ آخر زندگی کا سفر تو رواں دواں رہتا ہے، کبھی اپنے دکھوں، خوشیوں اور سکھوں کا حصہ لے کر بیٹے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ بھی بالآخر

اپنوں کی خاطر آہستہ، آہستہ سنبھل گیا تھا۔ نانو مستقل ان کے گھر میں مقیم تھیں اور گاہے بگاہے وہ اپنی محبتوں اور نصیحتوں سے اسے سمجھاتی رہتی تھیں۔ سنی، گولڈی کی محبتیں، ان کی ڈتے داری کا احساس بظاہر اسے زندگی کی طرف لے آیا تھا مگر وہ کچھ بھی بھولا نہیں تھا بھائی، بھابی کی بے وقت موت، نہ شیریں پھوپھو کا روتیہ..... اور نہ ہی رومی کی بے وفائی..... جو اس کے دل کو گھائل کر کے جسم و جان کو نگار رکھے ہوئے تھیں۔ اسے اپنی کی بات ماننے پر اسی لیے تو اعتراض تھا کہ وہ ماں بھی تک رومی اور اس کی محبت کو بھلا نہیں پایا تھا۔ اسے خود پر اعتبار تھا نہ اپنی زندگی میں شامل ہونے والی نئی ہستی پر..... اسے لگتا تھا کہ وہ اس کے حقوق دینے کے معاملے میں انصاف نہیں کر پائے گا اور وہ اس گھر کو گھج معنوں میں اپنا نہیں بنا پائے گی۔ اس گھر کی بے ترتیبی، بے سکونی میں مزید اضافے کے خدشے اسے کسی قسم کا قدم اٹھانے سے روک دیتے تھے اب بھی وہ حیران رہتا تھا۔ سوچوں کے بھنور میں ڈوبتے ابھرتے، اپنے ماضی کی تلخیوں کو بیٹے، سہتے کافی رات بیت گئی تھی۔ آخر اس نے سب کچھ وقت پر چھوڑ کر جھکے ہوئے ذہن کے ساتھ بستر میں پناہ لی۔ وہ اس قدر بڑھ چلا تھا کہ پھر اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کہاں ہے۔

☆☆☆

صبح وہ اپنے معمول سے نہیں اٹھا تو سبھی کو تشویش ہوئی۔ آپی نے آج خود سب کے لیے سب کی پسند کا ناشتا بنایا تھا۔ بچوں کی فرمائش حلوا پوری تھی۔ حطب کے انتقال میں پوریاں کتنا ہاتی تھیں۔ صہن آپی نے دونوں بچوں کو اسے جگانے بھیجا تو وہ کچھ دیر بعد دونوں کو گود میں لیے مگن میں چلا آیا۔ فریش ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں کی لالی ختم نہیں ہوئی تھی۔

”آپی..... آپ نے میری نیند کے دشمنوں کو کیوں بھیج دیا تھا۔ ابھی مجھے مزید سونا تھا۔“ آپی نے اس کی بوجھل آواز پر اسے چونک کر دیکھا۔

”کیوں.....؟ رات کو سوئے نہیں تھے؟“

### برتن بچنے لگے

ایک مرتبہ پریشر گگرنے کڑا ہی سے پوچھا۔  
 ”تم اتنی کالی اور بد نما ہو، رنگ گورا کرنے کے لیے کوئی اچھی سی کریم کیوں نہیں استعمال کرتیں۔“  
 کڑا ہی نے گھومتے اور لہراتے ہوئے جھک کر کہا۔  
 ”میں جتنی بھی کالی ہوں..... بیٹیاں تو تم پھر بھی مارتے ہو۔“  
 از: سامعہ تبسم، ملتان

”آپ نے پرانی یادیں چھیڑ دی تھیں، مجھے نیند کیسے آتی، میں سو پٹانی رہا کہ یہ مسئلہ کیسے حل کروں۔“  
 دونوں کو گود سے اتار کر وہ خود گن اسٹول پر بٹک گیا۔  
 ”پھر.....؟ مسئلہ تو حل کرنا ضروری ہے بھائی۔“  
 ”آئی..... میں فیصلہ ہی نہیں کر پار ہا..... پلیز آپ ابھی کچھ ٹائم دیں.....“ اس نے بوجھل لہجے میں گرب سے کہا۔  
 ”اور کتنا ٹائم.....؟“ مہسبی نے بھوئی چڑھائیں پھر سر جھٹک کر بولی۔  
 ”اوکے ابھی پہلے ناشتا کرو..... صبح سے بچے بھی بھوکے پھر رہے ہیں..... ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔ بچو! چلو ڈائننگ روم میں، ناشتا ریڈی ہے، عصمن آؤ ناشتے کی چیزیں لے جاؤ۔“ بچے بھی اپنی پسند کے ناشتے پر ایکساٹڈ ہو رہے تھے۔  
 ”چلیں چاہو.....! پچھنے نے حرے کا ناشتا بنایا ہے۔“ دونوں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھینچا چلا گیا۔

☆☆☆

نہیں..... ماں جاؤ اب اس کی بات۔“  
 ”کون سی بات.....؟“ وہ اتجان بنا تو آپی نے اسے گھورا۔  
 ”پھر وہی انداز..... اٹھنے نٹھنے نہیں ہوتم۔“  
 ”واقعی مجھے نہیں پتا آپ کس بات کو ماننے کے لیے کہہ رہی ہیں۔ آپ کی نہ ماننے والی باتوں کی تو ایک لمبی لسٹ ہے۔“ وہ اپنی بات پر ڈٹا نہیں رنج کر گیا۔  
 ”دیکھ رہی ہیں نالو اسے.....“ انہوں نے جیسے وہائی دی۔  
 ”نالو تو مجھے صبح شام ہی دیکھتی ہیں۔“ اس کی سنجیدگی میں بھی شوخی تھی۔  
 ”دیکھو تم اس گھر کے اب سربراہ ہو..... مگر بچوں کی طرح ہر بات ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہو۔“  
 ”بھی آپ کو میری سنجیدگی پر شکوہ ہے، کبھی ہنسی مذاق پر..... کیا کروں میں غریب.....“ اس نے پھر سے مصنوعی آہ بھری تو عصمن آپی جیسے ہار کر نالو کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔  
 ”میں ہی پاگل ہوں جو تمہیں سمجھانے یہاں چلی آئی ہوں۔“  
 ”آپ کے پاگل پن کا یہاں آنے سے کیا تعلق ہے؟“ آج وہ عرصے بعد اپنی جوں میں لوٹا تھا۔ نالو

اس نے عصمن آپی سے بچنے کی لاکھ کوشش کی تھی۔ سارا دن بچوں کے ساتھ ہلا گلا کرتے ان کی فرمائشیں پوری کرنے میں گزار دیا تھا۔ وہ بھی جیسے اسے آزما رہی تھیں۔ بچوں کے تھک کر سونے پر وہ ان کے کمرے سے ٹھلب کوکان سے پکڑ کر نالو کے کمرے میں لے آئیں۔  
 ”ارے، ارے..... آپی..... چھوڑیں ناں..... میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا۔“ وہ مصنوعی طور پر کہا۔  
 ”تم صبح سے تو بھاگے ہی پھر رہے ہو..... اب یہاں آرام سے بیٹھو، اب تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔“ انہوں نے اسے نالو کے بیڈ کے سامنے رکھی کرسی پر تقریباً دھکیل کر بیٹھایا۔ نالو اس کی درگت بنتی دیکھ کر مسکرائی تھیں اور وہ مصنوعی لاچاری ظاہر کرتا منہ تار ہاتھا۔  
 ”مہی.....! عصمن اب تمہیں چھوڑنے والی

جان حیرت انگیز خوشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”تعلق..... تعلق یہ ہے کہ تم میرے بھائی ہوگی..... تمہاری حالت اور اس گھر کی ویرانی مجھے... بے چین رکھتی ہے، اس گھر سے خوشیاں روٹھ گئی ہیں... تمہیں اور سب کو اس ہستی کی ضرورت ہے جو ہم سب کو اس سانچے کے اثر سے نکال لائے۔ تمہارے ان زخموں پر مرہم رکھ سکے جنہیں تم ناسور بنانے پر تلے ہو۔“ صہنی نے پر زور انداز میں اسے احساس دلانے کی کوشش کی تو وہ یک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

”پلیز آئی..... مجھے اپنے زخموں کے لیے کسی سجا کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جلد یا بدیر ہم بالآخر خود ہی نکل آئیں گے اپنے دکھوں کے اثر سے۔“

”نہیں نکل سکتے..... بچوں اور عرصی کو اس مر میں ایک نگران کی ضرورت ہے، خصوصاً عرصی کے لیے رہنما کی ضرورت ہے۔ وہ ابھی بچنے سے نہیں نکلے، اسے اچھے برے کی تمیز کھانے والا ہونا چاہیے۔ تم آخر کب تک بزنس کو چھوڑ کر ان سب کا دل بہلاؤ گے..... آخر تم حالات کا تقاضا سمجھ کیوں نہیں رہے ہوگی..... حاقب بھائی کے عمل کو بھول گئے ہو، انہوں نے حکمین بھائی کے ساتھ مل کر ہم سب کی تربیت کس طرح کی تھی، جنہیں بھی اچھی ہم سفر مل سکتی ہے، آخر تم خود کو رومی کے اثر سے نکال کیوں نہیں پارے۔ کب تک اس کا قبضہ رہے گا تمہاری ذات پر، فیصلے کا اختیار کیوں نہیں ہے تمہیں؟“ صہنی آئی جذبانی ہو کر بولتی، بولتے رونے لگیں تو وہ بے بسی سے پہلے انہیں دیکھے گیا پھر اٹھ کر ان کے قریب جا کر انہیں کندھوں سے تمام کر بولا۔

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں آئی.....! رومی میری زندگی میں ایک تلخ یاد کے سوا کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں تو بس یہی سوچ رہا ہوں کہ کہیں میری وجہ سے گھر کا سکون مزید خراب نہ ہو جائے۔“ وہ انہیں مطلقاً کرنے کے لیے خود کو سنبھال کر بولا تو نانو نے نور اس کا حوصلہ بڑھایا۔

”ایسا کیوں سوچتے ہو بچے.....؟ ہمارے نصیب میں ایسا ہی لکھا تھا۔“

”مگر نانو آئندہ نصیب میں کیا ہے، یہ بھی کسے معلوم ہے اگر مجھ سے شادی کر کے آنے والی لڑکی ہماری توقعات پر پوری نہ اترتی تو یہ رسک ہی ہے ناں.....“

”اللہ سے اچھی امید رکھو میری جان! گھر، محبت، وفا اور نلوں سے سنورتے اور بننے ہیں، عورت کی تربیت اگر اچھی ہوئی ہے تو مرد کی مہیا کی گئی محبت، خلوص اور وفا وہ اپنے گھر میں سمیٹ کر پھیلانے میں تامل نہیں کرتی..... لیکن شرط ہے وفا اور محبت..... تم آنے والی کو اپنے دل میں جگہ دو گے تو وہ اس گھر کے ہر کیمین کو دل میں بٹھالے گی۔ عورت کے ہنر و محبت کا کمال تو تم نے حکمین کے روپ میں دیکھا ہی ہے ناں میرے بچے.....“ نانو اپنے انداز میں اسے رمانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر تلخ سی مسکان آ کر معدوم ہو گئی۔

”نانو..... آپ پچھلی صدی کی عورت کا تجربہ رکھتی ہیں جبکہ زمانہ بدل گیا ہے، اب تو شیریں چوہو اور رومی جیسی عورتیں کا سایہ ہیں جو ایک پل میں ہنستے بیستے گھر..... دھڑکتے دل تک تباہ کر دیتی ہیں۔“ اس کے دل کا دروازہ بان پر آ گیا تھا۔ نانو اور آئی نے بیک وقت خنکی سے گھورا۔

”بھاڑ میں ڈالو انہیں، ہم تو اپنے تجربے پر کھتے ہیں اور انشاء اللہ صہنی تمہارے لیے جسے بھی پسند کرے گی وہ بے مثال لڑکی ہی ہوگی۔ بس اب تم ذہنی طور پر خود کو تیار کر لو بیٹا۔“

”بالکل صحیح کہہ رہی ہیں نانو..... اگلی بار آؤں گی تو میں کسی خوشخبری کے ساتھ ہی آؤں گی۔“ صہنی نے بھی تائید کی.....

”آپ لوگ مجھے پھنسانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں کیا کروں..... لیکن یاد رکھیں بعد میں مجھے کوئی کچھ نہ کہے.....“ اس نے بہت بے دلی سے رضامندی دے دی۔ صہنی کے لیے یہی کافی تھا۔



سے بات کرنا اور مشورہ کرنا ضروری ہے، بچی کہیں یہ نہ سمجھے کہ میں تنگ آ کر اسے گلے سے اتار رہی ہوں۔“  
 ”امی جان آپ ضرور بات کریں۔ اگر وانیہ کی مرضی نہ ہوئی تو کوئی بات نہیں..... اللہ تعالیٰ نے جوڑ لکھا ہوگا تو میل ہو جائے گا۔“ صہمی نے مروت و محبت سے کہا تو وہ بھی سر ہلا کر تائید کرنے لگیں۔  
 ”بالکل..... اللہ بہتر کرے گا۔“ جائے ختم کر کے صہمی دوپہر کے لیے کھانا بنانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

وانیہ کو سعیدہ خانم نے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر صہمی اور بچے اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔ یہ ان کا معمول تھا، عصر کی نماز سے پہلے بھی اٹھ کر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے۔ وانیہ چمکتی ہوئی ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

”جی بھپو، آپ نے مجھے بلایا ہے؟“ اسے دیکھتے ہی وہ لینے سے اٹھ بیٹھیں۔

”ہاں، ہاں، آؤ بیٹا، ادھر بیٹھو۔“ انہوں نے وانیہ کو اپنے سامنے بٹھایا۔ ”کیا کر رہی تھیں؟“

”کچھ نہیں..... بس ایسے ہی فارغ بیٹھی تھی۔ بھابی کچھ کرنے ہی نہیں دیتیں۔“ گھٹی پلکوں کو اٹھا کر اس نے انہیں دیکھا تو وہ دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگیں۔ گندی رنگت میں بھی اس کا حسن کھلا، کھلا سا لگتا تھا۔ سیاہ مادامی آنکھیں، گنے لے بال، چمکے نقوش، کھڑی ناک، چمکھڑوں سے ہونٹ..... وہ جاؤب نظر شخصیت کی مالک تھی۔ یقیناً اپنی ماں کا پرتو.....

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں بھپو؟“ وانیہ ان کی توجہ خود پر مرکوز پا کر شیشا سی گئی۔

”اللہ کی قدرت دیکھ رہی ہوں بیٹا..... اس نے مجھے کتنی پیاری بیٹی عطا کی ہے، اللہ نظر بد سے بچائے۔“

”بھپو آپ تو مجھے غلط فہمی میں ڈال دیں گی۔ ہاں ہے امی تو مجھے آئینہ بھی نہیں دیکھنے دیتی تھیں۔ کہتی تھیں

سب ہو۔“

”پھر کیا خیال ہے امی جان؟“ صہمی نے پُر سید ہو کر پوچھا۔

”میرا خیال تو مثبت ہی ہے، پھر بھی پہلے وانیہ

☆☆☆

صہمی کافی پُرسکون ہو کر گھر واپس آئی تھی۔ ناشتے کے بلاؤنج میں اپنی ساس کے ساتھ چائے پیتے ہوئے میں بھی خوشخبری سنائی تھی۔

”شکر ہے امی جان، مٹی مان گیا ہے، میرے تو سے بہت بڑا بوجھ اتر رہا ہے۔“

”یہ تو اچھی خبر سنائی ہے تم نے..... بس اب دیر نہ رتا۔ کوئی اچھی لڑکی دیکھو اور اپنا میکا آہا کر لو۔“

”سوچا تو ایسا ہی ہے امی جان، اللہ بہتر کرے۔“

”ہے کوئی لڑکی نظر میں..... یا کسی کو کہا ہے.....؟ خاندان میں بھی کافی لڑکیاں ہوں گی؟“

یدہ خانم نے رسالہ سے پوچھا۔

”خاندان کی کسی لڑکی سے تو وہ اب کبھی سامنے نہ گا۔ البتہ میری نظر میں ایک لڑکی ہے، سوچ رہی تھی کہ آپ سے پہلے مشورہ کر لوں..... بات منہ سے نکالوں۔“ صہمی نے جھجکتے جھجکتے بات

لی۔

”مجھ سے.....؟“ سعیدہ خانم ایک دم چونک گئی۔ ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھ دیا۔ ”کس کے لیے؟“

”امی جان آپ سارے حالات جانتی ہیں، مٹی بھی واقف ہیں الحمد للہ وہ ذمے دار اور ہونہار ہے، چاہ رہی تھی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ماموں

نا سے وانیہ کے لیے بات کریں۔“ صہمی نے گویا بی حیران کر دیا۔ وہ خود بھی آج کل اسی سچ پر سوچ رہی تھی۔ اللہ نے کیسی ان کی مشکل آسان کی تھی۔

”کریم سے کیا بات کروں..... جو کرنا ہے اب وہی کو کرنا ہے، وہ تو طاہرہ کے قبضے میں ہے، بہر حال

اہلی تو میں بھی یہی ہوں کہ بچی کو اپنے گھر کا سکون سب ہو۔“

”پھر کیا خیال ہے امی جان؟“ صہمی نے پُر سید ہو کر پوچھا۔

”میرا خیال تو مثبت ہی ہے، پھر بھی پہلے وانیہ

لڑکیاں زیادہ آئینہ دیکھیں تو انہیں شیطان ورغلانے لگتا ہے کہ تم بہت حسین ہو..... لڑکیاں بہکاوے میں آجاتی ہیں۔“

”وہ بھی ٹھیک ہی کہتی تھی.....“ سعیدہ پھپھو نے اس کی یاد کے سلسلے کو درمیان میں توڑ دیا..... کیونکہ ابھی وہ اس سے اس کے مستقبل کے بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

”بچیوں کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے..... بہر حال میں نے تمہیں ایک خاص بات کے لیے بلایا تھا۔“

”ج..... ج..... ج..... کیسے پھپھو! وہ ان کی سنجیدگی پر کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ بابا اور بڑی امی کے حوالے سے اسے بہت خدشات رہتے تھے۔

”تمہاری ماں زندہ ہوتی تو وہی تم سے اس سلسلے میں بات کرتی۔ تم مجھے بھی اپنی ماں ہی سمجھنا اور اپنے دل کی بات صاف، صاف کہنا۔“ پھپھو کی تمہید اسے ابھمن میں ڈال رہی تھی۔

”پھپھو آپ میرے لیے امی کی جگہ پر ہی ہیں۔ آپ کیسے کیا بات ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے بیٹا کہ صحنی نے اپنے بھائی کے لیے تمہارا ہاتھ مانگا ہے، بہت ٹیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے۔ ان کے ساتھ جو ہو اس سے تم آگاہ تو ہو ہی چکی ہو۔ تمہاری رضامندی اور مرضی کے بغیر میں صحنی کو کوئی جواب نہیں دے پائی۔“ انہوں نے بالآخر اس کی ابھمن ختم کی۔

”پھپھو..... میری شادی.....؟ یہ تو بابا کو فیصلہ کرنا ہے، میں خود کیسے.....“ وہ شرم اور جھجک کے مارے بول نہیں پار رہی تھی۔

”تمہیں..... یہ فیصلہ صرف تمہیں کرنا ہے بیٹا..... کوئی زبردستی نہیں ہے اگر تمہاری امی کی یا تمہاری کہیں اور مرضی تھی تو بھی تم مجھے بتا دو اور بے فکر ہو جاؤ..... میں ماں بن کر ہی تمہیں رخصت کروں گی۔“ انہوں نے حوصلہ بڑھاتے انداز میں اسے چھپتپایا تو اس کی

آنکھیں چمک پڑیں۔

”پھپھو..... ایسی کوئی بات نہیں ہے، امی او میرے لیے جو فیصلہ کرتے میرے لیے وہی بہتر؟ آپ جو کہیں گی میں مانوں گی۔“

”پھر بھی بیٹا تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو..... گھر کو اور امی کو سنبھالنے اور سمیٹنے والی ہستی چاہیے بہت اچھا ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ گھر اہوا ہے۔“

”ٹھیک ہے پھپھو..... آپ بابا سے، کر لیں۔“ وہ نیم رضامندی دے کر وہاں سے اٹھا آ

☆☆☆

”آیا ان حالات میں وانیہ کی شادی کر دیے بہتر ہے۔ مجھے آپ پر بھروسہ ہے، آپ نے اس لیے بہت اچھا فیصلہ کیا ہوگا۔“ دو دن بعد کریم احمد عجلت میں شام کے وقت آئے تھے۔ ان کے چائے لائی وانیہ نے دروازے کے باہر کھڑے ہو الفاظ سننے اور دل میں کک سی جاگ گئی۔

”مجھے بھی یہی مناسب لگتا تھا۔ اللہ نے مدد کی اور میری بہو نے خود چاہت کی ہے۔ تمہارا گھر میں اس کے لیے گنجائش نہیں بن رہی تھی یہاں وہ خود کو میرے اوپر بار محسوس کرتی ہے حال

ایسا نہیں ہے، چلو ایک نہ ایک دن تو اس کی بیٹی ہوتی ہی ہے۔ اچھا ہے اپنے گھر بار کی ہونچائے اپنے ماں کے ساتھ جیے گی۔ آج نہیں تو کل آخر رخصت کرنا ہی تھا۔“ سعیدہ خانم نے خفگی بھر انداز میں بھائی کو دیکھ کر کہا۔

”آپا..... شادی کے سارے معاملات اخراجات کے لیے میں حاضر ہوں۔ آپ جب کبھی میں آ جاؤں گا۔“

”ہاں تمہاری موجودگی تو ضروری ہے اب معاملات و اخراجات کی فکر مت کرو، وہ یہاں۔ میری بیٹی بن کر رخصت ہوگی۔ اتوار کو لاڑکانہ آ رہا ہے۔ آ کر مل لینا۔“ سعیدہ خانم بھائی سے مکمل طور پر خفا نہیں تو راضی بھی نہیں تھیں۔ کریم احمد نے مجبوری سے انہیں

اپنے شوہر کے ساتھ ہوں گی۔ خیال آتے ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ شہود بھائی بے حد سنجیدہ مگر ٹھنڈے مزاج کے انسان کے تھے۔ ان سے رکی بات کے سوا کبھی بات نہیں ہوئی تھی۔ انہی کے سیل فون سے کال بیک آر رہی تھی۔ اس کی ساری جھنجھلاہٹ ہوا ہو گئی۔ فوراً ہی کال ریسیو کرتے ہی بولا۔

”سوری..... شہود بھائی، میں غلطی سے اس وقت کال کر بیٹھا۔ مجھے دراصل آپ سے.....“

”یار..... غلطی سے کبھی ہم سے بھی بات کر لیا کرو..... میں بھی تمہارا کچھ لگتا ہوں۔“ شہود بھائی کی خوشگوار سی اسے ہنسنے نہیں ہو رہی تھی۔

”شہود بھائی اب آپ ہی تو بڑے ہیں ہمارے..... میں تو ہمیشہ آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں۔“

”چیتے رہو، خوش رہو..... تمہاری آپنی بچوں کو دیکھنے ان کے روم تک گئی ہیں۔ آتی ہیں تو بات کرو اتنا ہوں۔“ سلسلہ منقطع کر کے اس کی جھنجھلاہٹ پھر عود کر آئی۔ اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ انتظار میں بدھرا دھرا اٹھ کر بیٹھنے لگا۔

☆☆☆

دانیہ کے لیے بھی اب کوئی معاملہ غیر متوقع نہیں رہا تھا۔ امی کی اچانک موت کے ساتھ کھلنے والے کئی رازوں کو جان کر اب وہ کسی بات پر بھی چوکتی نہیں تھی۔ صحن بھابی نے مٹی کے حوالے سے اور اپنے گھر پر گزرے سامنے کا احوال سنا کر اسے حالات کے مطابق چلنے اور ڈھلنے کا موقع فراہم کر کے گویا اسے آئندہ کسی امتحان سے بچانے کی کوشش کی تھی اور وہ دل سے ان کے خلوص پر ممنون تھی۔ ورنہ تو بابا کی عدم توجہی نے اسے واقعی توڑ پھوڑ دیا تھا۔ امی کے بعد انہیں صرف بڑی امی اور اپنے اس گھر کی ٹکڑھی۔ اس کا خیال تو صرف فون پر خیریت معلوم کرنے تک رہ گیا تھا۔ وہ کسی سے کہتی نہیں تھی مگر اسے بابا کے بدل جانے کا بے حد مل تھا۔ یہ طال کوئی روگ بن جاتا، اس سے پہلے ہی اللہ نے اس کی زندگی کو نیا موڑ دے دیا تھا۔

ماہنامہ پاکیزہ سانسچ 2015

دیکھا اور کچھ کہنے ہی والے تھے کہ دانیہ چائے لے کر آگئی۔ سلام کرنی کب تھا کر پلٹ گئی۔ کریم احمد نے۔۔۔

پہلا نظر سے مٹی کو جاتے ہوئے دیکھا۔

☆☆☆

مٹی کو امید نہیں تھی کہ آپنی جاتے ہی اپنی ہم پر نکل کھڑی ہوں گی۔ ان کے یہاں سے جانے کے دو دن بعد ہی نانوں نے دھماکا کر دیا تھا۔ اس کے تیس تو یہ دھماکا ہی تھا۔ بچوں کو حسب معمول ملانے کے بعد وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ انہوں نے اس کی سماعتوں میں گویا بم پھوڑ دیا۔

”صحنی نے تمہارے لیے لڑکی پسند کر لی ہے۔“

”کیا.....؟ اتنی جلدی.....؟ ابھی تو وہ مٹی تھیں۔“ وہ کرسی پر اس طرح اچھا جیسے واقعی اسے کرٹ لگا ہو۔

”اس کی نظر میں لڑکی تو پہلے سے ہی تھی۔ بس تمہاری رضامندی لینے کے بعد وہ سلسلہ آگے بڑھانا چاہتی تھی۔“ نانوں نے رسائی سے سبھایا۔

”میں نے ابھی مکمل رضامندی تو نہیں دی تھی۔ انہیں ہر کام کی جلدی کیوں رہتی ہے۔“ وہ جھنجھلا کر بولتا نانوں کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

”جھوٹ مت بولو بیچے..... رضامندی تو تم نے دی تھی اور میرے سامنے ہی دی تھی۔“ نانوں نے سرزنش کی تو وہ حریہ جھنجھلا یا۔

”مگر..... میں نے اتنی بھی جلدی کے لیے نہیں کہا تھا۔ میں بات کرتا ہوں ان سے ابھی۔“ وہ اسی طرح چلتا۔

”ہاں..... وہ بھی فون کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔“ کمرے سے نکلے، نکلے اس نے نانوں کے الفاظ سنے..... وہ جھنجھلا تا ہوا کمرے میں آ گیا۔ نانوں اس کے اچھنے پر مسکراتی رہیں۔ کمرے میں آ کر بھی وہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو نہ پاسکا تو سیل فون اٹھا کر آئی کے بجائے شہود بھائی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف مسلسل تکل بھتی رہی۔ اسے ایک دم خیال آیا کہ آپنی اس وقت



# ایک صبح ہونے کو کہتے

سیار ساردا



رات کی سیاہی آہستہ، آہستہ پھیل رہی تھی۔  
صحرائے قمر کی پیاسی رات کا سفر تھا۔ کرشن نگر  
اندھیروں میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ کچے کچے مکانوں  
سے ٹھنڈی ہوئی ہیلی زرد روشنیوں کا گلس گلس، کہیں  
نظر آرہا تھا۔ انہی اندھیروں کو کاٹتے ہوئے ایک  
جیب اور اس کے ساتھ، ساتھ ایک وگن تیزی سے  
گزری اور اس میں سے نکلتی ایک بے چین اور ہلکتی  
آواز نے فضا کو مرعش کر دیا۔

ماہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015

Copied From Web

”اماں.....! میں نہیں جاؤں گی تمہیں چھوڑ کر..... اماں.....! اماں.....! مجھے روک لو۔“  
یہ روتی بلکتی آواز کرشن مگر بس رہنے والی کسی بیٹی کی تھی۔ جواب ہواؤں میں معلق ہو چکا تھا۔ صحرا میں اگے کہیں، کہیں درختوں پر آرام کرتے پرندے اس آواز کو سن کر بے قرار ہو گئے۔ اپنے آشیانوں میں پہنچ کر بھی وہ پھڑ پھڑانے لگے۔

ایک عجیب اداسی، بے چینی فضا برطاری تھی، کچھ دنوں سے اس دلکش علاقے کو کسی کی نظریں کھاری تھیں۔ جب یہاں قدرت مہربان ہوئی تو قہر میں برسے والی بارشوں میں باہر سے آنے والے سیاح یہاں کی سوغاتیں لے کر مدتوں اسے ذہن نشین کرتے۔

جمہور رقص کرتی الہڑ لڑکیاں، محنت کش خواتین اور جفاکش مرد ایک بوند عشق بادل کی مہربانی پہ بچھا اور ہو جاتے۔ مور رقص کرتے اور زندگی اچھی لگنے لگتی۔ غربت کے دامن میں بسے افراد ان ہی خوشیوں پر اکتفا کرتے۔ نہ زیادہ کی خواہش تھی نہ کم پر شکایت، بس جینا چاہتے تھے، عزت سے بیٹیوں کی شادیاں کرتے اور خوش رہتے۔ موتی جیسی عزتیں رکھنے والے ہاسیوں کا دکھ، جلتے ہوئے نگر میں آہستہ آہستہ بس رہا تھا۔ میٹھی باتوں اور گرم نگاہوں جیسی لپکتی ذہنیت یہاں آن بسی تھی۔ جنت کا پھل کھا کر زخموں کی بیگار ذہنیت عورت کی قسمت میں لکھی جا رہی تھی۔ عورتیں غلام بنائی جا رہی تھیں۔ انسانیت کہاں تھی؟

☆☆☆

”گیارہ سو روپے..... ابھی تک اتنے جمع ہوئے ہیں۔“ زرد بلب کی روشنی میں مایا نے گلک سے رقم نکال کر دوبارہ گنی کہ ایک نوٹ نیچے گر گیا۔ اسے اٹھاتے، اٹھاتے وہی نسوانی چیخ اس کے کانوں میں گونجی جو کئی دنوں سے اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ جلدی سے نوٹ سنبھال کر اٹھی، کمر کی تک پہنچنے کی

کوشش کی۔ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی، زمین کی خاک اڑا رہی تھی اور جاتی ہوئی گاڑیوں کے دھوکے میں ہر چیز دھواں، دھواں تھی۔ وہ آواز اس کے ذہن و دل میں بس گئی تھی۔ وہ ہزار دھیان بناتی مگر یہ آواز اس کے دماغ سے نہیں نکلتی۔ خود کو سنبھال کر پھر پلنگ پر آن بیٹھی۔

سانول ابھی تک نہیں آیا تھا، وہ اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، مورنی بے خبر سو رہی تھی۔ اس کی چھوٹی سی لاڈلی بہن۔ وہ پھر گلک سے رقم نکال کر گننے لگی۔ گیارہ سو روپے..... یہ کل رقم تھی گلک میں جو اس نے کئی ماہ میں جمع کیے تھے، یہ ابھی جانتی تھی کہ کس طرح لڑ بھگڑ کر یہ پیسے بچائے تھے، کبھی سبزی خریدتے ہوئے، کبھی ریڑھی والے کے ساتھ ایک روپے پر سکرار، کبھی گوشت کی دکان پر قصاب کے ساتھ جھگڑا کرتے ہوئے اور کبھی پرچون والے سے سکرار کرتے ہوئے۔ اس نے ایک، ایک نوٹ بڑی محبت سے پھر گنا۔ پانچ روپے کا سکہ بھی گلک میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ مایا نے سکرار اسے بھی پیسوں کے ساتھ ملا کر احتیاط سے رکھ دیا اور پھر اپنی مٹی سی چادر کو ہاتھوں میں کٹورا بنا کر اللہ کے حضور گڑ گڑانے لگی۔

”اللہ میاں جی پورے پندرہ سو روپے ہو جائیں تو میں اپنی مورنی کی چھوٹی سی خواہش پوری کر دوں گی۔ تو، تو میرے خوابوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اللہ میاں جی، دیکھ میری عزت رکھ لے، مجھے پندرہ سو روپے چاہئیں، بس وعدہ اللہ میاں وعدہ۔“ وہ خود میں گن آنسوؤں کا نذرانہ لیے اللہ کے حضور دعا گو تھی۔ تب ہی دھیرے، دھیرے قدموں سے سانول دروازے کی کنڈی کھول کر اندر داخل ہوا۔ تھکے، تھکے قدموں سے وہ سارے دن کی تکلیف اور پریشانی بھول کر اسے دیکھے گیا۔

مایا کرشن مگر میں بسنے والی تمام لڑکیوں میں ذہین اور خوب صورت تھی۔ مخالف کو اپنے کھرے

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

# گھر بسٹھ

جاسوسی ڈائجسٹ، سسٹمز ڈائجسٹ  
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ گزشت

باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ  
(شامل رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 800 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے

بیرون ملک کے لیے 7,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد  
رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے  
ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر  
رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یاد رکھیں کہ ہمارے ہاں کئی بہترین کتابیں دستیاب ہیں

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے  
ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر  
ہماری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: شرمسٹاس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز 11- سٹیشن ڈیٹس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگ روڈ، کراچی

فون: 021-35895313، فیکس: 021-35802551

لہجے سے گلست دے دیتی۔ کسی سے نہ ڈرنے والی،  
پہلے وہ اس کی محبت اور تنگ تھی اور اب اس کی بیوی  
تھی۔ اس کا ہر حکم بجالانے والی، دکھوں اور خوشیوں  
کی ساتھی۔ سائول ٹی دلوں سے دیکھ رہا تھا۔ ہر  
تیرے چوتھے دن وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے  
کیکپاتے ہوتوں کے ساتھ جانے کیا گزرتی رہتی  
تھی۔ اشکوں سے اس کا چہرہ تر ہو رہا تھا۔ وہ خوشی  
سے اسے دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔

”جانے کیا پریشانی ہے۔ ماما مجھے کیوں نہیں  
بتاتی۔“ غربت کے دامن میں زندگی گزارنے کے  
باوجود وہ ہمیشہ اسے مسکراتی ہوئی ملتی۔ اس کی خاطر  
وہ بالکل گمراہی کی ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک اچھی  
خدمت گزار بیوی۔

”تو کب آیا اور یہاں کیوں کھڑا ہے؟“ ماما  
کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”میں تو کب سے یہاں کھڑا ہوں، تجھے ہی پتا  
نہیں چلتا۔ جانے کن الجھنوں میں ہے۔“ وہ شکوہ  
کرتا ہوا آگے بڑھا اور پھر پلٹ کر قیصر کی بغلی جیب  
سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکال کر ماما کے ہاتھ پر رکھتے  
ہوئے کہنے لگا۔

”یہ مورنی کو دے دینا۔ کراچی سے لایا ہوں،  
وہ سو رہی ہوگی اور ہاں ماما غور سے بات سن مورنی  
کو بلا ضرورت گھر سے باہر نہ بھیجا کر۔“  
”کیا مطلب؟“ وہ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

”عجیب سے لوگ پھر رہے ہیں..... یہاں  
چاروں طرف..... شکاری ہیں، شکار کی تلاش  
میں مصوم بستیوں کا رخ کیا ہے۔“  
”تو.....؟“

”ویسے تو بہت ہوشیار بنتی ہے، بس زیادہ نہ اسے  
باہر بھیجنے کی ضرور ہے اور نہ ہی تو جا..... چل جا کر کھانا  
نکال.....“ وہ غصے میں کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔  
”کچھ تو ہے۔“ ماما سوچنے لگی۔ وہ اس طرح

کبھی کہتا نہ تھا۔

مارنے لگا۔

”کون شکاری ہیں؟“

”کھانا نکال دے، ورنہ شہا اپنے ہی سو جاؤں گا۔ پھر تو ساری رات روٹی رہنا۔“  
”اچھا آئی بابا.....“ وہ سوچوں کا جال بنتی  
رسوئی گھر میں آگئی۔

☆☆☆

”آؤ..... آؤ..... تذراں..... کافی دنوں بعد  
آئیں۔“ وہ کُرتا فریم سے نکال رہی تھی اور مورنی  
اسے سوئی میں دھاگا ڈال کر دے رہی تھی۔  
”کیا کروں وقت ہی نہیں ملتا۔ پتا نہیں کیوں  
سارے جانور پیار ہوتے جا رہے ہیں، ان کی دیکھ  
بھال میں تکی رہتی ہوں۔ بڑی مشکل سے یہ چادریں  
میں نے تیار کر لی ہیں۔ میں نے سوچا، سانول بھانگی  
جا کر دے دیں گے کیونکہ ہیرا میاں تو ٹھہری گیا ہوا ہے  
چار روز کے لیے۔“ تذراں جب بولنے پر آئی تو  
اسے روکنا مشکل ہو جاتا۔  
”کشمیراں کو بھی لے آتی۔ مورنی خوش  
ہو جاتی۔“

☆☆☆

ماہی بے خبر سو رہی تھی مگر سانول کو نیند نہیں  
آ رہی تھی۔ وہ صبح چار بجے تک جاگتا رہا۔ ماضی میں  
کھویا ہوا کھڑکی سے ٹھہر کر مٹی کو دیکھ رہا تھا۔ جب خدا  
مہربان ہوتا تھا، ہادل اس طرف آ جاتے اور پھر  
صحرائے قمر کے تمام علاقے کے مکین مجموعہ رقص  
کرتے..... ”ماہی بھی کتنا خوب صورت رقص کرتی تھی  
یہاں کا مخصوص لباس پہن کر وہ چھا جاتی تھی۔  
یہاں میرے ماں، باپ کی روحیں ہیں، جنہوں نے  
زندگی بھر محنت کی اور غربت کا مقابلہ کیا۔ کبھی اس  
گاؤں کو کسی نے بری نظر سے نہیں دیکھا۔ ماہی تھی  
محنت سے چادریں، کج، ٹوپیاں، کُرتے تیار کرتی  
ہے۔“ وہ اس کا مال لے کر سیٹھ کے ساتھ کراچی جاتا  
اور جو ملتا ماہی کے ہاتھ پر رکھ دیتا..... مگر کئی مہینوں  
سے سیٹھ کی بددیانتی نے اسے بدول کر دیا تھا۔ وہ  
بچیوں میں ہیرا پھیری کرتا تھا۔ آگے سے کچھ کہو تو  
دھمکی دیتا..... اس کے ڈیرے پر بھی عجیب سے  
لوگوں کا آنا جانا تھا۔ جو اسے غلط لگتے تھے۔ وہ یہ  
باتیں ماہی سے چھپانا چاہتا تھا، اسے معلوم تھا کہ اگر  
ماہی کو معلوم ہو گیا تو وہ چین سے نہیں بیٹھے گی۔ مگر وہ  
غیرت مند تھا۔ وہ چاہتا تھا ماہی گھر سے باہر نہ نکلے،  
وہ اس کی غیرت بن کر گھر میں رہے، اس کی نیندوں  
میں کمی ہو رہی تھی۔ مزاج میں بھی چڑچڑاپن آ گیا  
تھا۔ سورج سر پر آن پہنچا تو اسے ہوش آیا۔

”اس کی وادی کہاں آنے دیتی ہے، اسے  
پہلو سے لگائے رہتی ہے، جیسے میں اسے لے کر اپنی  
ماں کے پاس چلی جاؤں گی۔“ وہ برا سامنہ بنا کر  
بولی۔ ”اور سن ماہی..... تجھے پتا ہے ہماری بستی  
میں کچھ عجیب، عجیب سے لوگ آتے ہیں اور یہاں  
سے دو کوس دور محلہ بستی میں ایسی مٹی پڑھاتے ہیں کہ  
مردان کی ہاتوں میں آ جاتے ہیں اور عورتوں کو اپنے  
ساتھ شہر لے جاتے ہیں۔“  
”کیا.....؟“ ماہی کے ہاتھ میں بہت زور  
سے سوئی چھبی تھی۔

”دیکھ کر.....“ مورنی تڑپ کر بولی۔  
”وہ زلیخا کا میاں ہے ناں منحوس جو تجھے ایک  
آنکھ نہیں بھاتا تھا، وہ ہی غیر آدمیوں کو لے کر علاقے  
میں پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان عورتوں کو شہر بھیجو،  
لاہور، کراچی میں ان کے لیے بہت کام ہیں اور ماہی  
یہ بھی کہہ رہا تھا کہ بڑی عورتوں کی مانگ کم ہے اور  
پندرہ سال تک کی لڑکیوں کی زیادہ ہے۔“ وہ رک،  
رک کر بولی۔

”اوہ صبح ہوگئی..... جانا بھی ہے..... ماہی.....!“  
کہتا ہوا وہ غسل خانے میں جا کر پانی کے چھینٹے



اب صبح ہونے کو تھے

عورتوں کے ساتھ ہو رہا تھا، وہ اس واقعے سے ہی جھلستی جا رہی تھی۔

☆☆☆

چاندنی میں نہائے ماحول سے گزرتے ہوئے سائول سوچ رہا تھا کہ اس کی آمدنی کتنی کم سے کم ہوتی جا رہی ہے..... مگر ماہی کی محبت نے غربت کی گھنٹی کم کر دی تھی۔

”سارا دن کتنی محنت کرتی ہے، وہ بالکل میری ماں کی طرح ہوتی جا رہی ہے۔“ سائول اب ماں کو یاد کر رہا تھا۔

”میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا ماں کہ میں بڑا ہو کر اتنی محنت کروں گا کہ تمہاری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ تمہاری آنکھیں ٹھیک کرواؤں گا۔ تمہارے ہاتھ، تمہاری اٹھکیاں کتنی زخمی ہو گئی ہیں۔ ماں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اور ماں اس کے بچنے پہ سادگی سے مسکرائی ہوئی زبیں دوڑ ہو گئی۔ ماہی اور اس کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے۔ اللہ نے ان کو ایسی اولاد کی نعمت نہیں دی تھی۔ مگر ماہی کی چھوٹی لاڈلی بہن مورنی دونوں کی آنکھوں کی رونق تھی۔ دونوں اسے دیکھ، دیکھ کر جیتے تھے۔ وہ جانے کیا سوچے جا رہا تھا۔ وہ اب گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر تھا۔ جب اس کے کانوں سے کسی دینگن کے بریک چر جانے کی آواز گرائی اور کچھ دیر بعد گاڑی جھلکے سے رکی۔ اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا۔

رات سوچ کی گہری تہائی میں معلق تھی اور صحرا میں گونجتی بے قرار ہوائیں، آسرا اور بے آسرا عورتوں کی رگوں میں دوڑتے خون کو رستہ خاص بتانے والا چاند پڑ مردہ تھا۔ نسوانی آوازوں کا شور نمایاں تھا۔ ان کی مرضی کے خلاف یہ سفر تھا۔ وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی گھر کے قریب ہوتا گیا کہ اسے اپنی عزت زیادہ عزیز تھی۔

☆☆☆

”ہائے رہاں.....“ ماہی اولیٰ کر بولی۔

”ہاں، ہاں ماہی کتنی ہی عورتیں چلی گئی ہیں اور لڑکیوں کو بھی لے جا رہے ہیں، کہتے ہیں، بہت سے پیسے ملیں گے۔ یہ بڑی، بڑی کونٹیوں میں بہت کام ہوتے ہیں، وہاں ضرورت ہے، تم لوگ پیش کر کے پیش..... تمہاری بیٹیاں تو ڈولر ہیں ڈولر..... ان کو یہاں سے نکالو..... ہاں، ہاں سیکینڈ اوی نے تو اپنی بیٹی کو بھجوا دیا ہے۔ بڑی خوش نظر آرہی ہے، چھ مہینے سے کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ مجھے تو بڑی پریشانی رہتی ہے، میرا گھر والا تو کشمیراں کے لیے کہہ رہا تھا کہ اس کو بھی بھیج دیجئے، حالات بدل جائیں گے۔ ہائے میرا تو کلیجا باہر آ گیا۔ پورے ایک مہینے بات نہیں کی اس سے نہ بھئی نہ۔“

ماہی اس کی باتیں سن کر ہونے لگی کیا ہو گیا تھا گاؤں کے مردوں کو اپنی ہی عورتوں کو غلام بنا کر بیچ رہے ہیں۔

”بات سن... ماہی! تو پہلے والی ہی بن جا۔ ان سب کو سمجھا، تیری بات میں تو دم ہے۔ وہ تیری این جی او والی باہی اینہ..... جن سے تو نے پڑھنا سیکھا تھا، کچھ کر ماہی..... تو پہلے والی ماہی بن کر سوچ.....“

”پہلے والی ماہی؟“ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں، ماہی! سب کے حقوق کے لیے لڑنے والی، تو کر سکتی ہے ماہی یہ لڑکیاں ہماری عزت ہیں، ان کو قید کر کے لے جانے والے یہ کون ہیں؟“

”اچھا سائول سے بات کروں گی پہلے.....“

تجھے پتا ہے وہ اب ان باتوں کو پسند نہیں کرتا۔“ وہ دھیرے سے بولی۔

”نہیں ماہی تو سائول بھائی کو پتا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے یہاں..... اور ہو سکتا ہے انہیں۔ پتا بھی ہو۔“ نذیراں جذباتی ہو کر بولی۔ ”خیر میں چلتی ہوں۔ یہ مال سائول بھائی سے بھجوا دیتا۔“ جھلستی دھوپ گھروں میں آباد ہو رہی تھی مگر جو کچھ گاؤں کی

”کیا کروں اسے دکھاؤں یا مال پہنچا کر آ جاؤں۔  
 پیسوں کی بھی ضرورت ہے۔“ اس نے بے بسی سے  
 سانول کو دیکھا جو بے سندھ پڑا تھا۔ وہ بڑبڑائی۔  
 ”چلوٹاں ماہی ہم خود ہی لے جاتے ہیں مال،  
 نا۔ نذیراں کو بھی لے جاتے ہیں، جلدی آ جائیں  
 گے۔ چلوٹاں ماہی۔“ مورنی ضد کرنے لگی۔  
 ”باز یہ ٹھیک ہے۔“ ماہی کو اس کی بات سمجھ  
 آ گئی۔ ”مال دے۔ کھرب حساب کر کے پھر سانول کو ڈاکٹر  
 کے پاس لے جاتی ہوں۔“ وہ جلدی، جلدی چادر  
 اوڑھنے لگی۔

”سانول بھائی، ہم آتے ہیں تم پریشان نہ  
 ہونا۔“ مورنی بھاگی ہوئی تخت پر سوئے ہوئے  
 سانول کے پاس گئی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے  
 لگی۔ سانول نے بہ مشکل آنکھیں کھولیں، مورنی  
 کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

”کہاں؟“ تقابہت بھری آواز میں پوچھا  
 ”اتنا سارا مال جمع ہو گیا ہے۔“ ماہی نے  
 جواب دیا۔ ”مجھے فکر ہو رہی ہے، نذیراں کو لے کر  
 جاؤں گی اس کا بھی مال ہے، میں اور وہ ساتھ ہیں،  
 تو فکر نہ کر۔ آتے ہیں تو پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے  
 ہیں، چل مورنی۔“ وہ پاؤں میں چپل پہنتے ہوئے  
 سامان اٹھانے لگی۔

”او..... سن تو سہی..... ادھر سینٹھ کے ڈیرے  
 پر جانے کی ضرورت نہیں، میں خود پہنچا دوں گا دو  
 ایک دن میں..... اتنا بھی کمزور نہیں ہوں میں۔“  
 مگر وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی مورنی کے ساتھ  
 سامان اٹھائے گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ بیمار  
 سانول کے چہرے پر لگرو پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

☆☆☆

ماہی اور نذیراں ساتھ، ساتھ چلتی ہوئی جاری  
 تھیں۔ ان سے کچھ قاصلے پر مورنی اور کشمیراں اپنی  
 دُھن میں مگن خوش، خوش آگے بڑھ رہی تھیں۔

سانول نے ماہی کے ہاتھ میں پیسے رکھے، جو  
 زندگی گزارنے کے لیے ناکافی تھے۔  
 ”بس یہی پیسے ہیں؟“ ماہی حیرت سے بولی۔  
 ”میں کیا کروں، سینٹھ جو دیتا ہے وہ تیرے  
 ہاتھ میں رکھ دیتا ہوں۔“  
 ”اس نے کچھ پیسے روکے ہوتے ہیں۔“ وہ  
 بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

”اب تو پان کھانا بھی چھوڑ دیا ہے تیری  
 قسم..... اور سگریٹ بھی صرف دن میں چار  
 مرتبہ.....“ وہ ناراضی سے بولا۔

”اپنی آنکھیں دکھا ذرا.....“ ماہی فوراً ہی بولی۔  
 ”یہ دیکھ لے۔“ اس نے فوراً ہی اپنی  
 آنکھیں ماہی کی آنکھوں میں جیسے ڈالتے ہوئے کہا۔  
 سانول کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور  
 آنکھوں سے پانی بہ رہا تھا۔ وہ بے اختیار بولی۔  
 ”سانول! تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ادھر  
 دکھا اپنا ہاتھ۔“ وہ اس کا ہاتھ دیکھ کر بولی تھی۔  
 ”جھے تو بہت تیز بخار ہے، چل اندر چل، آرام  
 کر..... چل، چل.....“

”ارے کچھ نہیں ہے مجھے، ٹھیک ہوں میں۔“  
 وہ اس کے ہاتھ کو نرمی سے جھٹکتے ہوئے بولا مگر وہ اس  
 کی ضد کے آگے مجبور ہو گیا۔

☆☆☆

سانول کی طبیعت سنبھل نہیں پاری تھی۔ بخار کا  
 زور بروز... بڑھتا جا رہا تھا۔ ماہی نے آرڈر کا سارا  
 کام تیار کر کے رکھ دیا تھا مگر سانول روز بروز کمزور  
 ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ کھا لیں نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو  
 اس نے کہا کہ پیلیا ہو گیا ہے۔ شہر والے ڈاکٹر کو  
 دکھا دو۔ ایک طرف سانول کی پریشانی اور دوسری  
 طرف تیار مال تھا..... جس سے گھر کی روٹی چلتی  
 تھی۔ علاقے کے ڈاکٹر نے کہا تھا کہ زیادہ طبیعت  
 خراب ہو تو سہی والے ڈاکٹر کو دکھا دینا۔

## اب صبح ہونے کو ہے

”اچھا بھئی! چھانڑی سے بات کر۔“ سینٹھ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

”جلدی سے دیکھو ایک، ایک دانہ محنت سے بنا ہوا ہے، کہیں کھوٹ نہیں ہے اور ہمارا حساب صاف کرو۔“ ماہی نے غصے سے کہا۔

”بات تو سچ ہے تیری، دانہ تو بالکل ٹھیک ہے۔“ سینٹھ ذومعنی انداز میں بولا۔

”پلو جلدی سے پیسے نکالو اور کتنا چیک کرو گے۔“

”دیتا ہوں، بھئی۔“ سینٹھ کھیانی ہنسی ہنستا ہوا دراز سے پیسے نکالنے لگا اور ایک پرچی پر تفصیل لکھ کر ماہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”یہاں اگھٹھا لگا دے۔“

”اگھٹھا صحاب نہیں ہوں میں، اپنا نام لکھتی ہوں۔“ ماہی نے کہتے ہوئے قلم تھسیٹ کر اپنا نام لکھا۔

”آج کی محنت کے پیسے ہیں اور جو سانول کو تو نے بے وقوف بنا کر کچھ پیسے روکے ہیں وہ بھی تم دے دو۔“

”کیا؟“ سینٹھ ہٹکا بکا رہ گیا۔

”ہاں، میں سب جانتی ہوں، تم میرے شریف مرد کو ساتھ لے جا کر سارا دن تھکاتے ہو اور اپنا حصہ وصول کر کے ہمیں کیا دیتے ہو، اپنی قبر میں لے کر جاؤ گے کیا؟ چلو جلدی کرو۔“ ماہی اتنی بلند آواز میں کہہ رہی تھی کہ سینٹھ کو سخت سردی میں بھی پسینے آرہے تھے۔ اس کی بوتلی بند ہو گئی تھی۔ اسی وقت دو اجنبی مرد اندر داخل ہوئے، اندر کا منظر دیکھ کر حیران ہو گئے۔ ماہی پھری ہوئی شیرنی کی طرح کھڑی تھی اور سینٹھ جلدی، جلدی اس کا حساب صاف کر رہا تھا۔ وہ دونوں ماہی پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔

ماہی نے اپنی محنت کا معاوضہ لیا اور ان دونوں اجنبیوں کو دیکھ کر سینٹھ سے بولی۔

”جب کوئی باہر کے لوگ علاقے میں آئیں تو ان کو بتاؤ کہ گاؤں کی بیٹیوں، عورتوں کو دیکھ کر نظریں

”ماہی! تو نے کچھ کوشش کی، گاؤں کی عورتیں تیری طرف دیکھ رہی ہیں، دیکھ وہ بے وقوف بنا کر ہماری بیٹیوں کو لے جا رہے ہیں، تجھے بتا ہے میرا میاں جاوید کتنا لالچی ہے، اس کا بس چلے تو رہ اپنی بیٹی کو بیچ دے۔“ وہ رونے لگی۔

”خدا نہ کرے، بھروسہ رکھ، میں آج ہی ایندھ میڈم سے بات کرتی ہوں۔“ ماہی نے اسے تسلی دی۔

”ماہی.....“ آگے جاتی مورنی نے پیچھے مڑ کر کہا۔

”وہ تجھے اپنا وعدہ یاد ہے یاں.....“ وہ اسکول کی عمارت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”ہاں مورنی! ضرور اس سال تجھے پڑھاؤں گی۔“ ماہی نے اس کی خواہش کو اپنے دل میں درد کی طرح محسوس کیا۔

مورنی خوش ہو کر پھر کشمیراں کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور نڈیراں بھی ماہی کو دیکھ رہی تھی۔ جو کہہ رہی تھی۔

”نڈیراں پڑھائی بہت ضروری ہے۔ اس کو سمجھ کر ہمیں انسانیت سمجھ میں آتی ہے، ہمارا وقت شاید گزر گیا مگر میں نے جو کچھ ایندھ میڈم سے سیکھا ہے، وہ مجھے سچ اور غلط کا مطلب بتا گئی ہیں۔“

ماہی کی باتوں کو سنتے ہوئے دونوں سینٹھ کے ڈیرے پر پہنچ چکی تھیں۔ مردوں کا جم غیر تھا، تھرکی محنت ڈیوں میں پیک ہو رہی تھی۔

ماہی بے خوف ہو کر بلا جھجک سینٹھ کے سامنے کھڑی تھی۔

”کیا بات ہے سانول نہیں آیا؟ جو اپنی بیوی کو بھیج دیا اس نے۔“ گہری رنگت والا اور بڑی، بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا یہ سینٹھ تھا جو ماہی کے مال کا جائزہ لے رہا تھا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ ماہی نے سینٹھ کے انداز پر گھور کے تڑخ کے جواب دیا۔

## بلاعنوان

”میں نے زندگی کو ہمیشہ ویسا ہی سمجھا..... جیسی کہ یہ ہے سچ ترین، کانٹوں سے بھری ہوئی..... یہ ایک حقیقت تھی کہ مجھے ہر وہ چیز نہیں ملی جس کی میں نے چاہت کی..... پہلے تو میں نے جی بھر کے احتجاج کیا اور پھر بالآخر ہار مان لی۔ آخر کب تک کوئی تقدیر سے لڑ سکتا ہے؟“ اتنا لکھنے کے بعد پھر میرے خیالات منتشر ہونے لگے، آخر ایک حساب دل رکھنے والی رائٹر کو اس کا آئیڈیل ماحول نہ ملے تو وہ کیسے اپنے چاہنے والے بے شمار قارئین کے لیے لکھ سکتی ہے۔ صبح سے تو گھر میں تماشا نا ہوا ہے، اگر میں نے کام نہیں کیا تو کون سا طوقان آگیا؟ اپنی اتنی ساری بیٹیاں بیٹھی ہیں، وہ کیوں نہیں کام کرتیں؟ جب دیکھو ساس صاحبہ میرے سر پر سوار ہو جاتی ہیں، میں نے اس لیے تو ان کے بیٹے سے شادی نہیں کی کہ تو کرانی بن چاؤں اور اپنا کیرئیر بھول جاؤں، ہونہہ.....

میں شہلا گل اپنی ماں کی لاڈلی بیٹی، دو بھائیوں کی اکلوتی بہن..... سکہ کی بے حد مشہور نہ سکی کم نامور سہی..... لیکن رائٹر تو ہوں ناں..... دو تین ناول تو لکھ ہی چکی ہوں اور انکس لٹریچر میں ماسٹر کیا ہے، یہ کیا کم بات ہے، مقامی کالج میں لیکچرار ہوں اتنے اونچے مقام پر پہنچ کر اگر میں نے شادی کر لی تو اس لیے تو نہیں کی تھی کہ ساس کی خدمت کروں اور تنہوں کو بٹھا کر کھلاؤں۔ پتا نہیں ڈائیں کب وضع ہوں گی؟ شادیاں بھی تو نہیں ہو رہی ان تہی..... اپنے بھائی پر پتا نہیں کیا جاو کر تہی رہتی ہیں کہ وہ میری سنا ہی نہیں..... لگتا ہی نہیں کہ یہ وہی ولید ہے جو شادی سے پہلے میرے آگے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ ہر وقت ماں، بہنوں کے کام کرتا ہے، کبھی سو دالار رہا ہے، کبھی ابا کو مسجد چھوڑنے جا رہا ہے، کبھی دو دالار رہا ہے تو کبھی کچھ..... اوہ دو ایسے یاد آ یا کہ امی کی دو ابھی ختم تھی، رات کو بتا رہی تھیں کہ دو ختم ہونے والی ہے، ہون کر کے ذرا بھائی کو تڑی تو لگاؤں کہ شادی کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ باقی رشتے ختم..... اب اگر امی، بھائی کو اپنے کام نہ کہیں تو اور کس کو کہیں؟ اگر دونوں بھائی ہی اپنی بیویوں کے کہنے میں آگئے ہیں تو میرا فرض ہے کہ ان کو سمجھاؤں کہ ایسے تھوڑی ہوتا ہے، ہمیری

یولا۔ ”جل شمشیر کے پاس چلتے ہیں..... بہت عورتوں کی ڈیماٹھ آئی ہے۔“ وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

”بھائی میری بات کان کھول کر سن لے۔ اس کی طرف دیکھنا بھی مت..... وہ بہت دکھری ہے اور کچھ دنوں کے لیے تم لوگ میرے ڈیرے کو بھول جاؤ۔ مجھے کچھ خوف محسوس ہو رہا ہے۔ جاؤ بھی جاؤ۔“ سیٹھ نے کہا۔

”ہونہہ بزدل کہیں کا..... بہت دیکھی ہیں ایسی لڑکیاں؟ اس نے حقارت سے کہا..... مگر تھوڑی دیر کے لیے سیٹھ کے ڈیرے پر خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی جو انسانوں کو سوچنے کا وقت دے کر قسمتوں کے فیصلے کیا کرتی ہے۔

☆☆☆

ماہی سیٹھ کے ڈیرے سے نکلے ہی کوٹنے میں بنے ایک جنرل اسٹور میں آگئی۔ چھوٹے سے کیبن میں تون کی بھی سہولت تھی۔ نذیراں حیران ہو کر ماہی کو

احترام سے جھکاتے ہیں۔“ اور یہ کہتی ہوئی ڈیرے سے باہر آگئی۔

”کون تھی یہ شیرنی.....؟“ آنے والوں نے سیٹھ سے پوچھا۔

”اس گاؤں کی سب سے بہادر اونگھی لڑکی..... شادی سے پہلے تو بہت جبری اور منہ پھٹ تھی۔ شادی کے بعد گھر کی ہو گئی تھی مگر آج اس کی آنکھوں میں وہی تیور تھی۔“ سیٹھ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

”اچھا پھر کیا خیال ہے؟ ایسے ہی تیور اور رجھاؤ تو چاہیے ہمیں..... پھر جال پھینک کر دیکھیں۔ سب ہی کمال کی تھیں، وہ دوسری بھی.....“ وہ اجنبی ماہی کے ساتھ نذیراں اور سوزنی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”بھی سوچنا بھی مت..... جو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا ہے، اس کی آنکھیں نکال دیتی ہے۔“ سیٹھ خوف زدہ ہوا۔

”اوائے بہت دیکھی ہیں۔“ وہ تسمیر سے

ماں نے انہی بھائیوں کے لیے ساری عمر نوکری کی..... کما کر کھلایا، اب تو ساری عمر گھر بیٹھے رہے، ان کو عادت نہیں مگی کام کرنے کی..... بس سارا دن وادی اور پھوپھوں کے ساتھ بیٹھے رہتے یا بستر توڑتے رہتے..... ہونہ بھائی فون نہیں اٹھا رہے، یقیناً بیویوں کے ساتھ بیٹھے ہوں گے، مجھے جیسے پتا ہی نہیں ۱۲ مگی جا کر خود چھا پا مارتی ہوں، چھوٹی بھائی نے آج بریائی بھی بنائی ہوگی، جمعہ ہے ناں..... چٹوری کہیں کی..... ساری کھا جائے گی، امی کو پتا نہیں اچھی والی بوٹیاں دے گی بھی یا نہیں..... ولید کو بیچ کر دوں کہ وہ بھی وہیں آ جائیں۔ ساس صاحبہ کو بتا دوں کہ آج سبزی ہی بنا لیں، ہم تو کھانا نہیں کھائیں گے۔

☆☆☆

آج جمعہ ہے، ضرور وہ محسوس پہنچے گی، خوشبو تو پہنچ گئی ہوگی کہ آج میں نے بریائی بنائی ہے، جب دیکھو ہمارے سروں پر سوار ہو جاتی ہے، بھائیوں کی لاڈلی ہے تو ہوتی رہے، بریائی ٹھکانے لگا کر آؤں۔ بلکہ ایسا کرتی ہوں کہ دال جڑی ہادی ہوں، آئے ذرا آج مزہ چکھائی ہوں رائٹر صاحبہ کو..... غلطی سے ایک دو کہانیاں کیا چھپ گئیں خود کو کیا چیز سمجھنے لگی ہے، ہونہ..... مجھے اپنی پریشانیاں کم ہیں، جو یہ بھی آجاتی ہے ٹینشن بڑھانے اور ماں اور بھائیوں کے کان بھرنے..... ماں سے یاد آیا..... امی کو ٹون کر کے پتا تو کروں کہ آج بھائی ان کی طرف آئے سینے کا خرچہ دینے یا کچھ بھائی باری کی طرح بھول گئے۔ پتا نہیں لڑکیاں جب بھابھیاں بن جاتی ہیں تو ایسا کیوں کرتی ہیں؟ امی بچاری کتنی مشکل سے گزارہ کرتی ہوں گی۔ امی تو دو بہنیں اور بھی بیٹھی ہیں، ماہیں کتنی مشکل سے بیٹوں کی پرورش کرتی ہیں، ان کو کسی مقام پر پہنچاتی ہیں اور آنے والی سمجھتی ہی نہیں کہ وہ کسی کی عمر بھری پوچی کو کیسے لوٹ کر لے جاتی ہے۔ میں بھی کہاں کھو گئی۔ دال تو چڑھ چادوں پھر شام کو امی کی طرف چکر لگاؤں گی اگر بھائی نہیں آیا تو بھائی کی ایسی خبر لوں گی کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

تحریر: آم بیسہ گندو

ہیں۔ سانول کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔“

☆☆☆

”تو نے میری بات نہیں مانی۔ کیوں مگی تو سیٹھ کے ڈیرے پر؟ وہاں اچھے لوگ نہیں آتے، تو میری بیوی ہے۔“ سانول غصے میں کہہ رہا تھا۔ ”تجھے میری عزت کی پروا نہیں؟“

”دیکھ سانول میری بات من۔“ وہ ملامت سے بولی۔ ”میں تیری عزت ہوں تو تیری عزت کا خیال رکھنا بھی جانتی ہوں تو ایسی کم ہمت بات نہ کیا کر۔“

”میں کم ہمت نہیں ہوں..... میں اپنے گھر کا ذمے دار ہوں، کوئی میرے گھر کی طرف کیوں آنکھ اٹھائے..... تو خود بھی مگی اور مورنی کو بھی لے گئی۔ تجھے کچھ پتا بھی ہے؟ سانول کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولی۔ ”مجھے سب پتا ہے، چاہے تو مجھے کچھ نہ بتا..... صرف ہمارا گھر نہیں سانول.....! یہ سارے گھر ہماری عزتیں ہیں۔ ہمارے اماں، ابا کی

دیکھ رہی تھی۔ پارہ صفت اس کی ادا نہیں تھیں۔ ماہی نے پلو کے ساتھ بندھے شیشے جڑے کپڑے کا بیٹا نکالا اور اس میں سے ایک پرچی نکالی اور لڑکے کو نمبر ملانے کو کہا۔ نمبر ملتے ہی ماہی بے قراری سے ساری صورت حال بتانے لگی۔ نذیراں کو اتنا سا احساس ہو گیا تھا کہ ماہی نے اپنا کردار ادا کر دیا ہے اور گاؤں کی عزت گاؤں کی مصوم لڑکیوں کو اب کوئی غلام نہیں بنائے گا۔ فون رکھنے کے بعد ماہی کے چہرے پر سکون تھا۔ جیسے اس نے بہت کچھ پالیا ہو۔

☆☆☆

”بہت اچھا کیا جو تو نے سیٹھ کے مزاج صاف کر دیے۔ جو بات تجھ میں ہے ماہی وہ کسی میں نہیں۔“ نذیراں اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا نذیراں بس ہمیں ہمت کرنی ہوگی اور خود کو پہچانتا ہوگا۔ چل گھر چلتے

غلام بنا کر خود سے دور کر دیا۔ انسان کا لالچ اس کو لے ڈوبتا ہے۔ ان معصوم کلیوں سے ان کے خواب مت چھینیں۔ انہیں تعلیم دیں، یہ اسکول ہم نے کس کے لیے بنایا ہے، ظاہر آپ سب کے لیے تاکہ سچ اور غلط کی پہچان ہو سکے۔“ میڈم ایند نے معصوم چہرے والی نادان لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

”اپنی غلام سوچوں کو روکیں اور ان کے خوابوں کو خواہشوں کو نہ چلیں اور ان کو نہ روندیں۔ ان کی نسوانیت کو تار تار نہ کریں۔ یہ انسانیت کا نل ہے اور اس نل کو روکنا میرا اور آپ کا ہم سب کا کام ہے۔“

”ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔“ عورتیں یک زبان بول رہی تھیں۔

”مائی ہماری نمائندہ ہے اور ہم حکومت کے ساتھ مل کر اپنے ملک کی خواتین کو ہنر کے میدان میں بین الاقوامی سطح پر لے جائیں گے۔ آپ اپنی بچیوں کو ہنر کے ساتھ تعلیم دلوائیں۔ یہ ان کا حق ہے، تعلیم خود ان کی سچ سمت میں رہنمائی کرے گی۔“

سارے کمرے، ٹی وی جھنڈو، ان لہجوں کو قید کر کے یہاں سے جا چکے تھے، ریڈیو کے نمائندے مائی کا انٹرویو لے رہے تھے اور وہ فخر سے سراٹھائے ہوئے تھے جو ہنرمند تھی اور تعلیم کا شعور بھی رکھتی تھی۔ سب حیرت سے منہ پھاڑے کتے کی حالت میں تھے۔

”عورت کی عزت ایک قیمتی موتی جیسی ہے مگر اس موتی کی حفاظت وہی کرتا ہے، جو موتی کی قدر و قیمت جانتا ہے۔ یہ خواہ کی بیٹی گلاب کی بھی پرکھ رکھتی ہے اور کانٹوں کی بھی اور جب اسے شعور مل جائے تو کانٹوں سے دامن بچاتی ہے اور گلابوں سے اپنا دامن بھر لیتی ہے۔ میرے گاؤں میں اب صبح ہونے کو ہے، اب اندھیرا نہیں.....“ وہ علاقے کا غرور بنی سب کے دلوں میں اتر گئی اور احترام سے سب کے سر جھک گئے تھے۔



عزتیں اس مٹی سے ہیں تو ان سب کا دکھ ہمارا دکھ ہے اور سب کی عزتیں ہماری عزتیں..... تو اپنی سوچ کو بدل۔ میں نے تجھ سے بغاوت نہیں کی۔ تیرے ساتھ مل کر چلنا چاہتی ہوں۔ وہ ہمارے گاؤں کی تھی لڑکیوں کو بہکا کر لے گئے ہیں۔ ان کا کچھ پتا نہیں اور تو صرف اپنے گھر کو بچا رہا ہے۔ نہیں سائل.....! سب کے بچنے میں ہی ہم سب کی عزت ہے۔“ سائل اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا اور شرمندگی بھی کہ اس نے خود مائی کو غلام بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کی سوچ پہ پہرے بٹھا دے تھے کہ وہ صرف اس کی بیوی بن کر گھر میں رہے گی۔ مگر وہ ہیرا تھی۔

”اچھا اب زیادہ نہ سوچ کل کے سورج کا انتظار کر.....“ وہ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔ ”بس مجھ پر اعتبار کر..... میں تیری بیوی ہوں اور تیرے ساتھ سے میں زیادہ بہادر ہوں سائل.....! میں اپنی مٹی کے لیے جیتی ہوں اور مٹی کی حفاظت کرنا چاہتی ہوں لیکن تجھ کو مجھ پر اعتبار کرنا پڑے گا۔“

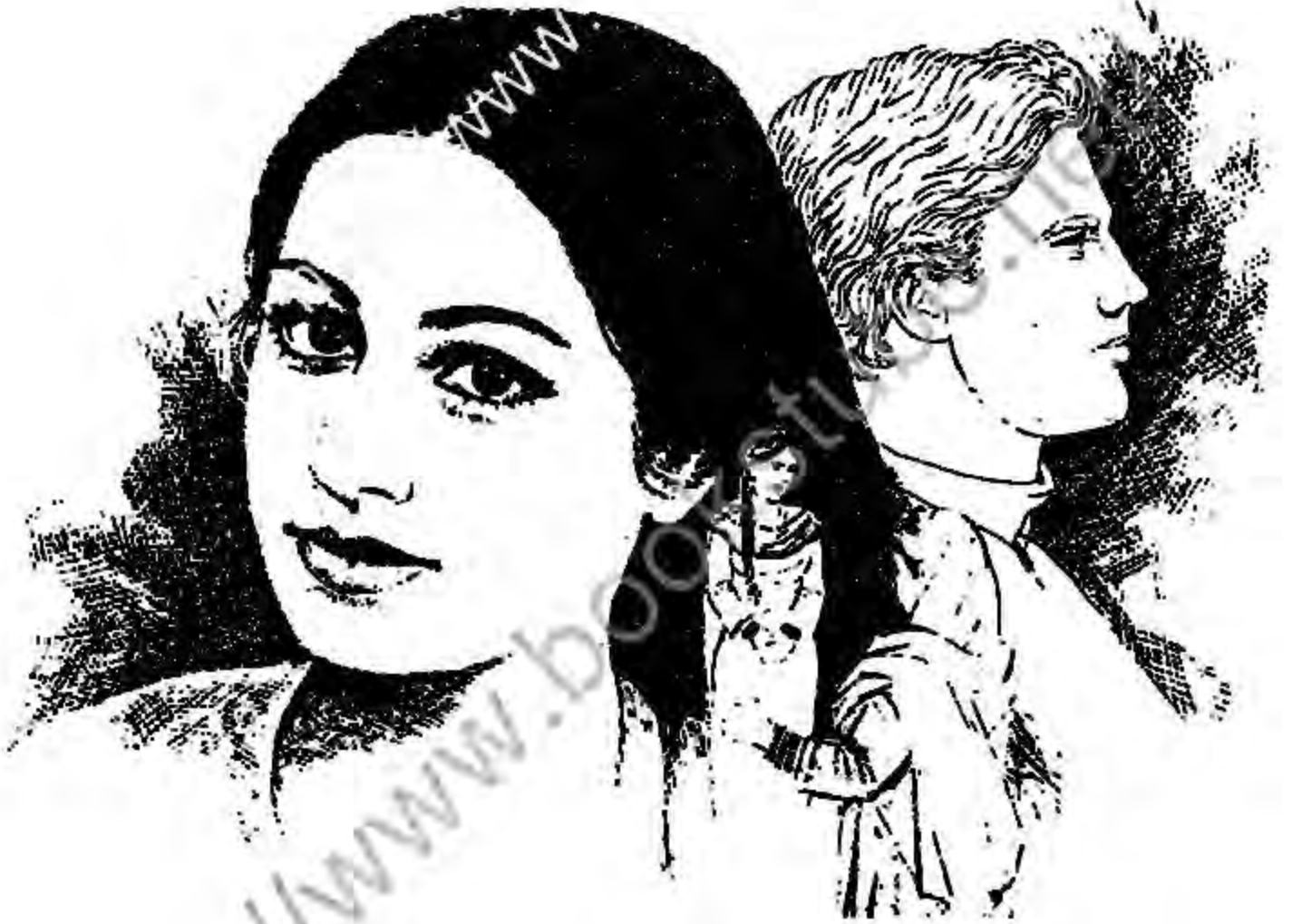
”اچھا بابا..... تو، تو میرا غرور ہے میری مائی.....! میں تیرے ساتھ ہوں، ہم مل کر اس گاؤں کی لڑکیوں کو بچائیں گے۔“ مائی نے سکراتے ہوئے آسودگی سے اپنا سر سائل کے کندھے پر نکا دیا۔



کرشن نگر میں ایک رش کا عالم تھا، مختلف جھنڈو کے کمرے روشن تھے، ایند میڈم کے ساتھ شانہ بشانہ چلتی ہوئی مائی ایک حکمت کے ساتھ کھڑی تھی۔

”مائی کا بے حد شکر یہ کہ اس نے ہمیں ساری معلومات دیں اور اسی کی وجہ سے ہم کامیاب ہوئے اور حکومتی سطح پر ہمیں کامیابی ملی..... یہ بچیاں، یہ لڑکیاں ہمارا مان ہیں، ہماری آبرو ہیں، افسوس ہے مجھے ان مردوں پر جو باپ، بھائی ہوتے ہوئے پیسے کی چمک میں ہوس کو نہ پہچان سکے اور اپنی عورتوں کو

رنگی کہیں کی کہیں  
 فتیۃ العین شکیل



آج کالی گھٹانے اس طرح آسمان کا کھیراؤ کیا  
 کہ دوپہر بارہ بجے ہی شام کا گمان ہونے لگا۔ اتنا  
 خوب صورت موسم اور یہ کھانا..... سامنے رکھی مسور کی  
 پتی وال اور روٹی دیکھ کر میری آنکھوں میں سچ سچ  
 آنسو آ گئے، یہ نہیں تھا کہ میں کھانے کے لیے زندہ تھی  
 یا پھر بہت زیادہ پیڑھی بس آج بھوک نے اس قدر  
 بڑھال کیا کہ میں رونے بیٹھ گئی اور پر سے اتنا آفت  
 موسم اور ہمسائے کے گھر سے آتی اشتہا انگیز کھانوں

کی خوشبو.....

”آپا موٹر جل گئی ہے۔“ سامنے میری بارہ سالہ بہن منہ بسورے کھڑی تھی۔

”ہائے ربا!“ میری سانس اوپر کی اوپر ہی رہ گئی۔ اس وقت اگر کوئی مجھے موت کا مژدہ سنا دیتا تو اتنا افسوس نہ ہوتا جتنا یہ سن کر ہوا تھا۔ برتنوں کا انبار اور پورے ہفتے کے کپڑے اور موٹر بھی ہماری ایسی جو مہینے سے پہلے صبح ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے آتے آنسو مارے صدمے کے خشک ہو گئے۔ میں کاہتی ناگوں کے ساتھ موٹر تک آئی جو بارش کی وجہ سے پوری طرح بھیگ چکی تھی اور بٹلے کی بو کی وجہ سے وہاں کھڑا ہونا دشوار تھا۔

”مسٹر اکیسا ہوا؟“ اماں نے میری حالت کے پیش نظر مجھ سے سوال کیا۔

”اماں! موٹر جل گئی ہے۔“ میں روہانسی ہو گئی۔

”تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں سمجھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔“ میں نے حسرت بھری نظروں سے اماں کی جانب دیکھا کیسے انہوں نے اتنی بڑی بات چٹکیوں میں اڑا دی۔

”اچھا اب اپنی شکل سیدھی کر میں پروین سے کہتی ہوں دو منٹ کے لیے اپنا نایب لگا دے۔“ وہ کہہ کر پانی میں شڑپ، شڑپ کر لی باہر نکل گئیں اور میں اپنا سر پکڑ کر وہی چار پانی پر بیٹھ گئی۔ مگن سے آتی کھٹ پٹ کی آواز نے میری توجہ اس جانب مبذول کروائی اور میں فوراً مگن کی جانب لپکی۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہیں ابا.....؟“ جواباً انہوں نے گہری سانس بھرتے ہوئے پلٹ کر میری جانب دیکھا۔ ان کے چہرے پر فکر اور تفکرات کی پرچھائیاں دیکھ کر میں نے اپنی غائب و ماغی کو کوسا۔ با دو دروازہ علاقوں میں فریم بیچتے جاتے تھے پر جس دن بارش ہوتی ان کا یہ کام ٹھپ ہو جاتا کیونکہ بیس، وینس بارش کی

وجہ سے نہیں چلتی تھیں اور جو چلتیں وہ دگنا کرایہ لیتیں اس لیے ابا روٹی چلانے کے لیے آلو چاٹ، آلو کے چپس اور کبھی کبھار سموسے لٹکا لیتے۔

”لائیں ابا میں کر لیتی ہوں۔“ آگے بڑھ کر میں نے ان کے ہاتھ سے آلوؤں والا تھیلہ لے لیا جب تک میں آلو کاٹ کر فارغ ہوئی اماں بھی آگئیں۔

”مسٹر اجدلی سے کر لے جو کرنا ہے.....“ میں نے پہلے آلو دھو کر اماں کو پکڑائے کہ ابا کو جا کر دے دیں۔ وہ رینڈھی پر چیزیں لگا رہے تھے پھر جتنا بھی پانی تھا اس سے سنبھال کر سایے برتن دھوئے۔

”میری تو مت ہی ماری گئی ہے بھلا پہلے چنے اور آلو اٹھانے کے لیے رہ دیتی۔“ میں خود... بڑبڑائی۔ دھوئے ہوئے برتن وہی چھوڑ کر میں نے آلو

اور چنے دھو کر چولھے پر چڑھائے پھر دو ہالٹیاں بھرنے کے لیے باہر نکلیں۔ ایک ٹنگی پہلے ہی بھری جا چکی تھی۔ کچھ دیر میں پروین آگئی۔ حد ہو گئی ہے تم لوگوں کی۔

”دکب سے پانی لیا ہوا ہے اب بس کرو۔“ اس کے ماتھے پر پڑی تیوریاں دیکھ کر میں نے بوکھلا کر اماں کی جانب دیکھا۔

”مسٹر اجدلی سے دوسری ہالٹی رکھ دے اس کے جانے تک بھری جائے گی۔“ میں جو مجسمہ بن کر کھڑی تھی اماں کی ہدایت پر عمل کیا۔ پوری ڈیوڑھی اور مگن کچڑ سے لت پت تھا، میں جو کام سے فارغ ہو کر دائیں لگانے کا سوچ رہی تھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کمرے میں آگئی۔ پروین کے لہجے میں چھپی ہوئی تشویش نے میرا دل تک چھلنی کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد میں پھر باہر آگئی۔ فضا میں آلو فرانی کرنے کی مہک تھی اور صبح سے جو میرا دل کچھ اچھا کھانے کو لپکار رہا تھا یک دم ہر چیز سے بیزار ہو گیا۔

☆☆☆

آخری پریکٹیکل دے کر جب میں نے کالج



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

### بھار آئی

بھار آئی ہے تم بھی آؤ گلاب رت ہے  
ذرا تم بھی تو مسکراؤ گلاب رت ہے  
خیال رکھنا کہ اب بھی رت بدل نہ جائے  
نہ اور گہرا ہول کا گھاؤ گلاب رت ہے  
گلاب رت میں تو گل کھلتے ہیں چاہتوں کے  
تم اپنی چاہت کے گل کھلاؤ گلاب رت ہے  
کئی دلوں کو خزاں نے تاریک کر دیا ہے  
تم ان دلوں میں دیے جاؤ گلاب رت ہے  
خزاں رت میں جو پھول شاخوں سے گر گئے ہیں  
انہیں بھی اپنے گلے لگاؤ، گلاب رت ہے  
ہا کھلاؤ وفا کی کلیاں ہر ایک دل میں  
ہر ایک کو بہنوا بناؤ گلاب رت ہے  
شاعرہ: ایڈیٹس سہیہ ہاشم ہر گودھا

اس نے مجھے صبح کالج اتارا تو میں نے مائے غیرت کے  
کہہ دیا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں آنے کی میں خود ہی  
آ جاؤں گی۔“

”کس کے ساتھ آؤ گی؟“ اب کہ اس کی  
خاندانی غیرت عود آئی۔

”کسی لڑکی کے ساتھ آ جاؤں گی۔“ قدرے  
خفگی سے کہہ کر میں اندر آ گئی اور اب کھڑی اس وقت

کو کوس رہی تھی جب میں نے کہا تھا کہ خود ہی آ جاؤں  
گی۔ شام کے ٹائم اتنا سناٹا ہو جائے گا میرے وہم و

گمان میں بھی نہیں تھا۔ گیٹ کیپر بھی خونخوار  
نظروں سے گھور رہا تھا، ناچار میں وہاں سے نکل آئی

اور ایک سمت چلنے لگی۔ آگے جا کر سامنے دونوں  
اطراف سڑکیں تھیں۔

گیٹ کے باہر قدم رکھا تو پوری سڑک سنسان تھی عام  
طور پر یہاں جا بجا گاڑیاں بے پناہ ہجوم، خوانچہ  
فردشوں اور چھابڑی والوں سے یہ سڑک بھری رہتی  
تھی۔ مگر آج سیکنڈ ٹائم میں پریکٹیکل ہونے کی وجہ سے  
خاصا سناٹا تھا۔ ویسے بھی اس مضمون کی بہت کم ہی  
لڑکیاں تھیں۔ میں ایک مرتبہ پھر کالج کے اندر آ گئی۔  
کالج بھی تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ صرف کلرک آفس  
کے سامنے بی اسے کی چند لڑکیاں باتوں میں مگن تھیں۔

”اب کیا کروں.....“ اکیلے جانے کے خیال  
سے میری ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ یہ پریکٹیکل  
دینے کے لیے میں اپنی خالہ کے گھر آئی ہوئی تھی  
کیونکہ اہانے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ  
میں رکشے کا کرایہ ہرگز نہیں دوں گا۔ اس لیے میں  
نے اپنے کزن کی میس کی کہ میرے یہ مشکل دن نکال  
دے۔ میں امتحان کے لیے خالہ کے گھر آ گئی تھی  
جہاں سے یہ کالج نزدیک تھا۔ وہ خود ساختہ ہیرو نما  
کزن بڑی ناک بھوں چڑھا کر راضی ہوا تھا مجھے  
پک ایڈ ڈراپ کرنے کے لیے۔

”غیبت، ذلیل!“ میں نے دل ہی دل  
میں اُسے اور ڈیٹ شیٹ بنانے والے کو کجس نے

آخری پریکٹیکل سیکنڈ ٹائم رکھ دیا تھا خوب صلواتیں  
سنائیں۔ صبح جب میں تیاری کر رہی تھی تو وہ صاحب

اپنی اماں سے گفت و شنید کر رہے تھے اور اس وقت  
مجھے اپنی قوتِ سماعت جس پر بوا نظر تھا زہر لگی۔

”اماں یہ کیا مصیبت آپ نے میرے سر پر  
ڈال دی ہے پورے مہینے سے چپٹی ہوئی ہے، محترمہ کا

باہر انتظار کرو اپنی دھوپ ہوتی ہے اس وقت۔“ میرا  
جی جاہا کہ اسے کھری، کھری سناؤں کون سا میں نے

انتظار کروایا تھا۔ پر ہائے ری مروت.....

”ہاں، ہاں ہم نے کوئی ٹھیک لیا ہوا ہے، اتنا  
مہنگا پٹرول ہے، لوگوں کو تو شرم ہی نہیں آتی۔“ خالہ  
نے بھی صاحبزادے کی ہاں میں ہاں ملائی اور جب

بچ کر سرعت سے اماں کے مقابل کھڑی ہو گئی۔  
 ”اماں آپ سے کس نے کہا دیا کہ آپ پھوپھو کو  
 یہاں بلائیں۔“ مارے غصے کے میں نے یہ مشکل  
 فقرہ پورا کیا۔

”تیری تو مت ماری گئی ہے مسرا..... شادی بیاہ  
 کے معاملات بھلاڑ کیوں سے پوچھ کر طے کیے جاتے  
 ہیں۔“ انہوں نے بے پروائی سے اپنے سر کو جھٹکا۔

”اماں مجھے انجی شادی نہیں کرنی۔ آپ  
 انجی طرح جانتی ہیں کہ چند دنوں میں میرا زلٹ  
 آ جاتا ہے پھر میں نوکری.....“

”اپنی بیواں بند کر، میرا کیا دماغ خراب ہوا  
 ہے جو تجھ سے نوکریاں کرواؤں۔ جا کر اپنا گھر بسا  
 تاکہ میں بھی سکھ کی سانس لے سکوں۔“ اماں نے میرا  
 جملہ بھی پورا نہ ہونے دیا اور اپنے ارشاد سنا دیے۔

”اماں کیا تیرا دل نہیں کرتا گھر میں پیسے  
 آئیں، خوشحالی ہو.....“

”پھر وہی بات، مسرا میں اس گھر کو چلانے  
 کے لیے تیری جوانی نہیں رولوں گی، اللہ کا شکر ہے  
 اپنے حصے کا رزق مل رہا ہے۔ پھر کیوں تجھے درد کے  
 دھکے کھانے دوں..... تو تو کسی دوسرے آگن کا پودا  
 ہے جس پر اب میرا حق نہیں۔ اس لیے میں چاہتی  
 ہوں تو جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جا۔ اور پھر زندگی کی  
 خوشیوں پر تیرا بھی تو حق ہے۔ کیا تیرا دل نہیں کرتا  
 تو زندگی اچھے طریقے سے گزارے جو کیاں تو نے  
 یہاں دکھی ہیں وہاں ان کا ازالہ ہوگا ہم ماں، باپ  
 تو صرف کوشش ہی کر سکتے ہیں۔“ یہ سب کہتے ہوئے  
 اماں آبدیدہ ہوئیں۔ اور میں اماں کے گلے لگ کر  
 پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

پھر میں بیاہ کر پھوپھو کے گھر آ گئی۔ اتنا بڑا گھر  
 اور ہر کام کے لیے الگ الگ ملازم۔ کئی دن تو میں  
 زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہی پھر آہستہ،  
 آہستہ زندگی کی حقیقتیں واضح ہونے لگیں۔

”یہ میں کہاں آ گئی۔ اس طرف تو روز نہیں  
 جاتی تھی۔“ میں نے واپسی کا قصد کیا لیکن جب سڑک  
 دیکھا تو کالج گیٹ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ میں  
 فٹ پاتھ پر چلتی گئی۔ سڑک کنارے دو لڑکیاں کھڑی  
 تھیں ان کی موجودگی سے میری ڈھارس بندھی اور  
 میں نیچے اتر کر ان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ غالباً سڑک  
 کراس کرنے کے لیے برتول رہی تھیں۔

”میں راستہ بھول گئی ہوں کیا آپ میری مدد  
 کر سکتی ہیں۔“ میں نے لجاجت سے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں..... کہاں جاتا ہے آپ کو؟“  
 باتیں کرتے ہوئے ہم سڑک کے درمیان آگے لیکن  
 سامنے سے آتی گاڑی کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

”پتا نہیں کہاں سے آ گئی ہے۔ ایسی لڑکیاں  
 انجی نہیں ہوتیں کوئی ضرورت نہیں منہ لگانے کی۔“  
 دوسری عورت ٹائپ تھی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے  
 دوسری جانب پہنچ گئی اور میں وہی کھڑی اس کے  
 الفاظ پر غور کرنے لگی۔

”یا اللہ اتنی بے عزتی.....“

”بائی پرے ہٹ کر کھڑی ہو۔“ رکشا ڈرائیور  
 نے سر باہر نکال کر مجھے ڈپار مجھے سنا کی کہاں دے رہا  
 تھا پھر کئی آتے جاتے لوگوں سے پتا پوچھا۔ قرعہ  
 پان کے کھوکے کے نزدیک جا کر ایک بوڑھے آدمی  
 سے پوچھا تو اس نے راستہ سمجھایا۔ اپنا کالج ہوتا تو  
 کوئی بات نہیں تھی یہ انجی جگہ تو واقعی کوئی بھول  
 بھلیاں لگ رہی تھی۔ بہر حال کسی طرح باتیں سنتی  
 سنائی میں دھکے کھاتی گھر تک پہنچ ہی گئی تھی۔

☆☆☆

”مسرا تیری پھوپھو کا فون آیا تھا شادی کے  
 لیے زور دے رہی تھی۔ اس لیے میں نے کہا دیا تم  
 آ جاؤ..... پھر مل کر بیٹھ کر تاریخ طے کر لیتے ہیں۔“  
 شہنم چھیلتا میرا ہاتھ چند ٹاپے رکا پھر چلنے لگا پھر رکا۔  
 ”انہو..... کیا مصیبت ہے۔“ میں چھری وہیں

کروں چند قدموں کے فاصلے پر کرا تھا۔ جی چاہا  
بھاگ کر اندر گھس جاؤں۔

”پھوپھو کوئی کام تھا؟“ اب کہ میں گردن اونچی  
کر کے پوچھنے لگی۔

”تمہیں میں نے جوس لانے کو کہا تھا۔“

”اوہ سوری!“ میں بگٹ بگٹ کی جانب بھاگی  
اور: ہاں سے بھاگ، بھاگ کر جوس کا گلاس پھوپھو  
تھا کر ہی دوسری سانس لی۔

”خالہ! میری ہی تھی جوس..... سوری پھوپھو۔“  
میرے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”پگلی تمہیں کی.....“ یہ کہہ کر وہ پتا نہیں اندر  
کہاں غائب ہو گئیں اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ

میں کیوں اتنی بے عزتی کروائی ہوں، اتنی عزت افزائی  
کے بعد کیوں میرے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی تو جناب

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہاں پر عزت نفس کی پامالی ہوتی  
ہے تو بدلے میں ہر سہولت جو اماں کے گھر تیار ہوگی بہ

آسانی مل بھی رہی تھی۔ یہ باتیں تو اس سے کہیں زیادہ  
اچھی تھیں جب دل کسی شے کی فرمائش کرتا تو ہم اسے

تھپک، تھپک کر سلا دیتے جب کسی چیز کے دستیاب نہ  
ہونے کے باعث دوسرے کی تھپک آمیز باتیں سننی

پڑتیں تو کوئی چارہ نہ رہتا۔  
باہر موسملا دھار بارش ہو رہی تھی، میں شیشے کا

سلائیڈنگ ڈور کھول کر باہر نکل آئی۔ ملازمہ نے  
پھرتی سے چائے اور موٹی پکوان میز پر لگانے

شروع کر دیے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھل برسات  
کا منظر پوری جزئیات کے ساتھ میری نگاہوں میں

گھومنے لگا۔ کس طرح میں اس دن کھن چکر بنی  
ہوئی تھی اور اب فراغت ہی فراغت..... میں نے

اپنی نم آنکھوں کو گراڑا۔  
”زندگی میں سب کچھ تو نہیں مل جاتا کسی نہ کسی

چیز پر تو ہمیں سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔“



”مسٹر! میری گرے شرٹ نہیں مل رہی،  
کہاں رکھی ہے؟“

”دراصل میں نے دھونے کے لیے کپڑے  
بیچے تھے تو ابھی تک وہ لاٹھری سے آئے ہی نہیں۔“

”جاہل عورت! کس نے کہا تھا دھلوانے کو وہ  
میری نئی شرٹ تھی۔“ وہ قہر بھری نظروں سے میری

جانب دیکھ رہے تھے اور میں ان کی نظروں سے  
خائف ہو کر یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ الماری تو بھری پڑی

ہے کوئی بھی پہن لیں۔  
”سوری حیدر، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں

آپ سے پوچھ کر کپڑے دیا کروں گی۔“ پھر کہیں جا  
کر ان کا غصہ قدرے کم ہوا۔

”مسٹر!.....“ یہ میری پھوپھو تھیں جو اب مکمل  
روایتی ساس بن چکی تھیں۔

”جی پھوپھو.....“ موڈ بانہ انداز میں، میں ان  
کے سامنے کھڑی تھی۔

”کل میں نے تم سے کوئی کام کہا تھا۔“ وہ  
تیوری چڑھائے میری جانب دیکھ رہی تھیں۔

”سوری پھوپھو کل حیدر لیٹ آئے تھے اس لیے  
ذہن سے نکل گیا۔“ میں نے شرمندگی سے

نظریں جھکا لیں۔  
”مسٹر! تمہارے جیسی نکمی لڑکی میں نے آج

تک نہیں دیکھی۔ کوئی کام تم سے ڈھنگ سے نہیں  
ہوتا۔“ غلطی میری تھی جو میں سمجھتی رہی کہ ڈل کلاس

گھرانے کی لڑکی اس گھر کے لیے سوٹ اپیل  
ہے۔“ پھوپھو انتہائی تنفر سے کہہ رہی تھیں اور میں چپ

چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں فل سائز  
پلازمہ ٹی وی پر میرا پسندیدہ reality شو آ رہا تھا

میں ہر بات جھٹک کر مزے سے وہ دیکھنے لگی، شو ختم  
ہوتے ہی میں اپنے کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ

اوپر کے لاؤنج کی ریٹنگ کے پاس کھڑی پھوپھو  
خوشگین نظروں سے میری جانب دیکھ رہی تھیں کیا



فسانہ نہیں  
حقیقت ہے یہ



رضوانہ پیر

لنٹیں اداکارہ

سنہیل اقبال سے دلاؤ ریز باتیں

سے اس کا ہنر اسٹائل بنانے میں مصروف تھی۔ ویسے  
قارئین یہ بات ہم آپ کو چپکے سے بتادیں کہ سنہیل چینی  
اچھی ڈراموں میں نظر آتی ہے اصل زندگی میں اس  
سے کہیں زیادہ پیاری ہے۔ آج وہ اپنے ایک نئے

جنوری کی ایک سردی صبح جب ہم اپنے آفس  
میں داخل ہوئے تو ہمارے کمرے میں سنہیل پیشی ہوئی  
اپنا میک اپ کر رہی تھی۔ نازک اور کول سی سنہیل اپنا  
میک اپ خود کر رہی تھی جبکہ ہوشیمن اپنی بڑی مہارت

258 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015

Copied From Web

فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ

لاڑکی ہوا کرتی تھی۔ ذہین بھی بہت تھی مگر کبھی بہت اچھے آیا کرتے تھے۔ کھیل کود میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی مجھے۔ امی اور پاپا چونکہ بہت زیادہ disciplined parents تھے اس لیے میرا بچپن کافی طور طریقے کے ساتھ گزرا۔ البتہ 7th کلاس کے بعد میں نے اسکول کی مختلف ایکٹیویٹیز میں حصہ لیا شروع کر دیا تھا۔ میں نے فلوٹ بجانا سیکھا اور بیسٹ فلوٹر کہا کی۔ مجھے اس میں سیکنڈ پرائز ملا تھا۔ اس کے علاوہ اسکول میں ہونے والے ڈراموں میں بھی participate کرتی تھی۔ پیروڈی کرنے میں خوب ماہر تھی۔ اپنے فیئر ویل پر اسکول میں ایک زبردست ایچ ڈراما کیا تھا میں نے۔ "بیٹے دنوں نے جیسے بانہیں پھیلا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔  
 ❖..... اچھا تو تمہاری اداکاری کا یہ ٹیلنٹ God gifted ہے؟ ہم نے ہنس کر اسے دیکھا۔  
 سنیل اقبال ..... "جی ہاں کیونکہ میرے

آنے والے سیریل حشر میں کی شوٹنگ کے سلسلے میں یہاں آئی ہوئی تھی۔ سنیل سے شوٹنگ کے سلسلے میں اکثر ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں..... فون نمبرز کا بھی تبادلہ ہوا تھا کہ ہمیں اپنے قارئین کے لیے ان کے پسندیدہ سلسلے فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ کے لیے اس کی کہانی سننی تھی لیکن ہر بار کبھی ہماری اور کبھی سنیل کی مصروفیات آڑے رہی تھیں اور اس وقت سنیل کو اپنے کمرے میں پا کر اچانک ہی یہ آئیڈیا ہمارے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ اس کے میک اپ اور ہیئر اسٹائل بنانے کے دوران ہی اس کا افسانہ سن لیا جائے۔ سنیل بھی مسکراتے ہوئے فوراً ہی اس بات پر متفق ہو گئی۔  
 سنیل اقبال..... "ہاں یہ تو اچھا آئیڈیا ہے۔  
 ویسے بھی آج شوٹنگ کے سلسلے میں پورا دن میں سیمیں پر ہوں۔ وقفوں کے دوران آرام سے ہماری بات چیت ہوتی رہے گی۔"  
 تو قارئین 2015ء کی ہماری پہلی ہیروئن آج



اپنے خوب صورت افسانے کے ساتھ ہماری مہمان ہیں۔ ویسے تو سنیل کے بے شمار ڈرامے اور سیریلز آپ لوگ دیکھ چکے ہیں لیکن کچھ عرصہ قبل چلنے والے ان کے سیریل رخسار نے کافی دھوم مچائی ہوئی تھی یہاں تک کہ لوگ ان کے نام کے بجائے انہیں رخسار کہنے لگے تھے۔

❖..... ہاں تو سنیل حسب روایت ہم کہانی کا آغاز تمہارے بچپن سے کرتے ہیں۔ ذرا ہمارے قارئین کو بھی اسے اس حسین دور میں لے کر چلو۔  
 سنیل اقبال..... (ہماری بات پر سنیل کی خوب صورت آنکھیں جو مسکرا لگتے ہوئے مزید حسین لگ رہی تھیں جیسے مسکرانے لگیں۔) "میں بہت ہی چپ طبیعت اور ریزروڈ جسم کی

خاندان میں دور، دور کوئی بچی شوبز کی فیلڈ میں نہیں ہے۔ میں ہی واحد فرد ہوں جس نے اس شعبے میں قدم رکھا ہے۔“

❖..... اسی بات پر ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم اس فیلڈ میں آ کیسے گئیں، تمہارے پیدائش نے کیا آسانی سے اجازت دے دی تھی تمہارے سوال پر وہ ہنس دی

سنیل اقبال..... ”بھئی اس کا جواب بڑا پیچیدگی ہے کہ میں بس اتفاقاً شوبز کی اس دنیا میں آئی ہوں۔“

اصل میں میری امی کا بیوٹی سیلون تھا جس میں ٹی وی چینل کا کوئی شور بکا رہتا تھا۔ ایک بار کسی ماڈل کو آنا تھا لیکن اتفاق سے وہ نہیں آئی۔ یہ بیوٹی سیکسٹ کا پروگرام تھا۔ امی نے مجھے اس کی جگہ بیٹھنے کو کہا۔ میں ایکسٹنٹ میں بیٹھ گئی۔ دل ہی دل میں خوش بھی بہت ہو رہی تھی کہ ٹی وی پر نظر آؤں گی اور جب یہ پروگرام آن کرے گا تو فوراً ہی ایک کمرشل کی آفر آگئی جو پیس کا تھا۔ اس وقت میری عمر محض سترہ سال تھی۔ اس کے بعد

مزید کمرشل کیے پھر ڈراموں کے لیے آفرز آتی شروع ہو گئیں۔ امی کو تو راضی کر لیا لیکن پاپائیں مان رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایکٹنگ کو نام نہاد دینا پڑتا ہے اور پھر بڑھائی کی طرف توجہ نہیں دے سکو گی۔ امی نے

انہیں کافی کنولس کیا آخر وہ اس شرط پر راضی ہوئے کہ میری روٹین میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ پڑھائی پر اس کا ذرا بھی اثر نہیں پڑنا چاہیے اور امی ہر شوٹ پر میرے ساتھ جائیں گی۔ میں نے ان سے ان تمام باتوں کا وعدہ کر لیا اور یوں میں نے اپنا پہلا سیریل جنم کیا جو

احمد کامران نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ جسے بہت ہی اچھا فیڈ بیک ملا۔ تب ہی انجلیمن ملک نے مجھے اپنے سیریل چنگاری میں بھی کاسٹ کر لیا جو میرے لیے ایک بہت بڑا بیک تھوڑا تھا۔ اس کے بعد مجھے کافی آفرز ملنی شروع ہو گئیں لیکن چونکہ مجھے ایگزٹام کی تیاری کرنی تھی اس لیے میں اپنی اسٹڈی میں بڑی ہو گئی اور کوئی آفر

ایکسپٹ نہیں کی البتہ ایک دو ڈرامے ضرور کر لیے کہ ان میں زیادہ وقت نہیں لگتا تھا۔ ایگزٹام ختم ہونے کے

بعد مجھے باہر جاوید کے ایک بہت بڑے سیریل روگ میں کام کرنے کی آفر ہوئی جو میرے کیریئر کے لیے سب سے اہم ثابت ہوا۔ وہ جتنی تفصیل سے بتا رہی تھی اتنی ہی توجہ سے ہم سن رہے تھے۔ میک اپ ہو چکا تھا اور لہجہ اب ان کے خوب صورت بالوں کو ایک نیا اسٹائل دینے میں بڑی تھی۔

❖..... اچھا سنیل یہ بتاؤ کہ 2014ء کے ختم ہونے تک تم میں اب کتنا کانفیڈنس آچکا ہے؟

سنیل اقبال..... ”اب میں بہت کانفیڈنٹ ہو چکی ہوں۔ اپنے سب معاملات خود ڈیل کر لیتی ہوں۔ امی اب بھی مجھے بک اینڈ ڈراپ کرتی ہیں لیکن اب وہ میرے ساتھ شوٹ پر نہیں ہوتی ہیں۔“

کانفیڈنس اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔

❖..... امی پاپا کے علاوہ خاندان کے دیگر لوگوں کا تمہارے شوبز میں آنے پر کیا ردعمل ہوا؟

سنیل اقبال..... ”میں چونکہ پنجابی فیملی سے ہوں تو وہاں ذرا شوبز میں آنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تو خاندان میں بھی شروع میں اعتراض ہوا تھا خاص طور پر میری ننی والوں کو یہ بات زیادہ پسند نہیں آئی تھی لیکن چونکہ امی پاپا کی سپورٹ مجھے حاصل تھی اس لیے معاملہ بتا رہا۔“

❖..... ارے ہاں! امی، پاپا کی باتیں تو ہو رہی ہیں لیکن ہم نے تمہارے بہن بھائیوں کے متعلق تو پوچھا ہی نہیں۔ کیا تمہارے علاوہ کسی اور کو شوق ہوا اس فیلڈ میں آنے کا؟

سنیل اقبال..... (وہ جو بڑے ایکسپٹ انداز میں اپنا میک اپ کر رہی تھی۔ blusher اپنے رخساروں پر لگاتے ہوئے اس نے ہمیں دیکھا۔)

”ہم صرف دو بہنیں ہیں۔ میں بڑی ہوں اور میری چھوٹی بہن کو بھی مجھے دیکھتے ہوئے اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہوا کیونکہ اکثر وہ میرے ساتھ شوٹس برآیا کرتی تھی اور اب بھی اکثر آتی رہتی ہے۔ اسے بھی ایک سیریل کے لیے آفر ہوئی ہے جو اس نے قبول کر لی۔“

❖..... ارے ہاں! امی، پاپا کی باتیں تو ہو رہی ہیں لیکن ہم نے تمہارے بہن بھائیوں کے متعلق تو پوچھا ہی نہیں۔ کیا تمہارے علاوہ کسی اور کو شوق ہوا اس فیلڈ میں آنے کا؟

سنیل اقبال..... (وہ جو بڑے ایکسپٹ انداز میں اپنا میک اپ کر رہی تھی۔ blusher اپنے رخساروں پر لگاتے ہوئے اس نے ہمیں دیکھا۔)

”ہم صرف دو بہنیں ہیں۔ میں بڑی ہوں اور میری چھوٹی بہن کو بھی مجھے دیکھتے ہوئے اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہوا کیونکہ اکثر وہ میرے ساتھ شوٹس برآیا کرتی تھی اور اب بھی اکثر آتی رہتی ہے۔ اسے بھی ایک سیریل کے لیے آفر ہوئی ہے جو اس نے قبول کر لی۔“

سنیل اقبال..... (وہ جو بڑے ایکسپٹ انداز میں اپنا میک اپ کر رہی تھی۔ blusher اپنے رخساروں پر لگاتے ہوئے اس نے ہمیں دیکھا۔)

”ہم صرف دو بہنیں ہیں۔ میں بڑی ہوں اور میری چھوٹی بہن کو بھی مجھے دیکھتے ہوئے اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہوا کیونکہ اکثر وہ میرے ساتھ شوٹس برآیا کرتی تھی اور اب بھی اکثر آتی رہتی ہے۔ اسے بھی ایک سیریل کے لیے آفر ہوئی ہے جو اس نے قبول کر لی۔“

سنیل اقبال..... (وہ جو بڑے ایکسپٹ انداز میں اپنا میک اپ کر رہی تھی۔ blusher اپنے رخساروں پر لگاتے ہوئے اس نے ہمیں دیکھا۔)



آج کل وہ بھی اپنی سیریل کی شوٹنگ میں مصروف ہے جو ہم ٹی وی کے لیے ہے۔“

♦..... ارے واہ یہ تو

اچھی خبر ہے۔ اس کا مطلب ہے تم دونوں کی کیمسٹری آپس میں ملتی ہے؟

سنبل اقبال..... (ہاری

بات پر اس نے فوراً ہی اثبات

میں سر ہلایا۔) ”جی ہاں وہ

میری چھوٹی بہن ہی نہیں میری

بیسٹ فرینڈ بھی ہے۔ ہم ایک

ہی روم شیئر کرتے ہیں۔ کپڑے

بھی ایک دوسرے کے بہن لیتے

ہیں۔ اپنے دل کی ہر بات ہم

ایک دوسرے سے کر لیتے ہیں۔

بہت دوستی ہے ہاری۔“

♦..... اچھا لیکن کبھی

لڑائی بھی تو ہوتی ہوگی پھر امی

کس کا فیور کرتی ہیں؟ ہم نے

اسے چھیڑا۔

سنبل اقبال..... ”کسی ایک کا نہیں دونوں کو برابر

سے ڈانٹ پڑتی ہے لیکن ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے۔“

♦..... سنبل بہن کے علاوہ دوستوں میں کوئی

ایسی سے جو تمہارے بہت کلوز ہو؟

سنبل اقبال..... ”میری کافی دوستیں ہیں لیکن

بہت زیادہ کلوز نہیں۔ اصل میں شروع ہی سے میری

انچھٹ اپنی فیملی سے زیادہ رہی ہے۔“ اس نے

جواب دیتے ہوئے اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دیا۔

لبتی بھی اپنا کام تقریباً ختم کر چکی تھی۔ سنبل کو اب

ڈریس چیچ کرنا تھا۔ اس وقت وہ جینز اور شرٹ میں

ایک مصوم سی کالج گرل لگ رہی تھی لیکن جب وہ

کپڑے بدل کر آئی تو فغان اور گرے کلر کے کامیونیشن

کی خوب سورت سی شرٹ، فغان ہی کلر کے دوپٹے اور

چوڑی دار پاجامے کے ساتھ مشرقی لُگ دیتی ایک

پیاری سی لڑکی کے روپ میں نظر آ رہی تھی۔ اب شاید

وہ اپنے ہونے والے سین کے لیے تیار تھی۔ یہ شوٹ

کسی ریٹورنٹ کا تھا اور وہ کار کا انتظار کر رہی تھی۔ ہم

دونوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کہانی

میں مزید رنگ بھرے۔

♦..... اچھا سنبل یہ تو دوستی کی بات ہوئی ذرا یہ

تو تاؤ کہ عمر کے اس نو خیز دور میں کبھی کوئی دل کو اچھا بھی

لگا؟“ ہم نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

سنبل اقبال..... ”ہاں کیوں نہیں، اسکول کے

زمانے سے ہی کوئی نہ کوئی پسند آتا رہا ہے لیکن بس بات

پسند تک ہی محدود رہی ہے۔“ بڑے ہی دلچسپ انداز



میں اس نے جواب دیا تو ہمارے ساتھ، ساتھ یعنی بھی  
 ساختہ ہنس دیں۔

❖..... اور تم نے کتنے دل توڑے ذرا یہ بھی تو  
 پتا چلے؟ ہم نے اپنے سوال کے سلسل کو چارٹی رکھا۔  
 سنبل اقبال..... "یہ تو مجھے نہیں پتا بہر حال کافی  
 لوگوں نے مجھے شادی کے پروپوزل تک دے ڈالے۔  
 میرے جواب نہ دینے پر میری امی کو فون کر کے ان  
 سے ریکویسٹ کی کہ وہ مجھے اپنا لائف پارٹنر بنا چاہتے  
 ہیں لیکن میرے پیرس جانتے ہیں کہ میں ابھی فی الحال  
 دو سال تک بالکل شادی کے لیے راضی نہیں لیکن امی  
 نے مجھے وارن کر دیا ہے کہ اگر دو سال تک میں نے  
 اپنی کوئی پسند نہیں بتائی تو وہ اپنی مرضی سے میرا رشتہ  
 طے کر دیں گی۔" اپنی امی کی وارننگ کا بتاتے ہوئے وہ  
 بے ساختہ مسکرا دی۔

❖..... ویسے سنبل تم نے اتنے اسرار،  
 اسرار ہیروز کے ساتھ بڑے، بڑے سیریز کیے ہیں  
 کس کے ساتھ تمہاری کیسٹری زیادہ میچ ہوئی؟ ہم نے  
 کسی خوب صورت جواب کی آس میں سوال کیا اور  
 ہمیں ناامیدی نہیں ہوئی۔ کچھ رنگ بکھر کر اس کے  
 چہرے کو مزید خوب صورت بنا گئے۔

سنبل اقبال..... "ویسے تو میری شو بیز میں سب  
 سے اچھی دوستی ہے لیکن دو لوگ ایسے ہیں جن کے  
 ساتھ کام کرتے ہوئے میچ طور پر ہوتی ہم آہنگی محسوس  
 ہوتی ہے ایک تو آغا علی ہیں اور دوسرے عفتان وحید۔"  
 ❖..... ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو آغا علی کے  
 ساتھ بھی تمہارا رشتہ زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔" ہماری  
 بات پر جیسے اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھے۔

سنبل اقبال..... "ہے نا، آپ نے بھی یہ محسوس  
 کیا ہے! شبہ زندگی میں تو سبھی نے کہا کہ ہم دونوں کا کھٹڑ  
 بہت اچھا اور نیچرل لگ رہا تھا۔ اس کے علاوہ رخسار میں  
 بھی ہم دونوں کو ساتھ بہت پسند کیا گیا۔" اس کے لہجے  
 میں چھپی خوشی محسوس کر کے ہم نے اسے چھیڑا۔

❖..... اور اگر یہ کھٹڑ حقیقی زندگی میں بھی بن

262 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015

جائے تو کتنا اچھا ہو۔ سنبل ایمان سے سچ، سچ بتاؤ جہاں  
 تمہارے اتنے پروپوزل آتے ہیں اگر آغا علی نے بھی  
 اپنا پروپوزل دے دیا تو مان جاؤ گی؟

سنبل اقبال..... (اس نے بڑی خوب صورت  
 مسکراہٹ سے ہمیں دیکھا) "ہاں مان جاؤں  
 گی۔" اس کے بے ساختہ جواب پر ہم سب ہنس  
 دیے۔ (قارئین پلیز بات کو سیریس مت لیجئے گا کہ یہاں  
 بات کا بنگلو بننے زیادہ دیر نہیں لگتی۔ یہ تو اسی، اسی میں  
 بات ہو رہی تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری اتنی پیاری  
 سنبل کے لیے لوگ قیاس آرائیاں کریں)

❖..... اچھا سنبل یہ بتاؤ کہ اتنی کم عمری میں  
 ملنے والی یہ شہرت کیسی لگ رہی ہے؟

سنبل اقبال..... "شہرت کس کو اچھی نہیں لگتی  
 بہت ہی انجوائے کر رہی ہوں۔ ہر جگہ دی آئی پی  
 ٹریمنٹ ملتا ہے چاہے وہ خاندان کی کوئی تقریب ہو یا  
 میں کہیں باہر ہوں۔" پھر مسکراتے ہوئے اس نے مزید  
 بتایا۔ "خاص طور پر ٹریونگ میں مجھے یہ شہرت کافی  
 ایڈوائس دیتی ہے کہ کئی بار اکانومی گلٹ پر مجھے فرسٹ  
 کلاس یا بزنس کلاس میں بٹھا دیا جاتا ہے لوگ بہت پیار  
 اور عزت دیتے ہیں۔ خوشی اس بات کی بھی ہوتی ہے  
 کہ باہر ممالک میں بھی لوگ پہچان لیتے ہیں اور یقین  
 جانیں میرے وہ فین اور بھی کر بڑی ہوتے ہیں بہت  
 ہی زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ لوگ۔"

❖..... اچھا اپنے فینز کے حوالے سے کوئی  
 مزید ار ساقصہ تو ہم سے شیئر کرو؟ ہمارے سوال پر جیسے  
 کسی مزے دار سی یاد نے اس کے ہونٹوں پر بے اختیار  
 مسکراہٹ بکھیر دی۔

سنبل اقبال..... "یوں تو کافی قصے ہیں لیکن یہ  
 دلچسپ قصہ میں ضرور سب سے شیئر کرنا چاہوں گی۔  
 ایک بار میں اپنی بہن کے ساتھ ایک شاپنگ مال میں  
 شاپنگ کر رہی تھی کہ..... میں نے نوٹ کیا کہ دو لڑکیاں  
 مسلسل میں جس طرف بھی جا رہی ہوں میرے پیچھے،  
 پیچھے آ رہی ہیں اور مجھے دیکھے جا رہی ہیں۔ خیر پھر وہ

چمکتی آنکھوں سے نورانی فلوورٹ ہیر و کا نام لے ڈالا۔  
 ❖..... یہ سارے خان واقعی میں بہت لگی  
 ہیں۔ اپنے سے آدمی عمر کی لڑکیوں کے بھی جنوز  
 آئیڈیل بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے سوچا۔

سنبل اقبال..... ”ویسے مجھے ارجن رام پال بھی  
 بہت پسند ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے مزید بتایا۔

❖..... اچھا سنبل اپنے کیے ہوئے ڈراموں  
 میں تمہارے فلوورٹ سیریلز کون سے ہیں؟ ہمارے  
 پوچھنے پر اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

سنبل اقبال..... ”مائی ڈیز سوٹن، روگ اور  
 میرے خواب ریزہ ریزہ میرے فلوورٹ سیریلز ہیں۔  
 ویسے رخسار میں میرے کام کو بہت سراہا گیا تھا۔“

❖..... سنبل ان سب ڈراموں میں تمہارے  
 کردار کافی دکھی اور مظلومیت سے لبریز نظر آتے ہیں۔  
 تمہیں ایک چھاپ سی لگتی ہوئی نہیں محسوس ہو رہی؟ ہم  
 نے اس بار کچھ چھٹا ہوا سوال کر ڈالا۔

سنبل اقبال..... ”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

اصل میں یہ سارے ہیٹ سیریلز تھے اور میں ان روٹز  
 میں پسند بھی کی گئی تھی شاید میرے چہرے پر جو  
 مصحوبیت ہے اس کی وجہ سے بھی ڈائریکٹرز کو میں ایسے  
 رول میں فٹ نظر آتی ہوں لیکن اب انشاء اللہ میں یہ  
 چھاپ مٹانے جا رہی ہوں۔ انتہا اور حسرتیں میں  
 میرے فیمنز مجھے بالکل مختلف رول میں دیکھیں گے۔“  
 اس کی آواز میں خوشی کھنک رہی تھی۔

❖..... تم نے بالکل ٹھیک کہا سنبل۔ حسرتیں

میں تمہارا کردار بہت منفرد اور خوب صورت ہے۔ یہ

negative رول اپنے اندر بہت حسین رنگ

چھپائے ہوئے ہے تمہارے ایجنج میں بہت چھینچ لائے گا

یہ سیریل۔ ہم نے اس کی بات پر سو فی صد متفق ہو کر کہا

اور انسانی کو مزید آگے بڑھایا۔

❖..... غصہ آتا ہے تمہیں؟ ہمارے سوال پر وہ

دھیسے سے ہنس دی۔

سنبل اقبال..... ”غصہ کبھی کبھی آتا ہے لیکن

امت کر کے میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم آپ  
 کے فین ہیں۔ انہوں نے مجھ سے بات چیت کیا اور ان کی  
 فرمائش پر میں نے ان کے ساتھ فوٹو بھی کھینچالی کچھ دیر  
 بعد میں نے نوٹ کیا کہ پھر وہ مجھے فالو کر رہی ہیں۔ میں  
 نے رک کر پوچھا کہ کیا آپ کو کچھ کہنا ہے تو ایک لڑکی  
 چمکتی ہوئی بولی کہ کیا ہم آپ کو kiss کر سکتے  
 ہیں؟ میں تو کچھ بول ہی نہیں سکی حیرت سے آنکھیں  
 پھاڑ کر اسے دیکھا کہ آخر یہ کیا کہہ رہی ہے اور پھر آگے  
 بڑھ گئی تب وہ دوبارہ میرے پیچھے آئیں اور بولیں کہ  
 آپ نے جواب نہیں دیا اور پھر جلدی سے ایک نے مرا  
 گال پکڑ کر پیار کیا اور شکر یہ ادا کر کے واپس مڑ گئیں  
 میں ہٹکا بنا کھڑی رہ گئی۔ اس پاس کے سبھی لوگ ہنس  
 پڑے تھے۔“ سنبل یہ قصہ سن رہی تھی اور ہم لوگوں کی  
 بے ساختہ ہنسی سے کرا گونج رہا تھا۔ سنبل اپنا انسانہ بھی  
 مکمل کرتی جا رہی تھی اور درمیان میں اس کے شوٹس بھی  
 جاری تھے۔ اب دوسرے شاٹ کے لیے وہ نیوی بلیو  
 سوٹ میں ہمیں مزید کھڑی کھڑی ہی نظر آ رہی تھی۔

❖..... تمہارے اسکول اور کالج کی فرینڈز کا

کیاری ایکشن ہے تمہارے ٹی وی اشار بن جانے پر؟

سنبل اقبال..... ”وہ لوگ بہت خوش ہوتی

ہیں۔ میری کلاس فیلوز جب اپنے جاننے والوں کو بتاتی

ہیں کہ سنبل ہماری کلاس فیلو یا ہمارے اسکول میں پڑھتی

تھی تو اکثر لوگ ان کا یقین نہیں کرتے تب وہ میرے

پاس آ کر ثبوت کے طور پر خوب ساری تصویریں میرے

ساتھ کھینچ کر لے جاتی ہیں۔“ سنبل کے لہجے میں اپنی

دوستوں کے لیے پیار تھا۔

❖..... سنبل اگر کبھی انڈین فلم کی آفر ہوئی تو

accept کر لوگی؟

سنبل اقبال..... ”ہاں بالکل کر لوں گی لیکن وہ

رول جس میں دلکیرٹی نہ ہو۔“ سنبل نے فوراً جواب دیا۔

❖..... تو اس بات پر ہمیں یہ بھی بتادو کہ تمہارا

فلوورٹ ہیر و کون ہے؟

سنبل اقبال..... ”سلمان خان!“ سنبل نے

جب بھی آتا ہے بہت ہی خوتا ک آتا ہے۔“

❖..... امی، پاپا کو تمہاری کون سی عادت بری لگتی ہے؟

سنبل اقبال..... ”میں جلد باز بہت ہوں اور اپنی جلد بازی میں کافی نقصان بھی اٹھانے میں نے۔ یہ بات ان لوگوں کو پسند نہیں ہے میری۔“ اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

❖..... اور کون سی عادت ان کو پسند ہے تمہاری؟

سنبل اقبال..... ”میں کبھی ان سے کوئی غلط بیانی نہیں کرتی۔ کہنا ماننے والوں میں سے ہوں۔“

❖..... یعنی بہت فریادگار بیٹی ہو تم۔ اچھا یہ بتاؤ جب کبھی گھر پر ہوتی ہو تو کام میں امی کا ہاتھ بٹاتی ہو یا کبھی کوکنگ وغیرہ کرنے کا موڈ ہوتا ہے؟

سنبل اقبال..... ”جی ہاں میں گھر میں اکثر کوکنگ کرتی ہوں اور کچھ ڈسٹ میری اسٹیشن ہیں۔ میری بنائی ہوئی چائیز ڈسٹ بھی سب کو بہت پسند آتی ہیں۔“ اب تقریباً شام ہونے والی تھی لیکن وہ بڑی دل جمعی کے ساتھ اپنی شوٹنگ میں مصروف تھی اور اس وقت سین کے ڈیمائٹر کے مطابق وہ سفید سوٹ میں بلبوس بہت زیادہ پیاری لگ رہی تھی شاید اس لیے بھی کہ سفید رنگ ہمارا بے حد فیورٹ کلر ہے۔

❖..... تمہارے سارے ڈریسز بہت پیارے ہیں۔ کیا یہ تمہاری اپنی وارڈروب کے ہیں؟

سنبل اقبال..... (ہماری تعریف پر ایک فخریہ سا مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھولیا۔) ”جی ہاں اور ان سب کپڑوں کی ڈیزائننگ میری امی نے کی ہے۔ وہ بہت اچھی ڈیزائنر ہیں۔“ اس کے انکشاف پر ہم نے حیران ہو کر اسے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”اس کے علاوہ گھر کی ساری ڈیکوریشن بھی وہی کرتی ہیں۔ بہت خوب صورت ڈیکوریشن کیا ہوا ہے انہوں نے ہمارا گھر۔“ اپنی امی کے ٹیلنٹ کی وہ خود

بھی معترف لگ رہی تھی۔ اب ہمارا آفس ٹائم ختم ہونے والا تھا لیکن بقول سنبل اسے ابھی مزید کافی دیر شوٹ پر رہنا تھا لیکن اس کے چہرے پر ذرا بھی تنگ نظر نہیں آ رہی تھی۔

❖..... کون سا کیم تمہیں اچھا لگتا ہے؟ سنبل اقبال..... ”میرا پسندیدہ کھیل باسکٹ بال ہے جسے میں نے بہت کھیلا ہے۔“

❖..... اور کرکٹ پسند نہیں ہے تمہیں؟ ہم نے کچھ حیرانی سے پوچھا کہ پاکستان میں تو یہ کھیل کرینے بنا ہوا ہے۔

سنبل اقبال..... ”کرکٹ مجھے بدترین ناپسند ہے۔“ اس نے بہت صاف گوئی سے کہا تو اس کے لفظ بدترین کہنے پر ہنسی آگئی۔ اس کی بھی شوٹ تیار تھی اور ہمارے بھی جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ اپنے کام کے دوران وہ وقفے، وقفے سے اپنی اس بات چیت سے وہ ہمیں بھی اندر سے فریش کرتی رہی تھی۔ ہمیں یہ سہل اور پیاری سی لڑکی سچ سچ بہت اچھی لگی تھی۔

❖..... اچھا سنبل ایکٹنگ کے علاوہ تمہاری اور کوئی ہابی ہے؟

سنبل اقبال..... ”مجھے شاپنگ کرنا بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ میں بہت زیادہ شاپنگ کرتی ہوں اور بہت انجوائے کر کے کرتی ہوں۔“ اس نے بہت حرے لے کر بتایا۔

سنبل کا بلاوا آچکا تھا وہ جانے کو تیار کھڑی تھی۔ اپنا افسانہ کھل کر وانے کے بعد سنبل نے فیس کر ہمیں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”چلیں اچھا ہوا آج ہمیں موقع مل ہی گیا کب سے مل رہا تھا یہ پروگرام۔“ ہم نے بھی مسکراتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا۔ عزیز قارئین ہمیں امید ہے کہ ہماری اس بہت سویت سی ہیروئن کا یہ بیٹھا سا افسانہ آپ نے خوب انجوائے کیا ہوگا۔ اگر کوئی تعجبی رہ گئی ہو تو ہمارا وعدہ ہے کہ اگلی بار اسے دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆

# ۲۰۱۵ء دو جہان کی بہار تم سے کیجے

شائستہ زریں

نازک جب عالمی یوم نسواں پر اپنی ہم صنف کو پُر بہار  
پیغام دیتا ہے۔

ان ہی امور کے پیش نظر بہار نمبر کے سروے کے  
لیے ہم نے چند صنف نازک سے معلوم کیا کہ

سوال: صنف نازک اور بہار میں کیا مماثلت  
ہے؟ آپ کی زندگی میں بہار کس کے دم سے ہے؟

سوال: عالمی یوم نسواں کے موقع پر اپنی کس ہم  
صنف کو کون سا پُر بہار پیغام دیں گی؟

**ڈاکٹر صبیحہ عیسیٰ**

( بیتھالو جسٹ )

ا: بہار اور خواتین دونوں ہی تازگی لاتی  
ہیں، دونوں کے بغیر زندگی پھلکی، پھلکی ہوتی ہے۔ گھر



ڈاکٹر صبیحہ عیسیٰ

پھر ہوائے بہار نے آکر  
دل چھوا دست مہریاں کی طرح  
موسم سرما پیغام بہار دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔  
پھول کھلنے کے اس موسم میں گلستاں ہی میں نہیں گھروں  
اور دلوں میں بھی رونق، شادمانی، شادابی اور خوش رنگی کا  
دل خوش کن احساس ہوتا ہے اور یہ احساس جاوداں  
محض بہار ہی سے نہیں بلکہ مجسم بہار یعنی صنف نازک  
سے بھی ہوتا ہے۔ بلاشبہ

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ  
گویا کائنات میں بکھرے قوس قزح کے تمام  
رنگ صنف نازک کے مرہون منت ہیں۔ مانا کہ صنف  
نازک اور بہار میں گہری مماثلت ہے۔ اس کے باوجود  
صنف نازک کی زندگی میں ایسی کوئی ہستی ضرور ہوتی  
چکائے کی تمام تر بہاریں جس کے دم سے قائم ہیں۔

مجن جن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا  
آپ آگے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے  
اور صنف نازک جو اپنی ذات میں انجن ہوتی  
ہے، آدھی دنیا کہلاتی ہے۔ بہار رت میں ایک دن ایسا  
بھی آتا جو عالمی سطح پر صنف نازک سے منسوب ہوتا ہے۔  
۸ مارچ اپنی حوصلے والی صنف نازک کے خود کو

منوانے کا دن، جب تمام خواتین ایک پلیٹ فارم پر  
کھڑی ہو کر اپنے مسائل کے حل کے لیے کوشاں ہوتی  
ہیں۔ خزاں میں پھول کھلانے کے عمل میں کسی بھی  
قربانی سے دریغ نہیں کرتیں بھلا لگتا ہے بے لوث  
جذبے کے ساتھ میدان عمل میں اترنے والی یہ صنف

ہوان کا وجود ہی بہار ہے، میرے گھر بہار میرے بچوں اور شوہر سے ہے۔  
بس ایک "بچی کی بہار" کی کمی ہے۔ وہ آگئی تو ہر سو بہار ہی بہار ہے۔

۲: اپنی ماں کو ہی پیغام دوں گی جن کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں بہار ہے اور ایسی بہار ہمیشہ ہمارے گھر میں رہے، آمین!

تیری حیات کا ہر لمحہ شاد ماں گزرے  
بہار مجدے کرے تو جہاں جہاں گزرے

### ڈاکٹر اتما بقانی

(چیز پرسن شعبہ سوشل

سائنسز۔ آئی بی اے)

۱: بہار بھی سب کو اچھی لگتی ہے اور صنف نازک بھی، دونوں ہی کو پروان چڑھانے کے لیے، اپنی



ڈاکٹر اتما بقانی

زندگی میں مستقل رکھنے کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہے اس کا خیال نہ معاشرہ کرتا ہے اور نہ ہی ماحولیات، دونوں کو پسند کرنے کے باوجود ان کے نکھار کی ذمے داری لینے کو، مشکل فیصلے کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں۔ ہر

میں ایک عورت نہ ہو تو گھر اجازت نظر آتا ہے، بالکل اسی طرح سے جب تک بچوں پر ہے۔ پتہ ہٹی کو نہیں پھوٹتی وہ خوشنما نہیں ویران لگتے ہیں۔ بے شک کائنات میں جتنے بھی حسین رنگ ہیں وہ صنف نازک کی وجہ سے ہی تو ہیں اور بہار بھی دنیا میں رنگ بکھیر دیتی ہے۔ میری زندگی کی بہار میرے بچوں اور ان کی پود کے دم سے ہے۔

۲: تمام پاکستانی خواتین اور لڑکیوں کے لیے میرا پیغام ہے کہ ایسے کام کریں کہ خوشبو اور خوشیوں کی لہر بن جائیں آپ کی وجہ سے ڈپریشن نہیں تازگی کا احساس ہونا چاہیے۔ آگے بڑھنے اور ملک و قوم کی بقا و خوشحالی کی لگن اور اسٹک سے بھر پور زندگی بسر کریں۔ خود بھی مثبت عملی اقدامات کریں اوروں میں بھی یہ جذبہ جگا لیں۔ بہار بن کر چھا جائیں گی۔

### عاصمہ شیرازی

(اینکر پرسن)

۱: صنف نازک اور بہار میں کوئی فرق نہیں۔ جن کے یعنی صنف نازک کے دم سے تصویر کائنات میں رنگ



عاصمہ شیرازی

سزوی

آسان بنائیں، دوسروں سے حسد کریں گی تو خود بھی چین اور کھ سے نہ رہ سکیں گی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اوروں کی زندگی میں مداخلت نہ کریں اس طرح آپ خود بھی خوش رہیں گی اور اوروں کو بھی خوش رہنے دیں گی۔ صحت مند رہے۔ آپ صحت مند ہوں گی تو شادابی خود بخود آجائے گی۔ اسی لیے ”بہارین کے جیو، بہارین کے رہو“

### روبینہ جون

( چیف نرسنگ سپرنٹنڈنٹ پی

ایچ ڈی اسٹوڈنٹس، بیلگ ہیلٹھ )

ان بے شک خواتین اور بہار میں تعلق محسوس ہوتا ہے لیکن یہ کلیہ تمام خواتین پر صادق نہیں آتا۔ ایسا صرف ان خواتین کے لیے کہہ سکتے ہیں جنہیں دیکھ کر خوشگوار احساس ہوتا ہے۔ ایک ماں ہونے کے ناتے



روبینہ جون

یقیناً میرے بچے ہی میری بہار ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری بہار زندگی میں ہر روز آنے والی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں کے دم سے بھی ہے۔ میں کسی چھوٹی سی خوشی سے بھی بہت سی خوشیاں کشید کرتی ہوں جو بڑی

267 ماہنامہ پاکیزہ ماسیج 2015ء

وہ پلی جب میری نظر اپنے بچوں بالخصوص چھوٹی بیٹی ایسا کی طرف اٹتی ہے۔ میرے لیے بہار ہے، میری ہر خوشی اپنے بچوں سے منسلک ہے۔

۲: وہ تمام بچیاں جو اسکولوں میں پڑھتی ہیں، ان کو صرف ایک ہی پیغام دینا چاہتی ہوں کہ ضرور، ضرور، ضرور پڑھ لو اور تعلیم کے میدان میں اتنا آگے نکل جاؤ کہ تم پر حاوی ہونا چاہنے والی قوتیں اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں اور تعلیم کا حصول ہی واحد راستہ ہے تمہاری زندگی کو پُر بہار بنانے کا۔ دلی دعا ہے کہ مجھے سدا بہار کی صورت تیرا وجود!

(آمین)

### فضیلہ قاضی

(ٹی وی آرٹسٹ)

۱: خوب صورتی اور تازگی کا یکساں احساس۔ میری زندگی کی تمام بہاریں میری فیملی، میرے میاں اور بچوں کے دم سے ہے۔

۲: اپنی ساری ہم صنف کو ایک ہی پیغام دوں گی کہ اوروں کی زندگی کو مشکل بنانے کے بجائے اپنی زندگی کو



فضیلہ قاضی

اگر وہ نہ ہوتے تو یہ زندگی ایک میاں کے مانند ہوتی،  
شاید میرے ہاتھ کبھی دعا کے لیے نہیں اٹھتے اور نہ ہی  
میں محبت کی گرمی اور گداز محسوس کر پاتی۔

۲: میرا پیغام میری بیٹی عائشہ کے لیے ہے، ہمیشہ  
خود پر فخر کرو کیونکہ خواتین مردوں کے برابر نہیں بلکہ  
ایک بہن، ایک بیٹی اور ایک ماں کے روپ میں وہ ان  
سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔

### ڈاکٹر فرح خان

#### (آر جے... وائس اوور آرٹسٹ)

۱: صنف نازک، اور بہار ایک ہی چیز ہیں جس  
طرح بہار کے بعد خزاں آتی ہے اور خزاں کے بعد بہار  
آنے کی پوری امید ہوتی ہے تو یہ اسی شان کے ساتھ



ڈاکٹر فرح خان

واپس آتی ہے لیکن اگر صنف نازک کی بہار وقت کے  
ساتھ ساتھ ختم ہو جائے تو بہار کی امید نہیں چمکائی جا  
سکتی لیکن اگر صنف نازک کو دائمی خوشیاں مل جائیں تو یہ  
بہار واپس آسکتی ہے۔ میری زندگی کی بہار میرے  
بچوں اور شوہر کے دم سے ہے۔

۲: اپنی بھابی نسیم کوگی سے کہوں گی کہ لوگوں کی

خوشیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

۲: میں تمام خواتین سے کہنا کہوں گی کہ اپنے  
لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی مثبت سوچیں اس کے  
خوشگوار اثرات شخصیت پر بھی مرتب ہوں گے۔ اپنے  
گھر، شوہر اور بچوں کی منفی باتیں نظر انداز کر  
دیجیے۔ اپنے مثبت طرز عمل سے ان میں غیر محسوس  
طریقے سے تبدیلی لائیں، شوہر پر شک نہ کریں، اس  
سے تعلق میں بھی فرق پڑے گا اور گھر کا ماحول بھی  
خوشگوار ہوگا، اگر شوہر سے کوئی اختلاف ہے، شکایت  
ہے تو بچوں کے سامنے لانے کے بجائے خاموشی سے  
آپس میں بات کریں۔ وہ رویہ اختیار کریں جس کے  
خوشگوار اثرات سے آپ کی شخصیت پر بہار بن جائے۔

### منزہ ارشاد

#### (معلمہ بیکن ہاؤس اسکول)

۱: جس طرح موسم بہار رنگوں اور خوشبوؤں کا  
پیغام لے کر آتا ہے بالکل اسی طرح صنف نازک کا  
وجود اس کائنات کا رنگ ہے۔ خوشبو ہے اور پھولوں کی  
طرح نازک ہے۔ میری زندگی کی بہار میرے بچے ہیں۔



منزہ ارشاد

سزوی

مہکیں سدا دن رات تیرے  
(آمین)

### اریح فاطمہ

(ٹی وی آرٹسٹ)

۱: لڑکیاں بھی حسین ہوتی ہیں اور بہار  
بھی۔ دونوں ہی میں نکھار ہوتا ہے۔ میری زندگی کی  
بہار میرے تمام گھروالوں کی وجہ سے ہے۔



اریح فاطمہ

۲: تمام لڑکیوں کے لیے ایک ہی پیغام ہے کہ  
عزت نفس سے بڑھ کر اہم کچھ بھی نہیں اگر یہ آپ کی  
زندگی میں ہے تو بہار ہی بہار ہے ورنہ؟

### حنا الطاف

(ٹی وی آرٹسٹ)

۱: دونوں ہی خوشیاں پھیلانی ہیں۔ میری فیملی  
خاص کراچی ابو کے دم سے کہ آج میں ان دونوں خاص  
کراچی کی وجہ سے اس مقام پر ہوں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ  
خوش و خرم رکھے، آمین!

۲: میری عزیز دوست ڈاکٹر عینا! جس طرح  
میری زندگی میں اپنی آمد سے بہاروں کے رنگ بھر دیتی

269 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

باتوں میں آکر کبھی اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھو، مردوں  
کے شانہ بشانہ کام کر کے اپنی سادہ جیتوں کا لوہا منوا سکتی  
ہو۔ جو تم کو کمزور سمجھتے ہیں ان سے ٹٹ کر مقابلہ  
کرو۔ محنت اور عزم کے ساتھ کامیابی حاصل  
کرو۔ ایک دن وہ آئے گا کہ یہ خود تمہارا احترام کریں  
گے اور اچھے الفاظ میں یاد رکھیں گے۔

### عبیل جاوید

(ہوسٹ، مصالحوہ چینل)

۱: صنّف نازک بھی خوشگوار، نازک اور خوب  
صورت ہوتی ہیں اور پھول بھی خوشگوار، نازک اور  
خوب صورت ہوتے ہیں۔ صنّف نازک اور بہار کے  
سارے ہی رنگ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ میری بیٹی کی  
ولادت میرے لیے کسی بہار سے کم نہیں، میری ساری  
بہاریں میرے آنکھن میں کھلنے والے اس حسین پھول  
ہی کے دم سے ہیں۔

۲: عالمی یوم نسواں کے موقع پر میں اپنی بیٹی ہی کو  
پہر بہار پیغام دوں گی کہ  
ہر پل تو خوشیوں میں کھیلے



عبیل جاوید



لاتی ہیں۔ اور میری زندگی کی بہار میرے بچنے کے دم سے ہے جو میری زندگی میں بہت سی خوشیاں لایا۔

۴: امی نے مجھے بہت لاڈ پیار سے پالا۔ میری عمدہ پرورش کی، ہر موقع پر مجھے سپورٹ کیا، ہمیشہ مجھے پھولوں کی طرح رکھا۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اپنی امی کو یہ بہاروں بھرا پیغام دوں کہ ”جیسے آپ نے مجھے پھولوں کی طرح رکھا آپ بھی عمر بھر پھولوں کی طرح سنبھکتی رہیں، آمین!“

### ذہب خان

#### (اسکول ٹیچر کھلاڑی)

۱: خواتین کی شخصیت اور بہار کے تمام رنگ ایک جیسے ہوتے ہیں، دونوں ہی زندگی میں رنگ بھر دیتے ہیں۔ میری زندگی کی بہار میری فیملی خاص طور پر



### ذہب خان

بابا اور امی کے دم سے ہے۔

۲: میں اپنی بہن نبیہا کمال کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ اسکول ٹیچر کی دنیا میں کچھ ایسے کمالات دکھاؤ کہ جس سے صرف تمہیں ہی نہیں پاکستان کو بھی کامیابی ملے۔ انجوائے کرو اور بہار بن کر جیو۔



### فاطمہ آفندی

ہے اس کے لیے یہی دعائیہ پیغام ہے کہ ”زندگی بھر تندرستی کے ساتھ بہاروں کی طرح مسکراتی رہیے۔“

### فاطمہ آفندی

#### (ٹی وی آرٹسٹ)

۱: دونوں ہی خوب صورت ہیں، دونوں ہی خوشیاں



### فاطمہ آفندی

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015 • 270

قارئین اکرام!

تھی ہو روح روان ہستی، سکوں نظر کا، دنوں کی مستی ہے دو جہاں کی بہار تم سے، تمہی سے پہلوں میں ہزنی ہے صنف نازک کو خراجِ تحسین پیش کیے جانے والے اس شعر میں سارے رنگ بہار کے ہیں۔ گویا دونوں میں قدر مشترک خوشی و شادابی کا روح پرور احساس ہے جو کائنات پر چھائے یا زندگی پر محیط ہو مشکبار کر دیتا ہے۔ صنف نازک نہایت کم عمری ہی سے مٹی کے گھروندے بناتے، بناتے نہ صرف خود دل میں گھر بنالیتی ہے بلکہ گھر کی اولین ضرورت بھی بن جاتی ہے۔ اس کی ہر خوشی ہر سکھ اپنے گھر اور گھروالوں سے منسوب ہوتا ہے۔ بالخصوص ایک ماں کے لیے اس کی بیٹی اور بیٹی کے لیے ماں کا وجود خلی بہار ہوتا ہے بہر دو جانب دلی تعلق میں دل کی آواز یہی ہوتی ہے کہ

میری بہار تم سے ہے  
مجھ میں نکھار تم سے ہے  
میرا قرار تم سے ہے  
میری حیات تم سے ہے

ماں اور بیٹی ایک دوسرے کی کمزوری بھی ہوتی ہیں اور طاقت بھی۔ اپنی پھول جیسی نازک بیٹی کو اپنی حوصلے ماں ہی دے سکتی ہے۔ بہار کی اس رت میں ہر سال ۸ مارچ کو منایا جانے والا عالمی یوم نسواں صنف نازک کے آہنی حوصلوں کا بچن ثبوت ہے۔ عالمی یوم نسواں کے موقع پر جہاں صنف نازک کے خلاف سماجی رویوں اور مردوں کی خواتین پر حکمرانی اور سفاک برتاؤ کا چرچا ہوتا ہے وہاں اپنے مسائل کے حل اور حقوق کی پاسبانی اور بازیابی کے لیے خواتین کے بلند عزائم اور خود کو منوانے کی جدوجہد میں ان کے مثبت کردار کے ساتھ ہی اپنی ہی صنف کے خلاف صف آرا ہونے کا متقی جذبہ بھی نظر آتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ عالمی یوم نسواں کے موقع پر صنف نازک آپس کے تمام اختلافات بھلا کر فراخ دلی، وسیع انگری اور کشادگی ذہن کے ساتھ اپنی ہم صنف کی خوبیوں کا اعتراف کریں، انہیں

### بیٹیاں

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات اگر محمد کے لیے پیدا کی تو کائنات کی خوب صورت تخلیق عورت کو قرار دیا کیونکہ عورت ماں، بہن، بیوی کے روپ میں گھر کی رونق ہے اور بیٹی کی صورت میں باپ اور بھائیوں کے دل کا قرار بھی ہے اور گھر کے لیے رحمت بھی۔ ایک حدیث رسول ہے کہ اگر آپ کے گھر میں مفلسی ہے تو اپنی بہن کی یا بیٹی کی دعوت کیا کرو تا کہ اللہ رب العزت کا کرم ہو اور رزق میں برکت عطا ہو۔

مرسلہ: سنبل ملک، اعوان، لاہور

### دعا

اپنے حصے کا کام کیے بنا دعا پر بھروسا کرنا حماقت ہے اور اپنی محنت پر بھروسا کر کے دعا سے گریز کرنا تکبر ہے۔

مرسلہ: شہانہ ملک، ڈی جی خان

### موت

رشتوں کی موت بھی قدرتی نہیں ہوتی ان کو انسان خود مارتا ہے بھی نفرت سے کبھی نظر اندازی سے اور کبھی غلطی سے۔

مرسلہ: مجتہد محسن، کراچی

### غلط فہمی

رشتوں کی رسی تب کمزور ہوتی ہے جب انسان اپنے اندر غلطی سے پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب بھی خود بنالیتا ہے۔

مرسلہ: حیدر ملک، ڈی جی خان

سراہیں، ان کی راہ کے کاٹنے جن کران کے لیے راہ ہموار کریں، کامیابی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے اور بڑھانے میں خلوص نیت سے ان کے ساتھ تعاون کریں۔ صنف نازک کی ایک دوسرے کے لیے مثبت فکر و عمل سے بڑھ کر عمدہ اور پر بہار سوغات اور کیا ہو سکتی ہے بھلا!

☆☆☆



# بہنوں کی محفل

مدن پورہ

عزیز از جان، بہنو! اسلام، حکمِ رحمتِ اللہ ویرہ۔  
 جو حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ نام کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں  
 نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

جو پیاری، بہنو! جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ فرانس کے اخبار پارڈیہڈو نے ہمارے پیارے نبی ﷺ آتائے دو جہاں کی  
 ناموں پر حملہ کرتے ہوئے توہین آمیز اور اشتعال انگیز خاکے شائع کر کے دنیا کے دو ارب مسلمانوں کے دلوں پر گہرا زخم لگایا ہے پھر  
 صرف یہی نہیں بلکہ مغربی دنیا کے متعدد حکمرانوں نے جمع ہو کر اس ملعون اخبار کے ساتھ اظہارِ یک جہتی بھی کیا ہے۔ وہ ممالک جو  
 اسے آپ کو مہذب کہتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے غیر مہذب ہونے بلکہ انتہائی چال ہونے کا بھی ثبوت دیا ہے اور یہ سب  
 وقتے، وقتے سے اس لیے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں میں اشتعال پھیلایا جائے اور انہیں ریشہ گرد ثابت کیا جائے۔ مگر وہ یہ  
 نہیں جانتے کہ نہ تو کوئی محبوب خدا کی شان گھٹا سکتا ہے اور نہ ہی عاشقانِ محمد کی تعداد میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اللہ رب العزت کا  
 احسان ہے اور فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں خاتم النبیین ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ اور کوئی بھی دہریہ کچھ بھی کر لے اسے اپنے  
 پر موم مقاصد میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ اس لیے احتجاج ضرور کریں مگر اپنے ملک کی املاک کو نقصان ہرگز نہ پہنچائیں۔

ہماری بہت سی بہنوں کی یہ شکایت عرصے سے چل رہی ہے کہ انہیں پاکیزہ خاصی تاخیر سے ملتا ہے اور بعض مقامات پر تو ایک  
 ماہ بعد مل پاتا ہے۔ میں جانتی ہوں اکثر جنہیں لائبریریوں سے کرائے پر حاصل کر کے بھی پڑھا کرتی ہیں اور یہ سب بہنیں پاکیزہ  
 میں اپنی شرکت بھی چاہتی ہیں تو آپ سب سے یہ وعدہ ہے کہ آپ کا خط خواہ کتنا ہی پرانا ہو مراسلات گئی ہی تاخیر سے کیوں نہ  
 ملیں وہ پاکیزہ میں ضرور جگہ پائیں گے۔ آپ نے صرف ایک ہی بات کا خیال رکھنا ہے کہ وہ معیاری ہوں۔ مخلص تو آپ بے  
 شک ٹوٹی پھوٹی اردو، انگریزی یا علاقائی زبان میں بھی لکھ کر بھیج دیں۔ وہ انشاء اللہ ضرور شہاں اشاعت ہوگا۔

جو ہمارے قارئین کو ذیشانِ رسول کی شادی کی کوریج کا انتظار ہوگا۔ انشاء اللہ جلد ہی آپ رنگین تصاویر کے ساتھ پھر پورا حوالہ پڑھ سکیں  
 گے۔ اس لیے بس تمہارا انتظار کر لیں۔ اور پھر یہیں تفصیلی احوال جس کو پڑھا آپ اپنے کھوداں قریب میں موجود رکھیں گے بالکل۔  
 جو انتہائی ضروری کام کے تحت ایک نئے کے لیے میں اپنے شوہر عبدالرب صدیقی، بیٹے فیاض اور بھوتہ کے ساتھ اسلام آباد  
 گئی۔ کراچی اور اسلام آباد کے موسم میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہاں ہم چنگھا چلا کر کھڑا ٹوڑھ کر سوتے ہیں اور وہاں ہر کمرے  
 میں بیٹھ جمل رہے تھے۔ میری پیار اور کمزور ماں نے اپنی بانہوں میں مجھے سمیٹ لیا اور جب تک میں اسلام آباد میں رہی۔ وہ مجھے  
 یوں دیکھتی رہیں جیسے مجھے اپنی آنکھوں میں بھر رہی ہوں۔ یہاں میری ملاقات شاعرہ اور مصنفہ خالدہ نسیم اور رفاقت جاوید سے  
 ہوئی معلوم ہوا رفاقت جاوید کی دو نئی کتابیں آئندہ ماہ آنے والی ہیں اور خالدہ نسیم کی شاعری کتابی صورت میں آنے کے لیے پرتول  
 رہی ہے۔ پروین شاکر فرسٹ کی صدر بیگم پروین عاتق سے بھی ملی۔ بے حد جیسے لہجے میں بولنے والی خاتون ہیں، انہوں نے مجھ  
 سے بطور خاص کہا کہ میں پروین شاکر سے اپنی پہلی ملاقات کا احوال انہیں لکھ کر بھیجوں اور وہ تصاویر بھی جو پروین شاکر کے ساتھ ہیں  
 انہیں لازمی بھیجوں۔ میں نے اسلام آباد اہل قلم کانفرنس میں صرف ایک ہی بار شرکت کی تھی۔ اس موقع پر وہ تصاویر پاکیزہ میں  
 شائع ہوئی تھیں۔ میرے پاس تو شاید وہ پاکیزہ بھی نہ ہو۔ مگر میں نے ان سے ایک ہلکا سا وعدہ کر لیا۔ اسلام آباد میں پاکیزہ  
 کے دیرینہ قاری اور شہید یقینیت راشد احمد خان کے والدین سے ملاقات ہوئی۔ خورشید، بہن اور شیر بھائی سے یہ ہماری سہری  
 ملاقات تھی۔ پیر تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر وہ ان کے لیے ہی ہوتا ہے، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیسے کو  
 دوسرے پر خرچ کر کے خوش ہوا کرتے ہیں۔ شیر بھائی نے اپنے شہید بیٹے راشد کی یاد میں سندھ میں ایک نیا شہر راشد آباد بنایا ہے  
 جس میں بلا تعصب و تفریق پاکستان کے ہر صوبے کا بچہ پڑھ رہا ہے، وہاں کئی تربیت حاصل کر رہا ہے۔ پھر انہیں اچھی چاب بھی مل  
 جاتی ہے، انہوں نے ایک ایسا ماڈل شہر بنایا ہے کہ جس میں تعلیم اور صحت کا معیار بین الاقوامی سطح پر رکھا گیا ہے۔ راشد آباد کے بارے

میں آپ مزید معلومات ویب سائٹ سے حاصل کر سکتے ہیں، یہ تو ہم نے ہمیشہ سے سنا تھا کہ مری کے لوگ خوب صورت بھی ہوتے ہیں اور بہت محبت کرنے والے بھی۔ ہزاری پاکیزہ کی مری سے وابستہ نہیں بھی ایسی ہی ہیں۔ جب ہم دودن کے لیے مری گئے تو وہاں پاکیزہ کی دیرینہ تجرہ نگار اور شاعرہ گلشا نذیر سے ملاقات ہوئی۔ وہ معروف مرحوم ڈاکٹر نذیر کی اہلیہ ہیں۔ ان کا اسپتال مظفر آباد میں ہے۔ وہ اس کی نگرانی کرتی ہیں۔ مری میں اپنے بزنس کو دیکھتی ہیں۔ سماجی کارکن بھی ہیں۔ این جی اوز کے لیے کام کر چکی ہیں۔ ان کی عملی سیاسی طور پر بھی فعال ہے اور وہ ایک سیاسی جماعت سے بھی وابستہ ہیں اور پتا نہیں کیا، کیا کر رہی ہیں... مگر ان کی سب سے بڑی خوبی محبت ہے، انہیں اپنی والدہ کے پاس پنڈی جانا تھا اس لیے وہ ہمارے ساتھ لٹچ میں شریک ہو کر پنڈی چلی گئیں مگر وہاں جا کر بھی ہر چار گھنٹے کے بعد وہ ہماری خیریت پوچھ رہی تھیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ کتنی محبت کرنے والی نہیں موجود ہیں۔ اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔ مری پیاری امی، پھرے دونوں بھائی، بھانجیاں، بھتیجے، بھتیجیوں نے جس محبت سے ہم سب کی میزبانی کی اس کے لیے تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتی۔ میں جس ضروری کام کے لیے گئی تھی وہ پورا بھی نہیں ہوا..... مگر وہاں ہی پر نچیدہ برگرز نہیں گئی کہ میں اپنی ماں کے گلے لگ کر آئی ہوں۔ اور اس سے قبل کہ آپ سرگرمیوں سے آگے ہوں، آپ سب سے پہلے ایک بار درود پرا بھی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ آیت کریمہ یہ ہے۔

### لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے، میں قصور واروں میں سے ہوں (نوٹ) یہ حضرت یونس کی مشہور دعا ہے جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے کی تھی۔ یہ آیت کریمہ کہلاتی ہے۔ اس کے پڑھنے کے فوائد کثرت سے ہیں۔

\*\*\*

### مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

- ☆ مصنفہ شیریں حیدر، اسلام آباد عمرے کی سعادت حاصل کر کے آگئی ہیں۔ (مبارک باد)
- ☆ مصنفہ اختر شجاعت، کراچی کی پیاری سی بی بی رولنے بی بی اے کا امتحان نمایاں کامیابی سے پاس کر لیا ہے۔ (مبارک باد)
- ☆ مصنفہ سیمنا مناف، کراچی ان دنوں اپنے بھانجے شارق رومی کی شادی میں شرکت کرنے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ شکاگو (امریکا) گئی ہوئی ہیں۔ (مبارک باد)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل تجرہ نگار ماہ پارہ نسیم، کراچی عمرے کی ادا تگی کے لیے سعودی عرب گئی ہوئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شعیب، سوات عمرے کی ادا تگی کے لیے سعودی عرب گئی ہوئی ہیں۔ (مبارک باد)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل تجرہ نگار شہلا نواز، لاہور کے بھائی حیدر علی کی شادی سندس طارق کے ساتھ ساوگی سے انجام پائی۔ (ماشاء اللہ)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا خالدان دنوں مسقط سے کراچی آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)
- ☆ ناول نگار رفاقت جاوید ان دنوں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام آباد سے سرگودھا گئی ہوئی ہیں۔
- ☆ پاکیزہ کی مستقل تجرہ نگار مسرت رانی۔ سبیل کی بہن رفعت و نسیم اپنی نیکی کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کر کے آئی ہیں جہاں انہوں نے سب پاکیزہ بہنوں کے لیے دعا کی۔ (ماشاء اللہ)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل تجرہ نگار ناہیدہ بنت نور، واہ سینٹ ورکس کے بھتیجے کے ہاں بی بی اور بھتیجی وردا کے ہاں پیارا سا بیٹا تولد ہوا ہے اور ہماری ناہیدہ اب دادی بھی بن گئی ہیں۔ (مبارک باد)
- ☆ گزشتہ دنوں شاعرہ مصنفہ سنی احمد کے بھائی رضوان احمد صدیقی کی شادی سونا نوال کے ساتھ ہوئی۔ (مبارک باد)
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ڈاکٹر ناہیدہ نسیم صدیقی کا پہلا شعری مجموعہ آگئی، کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے، جس میں نظمیں اور غزلیں آسان فہم انداز میں لکھی گئی ہیں۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے جو قاری یہ کتاب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حسب توفیق صدقات اور زکوٰۃ دے کر کاسٹم یونورسٹی اسلام آباد سے منسلک کاسٹم نیچنگ اسپتال سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کی آمدنی مریضوں پر خرچ کی جائے گی۔ (ماشاء اللہ)

☆ معروف شاعرہ عمیرہ بن حبیب عمر نے ماشاء اللہ بی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ (مبارک باد)  
 ☆ گزشتہ دنوں ٹی وی کے ایک چینل پر معروف شاعرہ شگفتہ شفیق نے اپنا اندر پودیا اور اپنی نظمیں، غزلیں، سناٹیں۔ (ماشاء اللہ)  
 ☆ ان دنوں ہماری پیاری مصنفہ نثار عہاسی، نیویارک سے کراچی آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)  
 ☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار سمیرا حمید فاروق اب ڈیفنس کراچی میں شفٹ ہو گئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)  
 ☆ مصنفہ شاعرہ اور پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار: ام ایمان قاضی، کوٹ چھٹہ بہت جلد عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب

جانے والی ہیں۔ (ماشاء اللہ)  
 ☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار شگفتہ ناصر، فعل آباد نے بتایا ہے کہ عظمیٰ آفاق کے دعویٰ کے سزنا سے متاثر ہو کر وہ پہلے دعویٰ اور پھر عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جا رہی ہیں۔ (مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے اتنا اس ہے

- ☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار طیبہ عنصر مغل، راول پٹھی ان دنوں بیمار ہیں۔
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا بی بی، راول پٹھی، بستری عیال پر ہیں۔
- ☆ پاکیزہ کی شاعرہ نجمہ اصغر، کراچی شدید بیمار ہیں۔ بلڈ پریشر بے حد بڑھ جاتا ہے۔
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سرتنور بخاری، کراچی جوڑوں کے درد میں مبتلا ہیں۔
- ☆ شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار راجہ عنید لیب، سلاٹوالی، ہنوز بستری عیال پر ہیں۔
- ☆ شاعرہ مصنفہ اور تبصرہ نگار فریدہ جاوید فری طیل ہیں۔
- ☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار سمیرا مجاہد، صادق آباد ان دنوں بیمار ہیں۔
- ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سرتنور، سندھ ان دنوں بیمار بھی ہیں اور پریشان بھی ان کے لیے دعا کریں۔

### انتقالِ برطال

☆ مصنفہ رفعت، ہمالیوں، کراچی کے سولہ سالہ بیٹے سید محمد عمر کا انتقال ہو گیا ہے۔  
 ☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ناز فرقان عالم کی اس ماہ برسی ہے۔  
 ☆ معروف چینل سرجن ڈاکٹر احمد باری کی تیرہ سالہ بیٹی کنزہ انتقال کر گئی۔  
 ☆ معروف راتیلو، فلم ساز اور ہدایت کار علی سفیان آفاق لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کی جاسوسی پہلی کیشنز کے ساتھ ایک طویل عمر سے تک لگی رہی ہے۔  
 نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کی دعا کریں۔

### سہ ماہی

کھ سیمایا سیمین بختی، کراچی سے۔ "فروری کے پاکیزہ میں آپ کا ادارہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ منظر ہم حال میں ہی دیکھ چکے ہیں۔ انیسویں سے کہتا پڑتا ہے کہ اب لوگ ایسے ہی ہو گئے ہیں۔ آپ کا قلم بہت سچا ہے، اختر شجاعت کا اسلامی مضمون مکمل دینے کا بہت شکر ہے..... ایسا لگتا ہے کہ وہ روح کے ساتھ تھی ہیں جو روح میں ہی اتر جاتا ہے۔ ایسے منظر و مضامین یا تو ایسا میں لگا میں یا بہنوں کی محفل کے فوراً بعد لگائیں تاکہ ایک دم سے وہ مل جائیں، عظمیٰ آفاق کا سفر نامہ اس ماہ بھی بہت خوب صورت ہے ان کا انداز بیان بہت بر جتہ ہے، عام زندگی کی باریکیاں بے حد خوب صورتی سے تحریر میں موجود ہیں۔ وہاں کے بازاروں کے بارے میں بہت سچی تصویر ہے کہ واقعی دعویٰ کے بازار بہت شاندار ہیں۔ ناول ہم نے کوئی کس پڑھے، ہاں افسانوں میں ناہید سلطانہ اختر اور سیماسراج کی تحریریں بہت پسند آئیں۔ جلتی رنگ کی کیا بات کریں..... وہ تو ہوتا ہی اچھا ہے۔ ہاں فیس بک پر آپ کے نام سے کئی آئی ڈی دیکھی ہیں۔" (پیاری سیماسراج کا شکر ہے..... سفر نامہ دعویٰ ایک اسلامی ملک کو خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خواہش بھی دکھائی گئی ہے کہ ایسا اچھا انتظام ہمارے ملک میں بھی ہونا چاہیے۔ فیس بک پر میری صرف ایک ہی آئی ڈی ہے، جس کو میں یہ مشکل نفع میں ایک بار استعمال کرتی ہوں۔ باقی سب فیک ہیں، ہاں ناہید سلطانہ، سیماسراج اور اختر شجاعت شکر ہے کہتی ہیں)

کچھ فرزانہ قادر، مہانوالی سے۔ "ایک لمبے عرصے بعد اس محفل میں شریک ہو رہی ہوں۔ عذر باہمی کو بیٹے کی شادی کی مبارک باد..... ترک وفاق کی آخری قطرہ دھکی، میری جانب سے بے حد مبارک باد، نایاب جیلانی کے لیے..... گہمت سیمانگی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ دعویٰ کی سیر بے حد اچھی تھی۔ اب مجھے انگارے عظمیٰ آبی کے عرصے کے احوال کا..... اس میں ان کا اندازِ تحریر سنجیدہ ہوگا..... فروری کا پاکیزہ بہت اچھا لگا، اس میں ایک فقرہ جو حاصلِ مطالعہ تھا..... خوشی کا دوسرا نام محبت ہے۔" (پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں، نایاب جیلانی اور گہمت سیمانگی یہ کہتی ہیں)

کچھ نسیم فضل خالق، پشاور سے۔ "عظمیٰ کا سفر نامہ پڑھا..... جڑ بہت پسند آیا۔ کیا طرزِ تحریر ہے، عظمیٰ ڈیر ایک پیارا سا ناول لکھو کہ تم میں لکھنے کے جراثیم موجود ہیں، یقیناً تمہارا ناول بھی لاجواب ہوگا۔ میں پشاور کے سائیکس کا ڈاکٹر نہیں کروں گی ڈائیر..... کہ مجھے ڈپریشن ہونے لگتا ہے، فریڈہ جاوید فری تمہیں میرا افسانہ پسند آیا، تمہاری محبتوں کا شکر ہے، جلتنگ میں ہائے رقی مجبوری پسند آیا..... اللہ تمہارے قلم کو اور بھی مضبوطی عطا فرمائے۔ فریڈہ انگارے سے ناراض ہوں دوست سے میری لیکن مجال ہے کہ کبھی میرے افسانے کے بارے میں کچھ لکھے..... تعریف نہ کسی تحقیر تو کر سکتی ہیں ناں بھائی..... پاکیزہ ابھی بس اتفاقاً پڑھا ہے، جلتنگ، سفر نامہ اور بہنوں کی محفل..... اس لیے تمہرے ادھار دیا۔" (پیاری نسیم ادھار محبت کی جگہ ہے اس لیے آئندہ بھر پور تمہرے ہونا چاہیے۔ فریڈہ انگارے ان دنوں امریکا گئی ہوں ہیں اس لیے آپ کی یہ شکایت امریکا پہنچانی جا رہی ہے)

کچھ افسر سلطانہ، کراچی سے۔ "معراج صاحب اور عذرا رسول کو ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد پہنچادیں۔ تصاویر کا شدت سے انتظار ہے۔ جنوری کے شمارے میں آپ کا ناولٹ بے حد پسند آیا۔ گہمت عظمیٰ اور نسیم فضل خالق کی تحریروں نے بھی متاثر کیا۔ فروری کا شمارہ فسطوں میں پڑھا گیا۔ شمع ہدایت کمال شائق ہوا۔ بے حد مطلوباتی بھی تھا۔ اسکی تحریریں یقیناً باعثِ نجات ہیں۔ اختر کی سادہ لیکن جامع تحریریں ہمیشہ ہی دل سے پسند آتی رہی ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ بھی فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ اعتبار وفاق جون، جون پڑھتا جا رہا ہے دیکھی بھی پڑھ رہی ہے۔ امید ہے گہمت اس بار بھی ایس نہیں کریں گی۔ ناہید سلطانہ اختر کی ہر تحریر ڈائجسٹ کا مان پڑھا دیتی ہے۔ ان کے انٹرویو کی شکر ہوں۔ ہم دعویٰ کے ہو گئے اس سفر نامے کی بر عظمیٰ پر عظمیٰ کو کتنی مبارک بادوں ساتھ ساتھ مزاح سے بھر پور..... محضرت کے ساتھ اس بار بھی آپ کے جلتنگ کے مقابل کھڑا تھا۔ ناگفتہ بہ ہونے کے باوجود پسند آیا۔ باقی سلسلے بھی اچھے ہے۔ ادارہ کے فوراً بعد بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں اور اگلی محفل کا انتظار ہوتا ہے۔ حمیرہ سہارا گفتہ شینی کو مبارک باد پہنچادیں۔ تمام مرحومین کی مغفرت کی دعاؤں کے ساتھ ان تمام بہاروں کے لیے دعا گو ہوں جو اسپتال اور گھروں میں صحت یابی کے منتظر ہیں۔ عقیدت اور رضوانہ پر کس کا اللہ رب العزت صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور آخر میں آپ کی محبتوں کا شکر ہے..... یہ آپ کی وہ محبت ہے جو آپ ہم سب سے کرتی ہیں۔ بہت ممنون اور مشکور ہوں آپ نے میرے بغیر کہ بہن کی مستحیاتی کی دعا کے لیے خیر لگا دی۔ میری تمام قاری بہنوں سے اب بھی درخواست ہے کہ وہ میری چھوٹی بہن کے لیے مکمل صحت یابی کی دعا کریں۔ اس کے بچے چھوٹے ہیں اور چھوٹے بچوں کے لیے ماں سنی اہم ہوتی ہے۔" (اللہ آپ کی بہن نصیر سلطانہ کو صحت اور زندگی دے۔ تمہرے کا شکر ہے، ذیشان کی شادی کا احوال تصویروں کے ساتھ انشاء اللہ آپ جلد ہی پڑھ سکیں گی)

کچھ اتم ایمان کاظمی کوٹہ جٹھ سے۔ "مجھے کچھ کہنا ہے میں ایک اہم اور خوب صورت بات بتائی آپ نے بعض لوگ اس قسم کے ردیوں کے ساتھ دوسروں کے لیے احمقان بن جاتے ہیں۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل کی باری آئی ہے کہ کسی بھی دلچسپ کہانی سے کم مزہ نہیں ہے اس میں۔ ساخو پشاور کا ذکر اس دکھ کو ایک بار پھر تازہ کر گیا۔ اس دکھ کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ عذرا صاحب کو بیٹے کی شادی کی بے حد مبارک باد تمام طیل، بہنوں کے لیے صحت یابی کی دعا ہے، آمین۔ جلتنگ میں مجھے تڑاؤں کے رنگ اور چھوٹی نہیں کی نے مزہ دیا۔ پاکیزہ ڈائری ہر بار حب زیادہ اچھی تھی ہے جب میرا نام ہوا اس بار تو عظمیٰ نے میری شاعری کو جھکادی۔ بہت شکر ہے عظمیٰ..... اشانتیہ زریں اس بار ایک اہم اور منفرد دوسرے رائٹرز کے لیے لے کر آئیں۔ رائٹرز سے ہونے والی ملاقات ہمیشہ اچھی لگتی ہے وہ کسی بھی صورت میں ہو..... اس ماہ کے پاکیزہ میں سب سے مزید عظمیٰ کا سفر نامہ تھا۔ عظمیٰ آپ کی کتاب کے شائع ہونے کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس کا قادی کا موضوع اس بار بہت اچھا لگا۔ ہمارے معاشرے میں جہاں جو انٹ کھلی کاروبار عام ہے وہاں تو ہر گھڑی آزمائش کی ہے اب یہ صورت پر ہے کہ وہ کیسے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے رشتوں میں توازن بھی برتی ہے۔ میرا سراج، مختصر کہانی میں بھی کچھ مردوں کی فطرت کے کچھ رنگ نمایاں کر گئیں۔ رضوانہ پرس کے ناولٹ میں مجھے لگا کہ ان کو مردہ کو اس سے بھی زیادہ مزادینی چاہیے گی۔ بہر حال اس نے ایک نیا قدم تو اٹھایا ہی تھا ناں..... خول بنتو حوانے بالکل ٹھیک حکاسی

کی اکثر گھروں میں بہادر بیٹی کے کاموں پر مختلف رد و عمل کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، جنگل کے پھول کی یہ قسط دلچسپ تھی، تاہم سلطانہ اختر ہمیشہ کی طرح جب بھی آئیں کچھ خوب ہی لے کر آئیں۔ ترک و وفا کا ایک خوب صورت سا انتظام کر کے دل خوش کر دیا تاہم جیلانی نے۔ گتت سیما کے ناول میں، چسپی برقرار ہے۔" (بھری پور تھرے کا شکر ہے)

بھو بال احمد، کراچی سے۔ "فروری کے پاکیزہ میں سب سے دلچسپ اور بہترین تحریر..... جو میرے خط لکھنے کا محرک بھی بنی ہے وہ عظمیٰ جانی کی ہم دہی کے ہو گئے۔ ویلڈن اتنی سادگی، اتنی بے ساختگی..... مزہ آ گیا۔ سیما سراج کی مختصر کہانی نے آخر دل دہلا کر رکھ دیا۔ ہائی افسانے بھی اچھے تھے۔ اساقادری کا ناول بہت پسند آیا تھا۔ رضوانہ پرنس کا ناول اپنے عنوان سمیت اچھا لگا۔ جلیترنگ کی تو ہمیشہ ہی کیا بات ہوتی ہے۔ جموٹی کہیں کی سب سے زیادہ مزیدار تھا۔ بہنوں کی محفل و پھلے دو ذہ سے کافی مختصر لیگ رہی ہے۔ فرحانہ ناز ملک کی تصویروں کا تو میں بھی شدت سے انتظار کر رہی ہوں۔ کیونکہ میں نے ابھی تک ان کی کوئی تصویر نہیں دیکھی ہے۔ عذرا آئی کو میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پہنچا دیجیے گا۔ شادی کی تساویر اور احوال کا انتظار ہے۔ امینہ عندلیب کے لیے دلی دعا میں اور نیک خواہشات..... جو دلچسپ واقعات لکھ کر بھجانے کے حوالے سے آپ نے قارئین کی رائے لی ہے تو میں اس کے لیے کہنا چاہوں گی کہ یہ سلسلہ صرف نئی مصنفات ہی کے لیے کیوں؟ سننے پر لے بھی اس میں شرکت کریں تو زیادہ اچھا لگے گا۔ ہر ماہ تین یا چار واقعات شائع ہو سکتے ہیں اگر مختصراً لکھے ہوئے ہوں تو....." (آپ کی مزاحیہ تحریر قاضی اشاعت سے اور تجویز بھی اچھی لیگ رہی ہے۔ ایک صفحے کے لیے کوئی حزرے دار سا واقعہ کوئی بھی، لیکن لکھ کر بھیجے کرو پڑھنے والوں کو دلچسپ ہی لگے۔ یہ خیال ضرور ہے)

بھو سکھئی نرنگ، کراچی سے۔ "فروری کا پاکیزہ اس تھرے کے شوق میں پورا پڑھ لیا مگر ذریعہ لیگ رہا ہے کہ بے حد کہنے مشق اور قابل مصنفین ناراض ہی نہیں ہو جائیں کیونکہ ہم ٹھہرے کم محفل یا کوتاہ بین کہنا یا جیلانی کا ترک و وفا جو یقیناً تمہیں گہرائی، بے پناہ مطالعہ اور لاجواب تحریر کا منہ پوتا ثبوت ہے۔ سر سے گزر گیا..... یوں کہ حزرہ نہیں آیا۔ مجھے ہلکی ہلکی تحریر جیسے رفعت شبانہ کا ناول، سیما سراج کی مختصر کہانی اور تاہم سلطانہ اختر کا بلا عنوان، لاجواب اور با استعداد لکھے۔ رضوانہ پرنس بہت اچھی لکھاری ہیں اور انہوں نے بائبل کی دہلیز کا ایذا خلاف توقع بہت اچھا کیا ہے لیکن جب پہلی ایڈٹ فلٹ ہو تو پوری عمارت ٹیز گی ہی بنے گی۔ بھاگنے والی لڑکیاں ماں، باپ کی کھوئی ہوئی عزت واپس نہیں دلا سکتیں۔ چاہے سونے کی بن جائیں اور نہ اس زمانے میں شوہر اور تاپا اتنے اچھے ہوتے ہیں۔ اساقادری کی تحریر پرانی پوسٹ میں ہی شراب جیسی سے موضوع پرانا لیکن انہوں نے سورہ نور کے حوالے سے تحریر میں چار نہیں بلکہ آٹھ چاند لگا دیے۔ اور ایک ٹپ میں وہی ٹپ، بہنوں کی تذکرہ کرتی ہوں جو خود پر استعمال ہو۔ روزانہ مکمل سورہ بقرہ ایک ساتھ یا تھوڑی تھوڑی پورے دن میں پڑھ لیں پھر اللہ کی رحمت اور گھر میں برکت دیکھیں۔" (تھرے کا شکر ہے اور جزاک اللہ)

بھو گل شاہین، رحیم یار خان سے۔ "اداریہ بارہ ربیع الاول کے تبرک و مقدس دن کے حوالے سے نہایت ہی بہترین ہے ایک، ایک نظر سونی کے ماتند لگا۔ سبحان اللہ..... پھر دین کی باتوں سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کی تحریر بھی ڈوری رشتے کی..... ملنے پھلنے نماز میں ایک اصلاحی تحریر آپ نے پیش کی۔ ایک بے پروا اور کچھ سادگی سے شوہر کی کہانی..... جس میں تین خود غرض کردار..... مسز جاوید، مسز جاوید اور عارفہ شامل تھے۔ ویسے زویانے بھی شوہر کو کچھ نظر انداز کیا۔ بعض اوقات رشتوں کو تقویت دینے کے لیے مثبت جذبوں کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ بہر حال انتہام آپ نے بہت اچھا کیا۔ پھر اپنا فورٹ ناول اظہار و وفا پڑھ لیا۔ یہ قسط بھر کر جس لیے ہوئے تھی۔ کہانی کچھ آگے بڑھی، ایک خاتون کردار کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ عتیقہ محمد بیگ کا افسانہ کھونٹا پڑھا۔ تحریر میں اصلاحی رنگ تھا۔ کہتے ہیں ناں کہ بعض اوقات ہزاروں دلائل کسی بحث میں کام نہیں آتے بس کسی ایک نکتے پر بات سمجھ آ جاتی ہے۔ گتت عظمیٰ کا آخری روزانہ حلد کے گھر کا کچر پڑھ کر تو واقعی دل بھرا سا گیا۔ محبت شوہر کی خاطر سب کچھ برداشت کرتی ہے۔ مگر صالحہ کو اپنی قربانوں کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ عظمیٰ کا سفر نامہ دہی افسانوں سے زیادہ اچھا لگا۔ جانی جان عظمیٰ کی تحریر میں بھی آپ کی طرح فطری انداز، سادگی اور بے ساختگی لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ تصنیف و بناوٹ سے پاک اور بچوں کی گفتگو کو تو ایسے مستی میں گویا بیٹے ہمارے سامنے ہی بیٹھے ہیں اور ہم ان کی باتوں سے محفوظ ہو رہے ہیں۔ مسلسل مسکراہٹ رہتی ہے لبوں پر جب تک عظمیٰ کی تحریر کا ایذا نہیں ہو جاتا۔ اور جھیل میں روشنیوں کے ٹپس کو تو ہم نے پڑھ کر بھی انبجوائے کیا۔ ماشاء اللہ ذوق و تقم اور زیادہ..... (اس سفر نامے کو شائع کرنے کا ہمارا اولین مقصد یہ تھا کہ ایک مسلمان ملک کی ترقی، کامیابی اور امن و امان کی شاندار صورت حال سے ہم بھی کچھ سیکھیں) مستقل سلسلے میں پاکیزہ ڈائری اس بارنتوں سے تھی ہے بہت اچھا لگا پوجانی مشورے بہترین رہے۔" (تھرے کا شکر ہے آپ کی آراء پہنچائی جا رہی ہے)

بھو ایڈووکیٹ سعید، ہماچ، سرگودھا سے۔ "ساتھ پشاور کا ذکر کروں یا سرگودھا کے اسپتال میں ڈاکٹروں کی نااہلی،

سہولیات کے فقدان کی وجہ سے ہونے، ان اموال یا گھر میں بھوک، غذائی قلت سے مرنے والے بچوں کا..... ہم لوگ اپنا فوج پر اپنے ہاتھوں سے ختم کر رہے ہیں، کس کس کا، کس کس کا، کس کس کو روئیں۔ یا الٹی ان خالوں کی پکڑ کب ہوگی۔ ان کے پیشوں کا دوزخ کب بھرے گا۔ آج میری پاکیزہ بڑھنے والی تمام ماؤں سے درخواست ہے پلیز اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھیں ان کی ہر سرگرمی کو چیک کریں، یہ ماوراء پر آوازیں ہماری نسلوں کو تباہ کر رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ برے کو نہیں برے کی ماں کو مارو..... مارا قصور ایسی ہی ماؤں کا ہے۔ اچھی تربیت بھی کسی کو دہشت گرد نہیں بناتی۔ خدا ارادے بچوں کو دولت مند بنانے اور دولت اکٹھا کرنے کے طریقے بتانے کے بجائے اچھا مسلمان اور اچھا پاکستانی بنانے پر زور دے۔ ناٹل گرل کی ایک تو آؤٹ آف فیشن ہے ہاں مغلراجھا لگ رہا ہے، محترمہ منہ کھولے حیرت سے ہمیں دیکھ رہی ہیں کہ یہاں ناٹل پر تو سیدہ زہونا چاہیے تھا۔ ادارے میں سادہ سی بات بڑے خوب صورت انداز میں کہی گئی۔ اگر ہم تعریف کریں تو اس وقت سوئس سے سو نمبر عظمیٰ کے مجھے میں آ رہے ہیں۔ مگر ایک بات عظمیٰ نے کمرہ عظمیٰ کی حد کر دی یا رقم ایک ڈیڑھ ماہ کی بہت قابلہ بنی ہو، اللہ کرے زور و قلم اور زبان اور پلیز اب عظمیٰ رہو، بریک نہ دینا اور ایک راز کی بات بھی بتاؤ، وہ یہ ہماری، عظیم، پائے کھانے والے تمہاری طرح اسارت کیسے رہ سکتے ہیں۔ ہم تو ان کے قریب سے بھی گزر جائیں تو دو، تین گلو کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ سروے میں سو پائل اور نیت محبت میں رائٹرز کو دیکھ کر اچھا لگا، ساتھ کے مصلحی جواب سب پر بازی لے گئے مگر ساتھ یہ ہمارے دور والی بات کیا ہوئی۔ اقبال بانو محبت کی رائٹرز ہو کر محبتوں دے نطاف دوٹ پائیں۔ اے خیر نہیں، شیریں صاحبہ اس معروف دور میں ایک دن محبت کے نام نہ ہوتا تو کسی کو محبت یاد نہ رہتی۔ یہ تو سیدہ..... ہے ان ڈیڑھوں پر جنہیں عادت ہے بھول جانے کی۔ سیماسراج کی شادیت استوری رشتوں کے گھٹاؤنے روپ کو اجاگر کر رہی تھی۔ محل، ناول، مٹیوں کے رنگ، ایک امپریسٹو کریم سے جو سب کے دل میں اتر گئی۔ رضوانہ پرنس بھی بڑی مصلحی سے بھائی رہیں۔ ناولت ہر لحاظ سے بھر پور تھا۔ (بھر پور تھرے کا شکر یہ..... ہاں تمہاری بیاری تصویر اگر وہ اچھی ناٹل پر آ جائے تو دھوم مچ جائے گی۔ مگر ہمیں فکر ہے کہ ہماری سیدہ یہ کون نظر لگ جائے کہ ماشاء اللہ میں بچوں کی ماں اتنی خوب صورت اور تخی فریش ہے۔ ماشاء اللہ)

کچھ شائستہ زریں کی رائے کراچی سے۔ "ادارے ہمیشہ کی طرح پرمغز مخصوص آخری فقرہ حاصل مطالعہ رہا..... سطلے وار تمام ماوراء خوب جا رہے ہیں۔ ترک و وفا کا انجام غیر متوقع لیکن نہایت عمدہ رہا۔ رفعت شبانہ نے خوب صورتی سے لکھا..... ناہید سلطانیہ آخر اس ماہ چھاپیں۔ اس ماہ کی ٹاپ کی تحریر بھی رہی..... آخر شجاعت کی ایمان افروز تحریر بہت اثر انگیز رہی۔ عظمیٰ آفاق کی تحریر کیا خوب ہے، کہنے کو..... سہ نامہ ہے مگر طرز و حراج کے بھول گئے ہیں۔ جنت رنگ کا ساز اپنا اثر دکھاتا ہوا نظر آیا۔ اگر میں یہ کہوں کہ عظمیٰ کا یہ سفر نامہ خبر نامہ بھی ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس کا دوری کا مکمل ناول بہت پسند آیا ہے۔ (آپ کی رائے پہنچانی جا رہی ہے)

کچھ مسز حمید خان، بدین سے۔ "پاکیزہ بہت اچھا ماہنامہ ہے، اس کی سطر، سطر سے میں بہت کچھ سیکھتی ہوں، مجھے کسی ایسے ادارے کے بارے میں معلومات چاہئیں جو نسلوں پر ترغیب فراہم کر سکے۔ میں ایک چھوٹی سی جگہ پر رہتی ہوں۔ اس بارے میں زیادہ جانتی نہیں ہوں۔ مجھے صدقات اور زکوٰۃ بھی نہیں چاہئیں۔ مجھے محمود اساقزہ چاہیے جسے میں نسلوں پر اتار سکوں۔" (بیاری، بہمن اگر کسی نے ایسی معلومات ہمیں بھیجی تو اسے میں بہنوں کی محفل میں ہی شامل کر لوں گی)

کچھ مسز حمید فاروق، کراچی سے۔ "تین ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر ہو رہی ہوں مگر اس کی اصل وجہ عظمیٰ آفاق کا خوب صورت سفر نامہ، اس قدر پر جھنگلی اتنی دلچسپی کے ساتھ اور بھر پور بھی کسی بھی وجہ سے کوئی شو نہیں ماری گئی۔ مجھے عظمیٰ سے کہنا ہے کہ اس سفر نامے کے بعد وہ اگر اتر پڑت چاہیں اور پلوے اشین، کسی شادی میں یا ٹریک جام میں پھنسیں وہ دلچسپ انداز میں ضرور پاکیزہ میں لکھیں کیونکہ وہ سفر نامہ لکھنے میں ماہر نظر آ رہی ہیں۔ ناولوں میں نگہت سیماسراج کا ناول اول جا رہا ہے۔ بہت خوب صورت انداز میں لکھ رہی ہیں۔ نایاب جیلانی نے بہت اچھا لکھا مگر بے حد طوانت نے بہت پور کیا..... رفعت شبانہ کا افسانہ پسند آیا۔ ناہید سلطانیہ کی تحریر تو ہمیشہ اچھی لگتی ہے اور بہنوں کی محفل تو کسی بھی رسالے میں ایسی نہیں ہو سکتی۔" (نواز ش)

کچھ رخسار انصاری، کراچی سے۔ "سب سے پہلے بہت، بہت شکر یہ آپ کو میرا خط شائع کرنے کا..... میں تا نہیں سکتی کہ



میں کتنی خوش ہوں مگر نئی میرا نام غلط لکھا گیا ہے۔ عشاءت نہیں ہر خسار انصاری ہے۔ پلیز آئی میرا نام ٹیک کر دیجیے گا۔ سب تحریروں پر آتی ہوں آپ کا ناولٹ پڑھا بخوبی کا بہت خوب..... آئی پلیز کتنی رہا کریں ناں..... آپ میرا یوں ہارون کا ناول ہمیں درکار ہے تو مجھے اتنا پسند آیا کہ بتائیں کتنی اور باقی سب ہی اچھے تھے۔ عظمیٰ آفاق تو گھر بیٹھے دعویٰ کی سیر کرداری ہیں۔ بہت مزہ آرہا ہے۔ انہی میں نے اپنا کراچی ہی نہیں گھوما..... "ظفر" نے تو دعویٰ گھما دیا تھیک یو....." (اس دفعہ آپ کا نام صحیح شائع کیا جا رہا ہے۔ سبہ تمام تحریروں کے بارے میں لکھا کریں تو ہمیں زیادہ مزہ آئے گا)

عظمیٰ زہری، اوستہ محمد، بلوچستان سے۔ "اس ہار تو عظمیٰ آفاق ہاتھی نے میدان مار ہی لیا جہاں دیکھو عظمیٰ ہاتھی کے دعویٰ کے قصے چمڑے ہوئے تھے، سب کے چہرے پر ایسی خوشی تھی جیسے ہم خود دعویٰ کئے ہوں۔ اب یہی دیکھ لیں گھر بیٹھے، بیٹھے ہم دعویٰ گھوم آئے بہت کچھ جان لیا دعویٰ جانے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اسی لیے تو ہم پاکیزہ کے فین ہیں، پاکیزہ کا نعرہ ہر دم لگاتے ہیں، (پاکیزہ زندہ باد!) اور پھر مجھے کچھ کہنا ہے۔ نے زبردست بات ہے۔ آگاہ کیا کہ ہمیں سوچ سمجھ کر یولنا چاہیے..... نان اسٹاپ ہو کر تو بھی نہیں یولنا چاہیے۔ ایک نظر اعتبار دفا کو دیکھ لیتے ہیں گھت یہاں آپ نے نسل کے ڈیڈی کو مار ڈالا اب نسل کو ان رازوں کے بارے میں کسے پتا لگے گا۔ جو ان کے ڈیڈی کی زبان پر آتے، آتے رہ گئے۔ چھٹی ہار تو میں نے پوچھا تھا کیا دعویٰ اور قمار، نسل کی بیٹی نہیں لیکن آپ نے گئی میں اسے کسی اور کی بیٹی بنا ڈالا۔ یہ قسط پروا، اٹھانے میں بھر پور دعویٰ رفعت شائنا آئی آپ نے کمال کر دیا۔ نایاب آئی مجھے تو الفاظ ہی نہیں مل رہے ہیں کیا لکھوں جس شان سے ترکیب و قمار شروع ہوا اسی شان سے ختم بھی..... ہاں سون کے لیے برا لگا اس بھاری کو کچھ بھی نہیں ملا۔ بلا عنوان کے کیا کہنے ناہید آئی نہیں اور حرا نے ایسا دعویٰ نہیں سکتا۔ ویسے بھی انسان خود پر تجربہ نہ کر لے کسی اور پر یقین کم ہی آتا ہے۔ زیادہ پروین کی ہٹ جا رہی ہیں ڈاکٹر خاور کی اماں کو شرمین کی بے عزتی کرنے کا صلہ مل ہی گیا۔ اسما ہاتھی آپ نے بہت، بہت اچھا لکھا ہے محبتوں کے رنگ کو کیا خوب ہی رنگ دیا ہے۔" (آپ کے ترجمت تبہ سے میں بھی نہیں آپ کے پیار کی توں قزح نظر آ رہی ہے)

عظیمہ ضیا بخش، کراچی سے۔ "ہاتھی میری بیٹی صباحت خیا الدین جو کہ کلاس معلم کی طالبہ ہے ان کے اسکول بھودا گزریسٹری اسکول کی طرف سے آئی بی اے کراچی میں تقریری مقابلہ منعقد ہوا جس میں میری بیٹی صباحت خیا الدین نے تیسری پوزیشن حاصل کی اور کیش پرائز بھی جیتا۔ (مبارک باد) بھودا بھو کشن کی حیر پرین میڈم، غور میڈم، خدیجہ میڈم، مسرت میڈم، شایین، مس زونیرا مبارک۔ مس ارم، مس نسرن، مس کرن، مس کلل وقار، مس سمداء، مس عاشی، مس بیس، مس سکھی، مس عروج، مس عاصمہ اور میری بہت پیاری بچہ جس کی انہی شادی بھی ہوئی ہے۔ یہ سب اساتذہ پاکیزہ کی مستقل قاری ہیں اور تمام بچہ زہمت محنت سے پڑھاتی ہیں۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ ان سب کو خوش رکھے آمین۔ صباحت کی دوست نرمانگو نے دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔ ہاری طرف سے ان کو بہت، بہت مبارک بادقول ہو، گھت یہاں اور رفاقت جاوید کے ناول زبردست ہیں۔ مکمل ناول اسما قاری کا بہت پراثر رہا۔ ہاتی ناہید سلطانہ اختر خزانہ عظیم راز، خولہ بنت حوا، عالیہ حرا، سیماسراج کی تحریریں خصوصی طور پر پسند آئیں۔ اختر شجاعت کے ترجمت مضمون سے فیض یاب ہوئے وہیل ڈن..... عظمیٰ آفاق سعید، ہم دعویٰ کے ہو گئے کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ زبردست..... شاکتہ کا سروے بہت اچھا لگا۔ مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں پلیز..... اور جن بہنوں کی خوشی ملی دکھ لے جو پیار ہیں ان سب کے ساتھ میں برابر کی شریک ہوں۔" (آپ کا اور بھودا بھو کشن سے منسلک تمام بچہ زکا بھی ہے۔ شکر ہے..... جو وہ پاکیزہ کو اتنا پسند کرتے ہیں)

عظیمہ نسیم رضا ڈالو القفا، فیصل آباد سے۔ "ہر ماہ تبہ کتنی اور پوسٹ کروانے تک نام گزرتا جاتا..... خیر دین کی ہاتوں سے مستفید ہو کر تمام مرحومین کے لیے دعا کی اور پیار، بہنوں خاص طور پر امینہ عندلیب کے لیے۔ عظمیٰ کا سطر نامہ کیا تھا بلکہ بغیر گت سا دعا دعویٰ گھوم آئے بغیر ناگ کے سجدہ کی سرخیاں چکن نکلے کے نام پر پڑا بھر حال حرا سے کا تھا یہ ستر نامہ دعویٰ سے پاکستان دا بھی پڑو لکھا کہ آئی صاحبہ بھی رشتے کی کٹی ڈور پڑے تھی ہیں پھر جو اس ڈور کا سرا پکڑا تو آخری سرے تک ہو کر ہی پلکیں چھکیں۔ ہمیں درکار ہے تو کیسا حرا سے کاسیکرٹ بنا ہوا تھا ان چاروں میں سواگل کے ذریعے، منقر و امااز اور خضر صاحب کی شرارتیں، جاسویاں اپنی عزیز دل و جان منگیترا کا خیال رکھنا نانی امی کی محبت۔ ماہین کی امی کا کردار اچھتر یہ سب رشتوں کو محبت سے جوڑنے کے انداز ہے غرض محبت بھرا..... خلوص سب بہت اچھا لگا، آخری روزن گھت آگ کی پڑھی بہت اچھی بات لکھی کہ اگر انسان اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے خرا تا ہے جبکہ یہ جانوروں کی فطرت ہے تو انسان کہلانے کا حقدار نہیں۔ وہ میرے گمان میں رہا نہ بہت جہیں ضیا کی میں بڑوں کی دعویٰ بات صحیح ثابت ہوئی کہ جوڑے آسانوں میں بنتے ہیں۔ نسیم فضل صاحبہ کی طرف دارول پڑھی ہے فلک خضر جم بھی ہے اور کریم بھی مگر

انسان بڑا بے صبر ثابت ہوا ہے۔ گھر نہ لائیں تو نورین نے ایک چڑیا سے سستی سیکھا مگر غور کریں تو محبت، اتحاد، بقا، عت پسنندی، نظم و ضبط بہت سے سستی ہیں جو ہم جانوروں سے ہی سیکھ سکتے ہیں۔ ترک وفاق کی مومن ہمارے دماغ کو بھی نیلی چمکتی سے چمکا کر ہی رہے گی شاید..... شریک ستر کے نام سے سراج کا خط ۷۰۰ کا تھا۔ خرفناک خرافوں میں بھی کیسے لطیف جذبات چھپے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر زلدیہ پروین کے ساتھ ہم بھی صحرا میں دھسے رہے سارا دن نگر پانی صاف کرنے والا سلف ایک دن ان تک پہنچانے سے کیا ان کا تمام زندگی کا پانی صاف ہو گیا؟ اور دیگر ادویات جو ہم پہنچا نہیں کیا اب بھی ختم نہ ہوں گی تو پھر صرف ایک روز کو کمپ چھ سنی واردہ (کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ ابھی ایک ڈاکٹر زلدیہ گئی ہیں، انشاء اللہ آئندہ دوسری ڈاکٹر زلدیہ جائیں گی)

بھ خولہ عرفان، کراچی سے۔ ”مہلی دفعہ آپ کی محفل کا حصہ بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ماشاء اللہ پاکیزہ اپنی روایت پر قرار رکھے ہوئے ہے۔ سب افسانے بہت جاندار ہیں، ماہر ادیبان اور ماحول کی روح کا، افسانہ نگاری اپنے موضوع پر گہرے تجربے کے ساتھ مضبوط گرفت کا ثبوت دیتی نظر آتی ہے۔ زندگی میں گھری بہت ساری حقیقتوں پر سے بہت خوبی سے پردہ اٹھتا ہے اور معاشرے میں گھری سبائی خوب صورت لفظوں کے پیرائے میں قاری کے ذہن کو متاثر کرتی ہے جہاں تک ناول اور ناول کا محفل ہے تو وہ ایسے ناموں کا حوالہ رکھتے ہیں جو اپنی پہچان آپ ہیں، ان محترم معضلمیں پرنا چیز کا تہرہ چھوٹا منہ بڑی بات لگے گا۔ سب واقف بہت، بہت..... شاعر ہیں۔“ (اس محفل میں خوش آمدید، پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکر ہے..... آپ کی شرکت سے مجھے بولی خوشی ہوگی)

بھ امینہ عندلیب، ہلا ناولی سے۔ ”ہاجی انجم انصار کا ناول مکی ڈوری رشتے کی بہت اچھا اٹھا۔ ہمارے اردگرد کی یہ کہانی ہے۔ نئے سال کے لیے خواب شائستہ ذریں کی کاوش بہت اچھی رہی مہری دعا ہے کہ ان لو جوان، لیکن، بھائیوں کے خواب پورے ہوں آمین۔ لیکن گفتگو شفق نے مجھے بہت محبت سے یاد کیا۔ آج کل قاصد ہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے ہاں آپ کی۔ آئی ذکیہ بلگرامی، سیمانہ، فریدہ جاوید، ڈاکٹر میمونہ، مال ملک، ذکیہ ایوب، شیریں ظفر اور عذرا مونا، اللہ تعالیٰ سب کو شفا سے کالم عطا فرمائے آمین اور مہری تمام بیاری بہنوں کو اللہ پاک سلامت رکھے خوش رہیں، محبت زندگی کے ساتھ، ہاجی ڈاکٹر ممتاز ضیا کا تہرہ اے دن رہا۔ دل کھول کے تعریف بتھتہ کرتی ہیں۔ رضوانہ برنس، نگہت سیما، خیرین عیم (مائیں) ادیبہ صغیرہ ہانو اللہ تعالیٰ سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ لوانگین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ سنیل، لیکن آپ بہت اچھی ہیں، ایسے جذبات رکھتی ہیں سب کے لیے ماضی کو بھول جاؤ، اچھے دن بھی تو آتے ہیں، یو یو یو یو کی شرٹ وائٹ تھی اسکاٹی بیجو کا آؤ رطا، مہری ماں کے پاس دو گز قلیٹ کپڑے کے پیسے نہیں تھے۔ پیرہ پیسے کا رنگ مٹکوا کر شرٹ ڈانی کی اسکول میں بچہ زرنے طے دے۔ اگر نہیں ماں کے پاس پیسے مت پڑھو۔ یہ سلسلہ اسکی میں ہوئی گی میں آج تک نہیں بھولی۔ اسی نے حوصلہ دیا چپ کروایا۔ ماں کی ان تھک محنت، ہمبرہ شفقت آج ہم اس مقام پر ہیں۔ انکی بچہ زرنے آج لاتی ہوں دعائیں دیتی ہیں۔“ (زندگی میں نرم اور گرم حالات ہوتے ہی ہیں مگر ہمیشہ اچھی باتوں کو یاد رکھنا چاہیے اور بری باتوں کو بھول جانا چاہیے کہ اس میں ہماری ہی بھلائی ہوتی ہے)

بھ فرزاندہ، اول پڈی سے۔ ”ذمیر کا پاکیزہ پڑھا جو کہ فرحانہ ناز ملک نمبر تھا بہت دکھ ہے، بہت الموس ہے کہ ایک گھر کے چار لوگ ایک ساتھ اللہ کو یاد رہے ہوئے میں ان کے گھر والوں سے آپ سے تمام کھتے پڑھنے والوں سے تعزیت کرتی ہوں۔ فرحانہ ناز ملک کا ناول یقین پڑھا بہت خوب صورت اس نے لکھا اس نے اینڈ میں سو فی کو مارتی دیا اور سب کی سو فی بھی مر گئی، فرحانہ کا اعتراف بھی بہت مزے کا تھا انجم ہی آپ فرحانہ کی کوئی تصویر بھی لگا میں، میں بھی دیکھتی ہوں کہ تو ضرور لگا میں۔ ہر شہار خاص ہوتا ہے میرے لیے۔ میں پرانے پاکیزہ بھی ڈھونڈ کر لاتی ہوں سب سے پہلے روحانی مشورے پڑھتی ہوں جو کہ پاکیزہ کی جان شان آن ہیں۔“ (بیاری فرزاندہ آپ کا خط بے حد تاخیر سے ملا ہے مگر شامل ہے انشاء اللہ فرحانہ ناز کی تصویر ہم ضرور شائع کریں گے)

بھ فرخندہ لطیف، رحیم یار خان سے۔ ”ایسا جانی مجھے آپ کی محبت نے مجبور کیا کہ آپ سے حال دل کہہ سنا جائے کیونکہ میں نے دیکھا کہ بہت سی بہنوں کے مسائل آپ نے ماں من کر حل کیے۔ اسی لیے اپنی سب سے بڑی خواہش کو پورا کرنے کا خیال آیا تو اس کو پورا کرنے کے لیے مجھے آپ کی مدد لینے کا خیال سب سے پہلے آیا۔ جس طرح آپ قارئین بہنوں سے محبت کا اظہار کرتی ہیں اس چیز نے میری جھجک کو دور کر دیا۔ ایسا مجھے لگتا ہے۔ انسانے، ناول، ناول، کچھ بھی بس اپنے اندر کا لفظ کی صورت میں برہم ہونے کی صورت میں بھرتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے آپ کی عمل مدد اور رہنمائی درکار ہے۔ مجھے کہا تو بہت لوگوں نے آپ کا انداز بیان پر لطف اور بے ساختہ ہے لیکن رہنمائی کسی نے نہیں کی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ نے اس چیز کا ٹھکانہ نہیں لیا لیکن ایسا جانی میرے مہربانی مجھے سچی شاکر دی میں نے لیں۔“ (گڑیا اس محفل میں خوش آمدید..... میں استاد کی منزل پر تو نہیں پہنچتی ہوں مگر آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے تیار ہوں، آپ اپنی



تعالیٰ آپ کو جنت میں بھی جلتیجک بنانے کی توفیق دے، آمین۔“ (تبرے کا شکر یہ..... جنت میں تو ہر سو بہاراں ہوگی، جلتیجک سنتے کسی کو کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے)

بھہ آئیس جبار خان، آزاد کشمیر سے۔ ”بزرگ رفا میں کھوگی، مالا اور عیسیٰ کی خوشی کو دل سے محسوس کیا۔ ایسے جیسے یہ جیتے جاتے لوگوں کا ملاپ ہو۔ جنگل کا پھول پڑھتے خرم کی آنٹی کی موت اور ریشم کارو تا دیکھ کر بے ساختہ ہنس، ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی۔ کیونکہ بالکل ایسا ہی ملتا جلتا سین حقیقت میں میرے ساتھ ہو چکا ہے، جب میں نے نانو اور خال کو اپنے ساتھ خوب رلا یا تھا۔“ (آپ ہمیشہ خوب ہستی رہیے، آپ کا خط پڑھ کر ہمیں جب بہت مرے آئے گا جب آپ تفصیل سے تبصرہ لکھیں گی)

بھہ عطیہ زاہرہ، لاہور سے۔ ”فروری 2015ء کا شمار میرے سانسے ہے، ہر ورق بہت ہی خوب صورت ہے، موسم کی مناسبت سے ہے، اس کے علاوہ میں نے سب سے پہلے بہنوں کے خطوط کا مطالعہ کیا ہے، پاکیزہ کے خطوط اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کہانیوں کے تبصروں کے ساتھ، ساتھ اپنے تجربات بھی بانٹے جاتے ہیں، مجھے یہ بات بہت پسند ہے، اس کے علاوہ خوشی اور غمی میں بھی پاکیزہ اپنی بہنوں کے ساتھ رہتا ہے۔ میں بھی اپنی خوشی آپ سب سے بانٹنا چاہتی ہوں، اور وہ یہ ہے کہ انشاء اللہ فروری کے شروع میں نواب ستراول پنڈی سے میرا پہلا ناول سکتی دھوپ کے سمر لاریٹ میں آرہا ہے۔“ (مبارک باد، آپ کا افسانہ باری آنے پر شائع ہو جائے گا)

بھہ شہلا نواز، لاہور سے۔ ”سب سے پہلے عذرا آنٹی کو ڈیٹان بھائی کی شادی کی بہت، بہت مبارک ہو، بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے سادگی کو اولیت دی اور اس سے بھی زیادہ خوشی دہن کا باحجاب ہونا پڑھ کر ہوئی تصاویر کا شدت سے انتظار ہے۔ اس مرتبہ کا پاکیزہ بہت اچھا لگا کہانیاں کافی اچھی لکھی مختصر کہانی نا تا سوچ کے دورا کر گئی۔ ناہید سلطنت کی بلا عنوان خاصے کی چیز بھی خاص طور پر ان کی مستطیق اردو کہانی کی جان بھی۔ ترک و قاسم ہوئی شکر ہے ہمیں بالکل پسند نہ تھی۔ ہم دینی کے ہو گئے، واہ، واہ زبردست سب سے پہلے سفر نامہ پڑھا۔ عظمیٰ آفاق کا انداز بیان اللہ کرے زور قلم ہو اور زیادہ شائستہ زوریں کا سروے حسب سابق موضوع اچھا تھا اور معنفاٹ کی خیال لکھیوں سے ہم سوئی صد مشتق ہیں۔“ (پسندیدگی کا شکر یہ)

بھہ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ ”کچھ سانسے ایسے ہوتے ہیں جن کے بعد ہم کبھی اپنی جگہ پر نہیں آتے۔ آری پبلک اسکول میں ہونے والی درسی نے ہمیں اندر تک ہلا دیا ہے، یہ کیا ہو گیا ہے، ظالموں نے کتنی ماؤں کی گودیں اجاڑیں، خون کی ندیاں بہا دیں یہ سب کیسے ہو گیا، سب کیسے سفاک تھے۔ محسوم بچوں نے کیا بگاڑا تھا کسی کا۔ جگر پھٹتی کر دیا ہے۔ ہمارے اسکول ویران کر دیے، کتنا سانا ہے، کتنا دکھ ہے، کتنا درد ہے، اب ہم اپنے بچوں کو اسکول کیسے بھیجیں گے۔“ (بے شک اب تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ ہم پر رحم و کرم کرے اور ہمارے ملک کو امن و آسختی کا گہوارہ بنا دے)

بھہ ذوالنورین، بہری پور ہزارہ سے۔ ”ہائی رسالہ دیر سے ملنے کی وجہ سے خط لکھنے میں تاخیر ہو جاتی ہے اور میں ہر ماہ سوچتی ہوں کہ اب لکھوں گی لیکن پھر دیر ہو جاتی ہے (دیر سے ہی سہی مگر لکھا ضرور کرو) سب سے پہلے میری طرف سے عذرا رسول صاحبہ کو بیٹے کی شادی بہت، بہت مبارک ہو۔ اسانا قادری کا مکمل ناول بہت سنی آموز تھا خاص کر ان بڑکیوں کے لیے جو محرم اور نا محرم کے فرق کو بھلا دیتی ہیں۔ افسانوں میں مختصر کہانی سنی آموز تحریر تھی اور خصوصی مضامین کے کیا کہنے آخر شجاعت صاحبہ نے دل موہ لیے، ہم دینی کے ہو گئے پڑھ کر تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم بھی دینی میں گم ہو رہے ہوں لیکن جو نئی رسالہ بند کرتے ہیں خود کو بہری پور میں پاتے ہیں۔“ (ہاں عظمیٰ اس طرح تو ہوتا ہے)

بھہ کوثر خالد، جزائوالہ سے۔ ”جنوری کے پاکیزہ میں محرم میں میڈیکل کمپ ہم بھی زیادہ کے ساتھ جو سفر رہے تھے۔ سنی ڈوری سے ہم پریشان ہوتے ہیں مگر الحمد للہ ہم تو پکی ڈوری ہیں۔ اعتبار و قافہ رنگ غلش، ترک و قاسمیں اینڈ ویکس گے۔ وہ جنگل پہ کسی کا تبصرہ اچھا لگا کہ جنگل کا پھول شہر کے گلخان میں سجانے چلی ہیں زیادہ اللہ خیر کرے۔ ذکیہ بنگرامی کی سوال و جواب والی طلبہ مدینہ گزارش بھی پسند آئی۔ سید می دل میں اتر گئی۔ عظمیٰ کا دینی سائیکل والا سین ہم نے خواب میں ٹرائی کر لیا تھا۔ اس بار تمام مراسلے کا رز ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ماسوں اور صفائی رفیعہ ابدالی کی امی پسند آئیں۔ انجم بہت شکر ہے، حمد و نغم لگانے کا..... ارادہ تو یہ ہے کہ دوسری شاعری بھی لکھوں..... صرف حمد و نعت..... مگر آپ نے پسند فرمائی تو گا ہے۔ جگا ہے پرانی دینی شاعری مع حمد و نعت بھیجی رہوں گی۔ (جی ضرور) عظمیٰ کی تحریر پھر پور لطف دے گئی۔“ (دلچسپ تبصرے کا شکر یہ)

بھہ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ”فروری کا شمار ہر دو ہواؤں میں حرارت آمیز سوس دے گیا۔ ٹائٹل موسم کے حسب حال تھا۔ ادارہ ہمیشہ کی طرح وڈر فل، سلسلے دار ناول ترک و قاف کا خوشگوار اختتام ہوا۔ بہت سے سچ و غم الجھاؤ، پریشانیاں اور نئے نئے راستوں سے گزر کر بالا خرمالا اور عیسیٰ پامرا دشہرے۔ انوکھا اور یادگار ناول مدتوں ذہن کے..... فرطاس پر جگمگا تار ہے گا جبکہ رنگ غلش کی

کہانی آہستہ آہستہ قدم بجا رہی ہے۔ ہاتھ اور فاقہ میں بھی کئی گتیاں کھل رہی ہیں۔ جنگل کا پھول اپنے پورے وجود میں پر ہے۔ محل ناول  
 محبتوں کے رنگ میں وقت پر عاقب نے زندگی میں محبت کے رنگ بھر کر اسے بھنگنے سے بچالیا۔ سچ ہدایت، اختر شجاعت کا روح  
 پرور مضمون جسے پڑھ کر روح تروتازہ ہوگئی۔ اب بات ہو جائے شمارے کے سب سے خوب صورت ستر ہم دعویٰ کے ہو گئے کی اتنا  
 زبردست، دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ بے اختیار کھلا ہم تو عظمتی کے ہو گئے۔ اکثر بڑی بڑی میں میرے شامی کہاؤں کے ساتھ بھی  
 ایسا ہوتا ہے۔ شوہر کو pamper کرنا پڑے کر فیس، ٹیس کر پیٹ میں درد ہو گیا۔ بہنوں کی محفل میں ذیشان کی شادی کا پڑھا۔ دل  
 خوشی کے مارے بے قابو ہو گیا۔ میری طرف سے معراج رسول، صاحب اور عذرا رسول کو بیٹے کی شادی کی بہت، بہت مبارک ہو۔ اللہ  
 اس جوڑی پر اپنی ہزاؤں رحمتیں نازل فرمائے۔“ (پر محبت دعاؤں کے لیے ممنون ہوں)

بھو رقیبا بدالی، کراچی سے۔ ”سرورق کی من موٹی ہی ماڈل انجینئرنگ ادارہ یہ ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گیا۔ محبت سہما کا سلیطہ وار  
 ناول بہت اچھا جا رہا ہے۔ نایاب جیلانی کے ناول کا انجام اچھا تھا۔ مٹی ناول، جنگل کا پھول کی قسط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ افسانوں  
 میں نانا، بلا عنوان، ماگر اپنا ہوتا میں زندگی کی جیتوں کو بے خواب کیا گیا۔ سہما سراج تو بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن ان کی مختصر کہانی مجھے پسند نہیں  
 آتی کہ وہ پاکیزہ نہیں تھی۔ عالیہ حرا کی تحریر بہت زبردست تھی۔ خصوصی مضامین میں ہم دعویٰ کے ہو گئے بہت حیرت انگیز کا تھا خاص کر بات ہے  
 رسوائی کی پڑھ کر بے حد فانی آئی۔ عظمتی آپ بہت سادگی سے ہر بات لکھ دیتی ہیں۔ رضوانہ پرنس کا ناول بھی اچھا تھا لیکن حقیقت میں ایسا  
 ہوتا نہیں ہے۔ رنگ تلخ میں نرا کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہونے جا رہا اگلی قسط کا انتظار ہے۔ کارنر میں دعا بہت اچھی لگی۔ اس کا قاری کا محل  
 ناول محبتوں کے رنگ نے اپنا رنگ دکھائی دیا۔ حیرت کی تحریر تھی۔ اختر شجاعت کا مضمون سچ ہدایت سے ہم نے ہدایت حاصل کی۔ پاکیزہ  
 ڈائری اور جلتنگ کے سب سے خا کے اچھے تھے۔ پاکیزہ میں میری امی کی زندگی کا دلچسپ واقعہ شائع کر کے مجھے آپ نے بہت زیادہ خوشی  
 دی۔ شائستہ زریں کے سروے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ مجھے اس قسم کی خرافات بالکل پسند نہیں ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ حرا آپ کا  
 جیون ساتھی بنے وہی آپ کی محبتوں کا سچ ہمارے ہے۔ بہنوں کی محفل میں ساٹھ پٹا اور میں آپ نے سچ کہا کہ کس کس کو پر سو میں یہ ساتھیوں  
 پاکستان کو کئی کئی بھول سکتا ہے۔ ہمیشہ خون کے آنسو لائے گا۔ آپ کو پوتی کی اور عذرا رسول کی شادی کی مبارک باد ہو۔ ان کے بیٹے اور  
 بیوی کی تصویر دیکھنے کا اشتیاق ہے (جلد ہی دیکھ لیں گی) رضوانہ پرنس نے جس طرح لکھا ہے مجھے بھی بالکل ایسا لگتا ہے۔ رضوانہ آبی اور میرا  
 درد مشترک ہے۔ انہوں نے تو یہ لکھا ہے کہ جب میں اکیلی ہوتی ہوں تو ہر طرف مجھے ایسی نظر آتی ہیں۔ میں تو دن بھر اکیلی رہتی ہوں۔ ویسے  
 اہم آئی نے آپ کو اچھا مشورہ دیا ہے میں بھی اپنے بھائی کی شادی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ لیکن میرے دونوں بھائی مجھے نکالنے  
 کے چکر میں ہیں۔ آخر میں اپنی تمام قارئین، بہنوں سے میری گزارش ہے کہ وہ میرے لیے دعا کریں۔“ (تجربے کا شکر یہ آپ بے فکر  
 رہیں ہماری قاری نہیں آپ کے لیے خوب، بخوبی، بخوبی دعا میں کریں گی)

بھو فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ”فروری کا پاکیزہ جلد مل گیا۔ موسم کی مناسبت سے سرورق اچھا لگا۔ آپ کی باتیں تو  
 ہیں ہی گرا فقدر موتیوں جیسی، ہسیرت افروز مضامین ہمارے دل کی کشاف دھوتے ہیں۔ اختر شجاعت کا سچ ہدایت نہایت پاکیزہ  
 مضمون رہا۔ دلعت شانہ کا نانا موجودہ حالات میں درست لگا۔ بات تو صرف احساس کی ہے۔ ترک و قاسم ہوا۔ پو۔ محل پن کے  
 احساس کے ساتھ جانے کیوں لطف نہ آیا۔ ناہیدگی کی کیا بات ہے۔ بلا عنوان کا عنوان ہی کچھ کچھ نہ آیا۔ انہوں نے بے حد گہرائی  
 سے بات سمجھائی، آخر کب تک؟ عورت معاشرے کے ان خداؤں کی بیعت چڑھتی رہے گی؟ جنگل کا پھول خوشبو میں مہکا رہا ہے۔  
 خولہ صاحبہ نے خوب لکھا۔ رضوانہ پرنس کا باطل تیری دلیریا سے آروائی کے ڈرامے خطا جیسا لگا کس کس ویسے ناول اچھا تھا۔ رنگ  
 تلخ کی تعریف کے الفاظ نہیں۔ عالیہ حرا کا ناول سو لوگ۔ مختصر کہانی، جھنجھوڑ گئی کچھ لوگ رشتوں کا بھی پاس نہیں رکھتے۔ بد نظریت، بد  
 نظر ہوتے ہیں۔ اس کا قاری کا محبتوں کے رنگ، نئے موضوع پر خوب صورت ناول رہا۔ سمجھانے کا اعزاز کس قدر دلکش رہا۔ عظمتی دعویٰ  
 یا ترا لکھ کر ہمارے شوق کو بڑھا رہی ہیں۔ عظمتی کا یہ جتنہ اعزاز ہی اسے دلچسپ بنا رہا ہے۔ وہ بتا کچھ خوف کیے من و من لکھے جا رہی  
 ہیں، وہیل ڈن، سروے جا عمارت رہا۔ مجھ سے اگر پوچھیں تو میں یہی کہوں گی کہ سو باکس بیعت کی محبت صبح اور شام... والی بات ہے۔ باقی  
 جلتنگ تو ہے ہی کئی کئی ایسی جیسا۔“ (اور تمہارا یہ تجربہ بھی کئی کئی ایسی جیسا ہے)

بھو نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ”ایک بات جو میں پاکیزہ میں شدت سے نوٹ کر رہی ہوں کہ کہانیاں تو بہت اچھی ہوتی  
 ہیں پاکیزہ کی لیکن کیا باقی پاکیزہ کو بھی بہت بہترین نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو برا لگے تو معذرت خواہ ہوں مگر کیا آپ کو نہیں لگتا کہ  
 پاکیزہ میں کچھ نئے سلیسے شروع کرنے کی ضرورت ہے اور کچھ پرانی اور فضول چیزیں ختم کر دینی چاہیے۔ میں صرف تنقید نہیں کروں گی

بلکہ یہاں آپ کو اپنی آرا اور تجاویز بھی ادوں کی گریبات صرف تجاویز دینے سے نہیں بننے کی ان کے اوپر آپ لوگ اگر عمل پیرا بھی ہوں تو وہاں یا کیزہ کو چار چاند لگ جائیں گے۔ پاکیزہ ایک ادبی رسالہ ہے۔ آپ کو یہ نہیں لگتا کہ اس میں ایک سلسلہ شعرا کا کلام، ان کی غزلیں، نظمیں شائع کرنے کے لیے کھنسا گیا ہے جو کہ پہلے تھا بھی ایسا۔ نہیں نظمیں، غزلیں، سبھی تھیں مگر اب پتا نہیں کیوں یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ پاکیزہ میں پہلے پہلی نیک تھا مگر پتا نہیں کیوں اسے بھی بند کر دیا ہے۔ اب ضروری تو نہیں کہ ہر مکتب کو ہی میک اپ کرنا آتا ہو جیسے میں تو بہت ایڈوانس شہر میں رہتی ہوں مگر مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا تو اسی طرح ہمارے گاؤں میں رہنے والی بہنوں کا کیا حال ہوگا۔ دوسرا ضروری تو نہیں کہ اس میں میک اپ کرنا ہی سکھایا جائے۔ چکنی جلد، نارل جلد، خشک جلد کے لیے ٹوٹے بھی پوچھے جاسکتے ہیں کیونکہ جلدی امراض تو ہر موسم میں لوگوں کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں یا اگر چہرے پر داغ دھبے، دانے ہیں یا کسی نے بال لیے کرنے کے لیے کچھ پوچھنا ہے، پوچھا تو کچھ بھی باسکتا ہے۔ بننا سنونا تو عورت کا پیدا کی حق ہے۔ مہندی کے ڈیزائن بھی بتائے جاسکتے ہیں۔ اگر حسن و خوب صورتی سے حلق کوئی سلسلہ بارہ شروع کر دیا جائے تو بہنیں کتنی خوش ہو جائیں اور پاکیزہ بھی خواتین کا ہی رہ جائے۔ آئی میرا مقصد تنقید کرنا نہیں پاکیزہ کو بہترین بنانا ہے۔ پلیز اس جانب توجہ دیں۔“ (نازنین اس محفل میں خوش آید اور اگر تمہاری تجاویز ہماری دیگر بہنوں کو بھی پسند آئیں تو ان پر عمل کرنے میں ہم کیوں دیر کریں گے)

بھ رابعہ یا سمن، کوئی سے۔ ”ہم جو تیس سال سے پاکیزہ پڑھ رہے ہیں تو اتنا تو ہمارا بھی حق بنتا ہے کہ کبھی تمہاری کوئی چیز شائع کر دیں۔ تاکہ تمہی خوش ہو جائے۔ میں نے آئندہ مواد کو بھی کئی بار فون کیے مگر..... (جہاں تھ۔ مجھے یاد ہے آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہے) پاکیزہ آپ کی محنت سے روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ ادارہ میں ہر بار ایک بہترین پیغام ہوتا ہے۔ انجی انگریزی کی سچی سوچ ہو تو کافی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ فرحانہ ناز ملک کے بارے میں پڑھ کر بہ حد دکھ ہوا۔ سچی خوب صورت وہ تھیں ان کی تحریر بھی اتنی ہی خوب صورت تھی۔ اللہ ان کے بیٹے کو صحت یاب کرے اور گھر والوں کو بھر دے۔ آمین۔ ایسے عندیاب کے لیے دعا کرتی ہوں کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ ان کے خطوط بہت پڑھ لکھتے ہیں۔ میری طرح وہ بھی کئی سالوں سے پاکیزہ کی قاریہ ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے خط ہر بار شائع ہوتے ہیں اور ہمارے قلم ہو جاتے ہیں۔ نزیہت اصغر سے کہتا ہے کہ اس بار وہ آپ کا ایک بھر پور انٹرویو کریں۔ تصویروں کے ساتھ اس بار آپ کی تصاویر بہت اچھی آئی تھیں۔ محفل کی پارٹی بہترین تھی۔ ان سے کہیں کہ کوئی افسانہ ضرور لکھیں۔ اظہار وقابے حد پسند ہے اور ہائی افسانے بھی اچھے تھے۔“ (آپ کی تمام ٹرہائش نوٹ کر لی گئی ہیں اور کوئی حکم.....)

بھ عائشہ خالدہ ماہا بلوچ، میر پور خاص سے۔ ”آئی پاکیزہ ملا..... آپ کا پیغام بہت اچھا لگا۔ پڑھ کر کرائی خوشی ہوئی کہ قلم اٹھایا جاتی سندھی لہجہ اورک کے نام سے میرا آن لائن پیج بھی الحمد للہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ پاکیزہ بہنوں کے لیے لہجہ اورک میں یہ ڈریس میں ڈسکونٹ ہوگا۔“ (جن بہنوں کو دلچسپی ہوگی وہ آپ سے یعنی ماہا بلوچ سے رابطہ کر لیں گی)

بھ گل رحمان، کراچی سے۔ ”ہم تو پاکیزہ کے دیوانے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ آپ پاکیزہ میں جگہ دیں یا نہیں دیں۔ ہم تو انتظار میں کھڑے رہیں گے۔ افسانہ ہو مذہبی معلومات..... جلتنگ ہو یا کھانے کی تراکیب..... ناول، ناولٹ، کوئی چیز بھی کسی دوسرے پر سے کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور بہنوں کی محفل تو پورے دو سالے کی جان ہے۔ تیس سال ہمارا ہوا ہے ویسے ہمارا بیٹا سال تو محرم سے شروع ہو بھی چکا۔ مگر مجلس اگر یوں کی تقلید بھی کر لیں۔ اللہ ہمارے ملک کو دہشت گردی سے پاک کرے۔ کرپشن، لوٹ مار سے محفوظ رکھے۔ اللہ پاک فوج کو سلامت رکھے۔“ (آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہے)

بھ نازیہ، کراچی سے۔ ”میں پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں، اپنے قارئین سے اچھا کرتی ہوں کہ وہ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے اولاد کی نعمت سے نوازے۔“ (آپ خود بھی دعا کیجیے، ہمارے قارئین بھی ضرور دعا کریں گے)

بھ مسرت رانی، حیدرآباد سے۔ ”جنوری کا پاکیزہ ناٹل سے لے کر آخری صفحے تک پسند آیا۔ پاکیزہ کے ہر افسانے اور ناولٹ میں کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوتا ہے۔ آپ کا ناولٹ بھی پسند آیا اور عمل ناول بھی اسے دن رہا۔ ان سطور کے توسط سے میں یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ آج کی لڑکیاں اب ہر بات کا ترخ سے جواب دینے لگی ہیں جو بیوی ڈراموں سے سیکھ رہی ہیں اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔“ (تجربے کا شکر ہے..... بیوی ڈرامے اگرچہ اچھے بائیں بھی دکھا رہے ہیں کہ کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ویسے صرف لڑکیاں ہی نہیں لڑکے ان سے زیادہ کٹھن خود اور چہرہ زبان ہو گئے ہیں)

بھ آنسہ شازبہ، کراچی سے۔ ”میں تو سوچ رہی تھی کہ نئے سال کے جنوری پاکیزہ میں آپ ہمیں یہ ضرور بتائیں کہ سال گزشتہ کون، کون سی کتابیں زیادہ پڑھی گئیں۔ جوانوں کو کس ادب سے دلچسپی اور خانہ دار خواتین نے کن کتب سے استفادہ کیا۔“

میں چونکہ لائبریری سے کتب لاکر پڑھا کرتی ہوں اس لیے اس طرح کی سروے رپورٹس مجھے ہمیشہ سے اچھی لگتی ہیں۔ معذرت کے ساتھ مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ ایسا آپ نے نہ فرمایا ہی نہیں۔ (اس مغل میں خوش آمدید..... آپ کو نہ مایوسی ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی معذرت کرنے کی کوشش کریں۔ ہم آپ کو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کے بارے میں بتا دیتے ہیں کہ جو کتاب سب سے زیادہ ہر ملک میں پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہے جس بک..... کیوں ٹھیک کہاناں..... میں بھی فیس بک پر موجود ہوں۔ آپ رابطہ کرنا چاہتی ہیں تو کر سکتی ہیں۔ دیگر کتب کا نمبر تو بہت بعد میں آتا ہے)

کچھ مہر و مہر کشمیر سے۔ ”مظنی آپ کا نام انشیا کا ٹرپ جب پڑھا تو ہر جگہ یہی لگا کہ ہم ان کے ساتھ تھے کہ ماشاء اللہ بڑی خوب صورت مٹھر کی کمی اور اب دعی کے بارے میں پڑھ کر ایسی ہی لگ رہا ہے کہ لفظوں میں ہوتی جڑ پے گئے ہوں۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے، آمین۔ میں آئندہ مہر پور تہرے کے ساتھ نڈ بھی لکھوں گی۔ فی الحال ایک پریشانی چل رہی ہے۔“ (بیاری حدیث اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے اہل خانہ کی ہر پریشانی دور فرمائے، ہاں آپ کے تہرے کی خنجر ہوں گی)

کچھ مہر و مہر کشمیر سے۔ ”ہم نے پیچہ زویے تھے روز لٹ آ گیا ہے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے ہیں۔ (کون سی جماعت میں پاس ہوئی ہو) سروق اس بار دلکش تھا اور امانت کا ایڈ ہو گیا جو کہ بہت اچھا تھا۔ اعتبار و نامی، جھاجھا ہے آگے جا کر راز کھلے گا۔ ترک و فاک کی بات کی جائے تو یہ ہمیں سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس بار ہمیں زیادہ کی امید تھی کہ تمام راز کھل جائیں گے مگر خیر..... باقی تحریریں بھی اچھی ہیں خاص کر زندگی بدلتی ہے، یہ پڑھ کر لگا واقعی زندگی بدلتی ہے اور فرحین اظفر کی ریح۔ نورت م سے مجبور واقعی عورت معاشرے میں سب سے زیادہ مجبور ہوتی ہے، بہت سی مجبوریاں ہیں جو کہ اسے کیا کچھ کردانی ہیں۔ اسے اپنا آپ بار کر معاشرہ میں رہنا پڑتا ہے۔ علم، معرفت، الہی کے صفات بڑھادیں۔ باقی پاکیزہ کی تحریریں معاشرتی رویوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ محترمہ سہا سراج سے نشست مہر پور تھی۔ نزہت اصغر نے اچھی مغل سجاہی۔ جلتنگ بہت حرسے کا تھا۔ نہیں، نہیں، ہم نے کھایا نہیں صرف چکھا ہے۔ روحانی مشورے ہمیں اچھے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے، آمین۔“ (دیکھیے آپ کا پرانا خط ہم نے لگا دیا ہے، آپ ہر ماہ باقاعدگی سے ہمیں تہرے بھیجیں وہ دیر سے سبکی مگر لگے گا ضرور)

کچھ نیلو فرخان، بارہ کھوسے۔ ”مدیر صاحبہ کسی بھی رسالے کے لیے یہ میرا پہلا خط ہے، میں کافی عرصے سے پاکیزہ پڑھتی آرہی ہوں چونکہ اب میری بینیاں بھی پڑھتی ہیں تو ان کے اصرار پر اپنی رائے بتا رہی ہوں۔ پہلے کے افسانے اگرچہ صرف محبت کے موضوع پر ہوتے تھے مگر پھر بھی وہ بہت پسند کیے جاتے تھے اس زمانے کی تمام رائٹرز کو میں نے پڑھا ہے، آج کل نئی نئی لکھنے والیاں آرہی ہیں مگر کسی میں وہ بات نہیں..... اگر اندر کی استوری اچھی ہوگی تو دوسری افسانوی باتیں نہیں ہوں گی، مثلاً مٹھر کشی وغیرہ..... ویسے بھی ہمارے آس پاس یہی ہوتا ہے اس وجہ سے ایسا ہے۔ دوسرے کیا رنگ بھرنا لگا رہا لگتے ہوتے ہیں جو برصغیر شامل ہوتے ہیں آخر نئے، نئے لوگ بھی تو خط لکھتے ہوں گے۔ مدیر صاحبہ سے گزارش ہے کہ دلچسپ سے دلچسپ چیزیں ڈالیں ویسے ریح الاول کے حساب سے کسی نعت خواں کی باتیں ہوتیں۔ کیا ہر کوئی آپ کے رسالے میں لکھ سکتا ہے یا اپنا تعارف کروانا پڑتا ہے۔ تفصیل بتانی پڑتی ہے، مطلب آپ کس طرح کسی کی کہانی سلیکٹ کرتے ہیں۔ پلیز میری یہ باتیں ضرور شامل کریں۔“ (جن لوگوں کی تحریریں سلیکٹ کی جاتی ہیں تو اس میں صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ پاکیزہ کے حساب سے معیاری ہیں یا نہیں..... کسی کا انٹرویو افسانہ لگانے سے پہلے نہیں لیا جاتا۔ اچھی تحریر اپنا تعارف آپ ہوتی ہے۔ تجربہ نگاروں میں نئے اور پرانے دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ نئے تہرے لگانے کے لیے میں پرانے تہرے نگاروں کو حرسے سے شامل ہی نہیں کروں۔ اگر آپ کوئی کہانی بھیجنا چاہتی ہیں تو ضرور بھیجیں۔ پڑھ کر بتا دیں گے کہ آیا وہ پاکیزہ میں لگ سکتی ہیں یا نہیں)

کچھ نصیب آراہداس انیمہ، پوٹے ای سے۔ ”کافی عرصے سے میں آپ کی باقاعدہ قاری ہوں اور کچھ نہ کچھ سمجھتی بھی رہتی ہوں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ دعی میں رسالے کم آتے ہیں آپ پلیز تمام انٹینس میں رسالے بھیجا کریں پھر شاپ کبیر کے پاس ختم ہو جاتے ہیں۔ (نئی ضرور) آپ لوگوں کو سال نو مبارک ہو۔ ذرا لہرست کی تصویریں دے دیتیں کہ سو درج طلوع ہو رہا ہے نئے سال کا..... کیوں میرا آئیڈیا درست نہیں لگا۔ مظنی آفاق نے اب کے دعی کا سفر نامہ اپنے قارئین کو دیا آپ اور مظنی سے میرا بھی رابطہ ہو جاتا تو اپنے گھر بلانی ویسے اب تو پورا پاکستان ہی دعی کی سیر کر چکا ہوگا۔ یہاں رہنے والوں سے اور رشتے داروں کی فرمائشیں پوری کرتے، کرتے مہر پور ہی ہے۔ اللہ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ ہاں میری آئیڈیا دو تریا کیب ضرور شامل کیجیے گا۔ اشعار بھی بھیجتی رہتی ہوں۔“ (گڑیا آپ کے خطوط اور مراسلات تو شامل ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں جب آپ کراچی آئیں تو رابطہ کر سکتی ہیں)

بہ فیروزہ بیکم، کراچی۔ "ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے روحانی مشورے پڑھے۔ آپ نے ربیع الاول کے حوالے سے  
 نبی کریم ﷺ سے ماخوذ دعائیں لگا کر سب کا دل خوش کر دیا۔ یہ ایسی تحریریں ہیں جن کو بار بار بھی لگا یا جائے تو بھی کم ہے۔ جو ہمیں  
 روحانی مشورے و نوٹوائٹس کروا کے آگے لوگوں میں تقسیم کیا کرتی ہیں وہ بھی تنگی کے کام میں شریک ہو جاتی ہیں۔ عقلی آفاق کا دعویٰ کا  
 سفر نامہ بے حد دلچسپ تھا۔ سلسلے وار ناولوں میں نایاب جیلانی چھانی رہیں۔ سیر ایونس کا مکمل ناول بھی اچھا لگا اور انجم انصار کا ناول تو  
 واقعی نئے سال کا تحفہ لگا۔ بے حد سبق آموز اور عام فہم، اگرچہ لحاظ سے اس میں فلسفہ نہیں تھا۔ جو ہمیں سخت ناپسند ہے۔ ایسی تحریریں  
 ہمیں بہت اچھی لگتی ہیں جو دل کو چھوئیں جیسے تمہاری عظمیٰ، شمیم غلزلہ، نایق اور زاہدہ پروین۔" (پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں)

بھ زبیدہ علی، جویلیاں سے۔ "یہ شکایت ہے کہ فون پر بات بہت مشکل سے ہوتی ہے پھر جلدی کٹ جاتا ہے۔ اس کا کیا  
 ہو سکتا ہے۔ خط لکھنے کی چوریوں، مہربانی ہوگی کہ یہ خط نایاب جیلانی کی ترک و قفا سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ یہ نایاب کس عمر کی خاتون  
 ہیں، اتنا متیق مشاہدہ کہ ذاتی تجربے کا گمان ہو رہا ہے اور اوپر سے اتنی معلومات کیا انہوں نے نئی پتہ میں پرستائیں پڑھ رکھی ہیں آپ  
 کا ایک رسالہ شاید سنسن میں بھی الدین نواب صاحب ایسے قصے لکھا کرتے تھے اب تو کافی پوزے سے ہو چکے ہوں گے۔ ویسے پاکیزہ  
 میں نے بھی کبھی پڑھا مگر جب بھی پڑھا اچھا پڑھنے کو ملا۔ مگر پھر بھی اس کے کارفرز بھی کبھی ویرانے ہوئے لگتے ہیں یا پھر..... ایک  
 بات اور کہوں اگر برمانہ میں، چاہیں چھائیں یا نہیں کہ آپ کے ہاں ہر وقت گیدرنگ اور پارٹنڈوں کے احوال وغیرہ پڑھنے کو ملتے ہیں  
 کیا دوسرے رسالوں میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ اس طرح وہیں کے رہنے والے تو خوب ملتے رہتے ہیں اور ہم اتنی دور والے رہ جاتے  
 ہیں۔ آپ لوگ اتنا پڑھا چاہے حاکم احوال نہ دیا کریں۔ رضوانہ پرنس کا نئی ناول اچھا تھا۔ یہ والا تو کچھ پورا پورا ہے خیر..... کسی نہ کسی  
 کو تو پسند آ رہا ہوگا۔" (پیاری بہن..... اس محفل میں اگر آپ شرکت کرنا چاہتی ہیں تو آپ کو تبصرہ لکھ کر بھیجنا پڑے گا۔ اگر آپ کے  
 اس خط لکھنے کا وقت نہیں ہے تو امی مملو کے ذریعہ بھیج سکتی ہیں۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم قلم لے کر فون پر بہنوں کے تبصرے  
 لکھیں۔ جس طرح آپ مصروف ہیں، دوسرے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ رضوانہ پرنس کی تحریر ہمارے قارئین کو بے حد پسند آتی ہیں۔  
 مگر ہر تحریر ہر ایک کو نہیں آ سکتی۔ اور یہ کوئی اذہنی بات نہیں..... ہاں آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہمارے ہاں تقریب کی کوترج پڑھا  
 پڑھا کر کی جاتی ہے۔ بلکہ کلی، جوں..... تو لکھا جاتا ہی نہیں ہے)

ہو پاکیزہ کے اپریل و مئی کے شمارے خصوصی شمارے سالگرہ نمبر ایک اور دو ہوں گے۔ ان ضخیم شماروں میں اپنی شرکت یقینی  
 بنانے کے لیے آپ اپنے خوب صورت مراسلات، اپنی تصویر کے ساتھ اپنے مختصر اثر و پوز یا اپنی کسی یادگار سالگرہ کا احوال جلد از جلد  
 ارسال فرمادیں۔ جو ہمیں تصویر کے بغیر یہ احوال لکھ کر بھیجنا چاہتی ہیں تو وہ بھی بھیج سکتی ہیں مگر جلدی کیجیے..... کہ ڈاک کا نظام اچھا  
 نہیں ہے اور تاخیر سے ملنے والی تصویریں ان شاندار نمبرز میں جگہ نہیں پا سکیں گی۔

اب آئیے درود پاک پڑھ کر دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمن، یا رحیم میرے جسم کو شفا دل کو اپنی ذات کا یقین کامل اور آنکھوں کو  
 نور بصیرت عطا فرما اور جب تک میں زندہ رہوں اپنے ذکر کو صحیح شام میری زبان پر جاری فرما دے اور اسکی جگہ سے مجھے رزق دے جو  
 بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے۔ یا رب العالمین مجھ سے میری اولاد سے اور میرے تمام عزیز و اقارب سے ہمیشہ ہمیشہ راضی رہنا اور ہر گناہ  
 ہر غلطی اور ہر کوتاہی کو معاف کرنا اور ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی کرنا۔ اپنی نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنانا دینا اور دونوں  
 جہاں میں مجھے خیر عطا کرنا کہ بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور تیری شامب سے بڑی ہے اور تیری پناہ عزت والی  
 ہے اس لیے صرف اپنا محتاج رکھنا اور اپنی شان کے حساب سے اپنا رحم و کرم اور فضل کرنا..... بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور  
 میرا رب برکت اور بلندی والا ہے۔

یا حبیب یا حبیب یا حبیب

دعا گو آپ کی اپنی حاجی  
 انجم انصار

**پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتہ**  
 مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ C. 63 فیئر 11 ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین گورنمنٹی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500  
 فون نمبر 021-35804200 , 021-35895313 EXT 107,118





وہ خوشبو تو میرے آفتاب کی خوشبو ہے  
مطر جس سے ہے سارا زمانہ  
نیکی حق ہے۔ نیکی حق کا فسانہ  
کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی  
مرسلہ: شازیہ محبوب، کراچی

### خدا تعالیٰ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ میں  
جب اللہ سے کوئی دعا کرتا ہوں اور وہ قبول ہو جائے  
تو میں خوش ہوتا ہوں اور نہ قبول ہو تو زیادہ خوش ہوتا  
ہوں کیونکہ دعا قبول ہو میری رضا ہے اور نہ قبول ہو  
میرے اللہ کی رضا ہے اور میں اپنے اللہ کی رضا  
میں زیادہ خوش ہوتا ہوں۔  
مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

### فرمان الہی

حضرت ابو درود سے روایت ہے کہ نبی کریم  
نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں اللہ ہوں، میرے سوا  
کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور  
بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے  
تہیے میں ہیں جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں،  
میں ان پر بادشاہوں کے دل رحمت اور نرمی کے  
ساتھ پھیر دیتا ہوں اور بندے جس وقت میری  
نا فرمانی کرتے ہیں، میں ان کے دل خشکی اور عذاب  
کے ساتھ پھیر دیتا ہوں۔ وہ انہیں برا عذاب پہنچاتے  
ہیں، تم اپنے نفسوں کو بادشاہوں کے لیے بد دعا  
کرنے میں مشغول نہ رکھو بلکہ ذکر اور عاجزی، گریہ و  
زاری میں اپنے نفسوں کو مشغول کرو تاکہ میں تمہیں

### حمد باری تعالیٰ

خدائے جہاں دے سہارا مجھے  
بلندی کا کر استعارہ مجھے  
کرے جو کبھی وہ اشارہ مجھے  
منافع کی صورت خسارہ مجھے  
میں فیروں کی چمکتی پر سجدہ کروں  
ہوا ہے نہ ہوگا گوارا مجھے  
بچا ہے میں مٹی کی تخلیق ہوں  
خدا نے مگر سے سنوارا مجھے  
بہنور سے ہے اُبھا سینہ مرا  
اپنی دکھا دے کنارہ مجھے  
میں در در پہ سجدہ کروں کس طرح  
میرے رب نے ہے آخر پکارا مجھے  
ہم دم جو آنسو رواں ہیں شوق  
خدا آپ دے گا سہارا مجھے  
شاعرہ: نیر رانی شوق، ڈی جی خان

### نعت رسول مقبول ﷺ

وہ ایک خوشبو  
جسے میں کھوجتی ہوں  
سوگتی ہوں  
یا بھی گتی ہوں  
مگر احساس کی حد تک!  
وہی خوشبو تو سانسوں میں بسی ہے  
اسی سے دل کی ہر دھڑکن بھی ہے  
اسی کی یاد میں آنکھیں ہیں پر نم  
اسے میں کھونٹیں سکتی  
جدا بھی ہونٹیں سکتی

کوئی تو ہو  
جو ان تاروں کی چمک  
پھولوں کی مہک  
اور آنسوؤں کی نمی  
کو محسوس کر سکے  
کوئی تو ہو  
جو ان کے یوں ٹوٹ کر بکھر جانے پر دکھی ہو  
ان کے فنا ہو جانے کا احساس کر سکے  
صرف ایک لمحے کے لیے ہی  
کاش کوئی تو ہو

کلام: عالیہ ضیا

مرسلہ: صاحبہ سلخاندہ، کیمیا ڈی، کراچی

### انٹرویو کارنر

میرا نام ایسہ نضب ہے، عمر اٹھارہ سال ہے۔  
لی اے کی طالبہ ہوں۔ مجھے مطالعے کا خاصا شوق ہے  
مگر کبھی ڈائجسٹ نہیں پڑھے۔ امی اور بڑی بہنیں  
پڑھتی ہیں۔ البتہ پہلے میں پاکیزہ کبھی کبھار پڑھ لیتی  
تھی مگر اب تو باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ مجھے  
لکھنے کا بہت شوق ہے افسانے بھی لکھ رہی ہوں مگر  
تفصیلات اور غزلیں بہت سی لکھ چکی ہوں۔ مزاحیہ  
مضمون بھی لکھنا پسند ہے اب پاکیزہ میرا پسندیدہ  
ڈائجسٹ ہے۔

ایسہ نضب، پنجاب

### خوشبو

میرے وجود میری سانسوں میں ہے مکی تری خوشبو، خوشبو  
تیرے جذبات، تیرے احساس کی خوشبو، خوشبو  
تیری آنکھیں، تیری ہاتھیں، تیرے انداز کا یہ دھما پنا  
مجھ کو لوٹے لیے جاتی ہے یہ خوشبو، خوشبو  
مجھ پر ہر لمحہ لطف و حمایت کا خیال  
دل کا در وا کیے جاتی ہے یہ خوشبو، خوشبو  
گفتگو میں وہ الفاظ کا رنگین چناؤ  
مجھ کو مسحور کیے جاتی ہے خوشبو، خوشبو

287 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015

بادشاہوں کے شر سے کفایت کروں یعنی تمہیں ان  
کے شر سے بچاؤں۔“

مرسلہ: لاریب، مادر زیب، چوئیاں

### سامان تجارت

حضرت عیسیٰ نے دیکھا کہ شیطان چار گدڑوں  
پر سامان تجارت لاوے لارہا ہے۔ آپ نے پوچھا۔  
”اے مردود! یہ کیا لے جا رہا ہے؟“  
شیطان نے کہا۔ ”یہ مال تجارت ہے اور ایک  
گدھے پر ظلم، دوسرے پر خیانت، تیسرے پر مکرو  
فریب اور چوتھے پر حسد لا دیا ہوا ہے۔“  
حضرت عیسیٰ نے پوچھا۔ ”اے مال کا خریدار  
کون ہے؟“

شیطان نے کہا۔ ”ظلم حکمرانوں اور بادشاہوں  
کے کام کی چیز ہے وہ اس کو خریدتے ہیں، خیانت،  
تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں مکرو فریب  
عورتوں کا پسندیدہ مال ہے اور حسد کی علما کے ہاں  
مانگ ہے۔ میرے تمام مال کے گاہک موجود ہیں۔“  
از: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤ الدین

### کوئی تو ہو

کیا ہوا  
جو ایک اور تارا ٹوٹ گیا  
کیا ہوا  
جو ایک اور پھول  
ڈالی سے ٹوٹا اور بکھر گیا  
کیا ہوا  
جو ایک اور آنسو  
پلکوں کی باڑھ سے ٹوٹ کر گرا  
اور مٹی میں مل گیا  
تارا ہوا پھول  
یا پھر آنسو  
ان کے مقدر میں ٹوٹا ہی لکھا ہے  
لیکن کاش

غم سے ہوں یہ عاری آنکھیں  
شاعرہ: فریدہ خاتون لاہور

### زندگی کی خوشبو

- ☆ مخلوق خدا سے محبت..... پیغمبروں کا خاص خیال رکھنا۔
  - ☆ غیبت سے اجتناب، معاف کرنا۔
  - ☆ والدین کا احترام..... غصے سے پرہیز۔
  - ☆ بچپن سے دوری..... وعدے اور علاج کو پورا کرنا۔
  - ☆ ان نوازی..... نیک لوگوں کی محبت۔
  - ☆ بیمار کی عیادت۔ سادگی، پاکیزگی۔
  - ☆ سلام میں پہل..... غصے کی مخالفت۔
  - ☆ خوش اخلاقی، توکل، خوش خلقی۔
- از: ماہا بلوچ، میرپور خاص

### غزل

بہت تھک چکی ہوں سفر کرتے، کرتے  
خفا زندگی کو بسر کرتے، کرتے  
ابھی سچ رہی ہے میری زندگانی  
بہت کر چکی مختصر کرتے، کرتے  
حوالے محبت کے تم کو ملیں گے  
کسی دل میں شام دسحر کرتے، کرتے  
محبت میں مجھ کو بھلا کیا ملا ہے  
تمہاری طرف یہ نظر کرتے، کرتے  
مری قسمتوں میں تو تاریکیاں ہیں  
اسے کیا ملا در بدر کرتے، کرتے

شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

### مہکتی کلیاں

- ☆ جس کی دو پیشیاں ہوں اور اس نے ان کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کی، اس کے لیے جنت ہے۔
- ☆ علم، مومن کا گم شدہ مال ہے، جہاں سے ملے حاصل کر لو۔

زندگی اپنی بسر ہو تیرے ہی نام کے ساتھ  
کاش تھم مجھے دے جائے یہ خوشبو، خوشبو  
از: فرحت احمد، کراچی

### باتوں سے خوشبو آئے

- ☆ جو آپ کو خوشی میں یاد آئے، آپ اس سے محبت کرتے ہیں مگر جو غم میں یاد آئے وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔
- ☆ شکر ادا کریں اس رب کا جو برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔
- ☆ اگر کامیابی حاصل کرنی ہے تو خود سے زیادہ اللہ پر یقین رکھو۔
- ☆ ہر ایک کو نہیں، ہر ایک سے سیکھیں کیونکہ ہر کوئی سب کچھ نہیں جانتا مگر ہر ایک کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔
- ☆ روزانہ دو نفل شکرانے کے ادا کر کے دیکھو..... اللہ کتنا نوازتا ہے۔

از: زریں زہیر کوٹھاری، کراچی

### غزل

تیری پیاری، پیاری آنکھیں  
سارے جگ سے نیاری آنکھیں  
جب دیکھا محسوس ہوا ہے  
سب سے خوب تمہاری آنکھیں  
پھولوں کا گلہ متہ ہیں یہ  
خوشبو سی ولداری آنکھیں  
تاروں جیسی چمکیں ہر دم  
روشن و پیک، خناری آنکھیں  
تیری آنکھوں جیسی کب ہیں  
ہم نے لاکھ ستواری آنکھیں  
قائل جیسے نہیں تمہارے  
جیسے تیز کناری، آنکھیں  
دے ہے دعائیں خاتم کا دل

### ماں

☆ اللہ نے کہا۔ ماں میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے۔

☆ جنت نے کہا۔ ماں وہ ہستی ہے کہ میں بھی اس کے قدموں تلے ہوں۔

☆ سمندر نے کہا۔ ماں وہ دھنک ہے جس میں ہر رنگ۔ پنہاں ہے۔

☆ شاعر نے کہا۔ ماں ایک ایسی غزل ہے جو سننے والوں کے دل میں اتر جاتی ہے۔

☆ مصنف نے کہا۔ ماں وہ ہستی ہے جس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔

☆ دعا نے کہا۔ ماں وہ شخصیت ہے جو اولاد کی خوشی کی دعا مانگتی ہے۔

اور یہ میری دعا..... اللہ ہر ایک کی ماں کو سلامت رکھے اور ہر ماں کو اس کی اولاد کی ہر خوشی دیکھنا نصیب ہو، آمین۔

از: نعل شاہین، رحیم یار خان

### دل کی حالت

جیسے جیسے شام ہے ڈھلنے لگی  
دل کی حالت بھی جاناں بدلنے لگی  
دل اکیلا بہت اور پریشان ہے  
تو مجھ سے خفا کیوں مری جان ہے  
ہیں اداسی کے سائے دروہام پر  
دل اب بھی ہے دھڑکے تیرے نام پر  
تو ہی دنیا میری، تو ہی چاہت میری  
تو ہی زندگی، تو ہی محبت میری  
اب تو آ جا کہ سانس ہیں رکنے لگیں  
اب تو آ جا کہ آنکھیں ہیں جھکنے لگیں  
بے کلی دل کی جاناں ہے بڑھنے لگی  
دیکھ آ جا صنم شام ڈھلنے لگی  
شاعرہ: سیدہ جیاجاس، تلہ گنگ

☆ خاموشی، غصے کا بہترین علاج ہے۔  
☆ ضائع کیا گیا وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے۔  
☆ سحر خیزی میں پرندوں کا سبقت لے لے جانا،  
بندے کے لیے باعثِ ندامت ہے۔  
☆ مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے لیکن علم  
خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔  
☆ اپنی عادتوں کو بہتر بنائیں کیونکہ آپ کی  
عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں۔  
از: نور افشاں، شکار پور

### بقار کا گیت

شام سہانی آئی ہے  
ہر سو خوشبو لائی ہے  
چھائے رنگ بہار کے  
میلے ہیں یہ پیار کے  
سکھویں کے ہیں آج مزے  
پورپ پچھم خوب ہے  
منظر ہار سنٹار کے  
میلے ہیں یہ پیار کے  
چپکے سے یہ راز بتا  
کیسے تیرا روپ سجا  
پردے ہیں اسرار کے  
میلے ہیں یہ پیار کے  
نور بھرا ہے آنکھوں میں  
گوئے نغمے کانوں میں  
پائل کی جھنکار کے  
میلے ہیں یہ پیار کے  
رنگ برنگی ریلا ہے  
حسن بھرا یہ میلا ہے  
لمحے ہیں دیدار کے  
میلے ہیں یہ پیار کے

شاعرہ: نیر رانی شوق  
مرسلہ: صبا نور، لیہ



مجھے نجومی نے یہ بھی بتایا کہ آنے والے سال  
میرے شوہر میں آ جاؤں گی۔

### ایک خط

”پیارے میاں جانی.....!

سچاں محسوس.....!

آپ تو گھر آتے ہیں تو اپنی ماں بہنوں میں اتنا  
معروف ہو جاتے ہیں کہ مجھ سے بات کرنے کا نام  
ہی نہیں ملتا..... آفس جاتے ہیں تو وہاں السرانہ اکڑ  
اتنی زیادہ آ جاتی ہے کہ بیوی کا فون سن کر چڑا سی  
سے کہلوادیتے ہیں کہ صاحب اس وقت بہت زیادہ  
معروف ہیں گھر میں بات کرنے کا نام نہیں ہے۔  
اس لیے آج آپ کو آپ کے دفتر کے ایڈریس  
پر خط لکھ رہی ہوں۔

ذرا کر یقین کرو..... جو انٹ فیلٹی سسٹم کی ایک  
خوبی جو بے حد شہتار ہے وہ یہ ہے کہ اس میں رہنے  
والا ہر شخص از خود فنکار بن جاتا ہے۔ یعنی اس کو کوئی  
انسی ٹیوٹ جوائن ہی نہیں کرنا پڑتا..... اب آپ  
سے کیا چھپانا..... میں ٹی وی کے ایک چینل کے لیے  
جب اپنا آڈیشن دینے گئی تو اس نے مجھ سے پانچ  
منٹ باتیں کرنے کے بعد ہی کہہ دیا کہ ہم اپنی  
آئندہ آنے والی سیریل میں سائڈ ہیروئن لینے کو تیار  
ہیں..... میں نے کہا پہلے آپ مجھے بتائیں کہ میرا  
ہیرو کون ہوگا۔ وہ بولے ہیرو کوئی بھی ہو آپ کو اس  
سے کیا مطلب مگر ہیروئن تو آپ ہیں، پلیز ڈاکر! اگر  
تم میرے ساتھ ٹی وی چینل چلو تو شاید... وہ تمہیں بھی  
لے لیں..... اگر ہیرو نہیں لیں گے تو کم از کم  
تمہیں میرا شو فریا لگ بین ضرور لے لیں گے..... کم  
از کم تم میری وجہ سے ٹی وی پر نظر تو آ جاؤ گے۔

نیا سال شروع ہونے والا ہے..... میری بھالی  
کی بہن جب نجومی کے پاس گئیں تو وہ مجھے بھی لے  
گئی تھیں..... اس نے ہزار روپے تو مجھ سے بھی ضرور  
لیے مگر ہاتھ اتنی اچھی بتائی ہیں کہ آپ بھی خوش  
ہو جائیں گے۔

اس نے کہا کہ یہ نیا سال بیویوں کا ہوگا۔ یعنی اس  
سال شوہر صاحبان اپنی، اپنی بیوی کا حکم مانیں گے.....  
ایمان سے میرا تو دل خوشی سے بے حال ہے چدرہ سال  
شادی کو ہو گئے آپ نے میری کوئی پانچ باتیں بھی نہیں  
مانی ہوں گی..... اور اب آپ میری ہر بات مانا  
کریں گے..... اللہ! کتنا اچھا لگے گا۔

ہاں سب سے خاص بات تو میں بتانا ہی بھول  
گئی تھی..... وہ یہ کہ نئے سال میں آپ مجھے زیرو میٹر  
گاڑی بھی دلوائیں گے۔  
اب آپ گھر آ کر مجھے بتائیے کہ نئے سال  
میں میرے ارمان کتنے فی صد پورے ہو جائیں گے۔  
نقطہ آپ کی پیاری بیوی.....

نجومی نے دوسری بات یہ بتائی کہ آپ اس  
جنجال پورے سے نکل کر میرے بچے سے قریب  
مکان میں مجھے لے جائیں گے..... سچ میں اپنا مکان  
ایسا پیارا سیٹ کروں گی کہ پورا خاندان حیران رہ  
جائے گا کہ فرخندہ ڈاکر نے کتنا پیارا گھر سجایا ہے۔

فرخندہ ڈاکر“  
اور اس شب ڈاکر اپنی بیگم پر آ کر اتنا چیتے جتنا  
کبھی وہ چدرہ سالوں میں نہیں چیتے ہوں گے۔  
فرخندہ نے رو، رو کر آنکھیں سجائیں مگر وہ ان کی کسی

”اس میں شرمندگی کی کون سی بات ہے؟“ مجھے حیرت ہوئی۔ ”اب یہ ضروری تو نہیں ہے کہ سب سہیلیوں یا سب کزنز کی شادیاں ایک ساتھ ہو جائیں..... لائن سے شادیاں کہاں ہوا کرتی ہیں؟“

”مگر آگے پیچھے تو ہوتی ہیں ناں..... مگر میری شادی کا تو دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔“

”تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو..... کیا پتا کس کی قسمت کب کھل جائے.....؟ وقت کا کوئی پتا توڑی ہوتا ہے.....“ میں نے اسے سمجھایا۔

”آئی آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں.....“

میرے گھر میں تو آج تک کوئی عورت مجھے دیکھنے کے لیے نہیں آئی، پسند یا ناپسند کرنا تو آگے کی منازل ہیں۔“

”مگر بیٹا رشتے تو ہر لڑکی کے آتے ہیں..... خاندان سے عزیز واقارب میں سے..... اچھے بڑے..... ہر طرح کے آتے ہیں اور جب آئیں گے تو تمہارے گھر کے بڑے ٹھونک بجا کر قبول بھی کر لیں گے۔“

”مگر میرے اب تک نہیں آئے اور نہ ہی آئیں گے.....“ وہ پھر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

”تم اتنی بد دل کیوں ہو؟“ ایک دن جب وہ عادت کے مطابق آنسوؤں سے رندھی ہوئی آواز میں مجھ سے باتیں کر رہی تھیں..... میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”میری دونوں بھابھیاں میری دشمن ہیں..... وہ دونوں مجھ سے سخت نفرت کرتی ہیں..... میں بات کروں تو نہیں کراڑاتی ہیں۔“

”اگر نفرت کرتی ہیں تو انہیں تمہاری شادی جلد سے جلد کر کے یہاں سے نکال باہر کر۔ چاہیے تاکہ انہیں سکون مل جائے۔“

”نہیں یہ بات نہیں ہے..... وہ چاہتی ہیں کہ انہیں میری صورت میں غری کی ملازمت ملی رہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ میری شادی کسی صورت میں نہ ہو۔“

”تمہاری ایک بہن شادی شدہ ہے..... اس

بات سے اتفاق نہیں کر رہے تھے۔ تھک ہار کر انہوں نے اپنی بھابی کی بہن کو فون کر کے بتایا کہ نجومی نے ان کے بارے میں تمام پیش گوئیاں غلط کی ہیں..... نئے سال میں اس کی بتائی ہوئی کوئی پیش گوئی پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی۔

تب بھابی کی بہن نے بھی آزرده سے لہجے میں کہا۔

”ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ کوئی اچھا والا نجومی نہیں تھا۔ میرے بارے میں اس نے جو بتایا ہے مجھے بھی بالکل غلط لگ رہا ہے۔“

”خواہ مخواہ میرے ہزار روپے ضائع گئے۔“

فرخندہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

”پریشان مت ہو، میں اب تمہیں ایک اچھے نجومی کے پاس لے کر چلوں گی۔ وہ پیسے تو زیادہ لیتا ہے مگر اس کی پیش گوئیاں بالکل اصل ہوتی ہیں۔“

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

فرخندہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

”پریشان مت ہو، میں اب تمہیں ایک اچھے نجومی کے پاس لے کر چلوں گی۔ وہ پیسے تو زیادہ لیتا ہے مگر اس کی پیش گوئیاں بالکل اصل ہوتی ہیں۔“

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

”نہیں بھئی..... مجھے تو تم رہنے ہی دو..... اس کی پیش گوئیوں کو میرے میاں جی ٹیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بیویوں کا سال تو کیا کوئی دن نہیں ہوتا..... تو ہمارے بارے میں پیش گوئیاں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں۔“ فرخندہ آزرده سے لہجے میں کہہ رہی تھیں جسے ان کی بھابی کی بہن سن کر ہاں میں ہاں ملا رہی تھی..... ایسا ہی کچھ ان کے ساتھ بھی تو ہوا تھا۔

### عمریا بیٹی جانے

آج پھر راشدہ کا سسکتا ہوا فون آیا تھا جسے سن کر میں افسردہ ہو گئی۔ یہ بچی کچھ عرصے سے مجھے روزانہ فون کر رہی ہے اور ہر فون پر مجھے یہی بتاتی تھی کہ اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے اسے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

”آئی آپ سوچ بھی نہیں سکتیں..... مجھے اپنے ساتھ کی لڑکیوں کے سامنے کتنی شرمندگی ہوتی ہے۔“

ایک شام وہ مجھ سے بڑے تاسف سے کہہ رہی تھی..... اس کی آواز آنسوؤں کے باعث بھرائی ہوئی تھی۔

سے تم کیوں نہیں کہتیں..... بہن اور بھابی میں تو فرق ہوتا ہے۔“

”میری بہن بھی بڑی مکاری ہے..... وہ چاہتی ہے کہ جب وہ اپنے بچے لے کر اپنے میکے میں آئے..... تو میں ہمیشہ اس کی اور اس کے بچوں کی خدمت کرتی رہوں، میری ماں بہت سیدھی عورت ہیں اور اپنی بہوؤں کے ہاتھوں پر نال بنی ہوئی ہیں..... جو وہ کہتی ہیں اُن کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہیں..... دونوں بھائی زن سرید ہیں، بجائے اس کے بھائی اپنی بیویوں پر حاوی ہوں..... میری دونوں بھابھیاں ان پر چھائی ہوئی ہیں..... وہ جو کہتی ہیں میرے بھائی مانتے ہیں، میری طرف تو دیکھتے بھی نہیں۔“ راشدہ کی باتیں سن کر میرے ذہن میں وہ تمام افسانے گھوم گئے..... جہاں ایک ہیروئن ظلموں کے پہاڑ میں گھری ہوئی ہوتی تھی اور اس کے چاروں طرف صرف بدخواہوں کے غول تھے اور وہ مظلوم تھی۔

”اللہ تعالیٰ کسی اچھے سے ہیرو کو جلدی سے بھیج دے..... جو راشدہ کو ان ظالموں کے چنگل سے نکال کر لے جائے.....“ میں اس کے لیے بڑے خشوع سے دعا مانگتی۔

ایک دن میں نے راشدہ سے کہا..... ”تم اپنی شادی کے لیے دعا مانگا کرو..... دعا مومن کا ہتھیار ہوتی ہے۔“

”اللہ آئی آپ بھی کسی باتیں کر رہی ہیں..... میں تو عرصہ پانچ سال سے دعاؤں کے ساتھ، ساتھ وظیفے بھی کرتی ہوں جہاں اور جس جگہ مجھے شادی کے لیے وظائف لکھے نظر آتے ہیں وہ میں پڑھنا شروع کر دیتی ہوں..... پتا نہیں کس کو فائدہ ہوتا ہے..... مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“

”بیٹا تم پڑھنا شروع کرو..... گھر میں بیٹھی رہتی ہو تو تم زیادہ پریشان رہتی ہو..... پڑھو گی تو تمہاری توجہ بھی بٹے گی۔“

”آئی مجھے پڑھنے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے..... جب میں اسکول میں پڑھتی تھی تو میرے سر میں ہر وقت درد رہتا تھا اس لیے میں نے ساتویں جماعت سے ہی پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔“

”راشدہ بیٹا کم از کم میٹرک تو کر لو..... پڑھائی کبھی بیکار نہیں جاتی..... ہمیشہ کام آتی ہے۔“

”ارے نہیں آئی..... میٹرک دور ساتویں جماعت میں کوئی اتنا لبا چوڑا فرق نہیں ہوتا..... میں خط لکھ سکتی ہوں..... دھو بی کا حساب لکھنا آتا ہے، سینے کے بجٹ بنانا جانتی ہوں، گھر چلانا آتا ہے، اس کا حساب کتاب کرنا اتنا اچھا آتا ہے کہ کسی پڑھی لکھی لڑکی کو بھی نہیں آتا ہوگا۔“

”وہ کسے.....؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔  
”جب کبھی میرا شوہر (آہ بھر کر کہا گیا) گھر چلانے کے لیے بالخصوص دس ہزار روپے دے گا تو میں پندرہ ہزار کا حساب کر کے اس سے ہر ماہ پانچ ہزار بہ آسانی کھینچ سکتی ہوں۔ یوں بھی زندگی کے تجربے..... کتابوں میں تھوڑی لکھے ہوتے ہیں، یہ تو وقت ہمیں سکھاتا ہے کہ وقت سے بڑا کوئی استاد نہیں ہوتا۔“ اس نے کچھ ایسے سنجیدہ سے لہجے میں کہا مجھے یوں لگا کہ راشدہ کسی پختہ عمر کی تجربے کار عورت کی طرح سوجھ بوجھ رکھتی ہے۔

راشدہ کی باتیں سن کر بے حد دکھ ہوتا تھا..... ایک دن ایک بہن نے فون کر کے مجھ سے ایک خواہش کی۔ ”باتی آپ میرے بھائی کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی بتائیں جو گھر کے کام کاج میں طاق..... کچھ دار ہو..... کم از کم گریجویٹ ضرور ہو.....“

”گریجویٹ تو شاید نہیں..... مگر لڑکی بڑی اچھی ہے.....“ میرے ذہن میں اچانک راشدہ کا خیال آ گیا۔

”نہیں آئی، ہمارا بھائی گریجویٹ لڑکی ہی چاہتا ہے..... وہ جاہل بیوی کا ساتھ ہرگز نہیں چاہے

### غزل

تو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں چاہے لاکھ بچے دربار جن  
تیری دید کی آنکھیں بیاسی ہیں بس لوٹ آؤں گے بار جن

بیرے موتی مال منال، تیرے سوا سب خام خیال  
کدلیں، جاہ ملاکتیں چاہ ملی پر کرتے رہے انکار جن

تو نے جب چاہا تو وصل ہوا جب چاہا ہجر کو اوڑھ لیا  
تو جو چاہے تو جب چاہے تیری بات پہ کیا نگرار جن

چاہے ہاتھ دعا سے تھک جائے چاہے کاسٹل خالی ہو  
تجھے مانگا تھا تجھے مانگیں گے اک بار نہیں سو بار جن

میں کو جی میرا دل کو جاتیرے عشق میں ہوئے نہال  
تیری نسبت میری خوش بختی مجھ میں صیب ہزار جن

من اور آنکھیں گروی رکھ کر چاہ پہ سود بیان نہ لے  
دل کا سوا سچا سوا مت کر کار و بار جن

جب آنکھیں موندوں خواب تیرے جب کھولوں تیرا خیال  
میں لاکھ چھڑاؤں دامن پر تیری یاد سے نہیں فرار جن

عشق کی بازی کھیلی ہم نے سب کچھ ہار کے جیتی ہم نے  
تو نہیں چرا کر ہم سے ہماری جیت کو نہ ہار جن

تھکے سنگ جوئی، بیلا، چپا، خوشبو رنگ اور روپ  
تو چھڑا تو اب میں جو گن کیسا ہار سنگار جن

شاعر: آفتاب احمد، جھنڈو سندھ

گا۔ "تب میں چپ ہو گئی..... ظاہر ہے ہر ایک کی  
اپنی، اپنی خواہش ہوتی ہے..... میں کیوں اس سے  
ساتویں گیل لڑکی کی سفارش کرتی جو بڑی عمر کی بھی تھی  
اور جسے پڑھنے لکھنے کا شوق بالکل نہیں تھا۔

میں سوچ رہی تھی کہ اگر راشدہ کی تعلیم انٹر میں  
ہوتی تو میں کسی سے یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ وہ بی اے کا  
امتحان پرائیوٹ دے دے گی۔

پورے دس دن راشدہ کا فون نہیں آیا اور جب  
آیا تو وہ بری طرح سسک رہی تھی۔

"آئی، میری آخری سبیلی کی بھی مگنی

ہو گئی..... صرف میں ہی بد نصیب بنی ہوں، جس کی  
طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا جس کا نہ کوئی حال  
ہے نہ کوئی مستقبل..... مجھے تو لگتا ہے کہ میری زندگی  
..... سب کی خدمت گزاریاں کرتے، کرتے ختم

ہو جائے گی..... اللہ کسی کو ایسی بہن نہ دے جیسی میں  
ہوں، کسی کو میری فکر نہیں ہے۔" راشدہ کی باتیں سن  
کر میرے بھی آنسو نکل آئے اور میں نے پوچھا۔

"بیٹا تمہاری عمر کتنی ہو چکی ہے؟" یہ جملہ پوچھتے

ہوئے میرے ذہن میں دور کہیں یہ شبہ تھا..... کہ کہیں وہ  
کسی دن مجھ سے یہ نہ کہہ دے کہ وہ چالیس کر اس  
کر چکی ہے۔ ایسے میں اسے یقین دلانا مشکل ہو جائے  
گا کہ آج کل کسی کے بیٹے کی عمر بے شک چالیس سال  
کی ہو مگر اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے کم عمر لڑکی  
ملے جو کسی صورت میں، بائیس سال سے زیادہ نہ ہو۔

مگر جب اس نے اپنی عمر بتائی تو میں اپنا سر پکڑ  
کر بیٹھ گئی۔ سارے لفظ میرے ذہن میں تحلیل  
ہو گئے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے بہت کچھ  
کہوں مگر میرے منہ سے ایک آواز بھی نہیں نکلی۔

اس نے رندھی ہوئی آواز میں مجھے بتایا تھا۔

"آئی میں کچھیں فروری کو پورے سترہ سال  
کی ہو جاؤں گی۔" (نوٹ یہ سو فیصد سچا واقعہ ہے)

☆☆☆





☆ نگہت احوال..... مرگودھا  
 جو شاد پھرتے تھے کل آج چھپ کے روتے ہیں  
 ہزار شکر غم پاندار اپنا ہے  
 اسی لیے تو یہاں لوگ ہم سے جلتے ہیں  
 کہ جی جلانے میں کیوں اختیار اپنا ہے  
 ☆ شہلا محمود..... واہ کینٹ

اک دبا دل میں جلانا بھی، بجھا بھی دینا  
 یاد کرنا بھی اسے روز بھلا بھی دینا  
 کیا کہوں یہ مری چاہت ہے کہ نفرت اس کی  
 نام لکھنا بھی مرا، لکھ کے مٹا بھی دینا  
 ☆ زریں خان..... بارہ کدو

میرا معیار وفا ہی مری مجبوری ہے  
 رخ بدل کر بھی تجھے اپنے مقابل پایا  
 نذر کرتا رہا میں پھول سے جذبات اسے  
 جس نے پتھر کے کھلونوں سے مجھے بہلا یا  
 ☆ ارم..... کراچی

نہیں جدے کیے ہم نے کبھی فیروں کی چوکھٹ پہ  
 ہمیں جس کی ضرورت ہو خدا سے مانگ لیتے ہیں  
 ☆ فرحت احمد..... گلشن حدید، کراچی  
 نہیں فرصت یقین مانو ہمیں کچھ اور کرنے کی  
 تری یادیں ہتری باتیں بہت مصروف رکھتی ہیں

☆ بشری ملک..... ٹیکسلا  
 نہیں ایک شخص بھی تخلص اگر تم سے جہاں بھر میں  
 کی تم ذات میں اپنی کہیں کوئی خطا و صوٹو  
 ☆ جبین نیاز..... ملتان

یہ کس مقام پہ سو جھی تمہیں پھرنے کی  
 کہ اب تو جا کے کہیں دن بدلنے والے تھے  
 ☆ زنگس نسیم..... صابہ موہڑہ  
 کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرے کس کو  
 یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 رگ سنگ سے نکلتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا  
 جیسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

## میں اکثر گنگنائی ہوں

معسری زیدی

☆ عربناز..... کوئی  
 ہر بار گرہ دے کہ کسی آس نے جوڑا  
 ہر بار میں دھاگے کی طرح ٹوٹ گیا ہوں  
 ☆ سیدہ رفیقہ ابدالی..... کراچی  
 قلق نہیں نہیں مگر دوستوں کے بچھنے کا  
 طبیعت اپنی بھی کچھ، کچھ سمجھتی جاتی ہے  
 ☆ جنیس ہاشمی..... بمیرہ  
 کوئی پاتال تھا جس میں اتر جاتے تھے ہم دونوں  
 جہاں بس دل دھڑکتے تھے وہ ظلمت یاد آتی ہے  
 ☆ بشری باجوہ، اداکارہ

ہواؤں میں عجب سی بے کلی ہے  
 دلوں کے بادباں سٹے ہوئے ہیں  
 ادھوری خواہشوں کا غم نہ کرنا  
 کہ سارے خواب کب پورے ہوئے ہیں  
 ☆ صبا کمال..... فیصل آباد

عمر رائگاں کر دی تب یہ بات مانی ہے  
 موت اور محبت کی ایک نئی کہانی ہے  
 کھیل جو بھی تھا جاناں اب حساب کیا کرنا  
 جیت گو کسی کی ہو، ہم نے ہار مانی ہے

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ  
 دلوں میں پھول اُگا نہیں نئی محبت کے  
 کدورتوں کو دلوں سے مٹائیں اب کے برس  
 کچھ کرو اب کے بہاروں کا ایسا استقبال  
 بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس  
 ☆ سائرہ ارم..... کمالیہ  
 میری زندگی کا ساتھی میرے بخت کا ستارا  
 تیری آرزو نے لوٹا تیری جستجو نے مارا  
 میں بساطِ زندگی پر غمِ آرزو کی بازی  
 کبھی ان کی شہ پہ چڑھا کبھی دل کی شہ پہ ہارا  
 ☆ ارم کمال..... فیصل آباد  
 اگر جیتا ہی ٹھہرا ہے تو اس میں دکھی رکھنا  
 مرے لوگو! ہمیشہ زندگی کو زندگی رکھنا  
 ☆ صبا..... لاہور  
 جو ہونکے تو بھلا دینا مجھیں دل کی  
 محبت کا تقاضا ہے کہ درگزر کرنا  
 تیرے طرزِ تقافل سے کیا گلہ ہمیں  
 شاید ہمیں آتا ہی نہیں دلوں میں گھر کرنا  
 ☆ زبیرہ علی..... حویلیاں  
 نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں  
 دیا روشن سے مدھم ہو گیا ہے  
 ہمیں معلوم ہے اتنا کہ ایک سال  
 ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے  
 ☆ ثوبیہ ظہور..... ضلع ایک  
 بات اتنی ہے کہ اک موڑ پہ رستہ بدلا  
 دو قدم ساتھ چلا وہ بھی ہزاروں کی طرح  
 بادباں کھولے جو میں نے تو ہوا نہیں پائیں  
 دور ہوتا گیا اک شخص کناروں کی طرح  
 ☆ شہلا احمد..... لاہور  
 تو تو سرمایہ ہستی ہے تیرا ذکر ہی کیا  
 ہم تو دشمن کو بھی اے دوست دعا دیتے ہیں  
 ☆☆☆

☆ نگہت حسین..... اسلام آباد  
 اس قدر ظفر تو رکھتے ہیں زمانے والے  
 زندگی چھین کے چھینے کی دعا دیتے ہیں  
 ☆ رابعہ عمران..... ڈی جی خان  
 ہماری آنکھ میں کب وہ تلک ٹھہرا ہے کوئی  
 یہ تو تم تھے کہ پہلی نگاہ میں اپنے سے لگے  
 ☆ فیصلہ علی..... حیدرآباد  
 ہے قائم تجھ سے میری سانسوں کا تسلسل  
 نہیں تجھ سا کوئی تیرے ہی مقابل  
 ☆ حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین  
 جدائی بھی نہ ہوتی زندگی بھی سہل ہو جاتی  
 جو ہم ایک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے  
 ☆ نسیم آصف خان..... ملتان  
 راستے مجھ کو لیے پھرتے ہیں قریہ قریہ  
 میں چلوں تیری طرف فاصلہ بڑھتا جائے  
 ☆ کوثر خالد..... جڑانوالہ  
 وطن کے ہیں اگر کانٹے تو بھرو اپنے دامن میں  
 اگر ہوں پھول پر دیکھی نہ چھوٹا بے وقاف ہوں گے  
 ☆ سزفرح احمد..... ٹاؤن شپ، لاہور  
 ابھی بھرم کے پھول کھلے ہی رہنے دو  
 جانے کب پتی پتی بکھر جائے  
 ☆ صائمہ سجاد..... کوہاٹ  
 حالات کی ضریوں نے صورت ہی بدل ڈالی  
 مجھ سے مری تصویر ذرا بھی نہیں ملتی  
 ☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر  
 ملا نہ وہ تو ظفر لوٹ کر نہ آئیں گے  
 یہ شرط باندھ کر اس بار گھر سے نکلے ہیں  
 ☆ ارم خان..... ڈی جی خان  
 ایک بوجھ وہ دل پہ ڈال گئے  
 مگر حال سے وہ بے حال گئے  
 دل مانگا اور پھر توڑ دیا  
 وجہ پوچھی تو پھر ہال گئے

# خوش ذائقہ

## پاکیزہ بہنیں



### اسپرنگ چکن

اجزاء: مرغی کا گوشت، آدھا کلو۔ (گولڈن) (پہیں) سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، کالی مرچ، حسب ذائقہ۔ چائیز سالٹ، دو چائے کے چمچ۔ دکنی مرچ، (وائٹ پیپر) حسب ذائقہ۔ اراروٹ، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: چکن کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں۔ سویا ساس میں تمام اشیا ملا کر اس میں مرغی میرینیٹ کر کے ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل درمیانی آگ پر گرم کر کے ایک، ایک پیس اس میں ڈال کر سنہرا ہونے تک تیل لیں۔

ساس کے لیے اجزاء:..... کیچپ، دو کھانے کے چمچ۔ چلی ساس، دو کھانے کے چمچ۔ سویا ساس، دو چائے کے چمچ۔ لال یا سفید سرکہ ایک چائے کا چمچ۔ دکنی مرچ آدھا چائے کا چمچ۔ یہ تمام چیزیں مکس کر کے ساس بنا لیں۔ تلی ہوئی چکن ساس کے ساتھ کھائیں عرشہ جنید کراچی

### فرائیڈ پیران (جھینگے)

اشیا: جھینگے، ایک کلو۔ میدہ، دو کھانے کے چمچ۔ سرکہ، ایک پیالی۔ کارن فلاور، دو کھانے کے چمچ۔ کالی مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ اور پیکانو، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ چائیز نمک، ایک کھانے کا چمچ۔ ہری مرچ، چار سے پانچ عدد۔ ہرا دھنیا، باریک کاٹ لیں، دو چائے کے چمچ۔ اٹھ، دو عدد۔ بیٹنگ باؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: جھینگے اچھی طرح صاف کر کے نمک اور سرکہ میں پندرہ منٹ کے لیے چھوڑ دیں اور پھر جالی میں نکال کر رکھ دیں۔ ایک پیالے میں تمام اشیا اچھی طرح اٹھ کے ساتھ مکس کر لیں اور اس میں جھینگے میرینیٹ کر کے کچھ دیر رکھ کر ایک، ایک کر کے تیل لیں۔

جبین نیاز، ملتان

### جھیتی مچھلی

اشیا: مچھلی، ایک کلو۔ نمک حسب ذائقہ، لہسن کے جوئے، دس سے بارہ عدد۔ کٹی ہوئی لال مرچ، دو کھانے کے چمچ۔ سفید زبرہ، دو کھانے کے چمچ۔ ثابت دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ اہلی کا گودا، ایک پیالی۔ چاٹ مسالا، ایک کھانے کا چمچ۔ تیل حسب ضرورت۔

ترکیب: مچھلی کو صاف دھو کر خشک ہونے رکھ دیں۔ دھنیا اور زیرے کو توڑے پر ہلکا سا بھون کر مونا مونا کوٹ لیں۔ مسالا پٹانے کے لیے پہلے اہلی کی چٹنی بنا لیں جس کے لیے اہلی کے رس میں کٹی ہوئی لال مرچ، بھنا ہوا کٹا ہوا دھنیا، زیرہ ڈال دیں اور پانچ سے سات منٹ ہلکی آگ پر پکا کر گاڑھی ہونے پر جو لمبے سے اتار لیں۔ لہسن کے جوڑوں کو دھو کر چل لیں اور اس میں نمک ملا کر مچھلی پر اچھی طرح مل لیں۔ اہلی کی چٹنی مکمل طور پر ٹھنڈی ہو جائے تو مچھلی کے قتلوں کو اس میں ڈال کر پندرہ سے بیس منٹ کے

قلوں کی طرح کاٹ لیں یا رول کی شکل میں ہی خوب صورت سے پلیر میں سجا کر پیش کریں۔  
نفسیہ آرا، دعویٰ

### چاکلیٹ شیفون

اشیا، کوئنگ چاکلیٹ، سو گرام۔ جیلٹن  
پاؤڈر، دو کھانے کے چمچ۔ چینی، ایک پیالی۔ آئسنگ  
شوگر، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھی پیالی۔ اٹھ سے  
کی سفید نی، دو عدد۔ فریش کریم، دو پیالی۔

ترکیب: پانی ابالیں اور ابال آنے پر اس  
میں چینی ڈال کر دس سے بارہ منٹ پکا کر شیرہ بنائیں  
اور چولھے سے اتار لیں۔ جیلٹن میں دو کھانے کے  
چمچ نیم گرم پانی ملا کر اسے ڈبل بوانڈ پر پکائیں پھر  
اسے چینی کے شیرے میں ملا کر ٹھنڈا کرنے رکھ  
دیں۔ چاکلیٹ کے چھوٹے ٹکڑے کر کے پیالے  
میں ڈالیں اور بہا رہتے ہوئے پانی میں رکھ کر  
پگھلائیں۔ جب پگھلنے پر آجائے تو اس میں ایک  
پیالی کریم ڈال کر ملا لیں اور چولھے سے اتار لیں۔  
صاف، خشک پیالے میں اٹھ سے کی سفید یوں کو  
ایکٹرک بیٹر سے سخت ہونے تک پھینٹیں۔ پھر جیلٹن  
کسچر کو برف کے پیالے پر رکھ کر پھینٹیں اور اس  
میں آدھا چاکلیٹ کا کسچر ملا لیں۔ اس کسچر کو اٹھ سے کی  
سفید یوں میں ملا لیں۔ شیشے کے پیالے  
میں چاکلیٹ کا آدھا کسچر تہ میں ڈالیں پھر اس پر  
اٹھ سے کا تیار شدہ کسچر ڈال دیں اور ٹھنڈا کرنے فریج  
میں رکھ دیں۔ کریم کو پیکٹ سے نکال کر صاف خشک  
پیالے میں ڈالیں اور اس میں آئسنگ شوگر ڈال کر  
ٹھنڈی کر لیں۔ پھر برف کے پیالے پر رکھ کر اچھی  
طرح پھینٹ لیں۔ ٹھنڈے کیے ہوئے پیالے کو  
فریج سے نکال کر اس پر کریم پھیلا کر ڈالیں اور اوپر  
سے چاکلیٹ چپ سے سجادیں۔

عمرین خالد، حیدرآباد

☆☆☆

لیے رکھ دیں۔ فرینک پن میں تیل کو گرم کریں اور  
مسالا لگے ہوئے پھلی کے قنوں کو ہلکا سنہری فرائی  
کر کے نکال لیں۔ یہ تیلے تھوڑے سے ٹھنڈے  
ہو جائیں تو ان پر چاٹ مسالا چمڑک کر دوبارہ سے  
تیل میں سنہری فرائی کر کے نکال لیں۔

زرینہ خان، بارہ بوب

### سلاڈ رول

اشیا، چکن بریسٹ، ایک عدد۔ نمک، حسب  
ذائقہ۔ پسا ہوا لہسن، ایک چائے کا چمچ۔ کئی ہوئی کالی  
مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ سرکہ دو کھانے کے چمچ۔  
براؤن شوگر، ایک چائے کا چمچ۔ سلاڈ کے تے،  
حسب ضرورت۔ بند گو بھی، آدھی پیالی۔ گاجر، آدھی  
پیالی۔ زیتون، دس سے بارہ عدد۔ شملہ مرچ، چار  
کھانے کے چمچ۔ مایونیز، دو کھانے کے چمچ۔ مسٹرڈ  
پیسٹ، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ سموسوں کی  
چوکور پٹیاں، حسب ضرورت۔

ترکیب: چکن کو صاف دھو کر خشک کر لیں اور  
ایک پیالے میں نمک، لہسن، کالی مرچ، سرکہ اور  
براؤن شوگر ملا کر اس کو میرینٹ کریں۔ آدھا گھنٹا  
رکنے کے بعد اسے ہلکی آگ پر پکے رکھ دیں۔ چکن  
بریسٹ جب اپنے ہی پانی میں گل جائے تو اسے  
چولھے سے اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس کے پتلے  
بارچے کاٹ لیں۔ گاجر اور بند گو بھی کوش کر لیں،  
شملہ مرچ کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔ مایونیز میں  
گاجر، بند گو بھی، شملہ مرچ اور زیتون ملا لیں اور  
ساتھ ہی مسٹرڈ پیسٹ بھی شامل کریں۔ سلاڈ کے  
پتوں کو دھو کر خشک کر کے رکھ لیں۔ سموسے کی پٹیوں کو  
توے پر ہلکا سا پینکیں اور سلاڈ کے پتے پر رکھ دیں۔  
اس پر گاجر اور بند گو بھی کا کسچر پھیلا کر لگائیں پھر چکن کا  
بارچہ رکھیں اور چاہیں تو دوبارہ سے گاجر اور بند گو بھی کا  
کسچر لگا کر سلاڈ کے پتے کو ٹائٹ رول کر لیں۔ دس  
منٹ فریج میں رکھنے کے بعد اس رول کو چاہیں تو

ہر رنگ کا پھول کھلا ہے  
مگر میرا دل ہے  
مر جھایا سا

از: نجمہ صفر، کراچی

### یادیں

یہ یادیں بھی ناں، چھٹی کے بوٹے کے مانند  
ہوتی ہیں بس آنکھیں موندو اور آن کے آن  
خوشبوؤں کی تیری میں جا پہنچو، جہاں ہر طرح کے  
علامتی غنچے کھلے رہتے ہیں۔ کبھی نگاہ غنچہ انتظار کو  
فوکس کر لیتی ہے تو اس سے منسوب کئی یادوں کے در  
واہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کبھی نظر سرخ گلاب  
کے علامتی محبت بھرے پھول پر جا ٹھہرے تو بس پل  
بھر میں فضا میں افسانوی وردمانوی سی ہو جاتی ہیں  
اور پتا بھی نہیں چلتا کہ اچانک کتنی ساعتیں گزر  
گئیں۔

پروین افضل شاہین، بہاول نگر

### حماقت

حق تمھ کو تو پانے کا جتایا ہی نہیں ہے  
جان جہاں ہم نے تو دقا کی عبادت کی ہے  
تیری آنکھوں کی شرارت کو محبت جانا  
کم فہم تھے سو ہم نے حماقت کی ہے  
یہ جو محفل میں دیرانے کا گماں ہوتا ہے  
کس سے کہیں کس نے عنایت کی ہے  
سیدہ جیا عباس، تلہ گنگ

### مہکتا ہوا گلاب

جب زندگی کا درد بڑھتا چلا گیا  
ہمارا ان سے رابطہ گھٹتا چلا گیا  
وہ ہادیسیم تھا تو ہم مہکتا ہوا گلاب  
ہم دیکھتے رہے اور چاند گھٹتا چلا گیا  
وہ حسن وہ جوانیاں وہ نادانیاں کہاں  
وقت کی آنچ پہ سراپا پگھلتا چلا گیا

## سندیسے



### ضرب جمع تقسیم

ہمارا معاشرہ بھی کیا ہے۔ جوتے اے سی  
والے شور وحر میں بکتے ہیں، کھانے پینے کی چیزیں  
فٹ پاتھ پر فروخت ہوتی ہیں، جہاں چاول درمیانہ  
سو روپے کلو ہے لیکن یہاں موبائل سم مفت میں ہے۔  
آٹا، مکی اور سودا سلف کا حصول بہت دشوار ہے مگر  
ٹارگٹ کلنگ عام کام ہے، جہاں پلیٹیں صاف کرنے  
کے لیے اصل لیوں کا استعمال کیا جاتا ہے، شربت  
میں مصنوعی لیوں استعمال ہوتا ہے۔  
یہ ہے ہمارا لائف اسٹائل!

### لوٹا

نہیں بتتا لوٹا کوئی زمانے میں  
خواہ وہ اسپلیوں میں ہو یا غسل خانے میں  
لوٹے اس جہاں میں صورتِ خورشید جیسے ہیں  
ادھر ڈوبے، ادھر نکلے، ادھر نکلے، ادھر ڈوبے  
از: سیماساز عباسی، لاڑکانہ

### نہ جانے کیوں

میرے گھر کے لان میں

### جب لوگ

جب لوگ ہی جذبوں کی توقیر نہیں کرتے  
ہم بھی کوئی دکھ اپنا تحریر نہیں کرتے  
دل چیرتا ہے کیسے لہجے کا روکھا پن  
کرتی ہے زبان وہ کچھ جو حیر نہیں کرتے  
از: ارم کمال، فیصل آباد

### اپنا

اپنے بھی سوتیلے ہیں  
بیگانے بھی سوتیلے ہیں  
ماں، باپ کا وہ واحد رشتہ  
جو صرف اپنا ہوتا ہے  
مرسلہ: مسز فرح امجد، ٹاؤن شپ لاہور

### انتظار

آج کے دور میں  
وقیا نویسی لڑکی ہوں  
رستہ دیکھتی رہتی ہوں  
شہزادے کا.....  
شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

### سید بھادر علی شاہ کے نام

کبھی فرصت کے لمحوں میں میرے دل میں تم آ جانا  
تمہیں جاناں سکھادیں گے محبت کس کو کہتے ہیں۔  
از: سیدہ جیا عباس شاہ، تلہ گنگ

### پاکیزہ مصنفات کے نام

جو اس کے چہرے پر رنگ ہوا ٹھہر جائے  
تو سانس وقت سمندر، ہوا ٹھہر جائے  
وہ مسکرائے تو نس، نس پڑیں کئی موسم  
وہ گنگنائے تو باؤ صبا ٹھہر جائے  
از: صبا نور، لیہ

☆☆☆

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

299

وہ ایک سراب تھا یا ایک خوب صورت خواب  
جو ماضی کی تپتی ریت میں دھنسا چلا گیا  
از: نورین، کراچی

### تھکن

مشکل راستے چلتے، چلتے تھک جاتے ہیں  
ہم تھک نیک آتے، آتے تھک جاتے ہیں  
دھیرے، دھیرے دن راتوں میں کھو جاتے ہیں  
یاد تھے ہم کرتے، کرتے تھک جاتے ہیں  
رہتے، رہتے رہ جاتی ہے دل میں حسرت  
ارمان پورے ہوتے، ہوتے تھک جاتے ہیں  
ڈھلتے، ڈھلتے ڈھل جاتا ہے وقت کا سورج  
عمر کے پتھر اڑتے، اڑتے تھک جاتے ہیں  
مرسلہ: شبنم کنول، گاؤں پاپاگری

### وہ اور میں

وہ مجھ سے  
کل ملنے آ رہی ہے  
اور.....  
میرے ہاتھوں سے  
صبر کی لکیر  
اڑ کر  
چلی گئی ہے

شاعر: کلیم دانش

مرسلہ: فردوس شامی، لاڈکانہ

### خواہش

اپنی اطاعت کا حسن و جمال دے  
مجھے اپنی محبت میں تو ڈال دے  
طلب دنیا میں ہوں غافل تیری یاد سے  
گناہوں کا رنگ میرے دل سے اتار دے  
میرے نفس کو پاکی میں ڈھال دے  
میری روح کو تو سنوار دے  
بس اتنی سی خواہش میری ہے یا اللہ  
میرے من سے تو دنیا نکال دے  
مرسلہ: بشری باجوہ..... اوکاڑہ



ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے، میں قصور واروں میں سے ہوں۔ (پ ۷۷ سورہ انبیاء آیت ۸۷)

یہ حضرت یونس علیہ السلام کی مشہور دعا ہے جو انہوں نے بھلی کے پیٹ میں خدا سے کی تھی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ خدا کے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی بہستی والوں کو چھوڑ کر طے گئے تھے اور کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ وہاں سے پانی میں کود گئے اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا پھر اپنی خطا کا اعتراف کیا تو مچھلی سے نجات حاصل ہوئی۔

”یہ آیت، آیت کریمہ کہلاتی ہے اس کے پڑھنے کے فوائد کثرت سے ہیں۔ جو شخص کسی ایسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو جس کا کوئی خاطر خواہ ازالہ ہوتا ہوا نظر نہ آتا ہو تو اسے چاہیے کہ سوالا کہ مرتبہ اس آیت کا ورد کرے، اگر خود نہ پڑھ سکتا ہو تو اپنے اہل خانہ اور پڑھنے والوں کے ذریعے سوالا کہ مرتبہ اس آیت کا ورد کروائے۔ انشاء اللہ جو مراد اللہ کے حضور پیش کر۔ گام ضرور پائے گا۔ کاروبار، ملازمت، اضافہ رزق، لڑائی، جھگڑا، شادی یا جو بھی مسئلہ ہوا انشاء اللہ ضرور حل ہوگا۔

اس آیت کے باطنی اسرار بھی بے پناہ ہیں۔ جو مرید یا طالب صادق اپنے رہنما کے کہنے سے اس آیت کا ورد رمضان المبارک میں کرے یا احکاف میں کرے تو اس پر بے شمار غیبی حقائق کا مشاہدہ ہوگا اور روحانی منازل بڑی تیزی سے طے ہوں گی۔ اس کے اثرات جلالی ہیں۔

**حضرت طالوت علیہ السلام کی دعا**  
حضرت طالوت ایک اسرائیلی بادشاہ تھے۔ اللہ تعالیٰ

**حضرت یونس علیہ السلام**  
حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور نبی تھے۔ آپ موصل کے رہنے والے تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبیوا کے باشندوں کی طرف ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ اس زمانے میں نبیوا میں قوم صنود آباد تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مرتبہ نبوت کا اعلان کرنے کے بعد بہستی والوں کو دعوت ایمان دی اور بہت عرصے تک دعوت دیتے رہے مگر کوئی بھی ایمان نہیں لایا بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کو طعنے دینے شروع کر دیے کہ اگر تمہیں نبی ہونے کا دعویٰ ہے تو جاؤ اپنے رب سے عذاب منگواؤ، آخر حضرت یونس علیہ السلام نے جھگ آ کر اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے عذاب کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا اور یہ کہا کہ تم دن کے اندر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر عذاب نازل ہونے لگا تو تمام قوم نے اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری شروع کر دی اور بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کو روک دیا لیکن حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر چل دیے۔ آپ کا یہ فعل اللہ کو ناپسند آیا لہذا آپ کو مچھلی کے پیٹ میں جانا پڑا جو تنور کے مانند تھا تو مچھلی کے پیٹ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور اطاعت الہی میں کمی کا اقرار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو دوبارہ بہستی والوں پر احکام نبوت سرانجام دینے کا حکم دیا۔ وہ دعا جو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھی وہ حسب ذیل ہے۔

**حضرت یونس علیہ السلام کی دعا**  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

عزت دی تھی۔ بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا تھا لیکن اتنی نعمتیں پا کر بھی آپ ہر وقت یاد الہی میں مصروف رہتے اور اللہ کی راہ میں اپنا تن من و دھن قربان کرتے رہتے تھے۔ پھر دیگر انبیاء کی طرح آپ پر بھی سخت امتحان آیا مگر آپ ہرگز یدہ نہی تھے۔ اللہ کی طرف سے دی گئی آزمائش پر پورے اترے آپ کا مال و متاع سب راہ خدا میں جاتا رہا۔ حتیٰ کہ بیماری اور مصیبت نے آکھیرا۔ یہاں تک کہ آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے آپ شہر چھوڑ کر ویرانے میں چلے گئے مگر وہاں بھی اتنی تکلیف کے باوجود یاد خدا سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوئے آخر سو سال کی طویل بیماری کے بعد آپ نے اللہ کے حضور شفا یابی کی دعا مانگی تو آپ شفا یاب ہو گئے..... اور اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی نعمتوں سے نواز دیا اس شفا یابی کے لیے آپ نے جو دعا مانگی تھی وہ دعائے ایوب کے نام سے مشہور ہے اور دعا حسب ذیل ہے۔

### حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا

اِنِّیْ مُسْتَسِیْ الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۝

ترجمہ: کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو (تو) سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

(پہلا سورہ انبیاء آیت ۷۳)

یہ وہ دعا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی طویل بیماری کی شفا یابی کے لیے پڑھی تھی اور اس دعا سے زاہدوں اور اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ شدید سے شدید مصیبت میں نہیں گھبراتا چاہیے اور نہ ہی مایوس ہونا چاہیے۔ بلکہ ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ حضرت ایوب نے جب مندرجہ بالا دعا پڑھی تو اللہ کی رحمت اُٹھ آئی۔ وہ اولاد جو چھین گئی تھی وہ واپس مل گئی۔ جو شان و شوکت ختم ہوئی تھی وہ دوبارہ بحال ہو گئی۔ گویا کہ اس دعا کے اثر سے حضرت ایوب علیہ السلام کی ہر تکلیف رفع ہو گئی۔

☆☆☆

نے آپ کو بادشاہت عطا کی کیونکہ آپ شجاعت اور علم میں اپنے زمانے میں یکتا تھے۔ انہیں ایک ظالم بادشاہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لہذا جب طاقت علیہ السلام اور آپ کے ساتھی جالوت کی فوج کے مقابلے کے لیے گئے تو انہوں نے اللہ کے حضور دعا مانگی کہ یا الٰہی! ہمیں کافروں کے مقابلے میں فتح عطا فرما اور وہ دعا یہ ہے۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا  
وَاصْنُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ ۝

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم میں صبر کو زیادہ کر دے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے گروہ پر ہمیں فتح عطا فرما (پ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۵۰) جہاد کے موقع پر مسلمانوں کے لیے سجدہ ریز ہو کر اس دعا کا پڑھنا بہت ہی مفید ہے، تبلیغ کرنے والے کا جب کسی ظالم سے واسطہ پڑ جائے اور وہ طرح، طرح کے دکھ اور مصائب دینا شروع کر دے تو اس دعا کا ورد انشاء اللہ دشمن کو پسپا کر دے گا۔

یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے غازی کی دعا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ جب حضرت جالوت کی فوج دشمن جالوت کی فوج کے مقابلے پر آئی اور ان کا آمنہ سامنا ہوا تو حضرت جالوت کے ساتھی غازیوں نے مولا کریم سے صبر، استقامت اور فتح طلب کی۔ مادی اسباب کی موجودگی میں بھی کافروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے تائید الٰہی و نصرت الٰہی پر نظر ڈینی چاہیے۔

### حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے وہ پیغمبر ہیں جن کی زندگی پیغمبران حق میں ایک مثالی صابری تھی کیونکہ صبر ایوب بڑا مشہور ہے اور آپ کا جسم ایسی تکلیف میں مبتلا رہا کہ جسے برداشت کرنا بڑا مشکل تھا لیکن آپ نے اس تکلیف پر اتنے لمبے عرصے کے لیے صبر کیا کہ آپ کا صبر بے مثل اور لاقانی بن گیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام بڑے مالدار اور خوشحال تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی شان و شوکت اور عظمت و





اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیوپاٹھیویٹ لیمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہانہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے۔ لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

اس کی ایک آنکھ بند تھی پھر کچھ دن بعد ٹھیک بھی ہوگئی۔ تین سال کی عمر میں اس نے قریب سے ٹی وی دیکھنا شروع کر دیا تو اس کی آنکھوں سے پانی خارج ہونے لگا اور لال ہونا شروع ہو گئیں۔ اب اس کی دائیں آنکھ بڑی اور بائیں آنکھ چھوٹی محسوس ہوتی ہے۔ آنکھوں میں خارش ہوتی ہے، جب خارش ہوتی ہے تو وہ لال ہو جاتی ہیں۔ جو آنکھ چھوٹی ہے اس میں زیادہ خارش ہوتی ہے اسے ملتی بھی ہے اور اس سے کبھی کبھی پانی بھی نکلتا ہے۔ نظر بھی کچھ کمزور ہوگئی ہے۔ کوئی اچھی دوا تجویز کر دیں۔

جواب: اب تک آپ نے کیا علاج کیا؟ یہ نہیں لکھا۔ بچی کو ماہر امراض چشم کو ضرور دکھائیں۔ فی الوقت ڈاکٹر ولما شواہے جرمنی کی  
Ruta 30 اور Euphrasia 30  
Belladonna 30 کے ۵،۵ قطرے دن میں  
۳ مرتبہ آدھا کپ پانی میں ڈال کر پلائیں۔

## آنکھوں کا مسئلہ

کنیز قاطمہ..... رحیم یار خان

محترم، میری بیٹی کی عمر دس سال ہے۔ پیدائش

## ٹوکن

برائے شواہے ہومیوپیتھک

اپریل 2015

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مینے بھیجیں اسی مینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: \_\_\_\_\_

پتا: \_\_\_\_\_





کی ہے جب بال اترتا ہے سر سے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے جڑ سے اکھاڑا ہے۔ میرے بال بہت زیادہ تھے۔ اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ اور اب بھی مسلسل گر رہے ہیں۔ مجھے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ جو بڑا گنچ ہے وہ مانتے تھے کہ اوپر ہے اور ڈر ہے کہ ماتھا خالی نہ ہو جائے۔

جواب۔ غذا میں نمک، چکنائی اور میٹھی چیزوں کو کنٹرول کریں، چہل قدمی کیا کریں۔ اپنے آپ کو مصروف رکھیں، پانی کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Calc carb 200 کے پانچ قطرے ہفتہ میں ایک دفعہ لیں۔ Bacillinum 200 کے 5 قطرے ہر 15 دن بعد لیں۔ جس دن یہ دوا لیں استعمال کریں اس دن کوئی اور دوا استعمال نہ کریں۔ Graphites 30 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

☆.....☆.....☆

بچوں کو بھوک کیوں نہیں لگتی؟

مار یہ نذیر..... کوٹ اڈو

میری بچی بڑی ذہین ہے، زسری میں پڑھتی ہے بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔ وہ روٹی بالکل نہیں کھاتی نہ چاول شوق سے کھاتی ہے چند ایک فروٹ کھا لیتی ہے۔ فیڈر میں دو حصے دودھ ہوتا ہے اور ایک حصہ پتیسی، چینی نہیں ڈلواتی۔ اکثر رات کو پیشاب کر دیتی ہے جسمانی طور پر بالکل ٹھیک ہے نہ اسے کبھی بخار ہوا نہ موٹن..... یہ بھی بتائیں کہ پتیسی ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

303

اور CMS Eye Drops کا 1،1 قطرہ دن میں 3 مرتبہ آنکھوں میں ڈالیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ کیفیت بتائیں۔ کھانے میں گاجر اور بادام کا استعمال بڑھادیں۔

☆☆☆

پتے میں پتھریاں

نازش کریم..... بہاولپور

مجھے تقریباً ایک سال سے پتے میں پتھریاں ہیں جو کہ سائز میں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔۔۔۔ میں پہلے ایلو پیٹھک اور ہومیو پیٹھک کی دوا لیں کھا چکی ہوں۔ اب حکیم کا علاج ہو رہا ہے۔ لیکن پتھریاں ابھی اسی طرح ہیں۔ ڈاکٹروں نے آپریشن بتایا ہے۔ برائے مہربانی مجھے اس کا اچھا سا علاج ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے بتائیں۔ میں آپ کو بہت دعا لیں دوں گی۔

جواب۔ ہر قسم کی چکنی غذا اور بادی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی اور Chelidonium Q کے 5،5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆.....☆

عورتوں میں منج پن

نسرین..... بہاولنگر

میری عمر 32 سال ہے۔ ڈاکٹر صاحب میری زیادہ پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ میرے سر کے بال ایک سال کے اندر تیزی سے گرنے کی وجہ سے سر میں کئی جگہ منج ہو گیا ہے۔ سر کی جلد سرخ نہیں کالی کالی



واند دودھ اس کے لیے نقصان  
وہ تو نہیں۔ کوئی اچھی سی دوا بھی  
بتائیں۔ شکر یہ۔

جواب۔ اکثر ماغیر بچوں کے  
متعلق یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کے بچے کو بھوک  
نہیں لگتی یا وہ صبح سے نہیں کھاتے۔ اس کی وجوہات  
ہیں، نمبر 1: آپ کی محبت کہ آپ اس کو سب کچھ کھلا  
دینا چاہتے ہیں اس کے پیٹ (معدے) کی گنجائش  
سے زیادہ۔

نمبر 2: بار بار کھلانا، کولڈرنک، شربت چمیں،  
بسکٹ ٹافیاں کھلانا۔ جب ہم بچوں کو یہ سب چیزیں  
کھلاتے رہیں گے تو بھوک ان کو کب لگے گی۔

نمبر 3: کوئی اندرونی بیماری یا خرابی جو عموماً کم  
ہوتی ہے۔ آپ اپنی بچی کو عمر کے حساب سے کھلائیں  
اور پانی پلائیں۔ پیک شدہ اور کیمیکل سے بنی چیزوں  
سے بچائیں۔ صاف، تازہ، قدرتی غذا  
دیں۔ کولڈرنکس کوئی بھی اور یہ سب بازاری شربت ککڑ  
preservatives اور ایسنس کا مجموعہ ہوتے  
ہیں۔ یہ انتہائی معزز صحت ہیں بلکہ درحقیقت زہر ہیں۔  
فیڈر سے کبھی بچوں کو دودھ نہ پلائیں یہ بیماری کا منبع  
ہے۔ بچی کو ڈاکٹر ولما ر شوابے جرمنی  
کی Alfalfa Q کے 5,5 قطرے اور  
Calc. Phos 30 کے 3,3 قطرے آدھے  
کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ دو ماہ بعد  
کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆.....☆

انجائنا

لعل جان.....کوئٹہ

میری عمر 60 برس ہے، شادی شدہ گھریلو

ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

304

خاتون ہوں، عرصہ دو سال سے مجھے دل کی تکلیف  
ہے۔ آج کل مجھے سردی لگنے سے بھی سینے میں  
آگے پیچھے درد ہوتا اور جڑوں اور بائیں کہنی تک  
ہوتا ہے۔ ماش کرنے اور کور سے کچھ دیر کے لیے  
آرام آجاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبان نے جو دوائیاں  
تجویز کیں وہ ایک ایک سال تک لیں۔ ان  
دوائیوں سے سر بوجھل ہو جاتا ہے اور کمزوری  
محسوس ہوتی ہے۔ مجھے چلتے وقت گھٹن ہوتی ہے۔  
جب ٹھہر جاتی ہوں تو درد اور گھٹن ٹھیک ہو جاتی  
ہے۔ اب زیادہ درد کے وقت صرف زبان کے  
نیچے رکھنے والی گولی استعمال کرتی ہوں۔ میں اب  
ہومیو ادویات استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ آپ  
میرے لیے دوائی تجویز کریں۔ انکو کے مطابق دل  
کا ایک والو کمزور ہے۔ اب جبکہ موسم بدل رہا  
ہے مجھے سینے میں پیچھے یعنی پشت میں درد زیادہ ہوتا  
ہے۔ جب زیتون کے تیل کی ماش کرتی ہوں تو  
درد اور آکڑن سے آرام آنا شروع ہو جاتا  
ہے۔ برائے کرم مجھے ان علامات کی روشنی میں کسی  
اچھے نسخے سے مستفید فرمائیں، نوازش ہوگی۔

جواب۔ گھی تیل، مرغن اور میٹھی غذاؤں کا  
استعمال نہ کریں۔ نمک اور نمکین چیزیں بھی کنٹرول  
کریں۔ پانی زیادہ پیا کریں اور پیشاب روکا نہ  
کریں۔ سبزیاں اور فروٹ کا استعمال بڑھائیں۔  
چہل قدمی ضرور کریں۔ جو بھی ادویات آپ کو  
تجویز کی جارہی ہیں وہ ڈاکٹر ولما ر شوابے جرمنی  
کی استعمال کرنی ہیں۔ دل کی تکلیف جب بھی ہو  
Arnica 200 نمبر کی گولیوں میں بتائیں  
اور حسب ضرورت استعمال کریں۔  
Cactus Q اور Crataegus Q کے  
5,5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ



۹۔ السر، کبھی قبض  
کبھی موشن۔

جواب۔ محترمہ آپ نے  
اپنی رپورٹس منسلک نہیں  
کیں۔ Urine D/R, LFT وغیرہ.....

Renal Function test کراکر  
اس کی رپورٹ بھیجیں۔ فی الحال ڈاکٹر ولما رشوا بے  
جرمنی کی Ptk 89 کے 5 قطرے ایک گھنٹہ پانی  
میں دن میں 3 مرتبہ اور Ptk 15 اور Ptk  
16 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں 4 ہفتے  
بعد رپورٹس کے ساتھ حال بتائیں۔

☆.....☆.....☆

ڈسمینوریا و لیکوریا

اے آر..... حیدرآباد

میں کافی عرصے سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں۔  
ہومیوپیتھک میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں  
دوا تجویز کیجئے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے کافی عرصے  
سے یہ تکلیف ہے ماہانہ ایام تاریخ سے 2 دن پہلے ہی  
آنا شروع ہو جاتے ہیں مگر ٹھیک سے نہیں  
آتے۔ ہیڈ میں بہت تکلیف ہوتی ہے جو پیچھے کر  
تک ہوتی ہے، میں نے ایک سال پہلے ڈاکٹر کو بھی  
دکھایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ خون کی کمی ہے اور بس  
گولیاں دیں۔ مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ میرا  
وزن بہت بڑھ گیا، پیٹ بھی نکل آیا ہے۔ اب میں  
کوئی دوا استعمال نہیں کر رہی ہوں۔ آپ برائے  
مہربانی اس کا علاج بتائیے تاکہ میری تکلیف دور ہو  
سکے۔ بہت مشکور ہوں گی۔

جواب۔ بی بی غذا کو متوازن کریں چکنی و مرغن  
غذائیں اور میٹھی چیزوں سے پرہیز کریں۔ ورزش

305 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015ء

استعمال کریں

☆.....☆.....☆

لیکوریا

ایمان..... کراچی

مجھے لیکوریا کی بہت زیادہ شکایت  
ہے۔ کپڑے پر لگے تو پیلا داغ چھوڑ دیتا ہے، جسم پر  
لگے تو شدید خارش ہوتی ہے۔

جواب۔ ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی  
Kreosote 30 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی  
میں 3 مرتبہ لیں اور Ptk 60 کی ایک گولی دن  
میں 3 مرتبہ لیں۔

☆.....☆.....☆

گردے کی خرابی

شاہدہ..... ٹنڈوالہیار

- ۱۔ پیشاب میں سخت بدبو۔
- ۲۔ تھوڑی دیر بھی پیشاب کو ڈس رہ جائے تو  
سڑی ہوئی بدبو۔
- ۳۔ سر میں درد، بوجھ اور بھاری پن اور نیند کی  
کیفیت۔
- ۴۔ مختلف دوائیں کھائیں لیکن کوئی خاص  
فائدہ نہیں ہوا۔
- ۵۔ پیشاب کم ہی ہوتا ہے لیکن بار  
بار۔ پیشاب کرنے میں درد ہوتا ہے۔
- ۶۔ جسم میں خارش یا دانے نہیں ہیں۔ گرمی  
بہت لگتی ہے۔
- ۷۔ جسم اور چہرے پر دم۔
- ۸۔ بلڈ پریشر ہے۔ دوا کھاتی ہوں۔ کنٹرول  
ہے۔

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسجے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

کس وقت ہوتا ہے؟ ان کو کس طرح آرام ہوتا ہے؟ لہذا تفصیل سے دوبارہ خط لکھیں کیونکہ تجویز نسخہ میں لکھنے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔  
☆.....☆.....☆

### نسوانی خرابیاں

رمشا سلطان.....اسلام آباد

میری عمر 24 سال ہے۔ مجھے آٹھ نو سال سے لیکوریا کی شکایت ہے۔ ہر ماہ ماہانہ ایام کے بعد مجھے لیکوریا ہوتا ہے۔ ماہانہ ایام پہلے ٹھیک ہوتے تھے، اب ان میں بے قاعدگی ہو گئی ہے۔ پہلے چہرے کی ٹھوڑی پر بال نہیں تھے لیکن گزشتہ دو سال سے ٹھوڑی کے نیچے گھنے بال بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔ لیکوریا کی وجہ سے نسوانی حسن بھی متاثر ہوا ہے۔

جواب۔ بی بی آپ نے اپنا وزن اور قد نہیں لکھا جس سے اندازہ ہو کہ آپ کی جسمانی صحت کیسی ہے، خون کی کمی کتنی ہے اور ذہنی طور پر زندگی سے کتنی مطمئن ہیں؟ گوشت، گاجر، چغندر، ٹماٹر، پالک وغیرہ زیادہ استعمال کریں اور ورزش بھی کیا کریں۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Pulsatilla 30, ovatista 30 ہر شیشی میں سے 5, 5 قطرے ½ کپ پانی میں لیں اور Ptk 60 کی ایک، ایک گولی دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

☆☆☆

ضرور کریں، ہلکی ورزش چلانا ہے۔ کم از کم ایک گھنٹا ضرور شہلیں صبح یا شام کے وقت (صبح پارک میں یا شام کو میدان میں) مثبت سوچ اپنائیں اور اپنے ذہن کو مصروف رکھیں، اچھے کاموں کی طرف۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ptk 30 اور Borax 30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھنٹ پانی میں استعمال کریں۔ ہر ہفتہ Calc 200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھنٹ پانی میں لیں اور Ptk 60 کی ایک، ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

☆.....☆.....☆

### سرکاج

محسن نظام.....لاہور

میرے سر کے بال بہت عرصے سے گر رہے ہیں جس کی وجہ سے بعض حصوں میں گج پن پیدا ہو گیا ہے جس سے میں بہت پریشان ہوں۔  
دوسرا مسئلہ دردوں کا ہے۔ میرے ہاتھ پیروں میں اکثر درد رہتا ہے۔

جواب۔ محسن، آپ نے بال گرنے کا ذکر تو کر دیا لیکن یہ نہیں لکھا کہ کب سے اور کیسے گرتے ہیں؟ نہاتے وقت، کنگا کرتے وقت یا عمومی طور پر کسی بیماری کے بعد ایسا ہوا ہے یا کسی واقعہ کے بعد۔ عمر کے ساتھ قد اور وزن بھی لکھیں تاکہ اندازہ ہو کہ آپ کتنے صحت مند ہیں۔ ہاتھ پیروں میں درد



**Dr. Willmar Schwabe Germany**

Available at All Medical & Homoeopathic Stores

شوابے سنگل ری میڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی

306 ماہنامہ پاکیزہ مارچ 2015